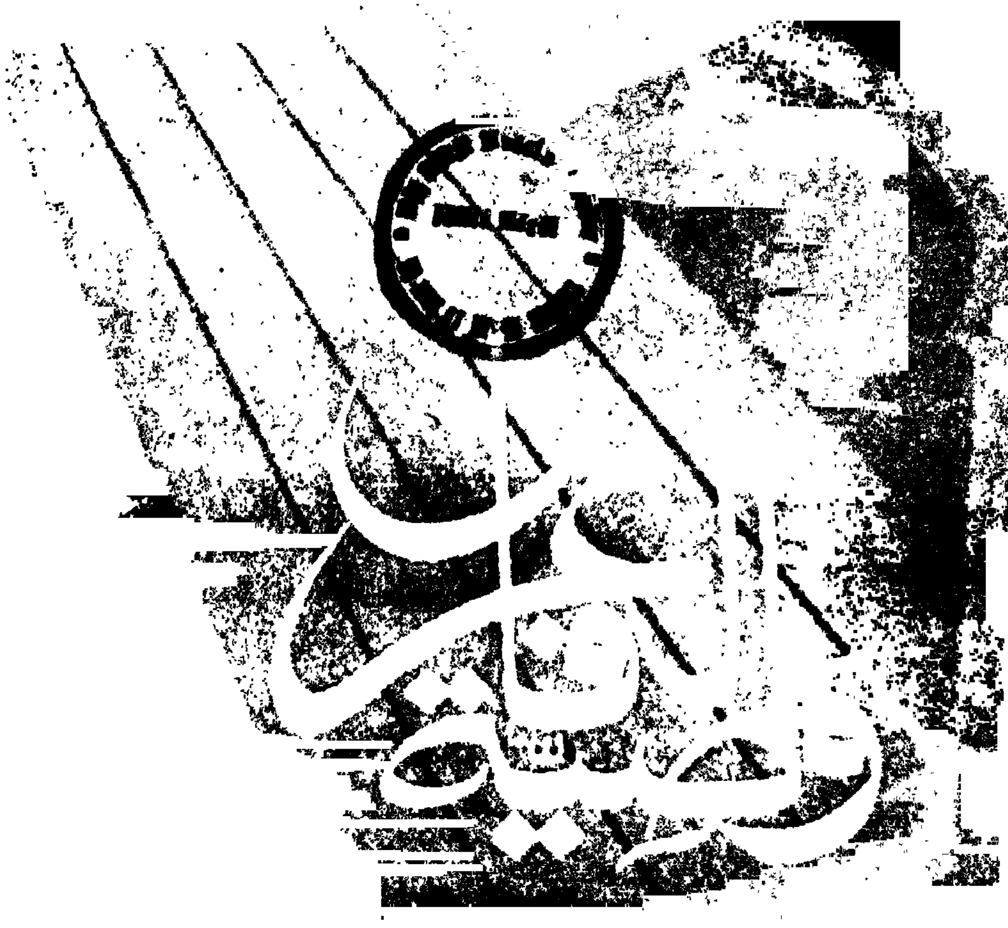
DUE DATE

Acc. No.

le Fine Ordinary books 25 p. per day, Text Book Re. 1/- per day, Over night book Re. 1/- per day.

[illegible]

اصلاحی ماہوار رسالہ



شمارہ نمبر ۱ جنوری ۱۹۹۳ء جلد ۱۰

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲ بخشی بازار الہ آباد

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱۳۔ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ مطابق جنوری ۱۹۹۳ء۔ جلد ۱۷

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ (۶)۔ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ (۶۰)۔ ششماہی پینتیس روپیہ (۳۵)

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ (۱۰۰)۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن۔ اسرار کریمی پریس۔ حسین گنج الہ آباد

ترتیب

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے ورنہ بعد میں دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

نوٹ: زرتعاون بھیجتے وقت منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اس مادّیت کے دور میں بے چینی و بے اطمینانی کی شکایت عام ہے، ہر طرح کی سہولت و آسائش میسّر ہونے کے باوجود نہ قلب کو سکون ہے اور نہ ہی روح کو اطمینان بظاہر مطمئن و پرسکون نظر آنے والا شخص اندر سے کتنا پریشان اور بے چین ہے اسکا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

آج کی دنیا تعمیر و ترقی اور ایجاد و اختراع میں اپنے عروج کو پہونچ چکی ہے۔ جدید عہد نے جدید ترقیات کے ذریعہ بیشمار اسباب راحت و سہولت سے بہرہ مند کیا اور انسان کو محنت و مشقت اور تگ و دو سے اکثر اوقات فارغ کر رکھا ہے۔ نہ اب کوہ کنی کیلئے تیشہ چاہیے نہ ہی جنگ و حرب کے لئے نیزہ۔

لیکن اسکے باوجود ساری دنیا بالخصوص ترقی پذیر ممالک باطنی اعتبار سے سب سے زیادہ ناآسودگی و بے سکونی کا شکار ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مال و زر کی فراوانی، قدم قدم پر سہولیات اور ذرائع آسانی راحت جسمانی تو پہنچا سکتے ہیں لیکن قلب کو اطمینان، روح کو سکون اور دماغ کو آسودگی نہیں بخش سکتے۔ اور اگر دل کی دنیا آباد نہیں ہے تو انجمن کا لطف بھی جاتا رہتا ہے۔ بارونق محفل بھی سونی سونی لگتی ہے۔ آخرت سے غافل رہ کر دنیا کے ساز و سامان میں سکون و اطمینان کے تلاش کرنیوالوں کا انجام دونوں جہان میں سکون سے محرومی ہے سکونِ دل عیش و عشرت کی سرمستیوں میں نہیں۔ راحت و آرام کے سامانوں میں نہیں سرور و نشاط کی محفلوں میں نہیں۔ شاہراہ اور بازاروں میں نہیں۔ تفریح اور سیاحی میں نہیں۔ بلکہ سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے اللہ کی یاد اور اطاعت سے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سن لو! خدا کی یاد سے دلوں کو راحت ملا کرتی ہے) جو دل اللہ کی یاد سے خالی ہو، جو محفل اللہ کے ذکر

سے عاری ہو اسے حقیقی مسرت و اطمینان کبھی بھی نہیں مل سکتا۔ جو اللہ کے ذکر سے غفلت اختیار کریگا اسکا مصاحب شیطان بنجائیگا اور اسکی صحبت اللہ کے ذکر اور صراط مستقیم دونوں سے دور کردے گی وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ (اور جو کوئی بھی (خدائے) رحمن کے ذکر سے اندھا بنجائے ہم اسپر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں سو وہ اسکے ساتھ رہتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی یاد سے اعراض کی اتنی سزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے کہ انسان کی صحبت خراب ہوجاتی ہے۔ اور شیاطین خواہ انسانوں سے ہوں یا جنات میں سے اسکو بھلائیوں سے دور اور برائیوں سے قریب کرتے رہتے ہیں وہ کام سارے گمراہی کے کرتا ہے مگر سمجھتا یہ ہے کہ بہت اچھا کر رہا ہے" (معارف القرآن بحوالہ بیان القرآن) سکون دل کیلئے ضروری ہے یادحق، اور یادحق کیلئے ضروری ہے صحبت صالح، خواہ یہ صحبت کسی شخص کی ہو یا کسی کتاب کی ہو، کتاب کو بہترین رفیق کہا گیا ہے مگر کتاب تنہائی کی ساتھی تو بن سکتی ہے لیکن ہر کتاب بہترین رفیق ہو ایسا نہیں ہوسکتا، کسی کتاب یا شخص کی رفاقت بہترین اسی وقت ہوسکتی ہے جب اسکی مصاحبت طاعت و انعقاد کا جذبہ پیدا کرے، عبد و معبود کے رشتہ کو استوار کرے، روحانی اضمحلال اور نقص کو دور کرے، دنیا و آخرت کے درستگی کی فکر پیدا کرے۔ اگر معاملہ برعکس ہو تو یہ رفاقت بدترین رفاقت ہے دنیا و آخرت دونوں کے لئے خسران کا باعث ہے۔

زیر مطالعہ رسالہ "وصیۃ العرفان" اس کا مقصد سنت و شریعت کی ترویج اور تبلیغ ہے۔ پاکیزگیٔ باطن و اصلاحِ نفس ہے، ایک صالح اور صحت مند معاشرہ کی تشکیل ہے، عبد و معبود کے رشتہ کو مضبوط و مستحکم کرکے ایمان و اعتماد علی اللہ پیدا کرنا ہے۔ یہ ہماری کوشش ہوتی ہے۔ اس سعی میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوتی ہے اس کا کچھ اندازہ قارئین کے خطوط سے لگایا جاسکتا ہے،

اس سلسلہ میں چند مکاتیب پیش خدمت ہیں، امید ہے کہ اس کا مطالعہ دیگر محبین و مخلصین کے لئے باعث طمانینت و مسرت ہوگا۔

ہمارے محترم بزرگ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب ادام اللہ ظلہ تحریر فرماتے ہیں :-

عزیز گرامی قدر جناب مولانا ...... صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ورفع اللہ درجاتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کئی سال ہوا یہ ناکارہ فالج ولقوہ کا شکار ہوا سال گذشتہ ۲۹ر جنوری کو بمبئی میں دوبارہ لقوہ کا حملہ ہوا۔ احباب کے مشورے سے اسپتال میں داخل ہوا وہاں سے چند روز کے بعد فروری میں وطن واپس آیا۔ یہاں پہونچنے کے بعد احباب کا مشورہ ہوا کہ بنارس میں مزید اس کا علاج ہو۔ بنارس میں ہفتہ عشرہ قیام کیا پھر گھر واپس آیا اور وہی علاج بدستور جاری ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ کچھ چل پھر لیتا ہوں اور گاہ گاہ کچھ پڑھ لیتا ہوں لکھنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے یہ اپنی مختصر حالت ہے، دعا کی درخواست ہے۔

عریضہ لکھوانے کا مقصد درخواستِ دعا بھی تھی اور دوسرے یہ کہ وصیۃ العرفان بالالتزام پڑھتا ہوں۔ ربیع الاوّل کا شمارہ سامنے ہے آپ کا پیش لفظ اور مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا مقالہ پڑھ کر محظوظ ہوا اور خواہش ہوئی کہ اس مقالہ کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تو زیادہ مفید ہو۔ اگر بآسانی آپ کر سکیں تو کر ڈالیں اور پانچ سو نسخے بہ قیمت اس ناکارہ کو بھی دیدیں۔ فقط والسلام

املاہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم
بقلم وکیل احمد عفی عنہ
مدرسہ ریاض العلوم گورینی ۲۶/۳/۱۴

محترم مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہ رقمطراز ہیں :۔

ماہنامہ وصیۃ العرفان کے بصیرت افروز مضامین دین وایمان کی حفاظت اور آج کے نت نئے طریقۂ کار اور زہریلے اثرات سے ذہن ودماغ کو بچانے کے لئے اور معاشرے میں پھیلی تمام خرابیوں کو دور کرنے کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے۔ جہالت وگمراہی لاعلمی وبے حسی کے تاریک وبھیانک دور میں مینارۂ نور ہے جس کی روشنی دور تک پھیل رہی ہے اسکے مضامین قارئین محترم کے دلوں میں زندگی کی سچی تڑپ اور بے راہ روی سے امت کو باخبر اور بھرپور درد واحساس پیدا کرکے عبد ومعبود کے رشتۂ حقیقی کو مستحکم کرنے کا ذریعہ ہیں

؎ حضرت مولانا مدظلہم کی تعمیل ارشاد میں مقالہ بنام رسول اکرم طبع کرادیا گیا۔ قیمت ۸/ روپیہ ہے۔

اور صالح زندگی کے لئے رہنما ہوتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام حوادث سے اس کی حفاظت فرمائے اور تادیر جاری وساری رکھیں (آمین ثم آمین) والسلام

عبدالجلیل عفی عنہ

جامعہ عربیہ اشرفیہ۔ نیا بھوجپور ضلع بکسر بہار

جناب مولانا محمد ذاکر رحیمی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:-

محترمی و مکرمی .... زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خیریت مزاج عالی! حضرت والد ماجد مولانا حافظ فضل رحیم صاحب دامت برکاتہم کے نام رسالہ برابر پہونچ رہا ہے جس سے ہر ماہ اکتساب فیض کا شرف اس احقر کو مل جاتا ہے چند ماہ سے ماشاء اللہ آپ کے دلربا دجاذب نظر اداریے انتہائی جاذب نظر ہوا کرتے ہیں ہر پچھلے سے اگلا اداریہ حسین شاہکار مگر اب فروری مارچ کا مشترک اداریہ تو الغفر لہ بلکہ! حسین ترین مرقع عبرت وبصیرت ثابت ہوا۔

وہ تیر وسنان کی گھن گرج والے الفاظ، وہ للکار، وہ غم وغصہ کا ملا جلا انداز، وہ جوش میں ہوش کا رنگ، وہ حقائق کا امڈتا ہوا سیلاب، وہ مدلل طرز فکر، وہ معتدل نقطۂ نظر، سبحان اللہ! سطر سطر کے ہر لفظ اور لفظ کے حرف حرف نے دماغ کو جھنجوڑ کر تو دل کو تڑپا کر رکھ دیا۔ واللہ وہ جلال فاروقی صاف جھلک رہا تھا جس کی تپش آفتاب اشرفی کی دمی الٰہی کرنوں کے ذریعہ آپ کے دل کو گرما رہی تھی۔

مبارک صد مبارک! امید کہ آئندہ بھی انشاء اللہ اسی طرح اظہار حق کے لئے ایسے گہر بار مضامین رسالہ کی زینت بنتے رہیں گے جو قائین کیلئے سرمۂ بصیرت ہوں گے۔

والسلام

محمد ذاکر رحیمی

خادم مدرسہ وصیۃ العلوم

پرنام بٹ (تملناڈو)

جناب مولوی عبدالصمد صاحب مظاہری لکھتے ہیں:-

خیریت دارم و خواہم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

گزارش یہ ہے کہ آپ کا رسالہ ہر ماہ میں ملتا رہتا ہے۔ نیز جنوری و فروری والا رسالہ بھی ملا سارے رسالے پڑھ کر دل باغ باغ ہوا اور ایمان تازہ ہوتا ہے جیسا کہ نماز سنت کے مطابق پڑھنا ابتک پیر صحیح رکھنے کا طریقہ معلوم نہ تھا مگر پڑھنے سے معلوم ہوا۔ واقعی یہ ایسا رسالہ ہے جسکی تعریف جتنا بھی کیا جائے کم ہے اور رسالے دیکھنے کی نوبت آتی ہے مگر آپ کے رسالے پڑھنے کے بعد اور رسالوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو ہمیشہ برقرار رکھیں اور ان کے جاری کرنیوالوں کو دنیا و آخرت ہر جگہ آرام و سکون سے رکھے آمین فقط والسلام، تمام احباب کو ہدیۂ سلام۔

عبد الصمد خادم مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں. ضلع جونپور یوپی

گرامی قدر محترم مولانا فضل الرحمٰن عارف صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:۔

میرے ایک عزیز ہیں جن کے نام دو سال ہوئے اپنے لئے ثواب اور رسالہ کی نصرت دین کے ابلاغ اور حضرت والا مرحوم کی روحانیت کے فیض کیلئے جاری کرایا ہے اللہ تعالیٰ میری اس معمولی خدمت کو قبول فرمائے اور میری نجات کا ذریعہ بنائے آمین۔ کاش! میری حالت اچھی ہوتی تو اور خریداروں کی صورت میں اس روحانی رسالہ کی نصرت کی کوشش کرتا!

مسلمانوں میں بہت سے صاحب خیر حضرات ہیں اللہ تعالیٰ نے انکو ہر طرح نوازا ہے کاش! ان کو توفیق ہوتی، وہ بہت سے غریب خریداروں کے نام رسالہ جاری فرما کر دین کی اور رسالہ کی نصرت فرماتے تو بہت سے اللہ کے بندوں کی زندگی بن جاتی۔ اللہ سے بندوں کا رشتہ جوڑتا اور کتنوں کی بیدینی دین سے بدل جاتی۔ اور بہت سی شمع کشتہ مرد مومن کی موج نفس سے روشن ہوجاتی، کیا یہ ثواب جاریہ کچھ کم ہے؟ اللہ کرے یہ رسالہ تا قیامت جاری رہے اور اسکے روحانی فیض سے اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ کا درجہ اللہ کے بندوں کو حاصل ہو، مبالغہ نہیں! پورے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں اپنی دس سالہ تعلیمی زندگی میں جو باتیں معلوم نہیں ہوئی تھیں دین کی جو راہیں نہیں کھلی تھیں مولائے کریم نے اس رسالہ کے ذریعہ حضرت مولانا وصی اللہؒ مرحوم کی روحانیت کے طفیل عبرت کی آنکھیں کھول دیں۔ کیسی کیسی ظلمتوں اندھیریوں میں

ٹانک ٹوئیا، کھارا تھا حضرت والا مرحوم کے روحانی فیض کے طفیل وصیۃ العرفان کے ذریعہ چشم بینا نصیب ہوئی الحمد للہ، الحمد للہ۔ کون کہتا ہے؟ اللہ والے مرجاتے ہیں اور مرنے کے بعد انکا فیض جاری نہیں رہتا! نہیں! نہیں! اللہ والے نہیں مرتے! ؎ ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق؛ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو جاری ساری رکھے اسکے روحانی فیض کو عالم میں عام فرمادے اور اسکی تیاری کرنیوالوں کو اخلاص اور للٰہیت نصیب فرماکر دونوں عالم میں سرخروئی نصیب فرمائے اور اپنی کرم فرمائیوں سے نوازے اور خاصکر حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامت کی سرپرستی اور ظل رحمت کو قائم دائم رکھے آمین۔ حضرتؒ کی تو زندگی میں فقط ایک مرتبہ زیارت ہوئی تھی۔ پورا نقشہ سامنے ہی رہتا ہے جب جب وصیۃ العرفان کا مطالعہ کرتا ہوں ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ——— حضرت والا مجلس میں تشریف فرما ہیں اور مجلس میں گنہگار بھی حاضر ہے

آپ کا بہت بڑا کرم ہوگا! حضرت قاری صاحب کی خدمت عالی میں میرا سلام پہونچائیں اور دعا کی درخواست فرمائیں! حضرت والا قاری صاحب دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اس مہینے کے مغفورین اور نجات پانیوالوں میں ہمیں، آپ کو اور پوری امت کو لکھ لے۔ امت کی پریشانی کو دور فرمائے اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

الحمد للہ! فروری، مارچ کا پرچہ ملا ماشاء اللہ! کیا روحانی مضامین ہیں خصوصاً رمضان المبارک کے لئے۔ روزانہ عصر کی نماز کے بعد مسجد میں اللہ کے بندوں کو تھوڑا تھوڑا سناتا ہوں۔ دعا فرمائیں اللہ قبول فرمائے عمر کا قافلہ ۶۲ سے آگے ہے اللہ ایمان پر استقامت اور خاتمہ ایمان پر فرمائے اور حسینی وصی نسبت کی لاج رکھ لے، آمین۔

جب سے وصیۃ العرفان معرفت حق کے نام جاری ہوا تھا تب سے خریدار ہوں اور ان شاء اللہ زندگی کی آخری سانس تک رہوں گا! والسلام خدا حافظ۔ فضل الرحمٰن محمد عارف غفرلہٗ

حضرات اکابر اور احباب کے تاثرات سے رسالہ کی جس مقبولیت کا اندازہ ہو رہا ہے یہ رب کریم کا فضل ہے اور جانشین مصلح الامۃ حضرت اقدس قاری صاحب دامت برکاتہم کے اخلاص و توجہ کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی محبت و معرفت سے سرفراز فرمادیں اور ایمان کامل و حسن عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

(مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتنوں کے اثرات اور ان کا علاج

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد اس زمانہ میں لوگوں کے حالات دیکھ دیکھ کر جی بہت دکھتا تھا اور ہر وقت ایک اندیشہ سا لگا رہتا تھا کہ نہ معلوم کب کیا ہو جائے اور لوگوں سے برابر یہی کہتا تھا کہ ہمارے حالات اچھے نہیں ہیں اگر اپنی اصلاح نہیں کی جائے گی تو آئندہ بد سے بدتر دن دیکھنے میں آئے گا اور اسکی وجہ سے آخرت کی خرابی کے علاوہ دنیا کی بھی عافیت تنگ ہو جائیگی اس قسم کی باتیں لوگوں سے اکثر و بیشتر بیان کرتا تھا لیکن طبیعت چاہتی تھی کہ ایسا کوئی مؤثر عنوان ملتا جس سے ان پر کچھ اثر پڑتا اور بات اس طرح سے سمجھا کر بیان کی جاتی کہ عام لوگوں کی سمجھ میں بھی ان کی خرابی آجاتی کیونکہ کسی بات کا سمجھنا تو مشکل ہوتا ہی ہے سمجھانا اس سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ آج قوم جو ڈوبی ہے تو اسی لئے کہ اسکے خواص ختم ہو گئے عوام تو خیر مریض ہیں ہی ان کے علاج کرنے والے بھی مریض ہو گئے ورنہ ایسا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہمارے پاس موجود ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور آپ کا طریقۂ اصلاح امت اور لوگ اسکو بیان بھی کرتے ہوں پھر بھی امت سے گمراہی دور نہ ہو یہ بات عقل میں نہیں آتی۔

اصلاح کا طریقہ | بہرحال جب علماء نے امت کی اصلاح کے لئے خدا اور رسول کا بتلایا ہوا طریقہ اختیار کیا تھا تو امت نے بھی ان کی اصلاح قبول کی تھی اور جب سے اس طریقے کو چھوڑ دیا گیا اصلاح بھی ہم سے رخصت ہو گئی اور وہ طریقہ یہی تھا کہ عمل سے پہلے ان میں ایمان پیدا کیا جائے۔ دین کی وقعت اور قرآن کی عظمت سے ان کے قلوب کو بھر دیا جائے اور اس کے لئے ضرورت تھی کہ ان کا صحیح حال انکے پیش نظر کر دیا جائے کہ دیکھو تم ان حالات میں مبتلا ہو اور جس دور سے گذر رہے ہو وہ درحقیقت فتنۂ عظیمہ (زبردست فتنہ) ہے اور تم مفتون ہو (مبتلائے فتنہ) اور اس سے پناہ مانگی گئی ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَھَرَ

مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تمام فتنوں سے جو ظاہر ہیں ان میں سے اور جو باطنی ہیں) پس جس طرح مثلاً کہیں سیلاب آجائے یا قحط پڑ جائے یا کسی بستی میں ٹڈی دل نکل آئے یا اولے پڑ گئے یہ سب فتنے ساوی ہیں لوگ ان کے انسداد اور روک تھام سے عاجز اور بے بس ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے انسانوں پر علاوہ ان کے ایک اور طرح کا فتنہ بھی آتا ہے جس کی لپیٹ میں عوام وخواص سبھی آجاتے ہیں اور اس وقت اس سے نکلنا اور نکالنا ایک دشوار گذار امر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس سے نکالے تو نکلیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ایک سرخی، الفتن کے عنوان سے نظر سے گذری بس میں پھڑک گیا کہ جس کو تلاش کرتا تھا وہ مل گیا اور یہ مصرع پڑھنے لگا۔ ع اب ڈھونڈیں گے ہر گز پتہ مل گیا

وہ پتہ یہ چلا کہ ہم مختلف قسم کے فتنوں میں مبتلا ہیں اور اس طریقہ سے اس سے بچ سکتے ہیں۔

نفس کا فساد اور قلب کی قساوت حضرت شاہ صاحبؒ نے الفتن کے عنوان کے تحت اُن تمام فتنوں کو شمار کرایا ہے جن میں لوگ مبتلا ہوتے ہیں چنانچہ سب سے پہلا فتنہ جو تمام دیگر فتنوں کی اصل اور ان کا منشاء بنتا ہے وہ انسان کا خود اس کے نفس میں فتنہ ہے یہ فتنہ ذاتی ہے اور ذاتی ہونے کی وجہ سے دیگر فتنوں سے مقدم ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اسکی تعریف یہ فرمائی ہے کہ اَنْ یَّقْسُوَ قَلْبُهٗ وَلَا یَجِدُ حَلَاوَةَ الطَّاعَةِ وَلَا لَذَّةَ الْمُنَاجَاةِ یعنی "انسان کا ذاتی فتنہ یہ ہے کہ اس کا قلب قاسی (سخت) ہو جائے جس کی وجہ سے وہ طاعت کی حلاوت اور مناجات کی لذت نہ پائے" پس یا تو طاعت ہی نہ کرے اور مناجات ہی ترک کر دے یا کرے مگر اسکی لذت سے محروم رہے۔ روایت میں ہے کہ کثرتِ کلام بغیر ذکر اللہ قسوتِ قلب (دل کی سختی) کا مورث اور سبب ہے اور سب سے زیادہ بعید اللہ سے قلب قاسی ہے جب یہ شخص اللہ سے بعید ہے تو اللہ تعالیٰ کے حقوق فوت (ضائع) کرے، طاعات نہ کرے، معاصی میں مبتلا ہو، اوامر ونواہی کا لحاظ نہ کرے کیا بعید ہے جب یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق فوت کر سکتا ہے تو مخلوق کے حقوق بھی تلف (برباد) کر سکتا ہے۔ جب یہ

خدا کا نہیں ہے تو کس کا ہوسکتا ہے قسوت قلب کے لئے لازم ہے حقوق کی تفویت (ضائع کرنا)
اور یہ قسوت قلب کا ثمرہ ہے صرف یہی نہیں ہے کہ احکام الٰہیہ جو متعلق نماز و روزہ کے ہیں
بجا نہ لائے بلکہ جب اعلیٰ کو بجا نہ لائے گا تو ادنیٰ بھی اس سے نہ ہوسکے گا۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اگر دین اور دیندار نظر میں اچھے نظر آئیں تو قساوت قلب فرو[۱]
منفی ہے اس کا فائدہ اس کو ضرور پہونچے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اسلئے کہ یہ دین اور اہل دین
کو مستحسن (اچھا) سمجھتا ہے جو اسکے ایمان کی دلیل ہے۔ اس سے اس کا مؤمن ہونا تو ثابت ہو ہی گیا۔
رہی اسکی بے عملی تو یہ فسق ہے اور فاسق بھی مومن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے ایمان کی وجہ سے
اسکی مغفرت فرمادینگے اور عام طور سے دیکھا ہی جاتا ہے کہ جب قلب میں ایمان ہوتا ہے تو
دیر سویر عمل کی بھی توفیق ہو ہی جاتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ دین کو اور دینداروں کو اچھا
سمجھتے ہیں ان کے متعلق یہ توقع ہوتی ہے کہ دین کے کام پر بھی لگ جائینگے۔ برخلاف اسکے
جن کو دین اور اہل دین ہی سے کد ہوتی ہے ان کا معاملہ خطرناک ہوجاتا ہے اور قاسی (سخت دل)
القلب کے یہی لوگ مصداق کہے جاسکتے ہیں جس کے بارہ میں یہاں بعید من اللہ کہا گیا ہے

بے اعتدالی کے نتائج | شاہ صاحبؒ اسی سلسلہ میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان تین شعبوں
سے مرکب ہے۔ ایک قلب یہ مبدأ[۲] ہے خوف و محبت، قبض و بسط، غضب و جرأۃ و حیاء
وغیرہ کا قلب ان اشیاء کے پیدا کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ دوسرے عقل یہ مبدأ
ہے علوم و معارف کا یہ علوم کیلئے بنائی گئی ہے۔ تیسرے طبیعت یہ مبدأ ہے تمام حوائج (انسانی ضروریات)
بشریہ کا یہ اکتساب[۳] کرتی ہے حوائج بشریہ کا۔ ان تینوں شعبوں کی تکمیل سے انسان کی تکمیل
ہوتی ہے اور ان میں نقصان سے انسان میں نقصان آجاتا ہے جس طرح قلب سے انسان
کا کمال ہے کہ فرشتہ سے بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح عقل سے بھی اس کا کمال ہے۔ انسان
اور بہائم میں امتیاز عقل ہی سے ہے۔ اسی طرح طبیعت کے تقاضوں میں عقل سے کام
نہ لیا جائے تو یہی بہائم کے ساتھ ملحق[۴] ہوجاتا ہے عقل کا یہی کام ہے کہ طبیعت کو حد پر
رکھے، حد سے بڑھنے نہ دے۔ اسی طرح یہ سمجھئے کہ ایک انسان ہے اور ایک شیطان۔ اور ایک بہائم

۱؎ نہیں ہے۔ ۲؎ پیدا ہونے کی جگہ۔ ۳؎ حاصل کرنا۔ ۴؎ مل جاتا۔

انسان جب اپنے حدود مقررہ پر رہے تو انسان ہے اور اگر شیطانی اغوار[1] کو بیداری میں یا خواب میں قبول کرے تو شیطان الانس ہے جس طرح یہ عقل کے موافق حقوق طبیعت پر نہ رہے تو بہائم ہے۔ یہ ایک موٹی بات ہے مگر زمانہ کے تغیرات نے اس پر پردہ ڈال دیا ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک بات بہت عجیب وغریب بیان فرمائی کہ اغوار شیطانی کی کبھی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ دل میں ایسے خیالات ڈالتا ہے جس سے ایسی باتوں کا آدمی ارتکاب[2] کرنے لگتا ہے جو کہ اس نظام عمدہ فاضل کی جو پہلے سے معمول بہا اور قائم رہتا ہے تخریب اور اس کے درہم برہم کرنے کے متعلق ہوتی ہیں جیسا کہ آج کل مشاہدہ میں آرہا ہے۔ اور اسکی وجہ سے انسان اس امر کا مصداق ہوجاتا ہے جس کی اس آیت میں ممانعت آئی ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا یعنی اس عورت جیسے نہ ہو جس نے کہ اپنا سوت مضبوط بٹنے کے بعد ادھیڑ ڈالا اور کسی نظام کے فاسد کرنے کا حال یہ ہے کہ اس کے لئے ایک شخص بھی کافی ہے اور اگر دو چار یا دس بیس یا اس سے بھی زائد لوگ اس پر آمادہ ہو جائیں کہ ہم کسی نظام کو فاسد کرکے دم لیں گے تو اس کا فساد دوہرا ہے۔ یا ان کی وجہ سے انسان کو عقائد حقہ[3] کے متعلق شک میں ڈالتا ہے یا کبھی کبھی انسان سے ایسے منکر (برے) امور کا ارتکاب کراتا ہے جن سے نفوس سلیمہ کو گھن آتی ہے۔

نفس کی حالت | پھر یہ سمجھئے کہ طبیعت انسانی اگر اپنے مرتبہ سے گر کر خصال بہیمیت پر اتر آئے تو اس وقت اس کا نام نفس امارہ ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ (اور میں اپنے نفس کو بھی بری نہیں بتلاتا بیشک نفس تو بری ہی بات کا بتلانے والا ہے) اور اگر اس میں نہ تو پوری بہیمیت ہو اور نہ کامل ملکیت بلکہ معاملہ بین بین (درمیان درمیان) کا ہو۔ یعنی کچھ ملکیت ہو اور کچھ بہیمیت جس کی وجہ سے بعض اعمال اس سے اچھے صادر ہوتے ہوں اور بعضے برے۔ اسوقت اس نفس کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں نفس

---

[1] بہکانا۔ [2] کر گذرنا۔ [3] صحیح عقیدے۔

ملامت گر کی) یہ لوگ بہیمیت اور ملکیت کے بین بین ہوتے ہیں یعنی دو رُخے ہوتے ہیں اب اس سے نکلنے کی صورت صرف یہ ہے کہ ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ یا کسی شیخ کامل کی صحبت اختیار کرکے اپنا رُخ ایک جانب کرلے اسی سے اس مرتبہ سے نکل سکتے ہیں، ورنہ ایسے تو لوگ ساری ساری عمر اسی درجہ میں رہ جاتے ہیں۔ اور اگر یہی نفس شرع کی پابندی اختیار کرے یعنی اس سے سرکشی و بغاوت نہ کرے اور اس میں داعیہ اتباع شریعت کا پیدا ہوجائے تو اس وقت یہ نفس (نفس مطمئنہ) کہلائیگا جس کا ذکر آیت يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار کی طرف چل خوش ہوتی ہوئی اور خوش کرتی ہوئی) میں آیا ہے اور جس کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالےٰ سے کیا ہے اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَاءِكَ وَتَرْضىٰ بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ (اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ایسا نفس جو تجھ سے اطمینان رکھے، جو تیرے ملنے کا یقین رکھے، جو تیرے حکم پر راضی رہے۔ جو تیرے عطیہ پر قناعت رکھے)

انسان کے ان تینوں شعبوں کا یعنی قلب و عقل اور طبیعت کا بیان فرماکر آگے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک لطائف انسان کی معرفت میں یہی تفصیل ہے

فسادِ منزل | یہاں تک تو گفتگو اس فتنے سے متعلق تھی جو ذاتی ہوتا ہے یعنی خود انسان کے نفس سے اس کا تعلق ہوتا ہے۔ اور کبھی انسان کا فتنہ اسکے اہل میں ہوتا ہے یہ ذاتی نہیں عارضی ہے مگر لازم ہے اسلئے انسان سے جدا نہیں ہوتا جب کہ اپنی اصلاح جو تو یہ فتنہ مبدل باصلاح ہوسکتا ہے یعنی ان لوگوں کے باہمی تعلقات خراب ہوتے ہیں جو ایک گھر۔ ایک منزل اور ایک ادارے میں قیام پذیر ہوتے ہیں اس کا دوسرا نام تدبیر[1] منزل کا فساد ہے اسی کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اسکے پاس چھوٹے چھوٹے شیاطین جو روئے زمین میں بہکانے کے لئے منتشر رہتے ہیں جمع ہوتے ہیں اور ہر ایک اپنی کارگذاری

---

[1] نظم خانگی۔

سنا تا ہے کہ میں نے فلاں کام کیا میں نے فلاں کام کیا۔ ابلیس اسکی جانب کچھ التفات نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک شیطان آکر یہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص اور اسکی بیوی میں تفریق کرادی۔ اسے سنکر ابلیس خوش ہوتا ہے اور اسکو اپنے قریب بٹھاتا ہے اور کہتا ہے کہ شاباش یہ کام کرنے کا تھا جو تو نے کیا۔ یہ تو فساد تدبیر منزل کی ایک جزئی مثال ہے اس میں وہ تمام معاملات داخل ہیں جو ایسے دو شخصوں میں پیش آئیں جو کسی منزل میں مشترک ہوں مثلاً باپ بیٹے۔ ماں بیٹی۔ بھائی بھائی۔ دو دوست دوست۔ استاد شاگرد۔ پیر مرید۔ آقا غلام۔ ان سب لوگوں میں باہم ایک کے دوسرے پر جو حقوق ہیں ان کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے جو بھی فساد ہوگا وہ تدبیر منزل ہی کا فساد کہلائے گا اور اسکی روشنی میں آپ غور کیجئے گا تو ساری دنیا میں فساد ہی فساد دیکھئے گا اسلئے کہ کوئی گھرانہ اسوقت تمام دنیا میں شاید ہی ایسا ہو کہ جس کے متعلق کہا جا سکے کہ اسکو تدبیر منزل کی صلاح حاصل ہے۔

فساد مدینہ اسی طرح کبھی انسان ایسے فتنوں سے بھی دوچار ہوجاتا ہے جو مانند دریا کی موجوں کے جوش مارنے والے ہوتے ہیں یعنی ان میں ایک شورش اور ابتلاء عام ہوتا ہے اور اسکی مثال یہ لکھی ہے کہ نااہل لوگ خلافت[1] کی رغبت کرنے لگیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اسی کی جانب اشارہ ہے وہ یہ کہ فرمایا کہ شیطان جزیرۂ عرب میں نماز پڑھنے والوں (یعنی مسلمانوں) سے یہ توقع تو کھو بیٹھا ہے کہ وہ لوگ اسکی عبادت کرینگے لیکن اتنا وہ اب بھی سمجھتا ہے کہ ان میں باہم اختلاف ڈال کر ایک جماعت کو دوسرے کے خلاف ابھارا جا سکتا ہے۔ یہ فتنہ تدبیر مدینہ[2] کا فساد کہلاتا ہے اور یہ بھی ابلیس ہی کا فتنہ ہے اور جو لوگ اس میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم اس امر میں ابلیس کے آلۂ کار ہیں اسلئے ابلیس کا مقصود مدینہ کے نظام کا درہم برہم کرنا ہوتا ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ ان تینوں میں اصل فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي نَفْسِهٖ (خود آدمی کا اندرونی اور ذاتی فتنہ) ہے۔ اس لئے کہ جس طرح ایک انسان اپنے نفس کی برائیوں کی وجہ سے مفتون ہوجاتا ہے تو اسی

---

[1] امارت وحکومت۔ [2] شہر کا نظم ونسق

طرح کے چند انسان اگر کسی منزل میں جمع ہو جائیں تو اسکے فاسد ہونے میں کیا شبہ ہے اسکا منشار بھی اس میں رہنے بسنے والوں کے نفوس ہی کا فساد ہوتا ہے اور اگر اس قسم کے بہت سے مفسد لوگ کسی شہر میں جمع ہو جائیں تو وہ بھی فاسد ہو جائے گا اور اس کا منشار بھی اس شہر کے باشندوں کے نفوس ہی کا فساد ہے۔

فسادِ ملی اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے ایک چوتھا فتنہ فتنۂ ملیہ[1] بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوارین (صحابۂ کرام) تو دنیا سے رخصت ہو جائیں اور ان کے بعد امرِ دین وہ نیا نا اہل کے سپرد ہو جائے۔ پس علمار و مشائخ تو تعمق میں پڑ جائیں یعنی دین کی موٹی موٹی اور ضروری باتوں کے بیان کرنے کے بجائے باریک باریک اور گہری گہری باتوں کو بیان کرکے خود بھی مفتون ہوں اور عوام کو بھی فتنہ میں ڈال دیں۔ اور سلاطین اور عوام الناس دین میں سست ہو جائیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بساط ہی تہ کر دی جائے جس کی وجہ سے ہر طرف جہالت کا دور دورہ ہو جائے اور جاہلیت کا زمانہ لوٹ آئے یہی وقت ہے جس کا شاہ صاحبؒ نے ذکر فرمایا ہے۔

اسی مضمون کو امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیار العلوم میں نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔ کتاب الامر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تحریر فرماتے ہیں کہ

فان الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ھو القطب الاعظم فی الدین وھو المھم الذی ابتعث اللّٰہ لہ النبیین اجمعین ولو طوی بساطہ واھمل علمہ وعملہ لتعطلت النبوۃ واضمحلت الدیانۃ وعمت الفترۃ وفشت الضلالۃ وشاعت الجھالۃ واستشری الفساد واتسع الخرق وخربت البلاد وھلک	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ دین کا گویا قطبِ اعظم[2] ہے۔ اور ایسی مہتم بالشان چیز ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیار علیہم السلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ چنانچہ اگر اس کا بستر تہ کر دیا جائے اور اسکا علم و عمل ختم کر دیا جائے تو گویا نبوت ہی معطل ہو جائیگی اور دیانت ماند پڑ جائے گی۔ شکستگی عام ہو جائیگی ضلالت فاش ہو جائے گی۔ جہالت شائع ہو جائیگی۔ فساد سرایت کر جائے گا۔ پھٹن وسیع ہو جائے گی۔ بلاد خراب ہو جائینگے عباد ہلاک ہو جائینگے۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں

---

[1] قومی فتنہ جس سے پوری قوم متاثر ہو۔ [2] مدارِ کار اور افضل ترین چیز۔

العباد وان لم يشعروا بالهلاك الا يوم التناد وقد كان الذي خفنا ان يكون انا لله وانا اليه راجعون اذ قد اندرس من هذا القطب علمه وعمله وانمحى بالكلية حقيقته ورسمه واستولت على القلوب مداهنة الخلق وانمحت عنها مراقبة الخالق واسترسل الناس في اتباع الهوى والشهوات استرسال البهائم وعز على بساط الارض مومن صادق لا تاخذه في الله لومة لائم فمن سعى في تلافي هذه الفترة وسد هذه الثلمة اما متكفلا بعملها او متقلدا لتنفيذها مجددا لهذه السنة الداثرة ناهضا باعبائها متشمرا في احيائها كان مستأثرا من بين الخلق باحياء سنة ادى الزمان الى اماتتها.

(احیاء العلوم ص۳۵۹ ج۲)

کو اپنی اس تباہی کا احساس اس دنیا میں نہ ہو۔ بلکہ آخرت ہی میں چل کر ہو۔ اور ہم کو جس امر کا اندیشہ تھا وہ واقع ہو کر رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔۔۔ اس لئے کہ دیکھا جا رہا ہے کہ آج اس قطب کا نہ صرف عمل بلکہ علم بھی رخصت ہو گیا اور اسکی حقیقت کیا رسم تک بالکل مٹ کر رہ گئی ۔ لوگوں کے قلوب پر مخلوق کی مداہنت غالب آگئی اور چھا گئی ہے اور خالق کا مراقبہ قلوب سے مٹ چکا ہے۔ لوگ اتباع ہویٰ اور شہوات میں اس طرح سے چھوٹ کر پڑ گئے ہیں جیسے جانور (کھونٹے سے کھل کر کھیت میں پڑ جاتے ہیں) اور پورے روئے زمین میں ایسے مومن صادق کا وجود نادر ہو گیا ہے جسکو کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کی پرواہ نہ ہو ۔ اب جو شخص کہ اس پھٹن کو درست کریگا اور اس سوراخ کو بند کریگا یا تو خود اسپر عمل کر کے یا دوسروں پر اسکے نافذ کرنے کا بیڑا اٹھا کر کے تو وہ اس مٹی ہوئی گویا مری ہوئی سنت کے حق میں تو مجدد ہی ہوا کیونکہ اسکے احیاء کیلئے کمر بستہ ہے اور اس احیاء سنت کا بار وہ اپنے کاندھوں پر اٹھانے کیلئے تیار ہے اور تمام امت کے مابین اس سنت کے احیاء کیلئے یہی منتخب کر لیا گیا ہے زمانہ جس کے اماتت (مٹانے) کے درپے ہے۔

(جاری)

توبہ کا طریق پھر اس داخل ہونے کا نتیجہ کیا مرتب ہوگا۔ فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّئَاتِہِمْ حَسَنَاتٍ (یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سیئات کو حسنات سے بدل دیتے ہیں) لیکن مَنْ تَابَ (تائبین) میں جب شامل ہوگے جب کہ توبہ بھی طریقہ سے کروگے کیونکہ ہر گناہ سے توبہ کرنیکا جدا طریقہ ہے۔ مثلاً اگر نماز نہیں پڑھی تو توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ پچھلی نماز قضا کرو اور آگے کو ادا کرتے رہو اگر حج نہیں کیا تو اب کرلو اور پچھلے گناہ سے توبہ کرلو۔ کسی کے مال کا نقصان کیا ہے تو مالک کو ادا کرو یا واپس کرو یا معاف کراؤ۔ اور آئندہ کو برابر حق ادا کرتے رہو آئندہ کسی کا حق ضائع نہ کرو۔ اگر غیبت کی ہو معاف کراؤ۔ اگر وہ شخص جس کی غیبت کی تھی مرگیا ہو یا اس سے ملنے کی امید نہ ہو تو یہ بھی طریقہ ہے کہ اس کے لئے ہمیشہ دعاء مغفرت کرتے رہو۔ اس سے بھی غیبت کا گناہ معاف ہوجاتا ہے۔ قیامت میں خدا تعالیٰ اس سے معاف کرادے گا۔

بہرحال ہر گناہ سے توبہ کرنے کا طریقہ جو معین ہے شریعت والوں سے پوچھ کر عمل کرو اور اُس طریقہ کو استعمال کرو توبہ میں خاصیت ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا گنہ گار ہو کسی نے کتنے ہی زیادہ گناہ کئے ہوں حق تعالیٰ اپنے رحم وکرم سے سب معاف فرمادیتے ہیں۔ تو غرض مَنْ تَابَ کے تعلق سے یہ مضمون بھی ضروری تھا اور یہ میں اوپر بیان کرچکا ہوں کہ توبہ عن الشرک[1] کا نام ہے ایمان۔ غرض توبہ ہی میں یہ بھی داخل ہے۔ ایمان بھی توبہ ہی کا ایک فرد ہے۔

نیک اعمال کی تاکید آگے عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا ہے یعنی توبہ کے بعد بے فکر نہ ہوجائے بلکہ "آئندہ بھی نیک عمل کرتا رہے" اور یہ میں بیان کرہی چکا ہوں کہ توبہ کے مفہوم میں دو چیزیں ہیں۔ ایک وہ اعمال جن کے کرنے کا حکم ہے ان کو پابندی سے ادا کرتا رہے اور جن سے ممانعت ہے ان کا گویا اہتمام کے ساتھ تارک رہے۔ یہ دونوں عَمَلًا صَالِحًا میں داخل ہیں۔ اور یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ فعل ترک کو کیسے شامل ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ ظاہر میں گناہوں کا چھوڑنا مفہوم عدمی معلوم ہوتا ہے مگر در اصل مفہوم وجودی ہے اسکا معنون وجودی ہے گو عنوان عدمی ہے اس کے سمجھنے کے واسطے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے

---

[1] شرک سے توبہ

یوں سمجھئے۔ اس سے بھی آسان تقریر کرتا ہوں۔ انسان جو مکلف کیا گیا ہے تو اعمال اختیاریہ کا مکلف کیا گیا ہے۔ جب یہ سمجھ میں آگیا تو اب یہ سمجھئے کہ مثلاً ہم جو اسوقت کھڑے ہیں تو نہ چوری کر رہے ہیں نہ شراب پی رہے ہیں نہ کسی کو بُری نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ غرض سینکڑوں گناہ ہیں جن کو ہم اسوقت چھوڑے ہوئے ہیں ایک تو ترک یہ ہے یہ تو ایسا ہے کہ اس ترک کی طرف ہمارا التفات بھی نہیں ہوتا اس کو ترک نہیں کہتے اسواسطے کہ جس ترک کا انسان مکلف بنایا گیا ہے وہ، وہ ترک ہے جو اپنے اختیار او۔ قصد سے ہو اور اختیار اور قصد کا مسبوق بالعلم ہونا ضروری ہے اور یہ ترک مسبوق بالعلم نہیں۔ لہذا یہ وہ ترک ہی نہیں جس کا انسان مکلف بنایا گیا ہے اور یہ ترک مفہوم عدمی ہے جب انسان اس کا مکلف نہیں تو اس ترک کا حکم بھی نہیں۔ ایک ترک تو یہ ہے۔ اور ایک ترک یہ ہے کہ یا تو کوئی فی الحال داعیہ ہو مثلاً کوئی عورت چلی جا رہی ہے جی چاہا کہ لاؤ اسے دیکھیں پھر نگاہ کو روک لیا۔ یہ ہے ترک وجودی اسکے لئے ضرورت ہے علم اور قصد کی مثلاً شراب پینے کا قصد تو نہیں لیکن ساتھ ہی یہ خیال ہے کہ کبھی نہیں پئیں گے انشاء اللہ۔ یہ ترک وجودی ہے عدمی نہیں اور اجر اسی پر ملتا ہے ورنہ اگر ترکِ عدمی پر بھی اجر ملتا تو یہ لازم آتا کہ ہر لمحہ میں کروڑوں طاعتوں کا اجر مل رہا ہے مثلاً اسوقت ہم ہزاروں گناہوں کو نہیں کر رہے ہیں۔ فرض کرو نامحرم پر نظر کرنا ہی ہے ہم اسوقت کسی نامحرم پر نظر نہیں کر رہے ہیں اب نامحرم ہیں لاکھوں۔ نہ ہم زینب کو دیکھ رہے ہیں نہ ہندہ کو دیکھ رہے ہیں نہ خالدہ کو دیکھ رہے ہیں نہ اور کسی کو دیکھ رہے ہیں۔ غرض دنیا میں جتنی نامحرم عورتیں ہیں ان میں سے ہم اس وقت کسی کو بھی نہیں دیکھ رہے ہیں تو چاہئے کہ دنیا بھر کی نامحرم عورتوں پر نظر نہ کرنے کا ہمیں ثواب ملے بلکہ اور جتنی مر چکی ہیں اور جو آئندہ پیدا ہوں اُن سب پر نظر نہ کرنے کا ثواب بھی ملے تو حضرت آدم سے لیکر نفخِ صور تک جتنی نامحرم عورتیں ہوں ان سب پر نظر نہ کرنے کا ثواب گویا ہمیں ہر لمحہ مل رہا ہے۔ اس سے تو یہ لازم آیا کہ ہر شخص کے نامۂ اعمال میں گناہوں سے نیکیوں کا شمار زیادہ ہو اس کا تو

ئی بھی قائل نہیں ہوسکتا کیونکہ قاعدہ ہے کہ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ
عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ (پھر جس شخص کا پلّہ
نیکیوں کا) بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا۔ اور جس شخص کا پلّہ ہلکا ہوگا اس
کا ٹھکانا ہاویہ (دہکتی ہوئی آگ) ہوگا) اگر یہ بات ہو تو ہر شخص کی طاعات کا پلّہ ہمیشہ
معاصی سے بڑھا رہے۔ اگر کوئی نماز کبھی نہ پڑھے تب بھی چاہیئے کہ معذب نہ ہو حالانکہ یہ
نص کے خلاف ہے۔ علماء نے تو تصریح ہی کردی ہے کہ ترک وہی باجو رعلیہ ہے جو وجودی
ہو۔ تو عَمِلَ صَالِحًا میں یہ تروک بھی شامل ہیں (باعث ثواب) تو خلاصہ توبہ کا یہ ہوا کہ جن اعمال کا
حکم ہے ان کو کرنا اور جنکی ممانعت ہے ان کو ترک کرنا۔ خلاصہ ارشاد کا یہ ہے کہ فقط توبہ پر
اکتفا نہ کرے بلکہ آئندہ کیلئے بھی اصلاح اعمال کرے یعنی گناہوں کو بھی چھوڑے اور اعمال
کی پابندی بھی کرے۔

ایمان اور عمل صالح کی خاصیت | اب اسکے واسطے ضرورت ہوگی علم حاصل کرنیکی کسی سے پوچھکر یا پڑھکر
جب اس طریق سے توبہ کرچکا تو اب گویا خدا کے رستہ پر پڑا ہے۔ اب اسکے متعلق اس کو
کچھ احوال پیش آئیں گے۔ ان کے متعلق میں ایک مضمون بیان کرتا ہوں گو وہ مختصر ہی ہوگا مگر
انشاء اللہ کافی ہوگا اور بہت نافع۔ وہ یہ ہے کہ میں اب خاصیت بیان کرتا ہوں کہ ایمان
و عمل صالح میں خاصیت کیا ہے اس خاصیت کی بابت فرماتے ہیں فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ
سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں۔" یہ ہے
ترجمہ یعنی ان کے اندر جو برائیاں یعنی بری باتیں ہیں ان کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں یہ خاصیت
بیان کی ہے حق تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کی۔ البتہ اس خاصیت کا قوت وضعف تابع
ہوگا ایمان و عمل صالح کی قوت وضعف کے۔ نیز یہ خاصیت فی نفسہٖ ہے یہ ممکن ہے کہ
کسی عارض ظاہری یا باطنی کے سبب اس کا ظہور نہ ہو۔ اب اسکی تھوڑی سی تفصیل میں عرض
کرنا چاہتا ہوں کہ کیا صورت تبدیل کی ہوتی ہے تو محققین اور اہل تجربہ کے ارشاد سے اور
اپنے متعلقین کو جو مختلف احوال پیش آتے رہتے ہیں یعنی جن کی تربیت باطن میرے متعلق ہے
وہ جو اپنے احوال و کیفیات بیان کرتے رہتے ہیں ان سب احوال و مقالات سے اخذ کرکے جو تفصیل

مجھے معلوم ہوئی ہے اسکو میں نقل کرتا ہوں۔ حاصل اس تفصیل کا یہ ہے کہ جو خدا کے رستہ میں چلنا شروع کرتا ہے اسکے درمیان میں دو تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ ایک اوّل ہوتی ہے ایک بعد میں ہوتی ہے۔ یعنی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ سب سے اوّل تو تبدیلی یہ ہوتی ہے کہ حق تعالےٰ ملکاتؔ کو بدل دیتے ہیں جس سے اعانت ہوتی ہے طاعت کے دوام و استقامت پر اور معاصی سے اجتناب پر۔ اسکے لئے ایک مقدمہ عرض کرتا ہوں جس سے اس تبدیل کی حقیقت سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ افعال تابع ہوتے ہیں ملکات کے اور یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ بغیر داعیہ کے عادۃً استمرار اعمال کا متعذر ہے۔ اور داعیہ ہی ہے وہ ملکہ جو اندر سے تقاضا کرتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ فعل سہولت سے صادر ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ملکات متبوع ہیں اور اعمال ان کے تابع ہیں۔ جب یہ سمجھ میں آگیا تو اب یہ سمجھئے کہ حق تعالےٰ کیا کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا پرورش فرماتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں مجھے اسوقت یہ آیت یاد آگئی اِتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ "(اے ایمان والو!) اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات (سچی اور جچی تلی) کہو اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال کی اصلاح فرما دے گا"۔

ظاہراً اصلاحِ اعمال فعل ہے بندہ کا۔ تو یہاں سوال ہوتا ہے کہ اسکو حق تعالیٰ نے اپنی طرف جو منسوب فرمایا اس سے تو متوہم ہوتا ہے کہ آپ ہی آپ اصلاح ہو جائے گی یعنی اللہ تعالیٰ خود ہی مثلاً نماز پڑھوا دیں گے کہیں ایسا ہوا بھی ہے۔ پھر یُصْلِحْ لَکُمْ (تمھارے اعمال سنوار دے گا) کے کیا معنیٰ۔ اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اسناد اس اعتبار سے ہے کہ وہ اصلاح کا سامان پہلے مہیا کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ مستلزم ہوتا ہے ترتبِ اصلاح کو کیونکہ جب ملکات درست ہوگئے تو معاصی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے دشواری نہیں رہتی اس معنیٰ کر وہ اصلاح حق تعالیٰ کی طرف بھی منسوب ہے اور بندہ کی طرف بھی۔ تو مدد ہوتی ہے حق تعالیٰ کی طرف سے کہ ملکات کو بدل دیتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ بدون ملکات کے درست ہوئے انسان سے کچھ نہیں ہو سکتا جب تک ملکات درست نہ ہوں بہت کم توقع ہے

ؔ عادات وصفات

افعال شنیعہ کا صدور نہ ہو اور یہ تبدیل کا قصہ طویل الذیل اور وسیع ہے یعنی اسکے تحقق اور ظہور کا سلسلہ آخرت تک جاری رہتا ہے یہاں بھی تبدّل ہوتا ہے مختلف حالتوں میں وہاں بھی۔ یہ ایسا جامع وعدہ ہے۔ سبحان اللہ! سالکین ہر قدم پر اس کا تحقق دیکھتے ہیں اور واقعی حق تعالیٰ کے وعدہ کی ایسی ہی شان ہونی چاہیئے۔ خود فرما رہے ہیں فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (تو ان کے لئے اسقدر ثواب ہے کہ کبھی منقطع نہ ہوگا) قطع نظر آخرت کے میں دیکھتا ہوں کہ دنیا ہی میں یہ تبدّل شروع ہو جاتا ہے یہیں سے استمرار اور ثبات اور دوام سب کی توفیق ہوتی ہے اور اس تبدیل کا انقطاع ہی نہیں جو تبدیل ہوتی ہے ہوتی ہی چلی جاتی ہے چونکہ یہ تبدیل سالکین کو پیش آتی ہے اسلئے ان کو متنبہ کر دینا ضروری معلوم ہوا تاکہ انکو اسکی بصیرت ہو کہ کتنی بڑی دولت ہم کو حاصل ہوئی ہے۔ اس نے اپنا کام کیا تھا یعنی اعمال صالحہ شروع کئے تھے۔ اور مطلوب ہے اعمالِ صالحہ کا دوام۔ اس دوام میں وہ خود اس طرح مدد فرماتے ہیں کہ اسکے اندر جو ملکات تھے سیئہ ان کو بدل کر ملکات[1] حسنہ کر دیتے ہیں مثلاً پہلے بخل غالب تھا اب سخاوت غالب ہوگئی۔ یہیں سے عاقل سمجھ جائے گا کہ ملکاتِ حسنہ کو اور قوی کر دیا جائے گا اسواسطے کہ جتنا ضعف ملکاتِ حسنہ میں تھا وہ ملکات[2] سیئہ کی آمیزش سے تھا تو ضرور ہوا کہ اب ملکاتِ حسنہ کا حُسن اور زیادہ ہو جائے گا کیونکہ حسن کی کمی کی علت قبح کی آمیزش ہی تو ہے۔ غرض اس تبدیل کا حاصل یہ ہوا کہ حق تعالیٰ ملکاتِ حسنہ کو تو پہلے سے بھی زیادہ قوی کر دیتے ہیں اور ملکاتِ سیئہ کو ضعیف اور مضمحل کر دیتے ہیں۔ مضمحل میں نے اسلئے کہا کہ ملکاتِ سیئہ کا بالکل ازالہ نہیں ہوتا اسواسطے کہ اگر بالکل ازالہ ہو جاوے تو یہ حکمت کے خلاف ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ثواب ملے کیونکہ ازالہ کی صورت میں تو گناہوں سے بچنے میں کوئی ثواب ہی نہیں۔ اسواسطے کہ جب دل میں گناہ کا تقاضہ ہی نہ رہا، بالکل التفات ہی نہ رہا، ترکِ طاعت کا وسوسہ ہی نہ آوے تو گویا گناہ کے صدور کی قدرت ہی نہ رہی اسوقت اختیارِ طاعت اور ترکِ معصیت کوئی کمال ہی نہیں۔ اسلئے ملکاتِ سیئہ کا ازالہ تو نہیں ہوتا ہاں ان میں اضمحلال ہو جاتا ہے یعنی ان کے تقاضے کی کیفیت اتنی مضمحل ہو جاتی ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے گویا کہ نہیں ہے اسلئے بعض سالکین کو یہ شبہ

[1] نیک عادتیں۔ [2] بُری عادتیں۔

ہوجاتا ہے کہ ہم میں اب کوئی ملکہ سیئہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جب بعد چندے کسی محرک سے وہ ملکات عود کرتے ہیں تو روتے ہیں سالک صاحب بیٹھکر کہ ہائے میرا سارا مجاہدہ برباد ہوگیا ارے یہ تو پھر معصیت کے تقاضے ہونے لگے

تبدیل ملکات کی حقیقت | اس وجہ سے مجھے متنبہ کرنا ضروری ہے کہ تبدیل ملکات کی حقیقت کیا ہے اور اسکی صورت کیا ہوتی ہے۔ سالک سے غلطی یہ ہوئی کہ وہ حقیقت اس تبدیل کی نہیں سمجھا وہ تبدیل ایسی سمجھتا ہے کہ ملکات سیئہ بالکل ہی جاتے رہتے ہیں حالانکہ ملکات سیئہ زائل نہیں ہوتے بلکہ اُن میں اضمحلال ہوجاتا ہے مگر اس اضمحلال کا اثر ایسا ہی ہوجاتا ہے جیسا زوال کا

تو یہ رحمت ہے کہ دواعی خیر کے تو قوی ہوجاتے ہیں اور دواعی شر کے ضعیف ہوجاتے ہیں نیکی کا تو ہر وقت تقاضا ہوتا رہتا ہے اور برائی کا بالکل تقاضا نہیں ہوتا بلکہ ترک طاعت اور ارتکاب معصیت ایسا دشوار ہوجاتا ہے کہ اگر اس کا قصد بھی کرے تو اس قدر جی بُرا ہو کہ گویا ذبح کرڈالا۔ اور اس تبدیل کو فنا بھی کہتے ہیں کیونکہ بجائے ملکات سیئہ کے ملکات حسنہ پیدا ہوگئے اور یہ فنائے حسی ہے۔ فنا کی دو قسمیں ہیں۔ فنائے حسی اور فنائے علمی۔ فنائے علمی اُسے کہتے ہیں کہ غیر اس کے علم سے فنا ہوگیا جیسا کہ حق تعالیٰ کا ذکر ایسا غالب ہوا کہ ذاکر کے علم سے غیر حق فانی ہوگیا تو وہ غیر واقع میں فانی تھوڑا ہی ہوگیا بلکہ واقع میں تو وہ موجود ہے لیکن اسکے علم سے غائب ہوگیا ہے اور یہاں واقع میں وہ ملکہ سیئہ جاتا ہی رہتا ہے لیکن جاتے رہنے کی حقیقت یہ ہے کہ مضمحل ہوجاتا ہے یعنی اس میں اضمحلال اس درجہ ہوجاتا ہے کہ گویا وہ جاتا ہی رہتا ہے یہاں یہ نہیں ہے کہ اس ملکہ کی طرف سالک کا التفات نہیں رہا نہیں بلکہ وہ ملکہ واقع میں زائل ہوگیا لیکن اُسی تفسیر کے ساتھ۔ اس کو فنائے حسی اور فنائے ذاتی کہتے ہیں۔

تو بہرحال یہ رحمت ہوتی ہے کہ ملکات سیئہ ملکات حسنہ سے مبدل ہوجاتے ہیں۔ اب یہ ہوتا ہے کہ معصیت کا بالکل تقاضا ہی نہیں ہوتا اگر کبھی سہواً بھی نیا نا بھی صدور معصیت کا ہوجاتا ہے تو ایک پہاڑ غم کا ٹوٹ پڑتا ہے۔ یہ حالت ہوتی ہے ؎

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود   گر زباغِ دل خلالے کم شود

(رہروِ راہِ الہٰی کے دل پر ہزارہا غم ٹوٹ پڑتے ہیں جب اسکے باغِ دل سے تنکے کے برابر بھی کم ہوجاتا ہے) روتے روتے جان دیدیتاہے تو یہ رحمت ہوتی ہے تو خلاصہ کیا ہوتا ہے اس تبدیل کا۔ یہ ہوتا ہے کہ حق تعالےٰ مغلوب کرتے ہیں بُری خواہشات کو اور غالب کر دیتے ہیں اچھی خواہشات کو۔ اس سے انسان رستہ چلتا ہے ایک تو یہ تبدیل ہوتی ہے اسکو تبدیلِ ذات بھی کہتے ہیں یعنی جو پہلی ذات تھی وہ جاتی رہی اسکے بجائے ایک دوسری ذات اس کے قائم مقام ہوگئی۔ یہ تبدیل ذات ہی تو ہوئی پھر جب ایک زمانہ اس پر گزر گیا اور جو اس میں حکمت تھی خدا کی کہ بندہ خوگر ہوجائے طاعت کا یعنی نفرت ہوجائے معاصی سے اور دلچسپی ہوجائے طاعات سے۔ جب یہ مقصود حاصل ہوگیا تو بعض اوقات اسمیں ایک اور تغیر ہوتا ہے وہ یہ کہ جن ملکات سیئہ کو مغلوب و مضمحل کیا گیا تھا جب انکی معاودت بوجہ ملکاتِ حسنہ کے راسخ ہوجانے کے آسان ہوگئی تو اب وہ چاہتے ہیں اپنے بندہ کا اجر بڑھانا اسواسطے اسوقت رفتار حکمت کی یہ ہوتی ہے کہ اوّل امور طبعیہ دب جاتے ہیں مگر چند روز کے بعد وہ پھر ابھرنا شروع ہوتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ ابھرتے ابھرتے غالب ہوجاتے ہوں بلکہ اپنی اصلی فطرت پر آجاتے ہیں کیونکہ یہ ملکاتِ سیئہ اصل فطرت میں بھی غالب نہ تھے اگر کوئی کہے کہ نہیں ہم تو دیکھتے ہیں کہ بچپن میں بھی یہ ملکات غالب ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بات نہیں ہے بچپن میں بھی یہ ملکات موجود تو تھے لیکن غالب نہ تھے مشق کرکر ہم نے شہوت کو غضب کو حرص کو طمع کو قوی کر لیا ہے تو یہ ملکاتِ سیئہ بچپن میں بھی موجود تو تھے لیکن غالب نہ تھے ہاں استعداد تھی غالب ہونیکی لیکن اسکے ساتھ ہی مغلوب ہونے کی بھی استعداد تھی اور حکم یہ تھا کہ ان کو مغلوب رکھنا لیکن اس نے غالب کرلیا اپنی حماقت سے اب ضرورت بڑی مجاہدہ کی لیکن مجاہدہ کا اثر تو اتنا تھا کہ ملکات سیئہ قصد سے مغلوب ہوجاتے لیکن حق تعالےٰ جانتے تھے کہ اس سے کام نہیں چلے گا اس لیئے وہ ان ملکات کو بہت ہی زیادہ مغلوب کرتے ہیں یہانتک کہ بالکل زائل ہونے کے حکم میں ہوجاتے ہیں۔ جب اسکی حکمت پوری ہوگئی یعنی ملکاتِ حسنہ اچھی طرح راسخ ہوگئے تو اب تکمیل اجر کے واسطے پھر ان ملکات

سینہ کو ذرا ذرا قوت دیتے ہیں۔

سالک کا امتحان اس میں سالک کا امتحان بھی مقصود ہوتا ہے کہ دیکھیں امور غیر مکتسبہ ہی پر سارے قصہ کو ڈال کر بیٹھ رہا ہے یا خود بھی کچھ اسکو سہارے امتثال امر کا اہتمام ہوتا ہے اور یہ حکمت امتحان کی او۔ وہ حکمت سابقہ تکمیل اجر کی حقیقت میں ایک ہیں صرف حیثیتیں مختلف ہیں اسلئے ذرا ذرا وہ امور طبعیہ پھر ابھرتے ہیں جن میں خاصیت ہے کہ اگر یہ مغلوب بھی ہو جاتے ہیں تو بعد چند سے پھر ابھرتے ہیں جیسے ہمیں خوب زور کی بھوک لگ رہی ہو اور کوئی مدت کا بچھڑا ہوا محبوب دفعۃً آجائے تو اسوقت بھوک جاتی رہتی ہے کیا معنیٰ بخوشی میں مغلوب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ہم یوں ہی سمجھتے ہیں کہ بالکل جاتی ہی رہی مگر جب آپس میں اچھی طرح مل ملالئے اور بات چیت ہوچکی تو اب پھر بھوک صاحبہ تشریف لاتی ہیں۔ تو امور طبعیہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ مغلوب ہو کر چند روز بعد پھر ابھرتے ہیں۔

بہر حال اس تبدیل کے دو سلسلے ہیں۔ ایک مکتسب جس کا وقوع عالم ابتلاء میں ہوتا ہے ایک موہوب جس کا وقوع عالم جزاء میں ہوگا سو مکتسب سلسلہ تو یہ ہے کہ اول ملکات سیئہ دب گئے تھے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ پھر اس کے بعد ذرا ذرا ابھرنے شروع ہو گئے۔ ذکر جب اوّل اوّل شروع کرتے ہیں اسوقت تو یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ بیوی یاد آتی ہے نہ بچے یاد آتے ہیں نہ کسی سے ملنا جلنا اچھا معلوم ہوتا ہے نہ کسی سے بولنے چالنے کو جی چاہتا ہے۔ بس ہر وقت یہی جی چاہتا ہے کہ تنہائی میں بیٹھے اللہ اللہ کیا کریں۔ پھر ایک مدت گزرنے کے بعد یہ حالت پلٹا کھاتی ہے۔ اب دوست بھی یاد آنے لگے، بیوی بچے بھی یاد آنے لگے بعض بعض لذیذ چیزوں کو بھی جی چاہنے لگا۔ اب ذرا فرصت ہوئی تو سیر و تفریح کی خواہش پیدا ہوتی ہے یا اب غصہ کے وقت لہجہ بھی سخت ہو جاتا ہے الفاظ بھی سخت نکلنے لگتے ہیں پہلے تو کوئی جوتی بھی مارلیتا تھا تب بھی چونکہ مجاہدہ کر رہے تھے غصہ بالکل نہ آتا تھا۔ پہلے نہ غم کی باتوں سے غم ہوتا تھا نہ خوشی کی باتوں سے خوشی ہوتی تھی۔ اب اگر بیٹا مرا ہے تو غم بھی ہو رہا ہے۔ آنکھ سے آنسو بھی جاری ہیں۔ پہلے تو وہ حالت تھی اب یہ نوبت آئی۔ اب یہاں ضرورت ہے شیخ محقق کی۔

(جاری)

(۴۷۸) فرمایا کہ اگر کوئی ملزم اپنے آپ کو کسی ترکیب سے سزا سے بچائے تو شرعاً کچھ گناہ نہیں جائز ہے مثلاً سزائے رجم میں اگر زنا کا اقرار نہ کرے تو رجم سے بچ جائیگا علیحدہ چپکے سے اللہ میاں سے توبہ کرے۔ اسی طرح چوری میں جس کی چیز لی ہے اس کو واپس کر دے اور اللہ تعالٰے سے توبہ کرے اور عدالت میں اقرار نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں۔ ف:۔ شرعاً لوگوں کو وسعت دینا شعبہ ہے حسن خلق اور رحمت عامہ کا۔

(۴۷۹) حضرت والا بروز پنجشنبہ گڈھی جو کہ تھانہ بھون سے کچھ فاصلہ پر ہے وہاں کے لوگوں کے بلانے پر ضرورتاً تشریف لے گئے تھے شنبہ کے دوپہر کو واپس تشریف لائے۔ ایک مولوی صاحب نے حضرت کی دعوت اسی دن شام کی کرنی چاہی اور ایک بچہ سے کہلوایا۔ اس بچہ نے یہ بھی کہا کہ ہم نے سب سامان کل ہی کر لیا تھا کیونکہ حضرت والا کی واپسی کی جمعہ کے شام کو خبر تھی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بھائی تم نے میرے آنے سے پہلے اور میری بلا اجازت کیوں سامان کر لیا۔ پھر حضرت مکان تشریف لے گئے۔ واپسی پر مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ گھر میں رنجیدہ ہونے لگیں میں معذور ہوں ان سے یہ سوال نہیں کر سکتا کہ تم نے بلا اجازت میری کیوں انتظام کیا کیونکہ وہاں تو انتظام ہے ہی اور آپ سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ بغیر میرے آئے ہوئے اور بغیر میری اجازت لئے ہوئے آپ نے کیوں انتظام کیا۔ آپ سے یہ بات خلافِ اصول ہوئی۔ قبولِ دعوت کے موانع بھی تو پیش آسکتے ہیں۔ ایک تو یہی پیش آیا کہ میں کل نہ آسکا۔ دوسرا یہ پیش آیا کہ گھر میں منظور نہ کیا۔ میرا معاملہ ہو گیا ہے نازک۔ یہ ہفتہ دوسری جگہ کھانا کھانے کا ہے۔ اور اس ہفتہ میں ابتک ایک وقت بھی وہاں کھانا نہیں کھایا ہے۔ اس وقت میں اس ارادہ سے مکان گیا تھا کہ ان کو سمجھا دوں گا مگر مجھے ایسے موقع پر یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کو یہ خیال نہ ہو کہ اس طرف سے بے توجہی ہے۔ چنانچہ میرا یہ گمان قبل کہنے کے ہی ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے شکایت کی کہ میرے ہی دنوں میں عوتیں ہوتی ہیں اور میرے ہی دنوں میں سفر ہوتا ہے۔ عورتوں کا کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ ہم نے بھی نیت کرلی ہے کہ سنیں گے جو کچھ کہا جاوے گا۔ ضابطہ کا برتاؤ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ دل چاہتا ہے کہ میری وجہ سے دل آزاری نہ ہو۔ رنج نہ پہونچے۔ قاعدہ ہے کہ متعلقین کو اپنے

سرپرست سے محبت ہوتی ہے۔ اسکی راحت کا بھی خیال ہوتا ہے۔ پس گھر میں کا اس موقع پر چندال دعوت سے رنجیدہ ہونا بیجا نہیں ہے۔ انھوں نے بھی کل گوشت منگا لیا ہے۔ وہ آج خرچ ہوگا۔ ایسی تنگی ہوتی ہے ایسے موقع پر کہ قبول کرو تو تنگی ہے۔ اور نہ کرو تو لوگ کہیں گے کہ قبول نہیں کرتے۔ ان مولوی صاحب کے عزیز نے عرض کیا کہ خیر کل کو دعوت ہو جاوے گی۔ فرمایا کہ آئندہ تو جو کچھ ہوگا وہ ہوگا مگر اب تو جی برا ہوا۔ بعض عذر ایسے ہوتے ہیں کہ کوئی ان کو قوی سمجھتا ہے اور دوسرا انکو معمولی سمجھتا ہے۔

(۶۸۰) فرمایا کہ ہمارے ایک عزیز تھے انھوں نے زیادہ نکلنے کی نیت سے ڈاڑھی منڈائی پھر بڈھے ہوگئے تمام عمر ڈاڑھی نکلی ہی نہیں۔ اللہ میاں کا ایسا قہر نازل ہوا۔

(۶۸۱) فرمایا کہ باطن کے بعض امور ایسے ہیں کہ وہ مرض نہیں مگر لوگ خواہ مخواہ ان کو مرض سمجھتے ہیں۔ مثلاً خیالات آنے کو لوگ برا سمجھتے ہیں اور جو سمجھایا جائے کہ اس سے کچھ حرج نہیں تو سمجھانے سے مانتے نہیں بلکہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ویسے ہی ٹال دیا ہے۔ اسکی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی طبیب سے کہے کہ حکیم جی دھوپ میں چلتا ہوں تو میرا بدن گرم ہو جاتا ہے مجھے یہ مرض ہے اور حکیم جی شفقت سے یہ جواب دیں کہ بھائی یہ مرض نہیں ہے مگر وہ کہے کہ نہیں حکیم جی یہ تو مرض ہے۔

(۶۸۲) فرمایا کہ جن شخصوں میں ذرا شوخی ہوتی ہے جس کو عرف میں چلبلا پن کہتے ہیں وہ نفس کے مردہ اور روح زندہ ہوتے ہیں۔ ہنستا بولتا آدمی اچھا معنوی متانت روح کے مردہ اور نفس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے۔ ایسے شخصوں میں کبر ہوتا ہے اور شوخ طبیعت میں کبر نہیں ہوتا۔

(۶۸۳) فرمایا کہ دنیا کو آدمی جس قدر مختصر لے اسی قدر راحت ہے۔

(۶۸۴) ایک صاحب نے جو کہ تعویذ مانگنے آئے تھے بعد لینے تعویذ کے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت دیں تو میں کھال کی جائے نماز بغرض استعمال حضور والا بھیجدوں فرمایا کہ میں خود ایسی چیزوں کو اگر آجاتی ہیں تو فروخت کر دیتا ہوں۔ علاوہ اسکے

حدیث شریف میں درندوں کی کھال کے استعمال سے تو منع فرمایا گیا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ طبعاً جانوروں کی کھالوں (مثلاً ہرن وغیرہ) پر بیٹھنے سے بھی بعض قوی کو نقصان پہنچتا ہے۔

(۴۸۵) فرمایا کہ اگر کوئی بے تکلف شخص ایسے کام کے وقت جس میں دوسرے کے بیٹھنے سے طبیعت کو انتشار نہ ہو آبیٹھے تو خیر مضائقہ نہیں۔ مگر بے تکلفی کی علامت یہ ہے کہ اگر ہم پیر پھیلا کر اسکے کندھے پر بھی رکھ لیں تو کسی جانب انقباض نہ ہو مگر ایسے بے تکلف بہت کم ہوتے ہیں۔

(۴۸۶) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رح نے ایک جگہ قسم کھائی ہے کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں ہے۔ بعض مخلص لوگوں کو اس سے شک ہوگیا کہ مولانا میں کمال کا ہونا تو ظاہر ہے تو اس قول سے مولانا کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔ پھر ہمارے حضرت نے مولانا کے قول کی تفسیر میں فرمایا کہ بزرگوں کو آئندہ کمالات کی طلب میں موجودہ کمالات پر نظر نہیں ہوتی پس مولانا اپنے کمالات موجودہ کو کمالاتِ آئندہ کے سامنے نفی خیال فرماتے تھے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کے پاس ایک ہزار روپے ہیں وہ لکھ پتیوں کے سامنے مالدار نہیں البتہ دوسرے شخصوں کو مولانا کی نسبت یہ گمان کہ وہ خالی از کمالات تھے نہ کرنا چاہیئے۔

(۴۸۷) ایک مولوی صاحب جو کہ لباس بہت زینت کا پہنے ہوئے تھے انھوں نے حضرت والا کو بعد ظہر پرچہ دیا جس میں اپنے وظائف کا حال لکھا تھا۔ فرمایا کہ گنگا پار کی طرف زینت بہت ہے۔ وہاں کے بعض مقتدا ومشائخ اہل نسبت بھی زینت میں مبتلا ہیں۔ جب آپ کا قلب اس میں مشغول ہے تو پھر اللہ کی یاد کی گنجائش کہاں ہے۔ ان وظائف سے کچھ نفع نہ ہوگا ایسی حالت میں طالبانِ دنیا اور طالبانِ حق میں کیا فرق ہوا۔ عورت کے لئے زینت مناسب ہے۔ مردوں کو ہرگز ایسی زینت مناسب نہیں۔ آپ میرے پھندے میں کیوں پھنستے ہیں۔ میں تو آزاد آدمی ہوں۔ رسوم کو جڑ سے اکھاڑتا ہوں۔ چاہے وہ علماء کے رسوم ہوں یا مشائخ کے ہوں۔ میں طالب کی دلجوئی نہیں کرتا کیونکہ اسکی تو دلشوئی کی ضرورت ہے نہ کہ دلجوئی کی، ہاں طالب کی بھی خاطر ہوتی ہے جبکہ وہ اصلاح قبول کر لیتا ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر کسی کی خاطر نہیں ہوتی۔

(۶۸۸) فرمایا کہ اہل علم کے دل میں کسی کی ہیبت نہیں ہوتی یوں کسی مضرت کی وجہ سے ڈر جاویں وہ اور بات ہے۔ ایسے تو آدمی کٹ کھنے کتے سے بھی ڈرتا ہے مگر ان کے دل پر کسی کی ہیبت نہیں ہوتی۔ اس پر یہ قصہ بیان فرمایا کہ مولوی فضل حق صاحب کو قطرہ کا عارضہ ہوگیا تھا اس وجہ سے وہ ڈھیلے نہ لیتے تھے صرف پانی سے استنجا کر لیتے تھے کسی متعصب شیعی نے طعن کے طور پر کہا کہ اب تو آپ بھی پانی سے استنجا کرنے لگے ہیں۔ مولوی صاحب نے فی البدیہ جواب دیا کہ جب سے مجھے سلسل بول کا عارضہ ہوگیا ہے تب سے میں شیعوں کے مذہب پر پیشاب کرنے لگا ہوں۔

(۶۸۹) فرمایا کہ کیفیات سے وصول یا حرمان پر استدلال کرنا یہ مستعلج[1] کا کام نہیں ہے کہ اول میں عجب کا خدشہ ہے اور ثانی میں ناشکری کا اور دونوں سالب[2] نعمت ہیں۔ طالب کا وظیفہ یہ ہے کہ حالت کی اطلاع دے اور اس حالت کی تحقیق معالج کا کام ہے۔

(۶۹۰) فرمایا کہ کبر خدا کے راستہ کا بڑا رہزن ہے اول اس کا علاج کرے بس یہی کافی ہے۔ نسبت اور چیز ہے وہ اللہ کا نام لینے سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جب تک کہ اُدھر سے پورا تعلق نہ ہو کیا فائدہ۔ ذرا اللہ کا دھیان رہنے لگا بس سمجھ گئے ہم اللہ والے ہو گئے۔ اصلی معیار نسبت معتبرہ کا سنت کی متابعت ہے کہ ظاہرًا اقوال و افعال و اخلاق سب سنت کیمطابق ہونے لگیں ورنہ کچھ بھی نہیں۔

(۶۹۱) ایک صاحب نے حضرت والا کی نسبت کہا تھا کہ میں نے سُنا ہے کہ انھوں نے جائداد نہیں لی جس کے اولاد نہ ہو اس سے تو یہ ہو سکتا ہے۔ اولاد دار سے کس طرح ممکن ہے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ قصہ جائداد نہ لینے کا تو بیس برس کی عمر میں ہوا تھا جب مجھے کیا خبر تھی کہ میرے اولاد نہ ہوگی۔ مگر یہ اعتقاد تھا کہ اگر اولاد بھی ہو جاتی تو کیا اللہ میاں اولاد کو نہ دیتے آخر میں بھی تو کسی کی اولاد ہوں پھر مجھے بھی دے رہے ہیں یا نہیں۔

(۶۹۲) کبر۔ حسد۔ ریا کو اول ہی سے مٹانے کی ضرورت ہے۔ یہ بڑے سخت مرض ہیں مشائخ تک ان میں مبتلا ہیں۔ علماء تو فنائے نفس کا دعویٰ بھی نہیں کرتے اور مشائخ تو فنائے نفس کے دعویٰ پر بھی اس سے خالی نہیں سخت تعجب ہے۔

---

[1] علاج کرانیوالا۔ [2] ختم کرنیوالا

(۶۹۲) فرمایا کہ کھانا کھانے میں میرے سامنے سے اگر کوئی پیالہ اٹھالیتا ہے تو ناگوار ہوتا ہے اگر اور سالن کی ضرورت ہو تو اور دوسرے پیالہ میں لانا چاہئے۔ کھانے والا آدمی اتنی دیر بیکار بیٹھا ہوا کیا کرے۔

(۶۹۳) فرمایا کہ مجھ سے جب کوئی مشورہ لیتا ہے تو میں مشورہ دینے کے بجائے یہ لکھ دیتا ہوں کہ اگر مجھے یہ واقعہ پیش آتا تو میں یہ کرتا یہ نہیں کہتا کہ تم بھی ایسا کرو۔ آجکل کثر مواقع پر مشورہ دینا بیوقوفی ہے۔ الزام ضرور آتا ہے۔

(۶۹۵) فرمایا کہ جب کسی سوال کے جواب میں شرح صدر و شفاء قلب نہ ہو صاف جواب دیوے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ ہر سوال کیلئے ضرور نہیں کہ اس کا جواب ہی دیا جاوے۔ نیز یہ بھی تو جواب ہے کہ ہم کو معلوم نہیں۔ لیکن لوگ جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں خواہ شفاء قلب ہو یا نہ ہو۔ یہ جائز نہیں جب تک شفاء قلب نہ ہو کسی مسئلہ کا جواب نہ دیا جاوے۔

(۶۹۶) فرمایا کہ مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں) میں نفی سماع سے سماع نافع مراد ہے سو وہ ظاہر ہے یعنی مردے سننے پر عمل نہیں کر سکتے کیونکہ ان کا مقام دار العمل نہیں ہے اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ کفار کے عدم سماع کا بیان کرنا مقصود ہے اور ان کے عدم سماع کو عدم سماع موتیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کفار سنتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔

(۶۹۷) فرمایا کہ دنیا اور دین کی حاجتوں کے بر آنے کا ذریعہ استغفار ہے۔

ف :۔ یہ حضرت والا کے علم و جامعیت پر دال ہے۔

(۶۹۸) فرمایا کہ اگر شیخ سے تعلق قطع کر دے تو سب فیوض بند ہو جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم تعلقی کرے تو پھر بالکل واردات و فیوض کچھ بھی نہ رہیں گے۔

(۶۹۹) ایک مولوی صاحب نے (جو کہ حضرت والا کے مجاز ہیں) اپنے ملفوظات خود جمع کئے تھے اور ملفوظات کا آغاز اس لفظ سے تھا کہ فرمایا اسکی اطلاع حضرت کو ہوئی۔ وہ مولوی صاحب حضرت والا کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت والا نے مولوی صاحب سے فرمایا

کہ ہمارے سامنے سے اٹھ جاؤ اور ہمیں صورت مت دکھاؤ اور نہ کسی کو بیعت کرو۔ پھر فرمایا کہ بڑائی تو وہ کرے جس کا کمال ذاتی ہو اور جب یہ نہیں تو بیجا ہی ہے۔

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کے سامنے لوح وقلم کے علوم بھی ہیچ ہیں آپکی نسبت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ (اور اگر ہم چاہیں توجسقدر آپ پر وحی بھیجی ہے سب سلب کرلیں ـــــ) جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمارا عطیہ ہے ہم چاہیں تو ابھی سلب کرلیں ناز تو اس کو ہو جس کا کمال اپنے قبضہ کا ہو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تواضع کریں تو ہمیں کیا حق ہے ناز کا۔ اسی طرح استحقاق ثمرات کے ادعا کی حالت ہے۔ جیسے فرض کیجئے کہ آج ہی آم کا درخت لگایا اور کہنے لگے کہ پھل نہیں آیا اس سے صاف دعوائے استحقاق ٹپکتا ہے۔ صاحب خدا تعالیٰ سے نوکری کا معاملہ نہیں جو استحقاق اجرت کا ہو۔ غلامی کا تعلق ہے پھر دعوائے استحقاق کیا؟ مثلاً اگر آقا اپنے غلام سے کہے کہ پانی پلاؤ، وہ کہے کہ کیا لے گا، وہ غلام بڑا نالائق ہے ایک تکبر کی قسم یہ ہے کہ تواضع پر تکبر ہوتا ہے کہ ہم میں تکبر نہیں۔ گو کا کیڑا یہ سمجھے کہ میں گو کا کیڑا ہوں یہ کونسی خوبی کی بات ہے۔ میرے دوستوں نے فتاویٰ کا نام فتاویٰ اشرفیہ رکھدیا تھا اس سے بہت شرم معلوم ہوتی ہے۔ آخر امداد الفتاویٰ کا نام بدلا۔ پس اپنے ملفوظ اپنی رائے سے ضبط کرنا کیا معنی؟ مرید کو چاہئے کہ اپنے واردات کو شیخ کے سامنے پیش کرے جیسے اولاد جو کچھ کما وے وہ ماں باپ کے سامنے رکھدے کہ یہ کمایا ہے۔ ان افعال کی بدولت احوال سلب ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جس وقت آدمی اپنے کو اچھا لگتا ہے اس وقت خدا کے نزدیک مبغوض ہوتا ہے۔ اب ہر شخص سوچ لے کہ دن میں کتنی مرتبہ اسکی ایسی حالت ہوتی ہے۔ بعد عصر حضرت والا نے اعلان فرمایا کہ فلاں مولوی صاحب سے کوئی بات چیت نہ کرے اور اگر کوئی کرے گا تو اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جاوے گا۔ پھر فرمایا کہ یہ کوئی نئی بات میں نے نہیں کی بلکہ عین سنت کے موافق کیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ اگر میں پچاس دن تک ایسا کروں تو بھی کچھ حرج نہیں ہے (ان مولوی صاحب نے حضرت والا کی خدمت مبارک میں معافی کی درخواست کی مگر

چونکہ بے ڈھنگے طور سے معافی چاہی گئی تھی اسلئے اس پر حضرت والا نے یہ سزا تجویز فرمائی کہ بعد مغرب روزانہ اس مضمون کا اعلان کیا کیجئے کہ صاحبو چونکہ میں فلاں قوم کا ہوں اسلئے کم حوصلگی کے سبب اپنے مربی کی عنایتوں پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگا جس کی وجہ سے سزا میں گرفتار ہوں لہٰذا آپ لوگوں کو چاہئے کہ تکبر سے بہت پرہیز کریں. پھر بعد دو روز کے بعد ظہر حضرت والا نے ان مولوی صاحب سے سب کو گفتگو کرنے کی اجازت دیدی اور یہ فرمایا کہ عنقریب اور معاملات بھی طے ہو جائیں گے۔

ف:۔ اس سے حضرت اقدس کی تواضع وشان تربیت اظہر من الشمس ہے۔

(۷۰۰) ایک صاحب نے خط لکھا کہ فلاں آپ کو ایسا کہہ رہے تھے اور میں نے ان کو یہ جواب دیا۔ اس پر فرمایا کہ جس طرح مجھے اس بات سے کلفت ہوتی ہے کہ فلاں نے مجھے برا بھلا کہا ایسی ہی اس بات سے کلفت ہوتی ہے کہ فلاں نے طرفداری کی. طرفدار لوگ ہی اور زیادہ برا بھلا کہلواتے ہیں۔ اگر انھوں نے اپنی عاقبت کے واسطے یہ کام کیا تو مجھ پر اس کا اظہار کیوں کیا۔

ف:۔ اس سے بھی شان تربیت اور معرفت کید نفس ثابت ہوئی۔

(۷۰۱) تصرف سے آدمی اس طرح سلوک میں چلتا ہے جس طرح کہ کوئی کسی کا ہاتھ پکڑ کر دوڑا دے جہاں ہاتھ چھوڑا بس رہ گیا۔

(۷۰۲) فرمایا کہ وساوس کا علاج واللہ بے التفاتی ہے. حدیث شریف میں جو تعشکار نا آیا ہے اس سے مراد اعراض وترک التفات ہے۔

(۷۰۳) فرمایا کہ میں نے ایک صاحب کو بتلا دیا تھا کہ یوں تصور کیا کرو کہ میں آسمان پر پہنچا ہوں۔ حوریں ہیں. سیر کر رہا ہوں باغ کا تصور کرو. پھر یہ خیال کرو کہ یہ چیزیں جب ملیں گی جب خدا کے حکموں کی پابندی کریں گے۔ اس سے لالچ ورغبت پیدا ہوگی اس سے اعمال صالحہ سرزد ہوں گے. چنانچہ اس سے ان کو بڑا نفع ہوا۔

(۷۰۴) فرمایا کہ عبد کا کام ہے کہ جس حال میں رکھیں رہو۔ ہاتھی پر چڑھا دیں چڑھو اور جو گدھوں کے پیروں میں روندا دیں تو ویسے ہی رہو۔

(۷۰۵) فرمایا کہ حاتم اصمؒ ایک بزرگ تھے۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں نذر پیش کی۔ اسکے مال میں شبہ تھا۔ آپ نے عذر فرمایا۔ اُس نے پھر کہا آپ نے لے لیا لوگوں نے پوچھا یہ کیا بات تھی۔ فرمایا کہ نہ لینے میں اسکی ذلت تھی اور لے لینے میں میری ذلت تھی اور اسکی عزت تھی۔ میں نے اسکی عزت کو اپنی عزت پر اختیار کیا لے لیا کہ اسکی بے عزتی نہ ہو۔

(۷۰۶) فرمایا کہ کبھی تکبر بصورت تواضع بھی ہوتا ہے اور علامت اس کی یہ ہے کہ جو تواضع بقصد تکبر ہوتی ہے اس کے بعد فخر ہوتا ہے۔ اور اس کی تواضع کے بعد کوئی تعظیم نہ کرے تو بُرا مانتا ہے۔ اور جو تواضع بقصد تواضع ہو اس میں خوف ہوتا ہے اور کسی کی تعظیم نہ کرنے سے اپنے کو اس عدم تعظیم ہی کا مستحق سمجھتا ہے۔

ف :۔ اس سے حضرت والا کی فراست و دقت فہم معلوم ہوئی۔

(۷۰۷) فرمایا کہ جو عشاق اور فانی فی الحق ہوتے ہیں ان کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ آخر میں دوامی میں حرکت بھی نہیں رہتی۔ وسوسے بھی نہیں رہتے۔

(۷۰۸) فرمایا کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ بزرگ نے دریافت فرمایا کہ تیرے پاس کچھ مال بھی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں سو روپے ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اسے نکال۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت خیرات کردوں گا۔ فرمایا کہ نفس کو حظ حاصل ہوگا کہ ہم نے اتنے روپے خیرات کئے۔ ان کو سمندر میں پھینک دے۔ اس نے منظور کیا۔ پھر فرمایا کہ مگر ایک ایک روپیہ کر کے پھینکنا کہ ذرا نفس پر آرا تو چلے اور ایک دم سے پھینکنے میں تو بس ایک ہی بار مجاہدہ ہوگا۔

(۷۰۹) دورانِ درسِ مثنوی میں فرمایا کہ اہل اللہ کی معیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت ہے۔

(۷۱۰) فرمایا کہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے کہ اخلاق رذیلہ جاتے رہیں۔ حمیدہ پیدا ہوجائیں۔ معاصی چھوٹ جائیں۔ طاعت کی توفیق ہوجائے۔ غفلت من اللہ جاتی رہے۔ اور توجہ الی اللہ پیدا ہوجائے۔

(جاری)

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ

اُصُوْلُ الرِّفْقِ (فی الحصول) عَلَی الرِّزْقِ

از شیخ السُّنۃ حضرت العلامۃ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ

کا اردو ترجمہ مسمّٰی بہ

دافع الافلاس

از

حضرت العلامہ مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ

دفتر وصیۃ العرفان الہ آباد

مسلمانوں کے مصائب اور افلاس کا آسان علاج

آج کل مسلمان جس دور مصائب سے گزر رہے ہیں وہ کسی بصیر انسان سے مخفی نہیں، افلاس و تنگ دستی، ذلت و خواری، تشویش و پریشانی گویا ان کا شعار بن گیا، امت کے حکماء اس قومی مرض کے ازالہ کے لئے سرگرم تدبیر ہیں مگر بعض تو تدبیریں ہی غلط کی جاتی ہیں جو بجائے شفا کے ازدیاد مرض کا سبب ہوتی ہیں اور بعض تدبیریں تو صحیح ہیں لیکن ان پر عمل کرنا اور اسکے اسباب مہیا کرنا اختیار میں نہیں ہوتا۔ احقر نے اسوقت جو تدابیر پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے وہ چونکہ وحی خداوندی یعنی حق تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں اور بلاشبہ وہ ان دونوں خامیوں سے بالاتر ہیں غلط اور مضر ہونے کا امکان ہی نہیں۔ اور سخت اور دشوار ہونے کا مشاہدہ آپ خود وہ تدبیریں دیکھ کر کر لیں گے۔ احقر نے اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:۔

ایک "افلاس و تنگ دستی" دوسرے "عام حوادث و مصائب" اور دونوں کے متعلق بجائے اس کے کہ خود روایات حدیث اور آثار و اقوال جمع کرتا۔ دو مشہور و معروف بزرگوں کے دو عربی رسالوں کا سلیس اردو ترجمہ کر دینا کافی سمجھا، افلاس و تنگ دستی کے متعلق نویں صدی ہجری کے معروف امام حدیث و تفسیر شیخ السنۃ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ اصول الرفق فی الحصول علی الرزق اس باب میں کافی و شافی ہے اور عام حوادث و مصائب کے متعلق تیسری صدی ہجری کے مشہور امام رئیس المحدثین سند المفسرین ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ الفرج بعد الشدۃ نہایت عجیب و غریب بہترین تصنیف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان دونوں رسالوں کا عام فہم ترجمہ سلیس اردو میں مع اضافۂ فوائد پورا ہو گیا۔ پہلا رسالہ اسوقت آپ کے ہاتھ میں جس کو دافع الافلاس کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور دوسرے رسالہ کا نام "مصیبت کے بعد راحت" رکھا گیا ہے، یہ رسالہ بھی دارالاشاعت کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔ (بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ ۱۳۵۹ھ)

دافع الافلاس

شرح اردو رسالہ

اصول الرفق (فی الحصول) علی الرزق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى وَلَاسِيَّمَا سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى وَمَنْ بِهَدْيِهٖ اهْتَدٰى

امّا بعد امام المصنفین شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بہت سے لوگوں نے درخواست کی کہ میں وہ اعمال و اذکار ایک رسالہ میں جمع کر دوں جو کشائش رزق اور دفع افلاس و تنگ دستی کے لئے احادیث معتبرہ میں وارد اور مجرب ہیں۔ اسلئے میں یہ رسالہ جمع کرتا ہوں جس کو دو فصلوں میں ترتیب دیا ہے۔ پہلی فصل میں اسکے متعلق اوراد اور دعائیں جمع کی گئی ہیں۔ اور دوسری فصل میں وہ افعال و اعمال ہیں جو کشائش رزق کا سبب ہوتے ہیں۔

فصل اول اذکار و دعوات "طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

جس شخص کو حق تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے اسکو چاہئے کہ اس کا شکر زیادہ کیا کرے اور جس کے گناہ زیادہ ہوں اسکو چاہئے کہ استغفار زیادہ کیا کرے اور جس پر رزق کی تنگی ہو اسکو چاہئے کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ بہ کثرت پڑھا کرے۔ (۲) اور امام احمد اور ابوداؤد ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابن عباسؓ نقل فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص استغفار کا التزام کرے گا حق تعالیٰ اسکے لئے ہر تنگی و مصیبت سے فراخی و راحت اور ہر غم سے نجات عطا فرمائیں گے۔

(۳) اور حاکم، ابن السنی اور ابویعلیٰ نے اپنی اپنی مسندوں میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے

ــہ (حالات کو بدلنے کی اور ہر قسم کی قوت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے)

شعب الایمان میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی یہ حدیث روایت فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرے وہ محتاجی اور فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا۔

اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ واقعہ سورۂ غنیٰ ہے اس کو تم خود بھی پڑھا کرو اور اپنے بال بچوں کو بھی یاد کراؤ۔ (اخرجہ ابن مردویہ)

(۴) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو کعبہ کی طرف کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں۔ اس وقت حق تعالیٰ نے یہ دعا ان کیلئے دل میں الہام فرمائی

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَاَعْطِنِيْ سُؤْلِيْ وَتَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِيْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَا يُصِيْبُنِيْ اِلَّا مَا كَتَبْتَ لِيْ وَرِضًى بِمَا قَسَمْتَ لِيْ۔ (یا اللہ آپ میرے ظاہر و باطن سے واقف ہیں۔ میرا عذر قبول فرمائیے۔ اور آپ میری حاجت کو جانتے ہیں تو میرا سوال پورا فرمائیے اور جو کچھ میرے دل میں ہے آپ اسکو بھی جانتے ہیں۔ میرے گناہ معاف فرمائیے۔ یا اللہ میں آپ سے ایسا ایمان طلب کرتا ہوں جو میرے دل میں سرایت کر جائے۔ اور ایسا سچا یقین جس کی وجہ سے میں یہ محسوس کروں کہ مجھے جو کچھ بھلائی یا برائی پہنچتی ہے وہ سب وہی ہے جو آپ نے میرے لئے لکھ دی ہے۔ اور مجھے اپنی قسمت و تقدیر پر راضی فرما دے)

پھر حق تعالیٰ نے آپ پر یہ وحی بھیجی کہ اے آدم! ہم نے آپ کی توبہ قبول کر لی۔ اور آپ کی لغزش کو معاف کر دیا۔ اور جو شخص اس دعا کے ساتھ مجھ سے دعا مانگے گا ہم اسکی مغفرت کر دیں گے۔ اور اس کے سب کاموں کے ذمے دار ہو جائیں گے۔ اور دنیا اسکے پاس ذلیل ہو کر آئے گی۔ اگرچہ وہ دنیا کو نہ چاہے (ابن مردویہ) اور اس حدیث کے شواہد بروایت حضرت بریدہ بیہقی نے نقل کئے ہیں۔

(۵) اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہر روز سو مرتبہ یہ کلمہ (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ) پڑھا کرے تو یہ اسکے لئے فقر و فاقہ سے امان اور وحشتِ قبر سے اُنس کا سبب ہوگا۔

(اخرجہ الخطیب وابو نعیم فی روایۃ ابی مالک الدیلمی فی مسند الفردوس)

(۶) اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں داخل ہونے کے وقت سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد) پڑھ لیا کرے تو یہ سورۃ اس کے گھر والوں کے اور اس کے پڑوسیوں کے فقر و فاقہ کو دور کر دے گی (اخرجہ الطبرانی)

(۷) اور حضرت اُبیؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر میں اپنے تمام اوراد و اشغال اور دعاؤں کی جگہ صرف آپ پر درود پڑھا کروں تو یہ کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے ایسا کر لیا تو خدا تعالیٰ تمہارے دین و دنیا کے کاموں کا ذمہ دار بن جائے گا (اخرجہ احمد بسند جید)

(۸) اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِضَاءِ عُمُرِيْ (یا اللہ اپنے رزق کو مجھ پر وسیع فرما دیجئے میرے بڑھاپے اور آخری عمر میں

(اخرجہ الطبرانی فی الاوسط بسند حسنہ الھیثمی)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمھیں ایسی چیز بتلادوں جو تمھیں تمھارے دشمنوں سے نجات دلائے اور تمھارے رزق کو (روئی کی طرح) بہادے۔ اور وہ چیز یہ ہے کہ دن رات اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو، اسلئے کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے (اخرجہ المستغفری فی الدعوات)

(۹) اور حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:۔

لہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جو ٹھیک فیصلہ کرنے والا اور بات کو کھول دینے والا ہے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ رِزْقًا طَيِّبًا وَّعِلْمًا نَافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا ۔ (یا اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں حلال رزق کا اور علم نافع کا اور عمل مقبول کا ۔
(المستغفری)

(۱۰) اور امام مستغفری نے ابن مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ جب وہ جمعہ سے فارغ ہو کر نکلتے تھے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتے تھے :-
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَّيْتُ فَرِيْضَتَكَ وَانْتَشَرْتُ لِمَا اَمَرْتَنِیْ فَارْزُقْنِیْ مِنْ فَضْلِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ ۔ (یا اللہ میں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور آپ کا فرض ادا کر لیا اور جس چیز کے لئے آپ نے امر فرمایا (یعنی کسب معاش کیلئے) جاتا ہوں اسلئے آپ مجھے اپنے فضل سے رزق عطا فرمائیے کیونکہ آپ سب سے بہتر رزق دینے والے ہیں)

(۱۱) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ میں تمھیں دو کلموں کی وصیت کرتا ہوں :- ایک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ دوسرے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کیونکہ یہ دونوں کلمے ہر چیز کی نماز ہیں ، اور انہی کی وجہ سے ہر شئے کو رزق دیا جاتا ہے (اخرجہ البخاری فی ادب المفرد والبزار والحاکم)

حضرت جابر ابن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تم کو وہ چیز بتلاتا ہوں جس کی وصیت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کی تھی ، اور وہ یہ کلمہ ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کیونکہ تمام مخلوق یہ کلمہ پڑھتی ہے اور اسی کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے (اخرجہ المستغفری)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے افلاس کی شکایت کی ، آپؐ نے فرمایا کہ تم صلوٰۃ ملائکہ اور تسبیح خلائق کیوں نہیں پڑھتے ؟ اور وہ یہ ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ (اللہ کی ذات پاک ہے اور اسی کیلئے حمد و ثنا ہے ۔ اللہ کی ذات پاک ہے جو عظمت والا ہے میں

نہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں) یہ کلمہ طلوعِ فجر کے بعد صبح کی نماز سے پہلے سو
تبہ پڑھا جائے تو دنیا تمہارے سامنے ذلیل ہو کر آئے (اخرجہ المستغفری)

(۱۲) ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کوئی فقر وافلاس کی تکلیف پیش آئی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے شکایت کی اور درخواست کہ آپؐ ان کو کچھ کھجور عطا فرمادیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں ایک مقدار کھجور کی آپ کو دلوادوں، اور اگر چاہیں تو ایسے کلمات بتادوں جو آپ کے لئے اس سے بہتر ہیں:۔

اور وہ کلمات یہ ہیں، اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ بِالْإِسْلَامِ قَاعِدًا وَّاحْفَظْنِيْ بِالْإِسْلَامِ رَاقِدًا وَلَا تُطْمِعْ فِيَّ عَدُوًّا وَّلَا حَاسِدًا وَّأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ وَأَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِيْ بِيَدِكَ (یا اللہ اسلام کی وجہ سے میری حفاظت فرما بیٹھے ہوئے، اور اسلام کی وجہ سے میری حفاظت فرما سوتے ہوئے، اور کسی دشمن وحاسد کو میرے نقصان میں طمع کرنے کا موقع نہ دے، میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں ہر اُس چیز کی برائی سے جو آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور میں ہر وہ بھلائی آپ سے طلب کرتا ہوں جو آپ کے قبضہ میں ہے (اخرجہ المستغفری)

(۱۳) اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ آپ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ پانسو بکریاں مع اُن کے چرواہوں کے آپ کو دیدوں یا یہ کہ پانچ کلمات آپ کو سکھلادوں (مطلب یہ تھا کہ یہ پانچ کلمات ہی قابلِ پسندیدگی ہیں) اور وہ کلمات یہ ہیں:۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَطَيِّبْ لِيْ كَسْبِيْ وَوَسِّعْ لِيْ فِيْ خُلُقِيْ وَلَا تَمْنَعْنِيْ مِمَّا قَضَيْتَ لِيْ بِهٖ وَلَا تُذْهِبْ نَفْسِيْ إِلٰى شَيْءٍ صَرَفْتَهٗ عَنِّيْ (یا اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرا کسب حلال فرمادے اور میرے خلق کو وسیع کردے اور جو چیز آپ نے میرے حصے میں لکھ دی ہے اس سے مجھ کو محروم نہ فرمایئے اور جو چیز میرے نصیب میں نہیں اسکی طرف میرے نفس کی رغبت متعلق نہ فرمایئے) (اخرجہ المستغفری)

(۱۳) اور حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں کیوں نہ سکھلا دوں وہ دعا جو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائی ہے، اور فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ دعا اپنے حواریوں کو سکھلایا کرتے تھے اور خاصہ اس دعا کا یہ ہے کہ تمہارے ذمے احد (پہاڑ) کی برابر قرض ہو تو وہ بھی حق تعالیٰ ادا کر دیں گے۔ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ایسی دعا مجھے ضرور بتلائیے۔ آپ نے فرمایا وہ دعا یہ ہے:۔

اَللّٰهُمَّ کَاشِفَ الْکَرْبِ مُجِیْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّ رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِیْمَهُمَا اَنْتَ تَرْحَمُنِیْ فَارْحَمْنِیْ بِرَحْمَةٍ تُغْنِیْنِیْ بِهَا عَمَّنْ سِوَاكَ۔

(یا اللہ مصیبتوں کے دور کرنے والے اور مبتلائے مصیبت کی دعا قبول فرمانے والے دنیا و آخرت میں بڑی چھوٹی ہر قسم کی رحمتیں کرنیوالے تو ہی مجھ پر رحم فرمائیگا۔ پس تو ہی مجھ پر ایسی رحمت فرما جو مجھ کو تیرے سوا سب سے بے نیاز کر دے)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت آپؐ نے مجھے یہ دعا تعلیم فرمائی تو میرے ذمے بہت سا قرض تھا، اور میں قرض سے بہت گھبراتا تھا (اس دعا کے پڑھنے سے) چند روز بعد ہی حق تعالیٰ نے مجھے اتنا فائدہ پہنچایا کہ یہ سب قرض ادا ہوگیا۔

پھر حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے ذمہ (بھی) ایک عورت کا قرض تھا اور میں اس سے بہت شرمندہ تھی، میں نے یہ دعا پڑھنی شروع کی تو چند روز نہ گزرے کہ حق تعالیٰ نے مجھے بغیر کسی حصۂ وراثت یا صدقہ کے (غرض بیگمان) رزق عطا فرمایا، جس سے میں نے یہ قرض ادا کر دیا (اخرجہ البزار والبیہقی فی الدعوات والحاکم)

(جاری)

بقیہ مکتوب ۸۲ (دسمبر) کا

حال :۔ دعا فرمائی جاوے کہ اللہ تعالیٰ صدق نیت و اخلاص اور اسپر استقامت و دوام عطا فرمائیں اور راضی وخوش ہوجائیں۔ تحقیق :۔ آمین۔
حال :۔ اور عظمت و اعتقاد شیخ جس درجہ ہونا چاہئے کما حقہ نصیب ہوجائے۔
تحقیق :۔ ــــــ آمین
حال :۔ حضرت والا! بنہایت لجاجت وادب سے درخواست ہے کہ حضرت والا بھی اس غلام گنہ گار نابکار کا قصور معاف فرمادیں کہ بغیر اسکے راہ کا کھلنا محالات میں سے ہے حضرت والا نے ترصیع الجواہر المکیہ میں سے نفس کے متعلق جو مضمون نوٹ کرنے کو فرمایا تھا نوٹ کرلایا ہوں اور برابر دیکھتا رہتا ہوں اور اسمیں لکھی ہوئی ہدایات پر اپنے کو ڈھال لینے کی کوشش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ تحقیق :۔ آمین۔
حال :۔ اور فہم سلیم اور عمل صحیح نصیب فرمائیں۔ اور استقامت و دوام عطا فرمائیں۔
تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ حضرت والا! بندہ دعا کا بیحد محتاج ہے دعا فرمادیجئے۔ تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔ حال :۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمارا حال ظاہر و باطن سب درست و ٹھیک فرمادیں۔ تحقیق :۔ آمین۔

مکتوب نمبر ۸۳

حال :۔ احوال یہ ہے کہ جب حالات اچھے رہتے ہیں تو دین کا کام نہایت عمدہ اور اطمینان اور محنت سے ہوتا ہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ
حال :۔ اور جب خراب حالت ہوجاتی ہے تو پریشانی اور جھنجلاہٹ اور برائی کیطرف دل کھنچتا ہے، شہوت اور غصہ کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ کبھی تو دیندار اور پرہیزگار معلوم ہوتا ہوں اور کبھی شیطان ہوجاتا ہوں اور دل میں بہت الجھن ہوجاتی ہے۔ اور جب حالت اچھی رہتی ہے تو بہت سکون رہتا ہے۔ غور کیا تو معلوم

ہوا کہ اچھی حالت میں تمام جسم کی حالت درست رہتی ہے اور جب شہوت اور غصہ کا غلبہ رہتا ہے تو دل بُرائی کی طرف کھنچتا ہے اور روح قبول نہیں کرتی۔ اسلئے پریشانی اور گھبراہٹ بہت بڑھ جاتی ہے۔ جب حالت اچھی رہتی ہے تو حضور سے بیحد محبت معلوم ہوتی ہے اور جب خراب حالت ہو جاتی ہے تو غیرت سے منہ دکھانے یا حالت لکھنے کا جی نہیں چاہتا بھاگے ہوئے غلام کی طرح معلوم ہوتا ہوں۔ بہرحال دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ حالات درست کر دے۔

تحقیق: میں ترصیع الجواہر سے ایک مضمون نقل کرتا ہوں اس پر اپنے حال کو منطبق کر لیجئے غالباً بلکہ یقیناً آپکے حال پر چسپاں ہے وھو ھذا:- الباب الخامس فی المقام الثانی الذی ھو النفس اللوّامۃ وسمّیت لوّامۃ لانھا کلّما اوقع صاحبھا فی مخالفۃ لامتہ۔ فمن صفاتھا اللوم والھویٰ والمکر والعُجب والریاء والظلم والغیبۃ والکذب وحب الریاسۃ وحب الشھرۃ وربما بقی معھا بعض صفات النفس الامارۃ ولکنھا مع ذٰلک تری الحق حقاً والباطل باطلاً رؤیۃ اقویٰ من المعرفۃ السابقۃ لانھا حاصلۃ عن نور المصباح الملکوتی الذی اوقدہ اللہ تعالیٰ فی قلب السالک بحیث تکون تلک الرؤیۃ باعثۃ علی التخلص من الصفات المذمومۃ بالمجاھدۃ والتحلی بالاخلاق الحمیدۃ لکنھا لا تقدر بعد علی الخلاص منھا ولھا رغبۃ فی موافقۃ الشرع والمجاھدۃ ولھا اعمال صالحۃ من قیام وصیام وصدقۃ وغیر ذٰلک ولکن یدخل علیھا فی ذٰلک العجب الریاء وحب المحمدۃ وثناء علیہ من جھۃ تلک الصالحۃ۔ فیجب علیہ ان یظھر للناس ما فیہ من خلق العجب الریاء والا کانا[عہ] سبباً فی انقطاعہ۔ وعلیہ بالمجاھدۃ وکثرۃ الذکر بالاسم الثانی وھو اللہ حتی یتخلص من ذٰلک وھٰذا اذا لم تلم لہ فی المقام الاول وحلیۃ الافعال۔ واما اذا لاحت فلا عجب ولا ریاء لانہ حینئذٍ لا یریٰ لہ عملاً حتی یعجب فیہ او یُرائی بل یشتغل بالحمد والشکر لخالقھا ومولاھا ویخاف ان قصر بالشکر ان تسلب عنہ

عہ (قولہ والا کانا سبباً فی انقطاعہ) یعنی اگر لوگ اسکی وجہ سے دھوکہ میں پڑتے اور اسکی خیر وصلاح کے معتقد ہوتے ہیں (تب یہ اظہار واجب ہے) ورنہ سالک پر اپنے عیوب کا اظہار لازم نہیں۔

نکنه فی ھذا المقام کثیرالخواطر والوساوس والافکار فلیستعن علی نفیھا بالذکر الجھری الشدید وبالاستعانۃ باللہ تعالیٰ علی کل قاطع یقطعه عن اللہ تعالیٰ من الجن والانس وکلما لاح له شیٔ من العجائب فی الاسرار فلیخبر به استاذہ کما تقدم۔ (ترجمہ) باب پنجم مقام ثانی کے بیان میں اور وہ نفس لوّامہ ہے۔ اس نفس کا نام لوّامہ اسلئے پڑا کہ جب بھی اس کا صاحب (حق کی) مخالفت کرتا ہے تو یہ اسکو ملامت کرتا ہے

چنانچہ اسکی صفات میں سے ملامت کرنا ہے اور ہوئی اور مکر ہے۔ عُجب اور ریا ہے اور ظلم اور غیبت ہے اور کذب اور غفلت ہے۔ اور حب جاہ وحب شہرت ہے۔ اور بسا اوقات ان صفات کیساتھ ساتھ نفس امّارہ کی بعض صفات موجود رہتی ہیں لیکن نفس اس درجہ میں ان صفات سے متصف ہونے کے باوجود حق کو حق اور باطل کو باطل جانتا ہے۔ اور وہ جاننا ایسا ہوتا ہے جو کہ معرفت سابقہ سے قوی ہوتا ہے اسلئے کہ اسکو یہ معرفت حاصل ہوتی ہے ایک ایسے ملکوتی مصباح کے نور سے جس کو اللہ تعالیٰ نے سالک کے قلب میں روشن کر رکھا ہے ایسے طور پر کہ یہ رویت باعث بنتی ہے مجاہدہ کے ذریعہ صفات مذمومہ سے تخلص کا اور اخلاق حمیدہ کے ساتھ تخلق کا (نفس اس مرتبہ میں حق و باطل میں فرق تو کرتا ہے) لیکن ابھی تک وہ اپنی صفات مذمومہ سے خلاصی پانے پر قادر نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ اس کیلئے اتباع شرع اور مجاہدہ وغیرہ میں رغبت بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح سے اس کیلئے کچھ اعمال صالحہ بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً قیام وصیام وصدقہ وغیرہ۔ مگر سالک پر اس مقام میں عجب (خود پسندی) ریا، تعریف کی خواہش اور یہ خیال کہ ان اعمال صالحہ کی وجہ سے لوگ اسکی تعریف کریں یہ سب رذائل پیدا ہوتے ہیں لہٰذا اس پر لازم ہے کہ اسکے اندر عجب وریا جو دو خصلتیں موجود ہیں ان کو لوگوں پر ظاہر کرے ورنہ یہی دونوں اسکے انقطاع عن الطریق (طریق سے رہ جانے کی) کا سبب بن جائیں گے۔

اور اسکے اوپر اس مرتبہ میں لازم ہے کہ ذکر کی کثرت کرے۔ خوب مجاہدہ کرے اور ذکر بھی اسم ثانی کا یعنی اسم ذات اللہ کا یہانتک کہ اس سے خلاصی پا جائے۔ اور یہ اسوقت ہے جب کہ مقام اول میں وحدت افعال ظاہر ہو چکی ہو۔

اور اگر ظاہر ہو چکی ہو تو پھر عجب وریا ہی نہ رہ جائیں گی اس لئے کہ اسوقت میں وہ کسی

عمل کو اپنا سمجھتا ہی نہیں تاکہ اسکو عجب ہو یا وہ ریاکاری کرے بلکہ وہ تو مشغول ہوجاتا ہے اپنے خالق اور مولیٰ کی حمد و شکر میں۔ اور اس امر کا اندیشہ کرتا۔ جتاہے کہ اگر شکر میں کوتاہی ہوگی تو یہ سب دولتیں سلب ہوجائیں گی۔ لہٰذا اس مقام میں پہونچ کر یہ سب چیزیں اس سے صادر نہ ہونگی۔ البتہ اس مقام میں اسے خواطر ردیّہ اور وساوس واہیہ اور افکار بہت پیش آئینگے۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ انکی نفی پر ذکر جہری سے اعانت چاہے اور اللہ تعالیٰ سے ہر اس قاطع پر عون اور مدد طلب کرے جو اسکو اللہ تعالیٰ سے ہٹائے خواہ وہ جن میں سے ہو یا انس میں سے۔ اور جب بھی کوئی چیز عجائبات میں سے یا اسرار میں سے اسپر منکشف ہو تو اسکو اپنے شیخ سے بیان کرے جیسا کہ گزرچکا ہے)

مکتوب نمبر ۷۸۴

حال :۔ اب تحصیل صدق کی تدبیر ارشاد فرمائیں اور اسکی حقیقت شرعیہ سے بھی مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ حضرت اقدس کے ارشاد پر کاربند ہوں گا۔

تحقیق :۔ صدق تو آپ جانتے ہی ہیں باقی صدق قول میں بھی ہوتا ہے فعل میں بھی ہوتا ہے یعنی سچوں کے سے کام کرنا۔ اور ایک صدق احوال میں ہوتا ہے یعنی سچوں کے سے احوال۔ اب بتلائیے کہ کیا سمجھے۔

مکتوب نمبر ۷۸۵

حال :۔ اب تمنا یہ ہے کہ تہجد گزار بن جاؤں۔ تحقیق :۔ خدا کرے ہوجاؤ۔

حال :۔ دوسری طرف کام کی تیاری ہے کاروبار میں محنت مشقت اٹھانے کا موقع آرہا ہے اس لئے اندیشہ ہے کہ ہمیشگی نہ رہے گی اس الجھن میں آپ کوئی راہ دکھائیں۔

تحقیق :۔ بعد عشاء پڑھ لیا کرو اور مداومت نہ ہوسکے تو گاہے گاہے سہی۔

حال :۔ آپ کے تصور کی حالت یہ ہے کہ آپ کے اشاروں میں ہدایت ملتی ہے۔

تحقیق :۔ الحمد للہ۔ حال :۔ اور اس کے موافق برتنے میں فائدہ۔ اور اسلئے میں

نقصان دیکھا یہ کیسا ہے ؟ تحقیق :- بہت اچھا ہے ۔
ل :- اور جس دن فجر کی جماعت گئی اسوقت خواب میں آپ نے مصلیٰ بچھا کر میری طرف دیکھا کیا ۔ تنبیہ سے میں بھاگا ایک مسجد میں ۔ وہاں دیکھا تو دیر ہے ۔ وہاں سے دوسری مسجد (آگے کچھ یاد نہیں) اور میری آنکھ کھلی دیکھتا ہوں جماعت فوت ہوئی ۔ کاروبار میں مال اُدھار لانا پڑتا ہے ۔ مدت زیادہ ہونے پر سود دینا پڑتا ہے اور یہ بڑے دکان والوں کا رواج ہے جو ہندو ہے ۔ اور جو مسلمان ہے وہ اُدھار دیتا نہیں اور دیتے ہیں تو مدت معین ہوتی ہے اور وہ وقت پر ادا نہیں ہوتا ۔ یعنی مجبوراً ہندو کے وہاں سے مال خریدنا پڑتا ہے کیونکہ دوکان چلانا ہے ۔ قرض ادا کرنا ہے ۔ مطلب جس کاروبار میں ہوں اس کا یہ حال ہے ۔ اور یہ سب میری غلطی اور گنہ گاری کے سبب سے ہے نہ چھوڑ سکتا ہوں اور نہ دل کو اچھا لگتا ہے پریشان ہوں ۔
تحقیق :- بُرا سمجھتے رہو ، توبہ کرتے رہو اس سے پیچھا چھڑاتے رہو ۔ عزم رکھو جائز کام کا ۔ حلال کا ۔

مکتوب نمبر ۷۸۶

حال :- حضرت والا کی خدمت میں چند باتیں اپنی اصلاح کیلئے لکھتا ہوں وہ یہ کہ ہماری والدہ صاحبہ کا قانون گھر کے معاملہ میں یہ ہے کہ مدرسہ سے مشاہرہ آنے کے بعد اس ماہ میں جو کچھ خرچ ہوا ہے اس کا حساب دکھلایا جائے اس میں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کہیں اسراف میں پیسے خرچ نہ ہو جائیں اور قرض کا بوجھ سر پر نہ آئے ۔ اب میں اسی کے مطابق حساب دکھلاتا ہوں لیکن بعض وقت کوئی ایک ضروری خرچ ایسا آجاتا ہے جو خرچ ہی کرنا پڑتا ہے کبھی میری ذاتی ضرورت سے اور کبھی بیوی کی ضرورت سے ۔ اب والدہ کو حساب دکھلانے کے موقع پر ان اخراجات کو اگر ظاہر کروں تو انکی نظر میں وہ اسراف معلوم ہو کر کچھ فتنہ ہو جاتا ہے ۔ اگر ظاہر نہ کروں اور کوئی دوسری وجہ فتنہ سے بچنے کیلئے بتاؤں تو جھوٹ کا شائبہ ہے ۔ تو

ایسی صورت میں کچھ نہ کچھ فتنہ سے بچاؤ کیلئے کوئی آسان تدبیر اگر کرلوں تو جھوٹ تو نہیں ہوگا۔ **تحقیق**:۔ نہیں۔ **حال**:۔ اور اگر حساب کو نہ دکھلایا جائے اور خاموشی اختیار کی جائے تو والدہ کو سخت اذیت ہوگی اور ناراض ہوتی ہیں۔ امید ہے کہ حضرت والا اسکے متعلق کچھ تحریر فرمائیں گے۔ **تحقیق**:۔ لکھ دیا کوئی تدبیر کریں۔

حال:۔ حضرت والا! یہاں مدرسہ میں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مدرسہ کے اوقات میں اسباق وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد یا درمیان میں کچھ اپنے ذاتی خطوط قرابتداروں وغیرہ کو لکھ دیتا ہوں جس کے سبب سے پندرہ یا بیس منٹ صرف ہوجاتے ہیں کیا یہ میرے لئے ان اوقات میں کرنے سے مدرسہ کے حقوق میں کوتاہی کا سبب بن کر ناجائز ہوگا۔ **تحقیق**:۔ مدرسہ کی طرف سے اسکی اجازت ہوسکتی ہے۔

حال:۔ میرا معمول ہے کہ اگر اپنی ذاتی ضرورت سے مدرسہ کے اوقات میں باہر جانا ہوتا ہے تو ناظم صاحب مدظلہٗ سے اجازت لیکر جاتا ہوں کبھی شاذ ونادر ایسا ہوتا ہے کہ پندرہ بیس منٹ کیلئے باہر جانا ہے اور ناظم صاحب مدظلہٗ کے کسی ضروری کام میں مصروف رہنے سے بغیر اطلاع کے باہر جاکر آجاتا ہوں کیا یہ میرے لئے درست ہوگا۔

تحقیق:۔ کیا ان کو ناگوار ہوگا جب علم ہوگا۔

حال:۔ ایسے ہی مدرسہ کی طرف سے جو اسباق متعین ہوتے ہیں ان کے پورا کرنے کے بعد کبھی کبھی کوئی طالب علم جو دوسرے اساتذہ کے پاس پڑھتے ہیں چند دن ناغہ ہونے سے وہ طالب علم چھوٹے ہوئے اسباق کو حل کرنے کیلئے آتا ہے ایسے طالب علم کو ناغہ شدہ سبق کا پڑھانا میرے لئے درست ہوسکتا ہے۔

تحقیق:۔ ہاں درست ہے۔

مکتوب نمبر ۷۸۲

حال:۔ حضرت والا سے رخصت ہوکر مکان آیا الحمدللہ حسب ارشاد ذکر جہر اسم ذات کا کرتا رہتا ہوں۔ بوقت ذکر سکون اور اطمینان رہتا ہے بقیہ دیگر وقتوں میں دل پریشان

رہتا ہے۔ طرح طرح کے تکلیف دہ خیالات اور دنیاوی تفکرات گھیرے رہتے ہیں جس سے تکلیف رہتی ہے۔ حضرت والا! میرے لئے دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ میرے قصوروں کو معاف فرمائے اور اطمینان نصیب ہو اور انجام بخیر ہو

تحقیق:۔ الحمدللہ بوقت ذکر سکون و اطمینان رہتا ہے دیگر اوقات میں تکلیف دہ خیالات ستاتے ہیں اور گھیرے رہتے ہیں۔ اگر نامناسب نہ ہو تو فرمائیے تاکہ اسکے بارہ میں کچھ کہہ سکوں۔ دعا کرتا ہوں اللہ تعالےٰ معاف فرمائے اور اطمینان عطا ہو اور انجام بخیر ہو۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۷۸۸

حال:۔ آج کی مجلس میں حضور نے جو دو مضامین بیان فرمائے ہیں اُن کو میری ناچیز عقل نے جتنا سمجھا ہے، لکھ رہا ہوں ان میں جو غلطی ہو حضور تصحیح فرمادیں اور کمترین کیلئے دعا فرمادیں۔ **تحقیق**:۔ دعا کرتا ہوں۔

حال:۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے دینِ مبین پر چلنے کی ہدایت فرمائیں اور بزرگوں کی زیادہ سے زیادہ صحبت نصیب ہو آمین۔ **تحقیق**:۔ آمین۔ **حال**:۔ اول یہ کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کی پرسش ہوگی اور نماز کو مضبوط پکڑنے سے آہستہ آہستہ مکمل دین حاصل ہو گا اور برائیاں دور ہونگی۔ **تحقیق**:۔ بیشک بیشک۔

حال:۔ دوم یہ کہ انسان جو کچھ مال کماتا ہے اس کو شرع اور سنت کے مطابق خرچ کرے۔ **تحقیق**:۔ بیشک۔ **حال**:۔ اور اسی میں ثواب ہے۔ انمیں فرض اوّل اپنے نفس پر۔ دوم ولد پر۔ سوم اہل وعیال پر اور چہارم خادم پر خرچ کرنا ہے۔ اسکے بعد فقراء ومساکین اور دوسرے ضرورتمندوں کی مدد کرنا ہے۔ بقدر ضرورت ان پر خرچ کرنا تو فرض ہے اور ضرورت سے زیادہ دینا نفل ہے۔

تحقیق:۔ خوب صحیح سمجھا جزاکم اللہ تعالیٰ۔

مکتوب نمبر ۷۸۹

حال :۔ حضور والا ! کئی روز کے انتظار کے بعد آج صبح مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملا. دو باتیں جو حضرت والا نے بیان فرمایا ہے بیشک بہت کام کی ہیں۔

تحقیق :۔ بیشک۔ حال :۔ اوّل یہ کہ جو اخراجات اپنے اوپر یا گھر والوں کے اوپر کئے جاتے ہیں ان میں دو فائدے ہیں۔ پہلا یہ کہ گھر کی ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ دوسرے ادائیگی فرض کا ثواب مل جاتا ہے کیونکہ اپنی ذات پر اور اہل وعیال پر حسب ضرورت خرچ کرنا فرض ہے۔ پہلی بات تو معلوم تھی لیکن دوسری بات کہ ثواب بھی ملتا ہے آج معلوم ہوئی۔ تحقیق :۔ سچ لکھتے ہو۔

حال :۔ دوسرے یہ کہ اپنی حالت اور ایمان کو درست کرنے کے لئے نماز کو صحیح طریقہ سے اختیار کرنا چاہئے۔ اگر نماز کو صحیح طریقہ سے اختیار کر لیا جائے تو سب خرابیوں کی اصلاح بہت آسان ہو جائیگی۔ تحقیق :۔ بیشک۔

حال :۔ اور جو دشواری ہے وہ دور ہو جائے گی۔ حضرت والا دعا فرما دیں کہ۔

تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔ حال :۔ اللہ تعالیٰ نیک عمل کی توفیق ارزانی فرمادیں۔

تحقیق :۔ آمین۔

مکتوب نمبر ۷۹۰

حال :۔ کلام پاک کی طرف بعض مرتبہ خیال فاسد آجاتا ہے جو زبان سے کہہ نہیں سکتا تو اسمیں پریشان ہو جاتا ہو اور نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نقش نماز وغیر نماز میں آجاتا ہے جیسے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود ہیں۔

تحقیق :۔ کلام مجید کے متعلق جو خیالات آتے ہیں ان کی طرف التفات نہ کیجئے۔ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال محبت کی وجہ سے ہے اور منع نہیں ہے۔ عمداً توجہ صلوٰۃ کی طرف رکھنی چاہیئے۔

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:۔ احمد مکین

شمارہ ۲۴۲ شعبان و رمضان ۱۴۱۴ھ مطابق فروری و مارچ ۱۹۹۴ء۔ جلد ۱۷

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۲/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر۔ پبلشر:۔ صغیر حسن۔ :۔ اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ:- رمضان المبارک رحمتوں، برکتوں اور مغفرت کا مہینہ ہے۔ جہاں اس ماہ کے قدر دانوں کیلئے بے انتہا اجر و ثواب ہے۔ وہیں ناقدروں کیلئے سزا و عتاب بھی ہے ـــ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو طاعات و عبادات سے اس ماہ کو آباد رکھتے ہیں۔ ذکر و تسبیح سے شب و روز کو معمور رکھتے ہیں۔ پاکیزگی باطن اور طہارت قلب کے حصول کیلئے ہر گھڑی کوشاں رہتے ہیں۔ کذب، نمیمہ اور غیبت اور ہر طرح کی ظاہری و باطنی برائیوں سے بچنے کا اہتمام و التزام کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو اس ماہ کی خوبیوں، برکتوں اور سعادتوں کو پا لیتے ہیں۔ اور حقیقی معنوں میں یہی لوگ عید کی مسرتوں اور مبارکبادیوں کے مستحق ہیں ـــ اس ماہ کی اہمیت و عظمت کی بنا پر پیش نظر شمارہ رمضان المبارک کے فضائل، مسائل اور احکام وغیرہ پر مشتمل ہے تاکہ اہل نظر و اصحاب خیر کے شوق عبادت اور ذوق طاعت میں مزید اضافہ ہو۔ اسکی برکتوں سے خوب ہی خوب بہرہ مند ہوں۔ پل پل کی سعادتوں کو سمیٹ لیں۔ خود بھی مستفید ہوں اور دوست و احباب اور اہل و عیال کو بھی متوجہ کریں ـــ رب العزت ہم سب مسلمانوں کو رمضان المبارک کے حقوق کما حقہٗ ادا کرنیکی توفیق عطا فرمائے (آمین)

مدارس دینیہ میں تعلیمی سال شوال سے شروع ہوکر شعبان میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ تعلیمی سرگرمیاں رمضان المبارک میں موقوف رہتی ہیں۔

الحمد للہ مدرسہ وصیۃ العلوم میں بھی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ پورے سال جاری رہا۔ حسب دستور طلباء و اساتذہ درس و تدریس میں مشغول و معروف رہے۔ امسال بھی ایک جماعت یہاں سے فارغ ہوکر مزید تکمیل تعلیم کے لئے دار العلوم وغیرہ کے لئے عازم سفر ہوگی۔ مدرسہ وسط شہر میں ہونے کی بنا پر توسیع کی گنجائش بہت کم رکھتا ہے۔ اگرچہ رہائش اور دیگر ضروریات کے لئے موجودہ عمارت ناکافی ہے۔ گاہ بگاہ قریب میں کوئی عمارت یا زمین فروخت ہوتی ہے تو قیمت کی زیادتی کی بنا پر قوت خرید سے باہر ہوتی ہے اور مدرسہ کے لئے نہایت اہم اور کارآمد ہونے کے باوجود اسکے حصول سے محروم رہتی ہے۔ آجکل مدرسہ سے متصل اور مقابل ایک زمین فروخت ہو رہی جو دیگر ضروریات کیلئے کافی ہوگی۔ نیز بعض مصالح کی بنا پر یہ زمین مدرسہ کیلئے نہایت اہم ہے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کے حسب ایما اس زمین کے لئے بات چیت کر لی گئی ہے۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اس کی قیمت کی ادائیگی کو آسان فرما دیں۔ اور مجوزہ عمارت کی تعمیر کے ذرائع و اسباب بھی مہیا فرما دیں۔ (آمین)

(مدیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دُعا کی ضرورت و اہمیت

پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اب پھر کہتا ہوں کہ جب کسی دینی مجلس میں بیٹھو تو استغفار پڑھ کر بیٹھا کرو تاکہ پاک و صاف ہو جاؤ اور جب کبھی اچھی باتیں سنو تو کہیں جا کر انھیں دُہرا دیا کرو خصوصاً اپنے اہل و عیال کیساتھ ضرور ایسا کیا کرو اور دعا کرو کہ یا اللہ اس مجلس کی برکات ہم کو عطا فرمایئے اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا کیجئے اور جب کبھی اچھی بات سنو تو اللہ کا شکر ادا کرو۔ اس سے صلاحیتیں درست ہوتی ہیں۔ اور پھر اچھی بات سننے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگا کرو۔ دعائیں بگڑے ہوئے قلب کی صلاحیت درست کر دیتی ہیں پہلے اسکو رسا کر کے ہی دیکھو تو پھر قلب میں حقیقت خود بخود اُتر جائیگی۔

معاشرے کے متعلق اپنی استعداد کے مطابق ہم کافی ذکر کر چکے۔ ہمارے حضرت مولانا تھانوی کی ہر بات قابلِ قدر ہے۔ حضرت ہر وقت دُعا کرتے یا اللہ مجھ کو تو کچھ آتا نہیں۔ آپ جو کچھ کہلوا دیں وہ پہنچا دونگا مجھے توفیق دیجئے کہ اچھی بات کہوں جو دلوں میں اُتر جائے۔

ایک مرتبہ حضرت والا نے فرمایا۔ صاحبو! میں وعظ ایسے تو کہتا نہیں۔ لیکن جو کوتاہیاں آجکل ہو رہی ہیں ان کو دیکھ کر جی کڑھتا ہے اور حضرت کا وعظ کہنے کے درمیان کبھی لہجہ تیز ہو جاتا تو فرماتے یقین کیجئے اس لہجہ سے مخاطب آپ نہیں ہیں۔ جب ایسی بات آتی ہے جو نفس کو گراں گزرے تو پھر اپنے نفس کو تیزی کے ساتھ مخاطب کرتا ہوں.... سبحان اللہ! کیا انداز ہے۔

دردِ مُوفلق | بہر حال ہم معاشرہ کی بُرائیاں بہت کر چکے۔ اب معاشرہ تو بھیانک بن کر ہمارے سامنے آگیا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہم کیا دیکھ رہے ہیں مسلمان خدا کا قائل، قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائل، اور تمام اعمال ہمارے اس کے برخلاف۔ آج کیا کیا فتنے اُٹھ رہے ہیں سب سے پہلے خدا کا انکار ہو رہا ہے اور یہ نعرے لگائے جاتے ہیں "ہم کو خدا کا قانون نہیں چاہیئے، روٹی کپڑا چاہیئے" ارے توبہ توبہ! تم کو آخرت کا خوف نہیں۔ بہیمیت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ شرافت انسانی ختم ہو چکی ہے۔ آج روس اور امریکہ چاند پر تو جا رہے ہیں مگر وہاں کے رہنے والوں کا کس قدر گھناؤنا معاشرہ ہے ان کا ذکر بھی ناپاک ہے۔ بھائی ہم تو ایسی ناپاکیوں

کا ذکر بھی کرنا پسند نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

ترغیبِ مراقبہ ہمارے حضرتؒ نے فرمایا جس کے دل میں تقویٰ ہے اسکے اوپر کسی کا تسلط نہیں چلتا نہ نفس کا نہ شیطان کا نہ باغیوں کا۔ یہ مومن کے قلب کیلئے سپر ہے۔ اور اگر ایسا تقویٰ حاصل نہیں تو عقلاً حاصل کر و پھر قلب کا تقویٰ بھی حاصل ہو جائے گا۔ اللہ پاک ہم کو تقویٰ عطا فرمائیں۔ آمین۔

آج زندگی کے عنوانات تو ختم ہوتے جارہے ہیں اور موت کے عنوانات ان گنت پیدا ہوتے چلے جارہے ہیں۔ غفلت ان میں سب سے بڑا عنوان ہے۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں بے سمجھی سے کر رہے ہیں رسم کے طور پر کر رہے ہیں۔ خدا کے لئے اس کو سمجھ لو۔ تھوڑا سا خوف پیدا کر لو۔ بیدار ہو کر کرلو۔ اسکی ترکیب یہی ہے کہ تھوڑا سا وقت نکال کر اپنے حالات کا جائزہ لو۔ میں تو پہلے کہا کرتا تھا کہ اوراد و وظائف کم کر دیجئے ..... "درحقیقت ذکر و شغل بے معنی نہیں ایک دفعہ بھی اللہ کا نام لے لے اس کی بہت برکات ہیں" لیکن کوئی وقت نکال کر اپنی زندگی کا جائزہ بھی لیں اس سے بہت فائدہ ہوگا ___ کسی خاص وقت میں بیٹھ کر اپنے کو مخاطب کریں اور خدا سے عجز و نیاز کے ساتھ گفتگو کریں توبہ کریں اور دعائیں کریں۔ یا اللہ آج کی بدتہذیب اور بد اخلاق معاشرہ کی گندگیوں میں گھر گیا ہوں۔ میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا متمنی ہوں آپ ان کی اتباع کی توفیق نصیب کیجئے۔ کچھ دنوں کے لئے اوراد و وظائف کم کر دیجئے اور اس مراقبہ کے لئے وقت نکالئے جس کو بھی جو ملا ہے اسی غور و فکر سے ملا ہے۔

نورِ ایمان کی برکات میں سوچتا ہوں یہ بزرگانِ دین عاقبت سے اتنا کیوں ڈرتے تھے۔ دراصل ساری زندگی کے افسانے گزر جاتے ہیں۔ اب آنکھ بند ہوتے ہی ابدالآباد کی زندگی آنیوالی ہے۔ اس لئے لرزہ براندام ہوتے ہیں چونکہ وہاں پھر کوئی عمل تو ہو نہیں سکتا۔ عمل کیلئے تو یہ عرصہ ہے اور یہ عرصۂ زندگی نہایت مختصر۔ اور وہاں کی زندگی بڑی قوی اور ہمیشہ رہنے والی۔ جو کچھ بھی ہو، عذاب ہو یا عیش ہو۔ وہ دائمی ہوگا۔

ایک دفعہ ہم قبرستان گئے خیال آیا یہیں کہیں ہماری بھی قبر ہوگی۔ ایک قبر پر کتبہ لگا تھا۔

" اے جانے والے آن کر دیکھ میں کس طرح خاک میں پڑا سو رہا ہوں "

معلوم نہیں کیا حال ہوگا۔ معلوم نہیں کفن بھی باقی ہے یا نہیں۔ معلوم نہیں بدن بھی باقی ہے یا صرف ہڈیاں پڑی ہیں۔ سب رگیں جو تنی تھیں پانی ہو کر بہہ گئیں۔ اب کھوپڑی پڑی ہوئی ہے کوئی رگ و ریشہ نہیں۔ دماغ میں جو کچھ بھرا تھا سب کیڑے مکوڑے کھا گئے۔ مجھے ایسی حیرت ہوئی کہ اگر اس خاک کے اندر کسی کو آرام ہے تو صرف ایمان والوں کو۔ وہ دماغ وہ فلسفہ سب ختم ہو گیا۔ عیش کا پروردہ بدن تو خاک میں مل گیا مگر مومن پر اللہ کا کرم بے حساب ہوتا ہے۔ صاحب ایمان اگر مرنے سے قبل توبہ کرے خواہ کتنا ہی گنہ گار ہو اللہ پاک رحم فرما دیتے ہیں۔ تو پھر قبر بھی آغوش رحمت بن جاتی ہے۔

یہ جو دعا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یا اللہ میرے آگے پیچھے نور دے، میرے اوپر نیچے نور دے میرے دائیں بائیں اندر باہر نور دے، میرے گوشت میری ہڈیوں میں نور دے، کیا تم جانتے ہو کوئی دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر خدا کی رضا کے مانگتے تھے۔ پھر کیا وہ دعا صرف اپنے لئے تھی؟ ارے یہ اُمتی اُمتی کہنے والے صلی اللہ علیہ وسلم کیا کیا سامان کر گئے ہیں اپنی غفلت زدہ اُمت کے لئے۔ گوشت پوست ختم ہو چکا تو ان ہڈیوں میں نور ہے اور جہاں نور ہے وہاں نار کہاں۔ یہ ہمارے ذوق کی بات ہے۔ بڑے بڑے بزرگان دین جو گھبراتے تھے وہ عاقبت سامنے محسوس کرتے تھے۔ تمام دنیا دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔ یہاں کی لذتیں فانی ہیں۔ آخرت کا سرمایہ یہی ہے کہ ایمان صحیح ہو اور اعمال ٹھیک ہوں، پھر نہ جان کا خوف ہے نہ قبر کا نہ حشر کا، کسی جگہ کا کھٹکا نہیں ہے۔ ایمان کو ٹھیک کر لو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

آداب دُعا: اب اللہ پاک سے ندامت کے ساتھ التجا کرو کہ یا اللہ! آپ نے جتنی چیزیں ہمارے لئے حرام کی ہیں وہ سب ہمارے معاشرہ میں داخل ہو چکی ہیں۔ اور ہم ان سے بچ نہیں سکتے ہم کو ان لعنت زدہ اعمال سے بچا لیجئے ہم کو ہمارے اہل و عیال، متعلقین سب کو بچا لیجئے۔ ہمارے جو احباب و اقارب مر چکے ہیں اُن کو بخش دیجئے۔ یا اللہ بچا لیجئے اس ظلمت سے۔ ہم اس کا تحمل نہ کر سکیں گے نہ جانکنی کا نہ قبر کا نہ ہول محشر کا۔ ہم ڈرتے ہیں بچا لیجئے ہم کو ہمارے متعلقین اہل شہر اور ساری دنیا میں جہاں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں سب کو بچا لیجئے۔ یا اللہ! ہم آپ کی رحمتوں سے

محروم ہوگئے ہیں اپنی شامتِ اعمال سے یا اللہ اپنی رحمتِ واسعہ سے ہم پر رحم فرمایئے ہم کو ایمان کامل عطا کیجئے۔ اپنے محبوبؐ کے صدقہ میں معاف فرما دیجئے۔

ہم کیا اور ہماری نظر اور وسعت کیا؟ ارے جس سے مانگ رہے ہو اسکی نظر اور وسعت کو دیکھو اس کا دربار دیکھ کر مانگو ساری دنیا کے لئے مانگو جو عام خیر خواہی کے کام کرتا ہے خدا اس سے بڑا خوش ہوتا ہے اور وہ دعا جو غائبانہ اور ندامتِ قلب کیساتھ ہو اور خیر خواہی کیساتھ ہو وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔

صبر کا صلہ | جب بندہ کہتا ہے: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ (سورہ بقرہ آیت ۱۵۶) (ہم سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں) تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں ہماری جتنیں اور صلوٰتیں سب تیرے اوپر نازل ہو رہی ہیں اور تو ہدایت یافتہ لوگوں میں ہے۔ یہ بات بڑے سمجھنے کی ہے اللہ پاک نے کلام پاک نازل فرمایا ان کے لئے جو ہدایت چاہتے ہیں۔ اور اللہ پاک ہدایت عطا کرتے ہیں جس کو وہ چاہتے ہیں اور یہاں دنیا کے مصائب پر صبر کرنے اور ایک فقرہ اِنَّا لِلّٰہِ کہنے سے وہ بندہ خود من جانب اللہ ہدایت یافتہ قرار دیا جاتا ہے یعنی پریشانی اس لئے عطا ہوئی تھی کہ تم کو اسکے اوپر صبر کرنے پر ہدایت عطا فرما دیں۔ اور جس کو وہ ہدایت دیں گے کیا وہ محروم رہ جائے گا۔ مصائب پر صبر کرنے کا یہ صلہ ملا کہ تم پاک ہوگئے ساری آلائشوں سے ایسی حالت میں یہ بڑی سند مل جائے کتنی بڑی دولت ہے تو یہ دولت کہاں سے ملی؟ صبر کرنے سے۔ بس بیماریوں۔ ناگواریوں، مصیبتوں سے ہرگز نہ گھبرانا بس صبر کرو اور اِنَّا لِلّٰہِ پڑھو اور شکوہ گلہ نہ کرو اس سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔

خلعتِ ندامت | اب تیسری بات۔ اپنی کوتاہیوں پر توبہ استغفار کرنا۔ کون بندہ کہہ سکتا ہے کہ مجھ سے کوتاہی نہیں ہوئی، گناہ کیا ہے؟ جو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہیں ان کا غلط استعمال ہی گناہ ہے۔ بتایئے ہم کونسی نعمت کا صحیح استعمال کر رہے ہیں۔ ارے سینکڑوں ہزاروں گناہ تو اللہ پاک یوں ہی معاف فرما دیتے ہیں تو اس کا احساس تو پیدا کرو۔ یوں کہو کہ اے اللہ واقعی ہم نادم ہیں واقعی ہم تجھ سے شرمندہ ہیں۔ اور بڑی غفلت میں ہیں۔ اس لئے کثرت سے توبہ کرو۔ جتنے بندگی کے مقامات ہیں سب حاصل ہوتے ہیں استغفار سے۔

خلعتِ ندامت سب سے پہلا انعام ہے جو اللہ پاک نے آدم علیہ السلام کو ان کی پہلی

لغزش پر عطا فرمایا ہے۔ کوتاہی پر، لغزش پر، ہر گناہ پر توبہ کرو مگر یوں نہیں کہ زبان سے توبہ توبہ کہہ دیا۔ ہماری زندگی میں ساری گندگیاں جو بھری ہوئی ہیں ان کو سوچو اور ایک ایک لغزش کا نام لیکر سمجھ سوچ کر اللہ پاک سے معافی طلب کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سارے قرآن کی آیتوں میں مجھے یہ آیت زیادہ محبوب ہے:۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (الزمر۔ ۵۳) (آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں، تم خدا کی رحمت سے نا امید مت ہو۔ یقیناً اللہ تعالےٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا اور بڑی رحمت کرنیوالا ہے) تو ہر وقت توبہ و استغفار کرو۔ اسکی رحمت کے طالب ہو۔

چوتھی بات زمانہ کے فتنوں سے پناہ مانگنا ہے۔ آج ہر طرف سے طرح طرح کے فتنے جو نہ کبھی سُنے تھے نہ دیکھے تھے۔ حشرات الارض کی طرح زمین سے پھوٹ رہے ہیں اور ہم کو اس سے بچنا ممکن نہیں جبتک خدا توفیق نہ دے۔ تو ہر وقت ان فتنوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرو اور خدا سے اس کی توفیق مانگو۔

حقوقِ والدین اسکے بعد دو چیزیں اور ہیں۔ ایک حقوق والدین ہیں۔

شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ماں باپ کی خلاف ورزی ہے۔ جن کے ماں باپ زندہ ہیں ان کو ہر صورت میں انھیں راضی رکھنا چاہیئے اور جو وفات پا چکے ہیں ان کیلئے صدقہ کریں۔ تلاوت اور نوافل پڑھ کر ثواب پہنچائیں اگر انکی وصیت ہے تو ان کے ذمہ سے حقوقِ واجبہ ادا کریں۔ اور ان کی طرف سے دعائیں کریں کہ یا اللہ ان سے اتلافِ حقوق کا مواخذہ نہ فرمایئے اور ان سے روزے نمازیں قضا ہو گئی ہیں ان کا فدیہ دیں۔

حقوقِ اولاد دوسرا حق اولاد کیلئے دعا کرنا اور ان کو نصیحت کرنا ہے۔ یہ نئی نسل تو شریعت کے ضروری مسائل سے بھی واقف نہیں۔ کچھ کتابیں بہشتی زیور وغیرہ لاکر گھر میں رکھنا کہ ضروری مسائل سب کو معلوم ہوں۔ سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیرتِ صحابہؓ بھی پڑھنا ضروری ہے۔

(از افاداتِ عارفیؒ)

حقوقِ رمضان

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۰ (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلی اُمتوں پر بھی فرض کیا گیا اس توقع پر کہ تم روزہ کی بدولت متقی بن جاؤ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرضیت صوم کی حقیقی غرض حصول تقویٰ" اور پرہیزگاری" ہے یعنی انسان کی شہوت کا کسر ہو کر نفسِ امارہ[1] نفسِ مطمئنہ بن جائے اور اس کے اندر ملکات حسنہ" اور اچھی صفات" خصال حمیدہ" اور عمدہ عادات" پیدا ہو جائیں۔ صوم کی فرضیت سے یہی مقصود اصلی ہے کیونکہ روزہ رکھنے سے نفس کو اسکے متعدد تقاضوں سے روکنے کی عادت پڑے گی اور اسی عادت کی پختگی بنیاد ہے تقویٰ کی۔ پس اگر روزہ سے یہی چیزیں حاصل نہ ہوں اور صرف بھوک اور پیاس ہو اور نام ہو روزے کا تو اس سے کچھ بھی حاصل نہیں اور ایسے روزے کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر و منزلت نہیں اور ایسے روزے پر فقیہ چاہے حکم صحت لگا دے اور شرعی فتویٰ کی رو سے چاہے اس کو صحیح قرار دے دیا جاوے مگر اللہ اور رسول کے نزدیک یہ روزہ مقبول نہیں اسلئے کہ اللہ اور رسول نے ایسا روزہ مشروع ہی نہیں فرمایا جو مثمرِ تقویٰ" اور سبب پرہیزگاری" نہ ہو۔

میں اسوقت آپ کے سامنے اس مضمون کو وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں ذرا غور سے سنئے: ۔ صوم کا ایک تو ظاہر ہوتا ہے اور ایک اسکا باطن ہے۔ ظاہر تو یہی ترک اکل و شرب "کھانے اور پینے کا چھوڑنا" ہے۔ لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں کہ روزہ صرف اتنے کا نام کیسے ہو سکتا ہے، کیونکہ ترک اکل و شرب انسان کے لئے بالذات[2] محمود" اور پسندیدہ" نہیں۔ اسلئے کہ یہ تو آدمی خصہ

---

[1] توڑنا۔ [2] بذات خود [3] برے کاموں کا حکم کرنیوالا نفس [4] ایسا نفس جس میں برے کاموں کا تقاضا ہی نہ ہو

میں بھی کر لیتا ہے کہ کھانا پینا چھوڑ دے۔ پس روزہ سے مقصود کھانے پینے کے ترک کا ثمرہ اور نتیجہ ہے یعنی محرمات شرعیہ سے بچنا اور حرام کا ارتکاب نہ کرنا۔ مثلاً کذب "جھوٹ" غیبت و بدگوئی" وغیرہ سے بچنا۔ اسی کا نام تقویٰ ہے یہی صوم کی حقیقت اور اس کا باطن ہے اور روزہ کی مشروعیت سے یہی مقصود اصلی ہے جیسا کہ نص قرآنی لعلکم تتقون "تاکہ تم لوگ متقی و پرہیزگار بن جاؤ" اس پر بیّن دلیل ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ قربانی کے متعلق فرماتے ہیں کہ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ، یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری ان قربانیوں کا گوشت و پوست اور خون نہیں پہونچتا بلکہ اس کے پاس پہونچنے والی چیز تو تمہارا تقویٰ ہے۔

پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے قربانی کے متعلق یہ فرمایا ہے اسی طرح یہاں بھی سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ اس لئے فرض فرمایا کہ اس سے انسان کی شہوت ٹوٹے۔ اسکی آگ بجھے نفس امارہ نفس مطمئنہ بنے انسان کے اندر صلاح و تقویٰ پیدا ہو۔ لیکن جب اس پر اس کا فائدہ ہی مرتب نہیں ہوا تو اب بجز بھوک اور پیاس کے کیا حاصل ہوا۔ اور چونکہ یہ بھوکا پیاسا رہنا حکم خدا اور رسول کے منشار کے خلاف ہوا اسلئے جو مشقت و تعب تمہیں ہوا اس کے تم خود ذمہ دار ہو۔ اگر تم حکم شرعی کو اس کے حدود و شرائط کا لحاظ کر کے بجالاتے تو ضرور اس کا ثمرہ اور نتیجہ مرتب ہوتا لیکن میں تو برابر کہا کرتا ہوں اور مجھ کو آپ سے یہی شکایت ہے کہ آج عام طور پر لوگوں کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ جس کام کو نہیں کرتے اسکے حدود و شرائط سے تو کیا واقف ہوتے جن امور کو انجام دیتے ہیں اس کی بھی نہ حقیقت سے واقف ہوتے ہیں اور نہ آداب و شرائط ہی کو جانتے ہیں اس لئے ایک کام کو کرتے ہیں اور اس میں مشقت اٹھاتے ہیں اور اپنی دانست میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے لیکن قیامت میں چل کر معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ عمل مقبول نہیں ہوا اور جو کچھ مشقت اس میں اٹھائی وہ سب ضائع اور بیسود ہوئی۔

منجملہ ان اعمال کے ایک روزہ بھی ہے۔ جو لوگ روزہ رکھتے ہی نہیں وہ تو اس لئے کہ جہالت "و نادانی" کے سبب اسکی اہمیت اور فضیلت ہی سے ناواقف ہیں مگر جو لوگ کہ روزہ رکھتے ہیں ان میں بھی بہت سے ایسے ہیں جن کے متعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے کہ ذکَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الظَّمَاءُ وَالْجُوْعُ یعنی "بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کے ہاتھ اپنے روزہ سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں لگتا"۔ یہ بھی بہت برا حال ہے اور خسرانِ عظیم "اور زبردست نقصان" ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔

اس حدیث کی توضیح دوسری احادیث سے کرتا ہوں۔ سنئے:۔

مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث آئی ہے کہ مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ یعنی روزہ رکھ کر جو شخص قولِ زور اور عملِ زور کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے صرف کھانے اور پانی کو چھوڑ دینے کی کچھ حاجت نہیں کیونکہ کھانے پینے سے وہ منزّہ "اور پاک" ہے۔ لہٰذا اس کے ترک کرنے "اور چھوڑنے" سے یہ تو ہے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ فائدہ پہونچے گا یا اسکی حاجت روائی ہو جائیگی تو راضی ہو جائیں گے۔ بلکہ وہ تو قلب کا حال اور تقویٰ دیکھتے ہیں۔ اسی پر اُنکی نظر ہے۔ پس جب روزہ میں یہ چیز نہ پائی جائے تو پھر اس سے کیا فائدہ؟

صاحب مرقاۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قولِ زور سے مراد قولِ باطل ہے یعنی ایسی بات زبان سے کہنا جس میں گناہ ہو۔ اب خواہ وہ کذب[1] بیانی ہو یا کفر کا قول ہو یا جھوٹی شہادت ہو یا افتراء و بہتان ہو یا غیبت و شکایت ہو یا کسی پر زنا کی تہمت ہو یا سبُّ و شتم "گالی گلوچ" اور لعن و طعن ہو یہ سب چیزیں قولِ زور میں داخل ہیں۔ اور عملِ زور سے مراد فواحش اعمال "اور بُرے کام" ہیں۔ اور ان کو زور اسلئے کہا کہ ان میں بھی گناہ ہوتا ہے جس طرح کہ زور اور کذب میں ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں زور (یعنی جھوٹ) اگرچہ اصل میں قول کی صفت ہے مگر چونکہ جارحۂ لسان (یعنی عضو زبان) کا یہ عمل بھی ہے اسلئے بطور عطف تفسیری کے قولِ زور کی شرح وَالْعَمَلَ بِہٖ سے فرمادی گویا قولِ ظلم اور عملِ زور ایک ہی چیز ہے۔

اس حدیث میں تو قولِ زور ہی کا تذکرہ ہے لیکن ایک دوسری حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ خَمْسُ خِصَالٍ یُّفْطِرْنَ الصَّائِمَ وَیَنْقُضْنَ الْوُضُوْءَ اَلْکِذْبُ وَالْغِیْبَۃُ وَالنَّمِیْمَۃُ وَالنَّظْرُ بِشَھْوَۃٍ وَالْیَمِیْنُ الْکَاذِبَۃُ (جامع صغیر ص۱۴۳) یعنی پانچ چیزیں ایسی ہیں جو روزہ اور وضو دونوں

---

[1] جھوٹی۔

کو توڑ دیتی ہیں اور وہ یہ ہیں ، جھوٹ بولنا ۔ غیبت کرنا ۔ چغلی کھانا ۔ بدنظری کرنا اور جھوٹی قسم کھانا ۔

پھر ان معاصی میں سے بعض سخت ہیں مثلاً غیبت ہے خاص کر جبکہ روزہ میں کی جائے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَفْطَرَ مَنْ ظَلَّ یَاکُلُ مِنْ لُحُوْمِ النَّاسِ رواہ ابن ابی شیبۃ واسحٰق ابن راھویہ و زاد اذا اغتاب الرجل افطر (فتح القدیر مع الحاشیہ صلاً صلاً ج ۱) "جو شخص دن بھر لوگوں کی غیبت کرتا رہتا ہے اس نے اپنا روزہ توڑ دیا ۔ اور افطار کر دیا اس شخص نے جس نے غیبت کی"

اسی طرح ایک اور حدیث ہدایہ کے حاشیہ پر محشی نے نقل کی ہے کہ

عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَجُلَیْنِ یَحْتَجِمُ اَحَدُھُمَا الْاٰخَرَ فَاغْتَابَ اَحَدُھُمَا وَلَمْ یُنْکِرِ الْاٰخَرُ فَقَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ قال عبد اللہ ای ابن مسعود لَا لِلْحِجَامَۃِ وَلٰکِنْ لِلْغِیْبَۃِ (ھدایہ صلاً ج ۱) یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے پاس سے گذرے انہیں سے ایک دوسرے کو پچھنے لگا رہا تھا ان دونوں میں سے ایک نے کسی کی غیبت کی اور دوسرے نے اسپر نکیر نہیں کی اور منع نہیں کیا ان کے اس حال کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ یعنی پچھنا لگانیوالے اور پچھنا لگوانیوالے دونوں نے روزے توڑ دیئے ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے جو ان دونوں کے افطار اور روزہ ٹوٹنے کا حکم فرمایا تو پچھنے کی وجہ سے نہیں بلکہ غیبت کرنے اور کسی کی غیبت سننے کی بنا پر تھا"

دیکھئے اس حدیث سے روزہ دار کے لئے غیبت کرنے اور غیبت سننے کی کیسی شناعت "اور برائی" معلوم ہوتی ہے کہ اسکی وجہ سے روزہ ہی جاتا رہتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا کیونکہ ایک حکم دینی کو وہ اپنی رائے سے نہیں بیان کر سکتے ۔

اسکی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو عبداللہ ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے وہ یہ کہ دو شخصوں نے جو کہ روزے سے تھے ۔ ظہر یا عصر کی نماز پڑھی ۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ان دونوں سے فرمایا کہ تم اپنے وضو اور نماز کا اعادہ کرو اور اپنا روزہ پورا تو کر لو (یعنی غروب آفتاب تک کھاؤ پیو مت)

مگر دوسرے دن اس روزہ کی قضا کرو۔ (یعنی تمہارا یہ روزہ فاسد ہوگیا اسکی قضا واجب ہے) ان دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا اسلئے کہ تم نے فلاں شخص کی غیبت کی ہے۔

اس حدیث کے تحت بعض شارحین فرماتے ہیں کہ گو علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث زجر و توبیخ کے طور پر واقع ہوئی ہے۔ یعنی روزہ ازروئے فتویٰ فاسد تو نہیں ہوگا مگر اس پر بھی کا اتفاق ہے کہ غیبت وضو اور نماز کے کمال و ثواب کو ختم کردیتی ہے۔ اور حضرت سفیانؒ ثوریؒ تو اس حدیث کے ظاہر کی بنا پر اسکے مفسدِ صوم ہونے کے قائل ہیں۔

بہرحال ان سب احادیث سے یہ تو معلوم ہوتا ہی ہے کہ روزہ میں اور ان معاصی میں بالکل منافات اور ضد ہے۔ یعنی روزہ کے ساتھ یہ سب جمع نہیں ہوسکتے۔ خصوصاً غیبت کی قباحت اور شناعت تو بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

صاحب مرقاۃ نے اس شخص کے روزہ کی عدم قبولیت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ کھانا پینا یہ چیزیں تو فی الجملہ مباح اور جائز ہیں انھیں تو ترک کیا اور ایسی چیز کا ارتکاب کیا جو اپنی اصل اور ذات کے اعتبار سے حرام ہے اور کسی وقت بھی مباح نہیں اسکی وجہ سے یہ شخص غضب الٰہی کا مستحق ہوا اور اس لائق ہے کہ اسکی طاعت و عبادت اسکے منہ پر ماردی جائے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے روزہ کی کچھ پرواہ نہیں اور وہ اس کی طرف نظرِ عنایت نہ فرمائینگے۔

اسی لئے کہتا ہوں کہ صرف کھانا پانی چھوڑدینا تو آسان ہے لیکن جب ایسا روزہ رکھیں گا جس میں جھوٹ نہ ہو۔ غیبت نہ ہو۔ لغویات نہ ہو، بےحیائی اور بےشرمی کی باتیں نہ ہوں تو مشکل پڑجائے گی۔ چنانچہ بہت سے لوگ یہاں دنیا میں روزہ کی مشقت برداشت کرتے ہیں۔ مہینہ بھر کا روزہ رکھ کر سوکھ کر کانٹا ہوجاتے ہیں مگر چونکہ اس کے ساتھ ساتھ غیبت۔ شکایت اور کذب اسی طرح کی بہت سی "لایعنی" اور "فضول" باتوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اس لئے روزہ سے جو مقصود ہے یعنی تقویٰ وہ حاصل نہیں ہوتا تو آخرت میں ایسے روزہ کا بھلا کیا ثواب ملیگا۔ افسوس کہ کھانے پینے سے بھی محروم رہے اور ثواب بھی نہ ملا۔ اسی

بڑھ کر خسران و نقصان کیا ہوگا۔ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ کی مقبولیت ان معاصی کے ترک پر موقوف ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں روزہ کی ایک خاص شان ہے اسلئے کہ یہ دین کا ایک اہم فریضہ اور شعائرِ اسلام میں سے ہے اسی وجہ سے اس کا اہتمام بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہِ مبارک کا بہت اہتمام فرماتے تھے اور پورے سال اسکے انتظار میں رہا کرتے تھے اور اس کے آنے سے پیشتر ہی صحابہ کو اس کے فضائل کی جانب متوجہ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ماہ مبارک کے بڑے بڑے فضائل (خوبیاں) بیان فرمائے ہیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ روایت کرتے ہیں کہ شعبان کی آخری تاریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ دیا اس میں یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم پر ایک مبارک مہینہ سایہ فگن ہوا ہے۔ وہ ایسا مہینہ ہے کہ اسمیں ایک رات ہے جو ہزار راتوں سے بڑھ کر ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے روزوں کو فرض کیا ہے اور اسکی رات کے قیامؓ راتوں میں بارگاہِ خداوندی میں کھڑا ہونے تراویح و نوافل پڑھنے" کو نفل قرار دیا ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں کوئی بھی نفل کام کرے تو وہ ایسا ہے جیسے کہ دوسرے ایام میں فرض ادا کرنا۔ اور جو شخص اس میں کسی فرض کو ادا کرے تو وہ ایسا ہے جیسے کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کئے ہوں۔ اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا صلہ جنت ہے اور یہ مواساۃ یعنی "ہمدردی و غمخواری" اور جود و سخا کا مہینہ ہے اور ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو یہ اسکے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ بنے گا اور اس کو بھی اس روزہ دار کے ثواب کے برابر ثواب ملیگا بغیر اسکے کہ اس کے اجر میں کچھ کمی ہو۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں تو بہت سے لوگ ایسے نادار ہیں کہ کسی روزہ دار کو افطار کرانے کی "استطاعت" اور "گنجائش" ہی نہیں رکھتے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اسے بھی دیگا جو کسی کو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی ہی سے افطار کرادے اور جو شخص کسی روزہ دار

پیٹ بھر کھانا کھلادے تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے ایسا پانی پلائیں گے کہ پھر
ت میں داخل ہونے تک وہ پیاسا نہ ہوگا۔ اور آپ نے اسی خطبہ میں یہ بھی فرمایا کہ یہ
ا مہینہ ہے جس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ دوزخ سے
ئی ہے اور جو شخص اس ماہ میں اپنے غلام پر تخفیف " اور آسانی " کرے تو اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت
ا دینگے اور اس کو دوزخ سے رہائی دینگے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
ری شب میں اللہ تعالیٰ میری اُمت کے صائمین (روزہ داروں) کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔
ض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا وہ لیلۃ القدر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں مگر بات یہ ہے کہ
زدور کی مزدوری کام ختم ہو جانے پر دی جایا کرتی ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت رمضان کے لئے شروع سال ہی
سے سجائی جاتی ہے۔ پس جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی
ہے اور جنت کے پتوں پر سے نکل کر حورعین پر سے گذرتی ہے تو وہ کہتی ہیں کہ اے ہمارے رب
پنے بندوں میں سے ہمارے لئے ازواج " اور جوڑے " بنا دیجئے جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی
ہوں اور ہم سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

اور ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت میں آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک کا نام باب الریان سے
ہے اس میں بجز روزہ داروں کے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جس شخص نے رمضان کا روزہ ایمان کے ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رکھا تو
اس کے پچھلے گناہ سب معاف کردیئے جائینگے اور جس شخص نے رمضان میں ایمان کے
ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے قیام کیا تو اسکے گذشتہ گناہ سب معاف کردیئے جائینگے

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
صیام اور قرآن یہ دونوں بندے کی شفاعت " اور سفارش " کریں گے۔ چنانچہ روزہ (روزہ) کہے گا
ے میرے پروردگار میں نے دن کو اس کو کھانے اور شہوات (خواہشات نفسانی) سے روک رکھا تھا لہذا

سے سیراب کرنیوالا

اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمایئے۔ اور قرآن کہے گا کہ میں نے اسکو رات میں سونے سے روک رکھا تھا لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمایئے۔

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہر انسان کی نیکیوں کا ثواب ایک کا دس اور دس سے لیکر سات سو گنے تک ملاکرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ اس سے مستثنیٰ ہے اس لئے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا کیونکہ بندہ اپنی شہوت کو اور اپنے کھانے پینے کو میری خاطر چھوڑ تا ہے۔

اس روایات سے معلوم ہوا کہ روزہ کتنی عظیم الشان عبادت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عبادات میں سے سب سے بڑی عبادت نماز ہے لیکن اس کا بھی یہ حال ہے کہ وہ پیشاب پاخانہ اور سونے سے ختم ہو جاتی ہے لیکن روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے کہ آپ بیدار رہے ہوں تو روزہ دار۔ سورہے ہوں تو روزہ دار۔ پاخانہ جائیں تو روزہ آپ کے ساتھ ساتھ غرض کسی حال میں یہ آپ سے منفک اور جدا نہیں ہوتا۔ یہ اسکی خصوصیت ہے۔ اس شان کی کوئی دوسری عبادت نہیں اور ایک بڑی خصوصیت اس عبادت کی آپ نے یہ ملاحظہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور عبادتوں سے مستثنیٰ کر کے یہ فرمایا کہ اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ یعنی اور دیگر طاعات کا بدلہ تو فرشتوں کے ذریعہ دلوایا جائیگا مگر روزہ کا بدلہ خود حق تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اس حدیث کا یہ مطلب بیان فرمارہے ہیں کہ روزہ میرے لئے ہے اور اسکی جزا میں خود ہوں۔ یعنی اسکے روزے کی جزا آخرت میں میرا دیدار اور دنیا میں میری معرفت ہے۔ آگے محشی لکھتے ہیں:۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ کسی شخص نے حضرت سفیانؒ ابن عیینہ سے اس حدیث قدسی کے معنیٰ دریافت کئے انھوں نے فرمایا کہ یہ حدیث نہایت ہی صحیح اور مستند حدیث ہے اور مطلب یہ ہے کہ قیامت میں جب لوگوں کے درمیان باہمی حقوق کا فیصلہ کیا جائے گا، تو اگر کسی کے ذمہ کچھ حقوق العباد (بندوں کے حق) ہوں گے تو اس کے بدلہ میں اسکی نیکیاں اہل حقوق کو دیدی

جائیں گی۔ یہاں تک کہ اسکا کوئی نیک عمل باقی نہیں رہے گا۔ مگر جب نوبت روزہ کی آئیگی تو حق تعالیٰ اسکے روزے کو حقوق کے عوض میں نہ دیں گے اور یہ فرمائیں گے کہ اسے چھوڑ دو اس لئے کہ یہ خالص میرے لئے ہے اور اس شخص کے بقیہ مظالم کو خود رکھ لیں گے اور اہل حقوق کو اپنے پاس سے ثواب دیکر راضی فرمادیں گے۔ پس روزہ روزہ دار کے ہمراہ ہوکر اسکو جنت میں کھینچ کرلے جائے گا (کذا فی فتح العزیز بحوالہ حاشیہ مالابد منہ)

سبحان اللہ کیسی حدیث ہے اور حق تعالیٰ کے کرم وعنایات اور الطاف بے غایات کو کس قدر ظاہر کرنے والی ہے کہ بندوں کی یہ عبادت یعنی روزہ ان کے دربار میں کتنی باوقعت اور ذات باری تعالیٰ کو کیسی پسند ہے کہ اسے بندہ کے اعمال میں سے الگ نکال لیتے ہیں اور اسکی قدر افزائی کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ میرے لئے خاص ہے اور اس کا بدلہ میں ہی دوں گا۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ والوں پر اس "مژدہ" اور "خوشخبری" کو سن کر کیا گذرجاتی ہوگی۔ یہ حضرات اس موقعہ پر یہی کہتے ہیں کہ ؏

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

"یعنی اس خوشخبری پر اگر اپنی جان نثار کردوں تو روا اور زیبا ہے" آپ کو جب یہ حدیث ہی نہ معلوم ہوگی تو آپ روزے کی کیا قدر کریں گے۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ عمل کے لئے پہلے علم کی ضرورت ہے۔ علم سے اعتقاد درست ہوتا ہے۔ عمل کی طرف رغبت اور شوق پیدا ہوتا ہے۔ کسی چیز کی عظمت اور اس کا درجہ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ علماء مصلحین ہر زمانہ میں امت کی اصلاح اسی طرح کرتے ہیں کہ پہلے ان کو صحیح علم سے واقف کراتے ہیں اور پھر اسی کے ذریعہ ان کو عمل پر ابھارتے ہیں۔ اب شریعت چونکہ خدا کی ہے اللہ تعالیٰ نے خود اس میں حسن رکھا ہے اور کشش پیدا فرمائی ہے لہٰذا عالم دین اگر صرف خدا اور رسول کی بتلائی ہوئی باتیں سیدھے سادے طریقہ پر لوگوں کے سامنے پیش کردے تو شریعت سے لوگوں کو محبت پیدا ہوجائے۔ علمائے ربانی نے ایسی ایسی تقریریں فرمائی ہیں کہ ایک ہی مجلس میں دوسرے مسلک والوں نے اپنے مسلک سے توبہ کرلی ہے اور مسلمان ہوگئے ہیں۔

بہرحال اللہ ورسول نے روزے کے جو فضائل (خوبیاں) بیان فرمائے ہیں اُن کے سننے کے بعد کوئی مسلمان ایسا نہیں جو خوشی خوشی اسکی مشقت برداشت نہ کرلے اور اس کے ثواب اور اجر کا طالب نہ ہو جائے

روزہ کی خصوصیت اور اس عبادت کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ اسمیں فی الجملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبہ ہوتا ہے یعنی اس میں سب چیزوں کا ترک ہوتا ہے۔ انسان نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ اور لوازم بشریت کو کرتا ہے اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی ان سب چیزوں سے منزّہ" اور پاک" ہیں۔

اسی طرح سے اسمیں فرشتوں سے مشابہت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس عبادت کی وجہ سے انسان کو تقدّس حاصل ہو جاتا ہے روح پاک وصاف ہو جاتی ہے مگر یہ جب ہے کہ آپ کھانے پینے کے ساتھ ساتھ معاصی" اور گناہوں" کو بھی ترک کریں کیونکہ فرشتے جس طرح کھاتے پیتے نہیں اسی طرح معصیت بھی نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ" یعنی اللہ تعالیٰ جو حکم ان کو دیتے ہیں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے اسکو کرتے ہیں" پس اگر آپ روزے میں کھانے پینے کے ترک" اور چھوڑنے" کے ساتھ معصیت" اور گناہ" کو بھی ترک کریں تو فرشتوں سے پوری مشابہت ہو جائے اور یہی حاصل ہے تقویٰ کا جو کہ روزہ کی فرضیت سے مقصود اصلی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک مہتم بالشان عبادت یعنی حج کا اس کو مقدمہ بنایا ہے اور حج کے مہینے رمضان شریف کے بعد مقرر کئے تاکہ انسان ماہ رمضان میں اپنے نفس کا تزکیہ" پاک وصاف" کرکے اپنے اندر صلاح وتقویٰ" دینداری وپرہیزگاری" پیدا کرلے اور حاضری دربار کی استعداد" ولیاقت" اپنے اندر پیدا کرکے تب دربار خداوندی میں حاضر ہو۔ گویا رمضان مجاہدہ" ریاضت ومشقت کا مہینہ ہے" اور اسکے بعد شوال ماہِ شلبہ" زیارت اور دیدار خداوندی کا مہینہ" ہے۔ اگر آدمی روزہ ٹھکانے سے رکھے تو اسکی وجہ سے نفس بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے روزہ کو ٹھکانے سے رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کا حق ادا کرے یعنی کھانے پینے کے ترک پر اکتفا نہ کرے بلکہ زبان کی بھی حفاظت کرے کہ غیبت نہ کرے اور جھوٹ نہ بولے اور لایعنی" اور فضول"

باتوں میں اپنا وقت صرف نہ کرے یہی زبان کا روزہ ہے۔ اور کان کی عبادت یہ ہے کہ غیبت نہ سنے اور نہ لغو و لایعنی "بیہودہ و بیکار" بات سنے اور اسمیں آنکھ کی بھی عبادت ہے کہ اسکو نامشروع "اور نا۔ وا" محل میں نہ استعمال کرے۔

جب انسان ان سب اُمور کا لحاظ رکھے تو یہ علامت ہوگی اسکی کہ تقوی اسکے قلب میں موجود ہے اور "مقصد صوم" اور روزہ کی مشروعیت کی غرض اور اس کا "ثمرہ" اسے حاصل ہو رہا ہے اور ظاہر معاصی کا ترک یہ تو تقوی کا پہلا درجہ ہے اور دوسرے درجات اسکے آگے ہیں وہ یہ کہ اس میں فرشتوں سے شابہت نزد جاتی ہے گویا کہ انسان کو ملکیت حاصل ہو جاتی ہے کہ آدمی نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے ہر وقت ذکر اللہ میں رطب اللسان رہتا ہے "یعنی ذکر الہی سے اسکی زبان تر رہتی ہے" ظاہر بات ہے کہ یہ ایک بڑا درجہ ہے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ انسان متخلق باخلاق اللہ "یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف" ہو جاتا ہے اس لئے کہ کھانے پینے کا "عدم" یعنی نہ کھانا نہ پینا "منجملہ صفاتِ الٰہیہ کے ہے اور بندہ بحالت روزہ اس سے متصف ہوتا ہے۔

بہر حال یہ تو مقاماتِ عالیہ ہیں ان کو بڑے لوگوں کے لئے رہنے دیجئے۔ آپ تو صرف یہی کریں تو بہت ہے کہ اپنے آپ کو معاصی سے بچالیں اور گناہ نہ کریں۔ اسی لئے میں ان لوگوں کو غنیمت سمجھتا ہوں جو روزہ میں سوتے رہتے ہیں اسلئے کہ یہ سمجھتا ہوں کہ گو اسوقت یہ کوئی ظاہری طاعت "عبادت" تو نہیں کر رہا ہے تاہم غیبت اور معصیت سے تو بچا ہوا ہے۔ اسے اجر گو کم ملیگا مگر اس کا روزہ نامقبول تو نہ ہوگا۔

اور یہ اسلئے کہتا ہوں کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ روزہ بھی رکھے ہوئے ہیں اور دو دو گھنٹے چار چار گھنٹے غیبت میں بھی گذارتے ہیں اور لطف یہ کہ اس کو برا بھی نہیں جانتے بلکہ کہتے ہیں کہ صاحب اگر اس طرح نہ کریں تو روزہ کٹے کیسے؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اللہ والوں نے تو اپنا روزہ کاٹا تھا اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کرکے" ذکر اللہ کرکے نوافل پڑھ کے، تم سے یہ سب تو ہوسکتا نہیں اسلئے تم اپنا روزہ کاٹتے ہو غیبت کرکے اور لوگوں کا گوشت کھا کر۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے کو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت

کھانے سے تعبیر فرمایا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ الآیۃ یعنی اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو اس لئے کہ بعض ظن (گمان) گناہ ہے اور تجسس نہ کرو، اور تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں کا کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ (ظاہر بات ہے کہ) تم اس کو ناپسند کرتے ہوگے۔

اسی طرح حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ ایک شخص غیبت کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا کہ تم نے جو غیبت کی ہے اسکی وجہ سے مجھے تمہارے منہ سے کچے گوشت کھانے کی بو آرہی ہے۔

اسی طرح سے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ روزہ رکھ کر تاش کھیلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم روزہ بہلا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب دین سے دور ہوکر ذکر اللہ اور تلاوت سے مناسبت ختم کرلوگے تو پھر اپنا روزہ اِدھر اُدھر کی بکواس اور تاش کھیلنے سے نہ بہلاؤگے تو اور کیا کروگے؟ جب اچھی چیزوں کو ترک کردوگے" اور بھلادوگے" تو بُری چیزیں ان کی جگہ لے ہی لیں گی۔

بس جب سنّت کو چھوڑ دوگے تو بدعت اسکی جگہ آجائے گی۔ یہ لوگ یہی کرتے ہیں کہ کچھ وقت تو اپنا سونے میں گذارتے ہیں اور کچھ غیبت و شکایت میں اور عصر بعد کا وقت عمدہ عمدہ افطاری کی تیاری میں۔

میں کہتا ہوں کہ افطاری کی تیاری بھی بیشک مشروع" اور جائز" ہے اور اچھی نیت سے ہو تو موجبِ اجر و ثواب بھی ہے۔ چنانچہ روزہ دار جب شام کو افطاریاں اپنے سامنے سجا کر اذان کے انتظار میں بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا بہت پسند آتی ہے کہ کھانے پینے کی خواہش موجود، اور سامنے کھانا پانی بھی موجود مگر یہ اذن الٰہی" اور اجازت خداوندی" کا منتظر ہے۔ کھا نہیں رہا ہے جو اسکا غایت (انتہا) درجہ کا انقیاد و انکسار" فرمانبرداری اور فروتنی" ہے اور انتہائی

عبدیت" اور بندگی" کا مظاہرہ ہے اس لئے یہ عمل موجب اجر و ثواب ہے۔ مگر کس کے لئے؟ اس شخص کے لئے جس نے روزہ کا حق ادا کیا ہو یعنی اپنے سارے اعضاء و جوارح کو روزہ میں شریک رکھا ہو۔ آنکھ کو بھی، زبان کو بھی، کان کو بھی، قدم کو بھی اور قلب و ذہن کو بھی اور محض اللہ تعالیٰ کے لئے کھانے پینے کو چھوڑا ہو تو بلاشبہ اسکے لئے افطار کا وقت غایت خوشی اور فرحت و مسرت کا وقت ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ یعنی روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی تو اسکو افطار کے وقت ہوتی ہے اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت ہوگی۔

باقی جس شخص نے غروب سے پہلے ہی اپنا روزہ غیبت" و بدگوئی" سے، کذب" و جھوٹ" سے، نیمہ" و چغلی" سے، بدنظری سے یا یمین کاذبہ (جھوٹی قسم) سے ہی افطار کرلیا ہو اس کے لئے بھلا کیا خوشی کا مقام ہے، اس نے تو اپنے اوپر معصیت کا ایک انبار جمع کرلیا۔ ایک تو یہ کہ دن ہی میں قبل از وقت روزہ افطار کیا" اور توڑ ڈالا" دوسرے یہ کہ افطار بھی کیا تو کسی جائز اور حلال چیز سے نہیں بلکہ ایک حرام شے یعنی غیبت نیمہ وغیرہ سے۔ یہ اُس نے ستم بالائے ستم" اور ظلم پر ظلم" کیا۔ اور تیسرا گناہ یہ کہ اپنے اس معصیت بھرے" اور پُر گناہ" عمل پر خوش بھی ہے اور سمجھ رہا ہے کہ میرا روزہ صحیح اور مقبول ہے حالانکہ اسکو چاہئے تو یہ تھا کہ اپنے ایسے عمل پر روتا، توبہ و استغفار کرتا اسکے بجائے وہ معصیت پر خوش ہو رہا ہے۔

برخلاف اس کے مومن متقی کا روزہ جو ہوتا ہے وہ معاصی تو بجائے خود رہے انکو لغویات سے بھی بچاتا ہے۔ چنانچہ وہ جب افطار کرتا ہے تو طاعت" و عبادت" کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور اسکی یہ خوشی کچھ افطار کرنے کی خوشی نہیں ہوتی بلکہ اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ روزہ جو اللہ کا فریضہ ہے خیریت سے ادا ہوگیا یعنی یہ کہ وہ تمام معاصی" اور ہر قسم کی گناہوں" سے بچا رہا۔ پس اسکی یہ خوشی ایمانی خوشی ہوتی ہے اور دن بھر تعب" و مشقت" پر صبر کرنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے انواع و اقسام کی نعمتیں اپنے

سامنے دیکھتا ہے اور ان کے استعمال کا اذن و اجازت" پاتا ہے تو زبان حال سے بھی گویا یہ کہتا ہے کہ ؎

للہ الحمد نہ مردیم و رسیدیم بدوست   آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم مرے نہیں اور دوست تک پہونچ گئے۔ پس ہماری اس ہمت مردانہ پر صد آفریں و شاباش۔

آج جو ہم لوگوں کو روزہ نماز کی قدر نہیں ہے اسکا منشا شریعت سے جہل ہے قرآن و سنت میں اس کے فضائل موجود ہیں لیکن ہم لوگ بیان نہیں کرتے۔ ظاہر ہے جب کسی چیز کو بیان ہی نہ کیا جائے گا تو لوگوں کو اس کا علم کیونکر ہوگا۔ اور جب علم نہ ہوگا تو اسپر عمل کیسے کریں گے۔ اور جب عمل ہی نہ ہوگا تو اسکی برکات کیا ملیں گی۔

ہمارے اسلاف ایسے نہیں تھے۔ بزرگان دین رمضان شریف کے ایام کی بڑی قدر کرتے تھے اور اس ماہ میں طاعات" یعنی تلاوت، ذکر، نوافل و تسبیحات" وغیرہ کا بڑا اہتمام کرتے تھے کیونکہ جو شخص ٹھیک ہوتا ہے وہ اسی مہینہ میں ٹھیک ہوتا ہے اور جیسا عمل اس مہینہ میں کوئی شخص کرلیتا ہے سارا سال اسی طرح رہتا ہے" چنانچہ ارشاد نبوی ہے:۔

اِذَا سَلِمَتِ الْجُمُعَةُ سَلِمَتِ الْاَیَّامُ وَ اِذَا سَلِمَ رَمَضَانُ سَلِمَتِ السَّنَةُ

(تفسیر درمنثور) یعنی جب جمعہ کا دن سلامتی سے گذر جائے تو سمجھو کہ ہفتہ کے باقی دن بھی سالم رہیں گے۔ اور جب رمضان سلامتی سے گذر جائے تو سمجھو کہ سارا سال سلامتی سے گذر جائے گا،، اور سنئے:۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب توریت دی تھی تو اس سے پہلے ایک مہینہ کے روزوں کا حکم فرمایا اور پھر کسی وجہ سے دس دن کے اضافہ کا حکم ہوگیا جس کی وجہ سے مجموعہ چالیس دن کا روزہ ہوگیا۔ مگر ابتداءً حکم تیس ہی دن کے روزہ کا تھا۔ جب ان روزوں کی مجموعی تعداد انھوں نے پوری کرلی تو ان کو حق تعالیٰ نے اپنی کتاب تورات عطا فرمائی۔

آپ بھی اگر اللہ و رسول کے منشا کے مطابق روزہ رکھیں تو آپ کو بھی معلوم ہوگا

کہ ہاں کچھ ملا۔ بزرگوں نے ان ایام کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ آخر انھوں نے اسمیں کچھ پایا ہوگا جبھی تو اسقدر اہتمام فرماتے تھے۔ اگر اس عبادت کے لئے خاص شان نہ ہوتی تو حق تعالیٰ یہ نہ فرماتے کہ فَاِنَّہٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ "یعنی روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔" یا ایک روایت کی رو سے میں خود اس کا بدلہ ہونگا۔

چنانچہ مشائخ اپنی کتابوں میں اس حدیث قدسی کو نقل فرماتے ہیں کہ مَنْ قَتَلْتُہٗ فَاَنَا دِیَتُہٗ اس میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "جس کو میں قتل کر دوں اسکی دیت میں خود ہوں"۔ یوں تو مراد یہاں قتل سے قتل محبت ہے یعنی جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا کر دے اور ختم کر دے تو اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ پھر وہ مجھ سے واصل ہو جائے گا۔ یعنی میں اس سے مل جاؤں گا۔ لیکن روزہ دار جو صحیح نیت کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کے لئے کھانا۔ پانی بلکہ جملہ خواہشات کو ترک کرتا ہے اور اپنے نفس کو مارتا ہے تو یہ بھی ایک طرح کا قتل کرنا ہی ہے۔ پس مقصود ان دونوں حدیثوں کا ایک ہی ہے اور اَنَا اُجْزیٰ بِہٖ "میں خود اس کا بدلہ ہوں گا،، گویا اَنَا دِیَتُہٗ " اسکی دیت اور خونبہا خود ہوں،، کا مرادف" اور ہم معنٰی" ہے۔ اسی حدیث میں ہے کہ یَدَعُ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ مِنْ اَجْلِیْ یعنی صوم کے متعلق یہ جو فرمایا کہ وہ میرے لئے خاص ہے اور میں ہی اس کا بدلہ ہونگا۔ اس خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ اس بیچارے نے اپنے کھانے پینے کو اور اپنی شہوت کو میری خاطر چھوڑا ہے۔

دیکھا آپ نے؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ قدردانی ہے آپ کے روزے کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے کھانے پینے کے ترک کرنے کی وہاں قدر ہے جب کہ اخلاص کے ساتھ ہو۔ اور یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اسکے کھانے اور پانی کے ترک کرنے کی کوئی پرواہ نہیں: تو یہ اس وقت ہے جب کہ اسکے شرائط کو نہ پورا کیا جائے اور اسکو اللہ و رسول کے منشاء کے مطابق نہ رکھا جائے ورنہ تو روزہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک بڑی قابل قدر عبادت ہے اور اس کے متعلق تو حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَۃٌ عِنْدَ فِطْرِہٖ وَفَرْحَۃٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّہٖ یعنی" روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک تو افطار کے وقت ہوتی ہے اور دوسری اسوقت ہوگی جب کہ اپنے رب سے ملاقات کریگا۔" اور

اُن کے ہاتھوں اس کا صلہ اور بدلہ پائے گا۔ یہ بھی حدیث قدسی ہی کا ٹکڑا ہے۔ اس حدیث میں اگرچہ اللہ تعالیٰ صائمین (روزہ داروں) کی فرحت کو بیان فرما رہے ہیں مگر اس سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ ہی نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ بھی مسرور ہیں کہ بندے نے اپنے طعام اور جملہ شہوات کو محض ان کی رضا "خوشنودی" کی خاطر چھوڑ دیا۔ اب اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے۔

ب سنئے: افطار کے متعلق حدیث قدسی میں ہے کہ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُھُمْ فِطْرًا یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب میرے نزدیک وہ لوگ ہیں جو افطار میں جلدی کرتے ہیں" یعنی غروب آفتاب کے بعد دیر نہیں کرتے"

ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ لَایَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ یعنی لوگ ہمیشہ خیر" اور بھلائی" پر رہیں گے جب تک کہ افطار میں تعجیل (جلدی) کرتے رہیں گے" یعنی جب تک اس سنت پر قائم رہیں گے شر و فساد" اور گمراہی" سے مامون رہینگے "اور اچھے حال میں رہیں گے"

تورپشتیؒ نے کہا یہ اس لئے کہ تعجیل" جلدی افطار کرنے" میں اہل کتاب کی مخالفت ہے اس لئے کہ وہ لوگ خوب ستارے پھیل جانے تک انتظار کرتے ہیں۔

چنانچہ ہماری ملت کے اہل بدعت کی یہی عادت ہو گئی ہے۔ اور یہ تعجیل افضل اور محبوب اسلئے ہے کہ اس میں اپنی عاجزی کا اظہار ہے جو کہ عبودیت "بندگی" کے مناسب ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے رخصت اور اجازت کی جانب مبادرت" اور سبقت" ہے۔

آگے علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے کہ متابعت رسول ہی صراط مستقیم (سیدھا راستہ) ہے جو شخص اس سے کج ہوا" اور بہکا" تو گویا اس نے گمراہی کی بھی (بے پردی) اختیار کی اگرچہ عبادت ہی میں کیوں نہ ہو۔ اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَۃً یعنی "سحری کھاؤ اس لئے کہ اسمیں برکت ہے"

علماء نے فرمایا ہے کہ مراد برکت سے اگلے دن کے روزہ پر قوت کا حاصل کرنا ہے، اسلئے کہ دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ اِسْتَعِیْنُوْا بِمُقَایَلَۃِ النَّھَارِ عَلٰی قِیَامِ اللَّیْلِ وَبِاَکْلِ

السَّحُوْرِ علیٰ صِیَامِ النَّھَارِ یعنی "مدد لو دن کے قیلولہ" دوپہر میں آرام کرنے "سے رات کے قیام" رمضان کی راتوں میں نوافل و تراویح و تہجد پڑھنے" پر اور رات کی سحری سے دن کے صیام پر۔ یا مراد برکت سے زیادتی ثواب ہے اس لئے کہ اس نے انبیاء و مرسلین کا طریقہ اختیار کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزے کے درمیان میں جو چیز فارق" اور جدا کرنے والی" ہے وہ یہی سحری کا کھانا ہے۔

صاحب مرقات حدیث اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ "اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ کے تحت فرماتے ہیں کہ رَوَی ابْنُ مَاجَۃَ اِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِہٖ دَعْوَۃً لَا تُرَدُّ یعنی روزہ دار کے لئے اس کے افطار کے وقت ایک ایسی دعا ہوتی ہے جو رد" اور نامنظور" نہیں کی جاتی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت یہ دعا مانگا کرتے تھے یَا وَاسِعَ الْفَضْلِ اغْفِرْلِیْ یعنی" اے وسیع فضل و کرم والے میری مغفرت فرما"۔

اور آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ فَاَفْطَرْتُ یعنی" تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے میری اعانت کی تو میں نے روزہ رکھا۔ اور مجھکو رزق دیا تو میں نے افطار کیا"۔

دیکھا آپ نے یہ دعائیں آپ نے مانگیں تو کیا سُنی بھی نہ ہونگی۔ اس سنت پر عمل کیجیے، ایک دعا تو افطار کے وقت مانگ لیجیے۔ فرماتے ہیں کہ دعا اسوقت رد نہیں ہوتی اور رد اسلئے نہیں ہوتی کہ اس نے روزہ رکھا تو جب روزہ قبول ہوا تو اسی کی جزا یہ بھی دیتے ہیں کہ دعا بھی قبول فرما لیتے ہیں اور روزہ کے بارے میں فرما چکے ہیں کہ فَاِنَّہٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ "روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا"۔

پس ایک تو دعا عبادت۔ دوسرے عبادت کے اندر اسکو شامل کیا اسلئے وہ بھی مقبول۔ اور روزہ چونکہ افطار کے وقت ختم ہو جاتا ہے اس لئے اسی وقت دعا کی تاکہ اس کا جب یہ عمل صالح اوپر جائے تو ساتھ ساتھ دعا بھی جائے۔

انبیاء علیہم السلام چونکہ عارف کامل ہوتے ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ کے شیون (شانوں) سے پورے واقف ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کے ختم پر یہ دعا اسلئے فرمائی کہ یہ عبادت یعنی روزہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے تو اُن کی محبوب چیز کے ساتھ اپنی حاجت کو بھی پیش کر دیا کہ اُن کی ذات کریم ہے۔ وہ یہ نہیں کرینگے کہ بندے کے روزہ کو تو لے لیں جو اُن سے متعلق ہے اور دعا کو رد کر دیں جو بندہ سے متعلق ہے۔ اسلئے روزہ کے ساتھ ساتھ دعا بھی لے لی جاتی ہے۔ اسی واسطے آپ نے اسوقت دعا مانگ کر اُمت کو یہ تعلیم فرمائی ہے کہ کریم سے مانگنے کا سلیقہ اور طریقہ بھی سیکھنا چاہئے۔ آدمی جب طریقہ سے مانگتا ہے تو کامیاب ہو جاتا ہے۔

اسلئے کہتا ہوں کہ سنت کا علم حاصل کرو کیونکہ عمل بدون علم کے ہو نہیں سکتا اور بدون سنت کے جانے ہوئے اور طریق سنت پر چلے ہوئے راستہ بہت دشوار ہو جائے گا۔ اور بہت محنت اُٹھانے اور مجاہدہ کرنے کے بعد بھی جہاں کے تہاں ہی رہو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا راستہ سنت پر منحصر ہے ؎

میندار سعدی کہ راہ صفا توان رفت جز بر پئے مصطفٰے

(اے سعدی! یہ نہ سمجھنا کہ راہ حق کو بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے کسی اور طریقہ سے طے کیا جا سکتا ہے)

حضرت عرباض ابن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سحری کھانے کے لئے یہ فرماتے ہوئے بلایا کہ ھَلُمَّ اِلَی الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ یعنی "آؤ مبارک کھانا کھاؤ":

دیکھئے اس میں سحری کو مبارک کھانا فرما رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کھلانا چاہتے ہیں مگر آج کتنے لوگ ہیں کہ سحری ہی نہیں کھاتے اور کہتے ہیں کہ ہم تو ایک گھونٹ پانی پی لیتے ہیں بس کافی ہے۔ اللہ و رسول کا یہ منشا نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسکو یہودیوں کا طریقہ بتایا ہے کہ وہ لوگ روزہ تو رکھتے ہیں مگر سحری نہیں کھاتے۔ سحری کھانا روزہ دار کو قوت بخشتا ہے، چنانچہ یہ ایسا مقبول کھانا ہے کہ اگر کچھ زیادہ بھی کھا لو تو تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور جس طرح سے روزہ میں کھانے پینے کا چھوڑنا موجب اجر و ثواب

ہے اسی طرح سے رات میں سحری کھانے میں ثواب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز تو ثواب کی اللہ تعالیٰ کے حکم کا "امتثال" و فرمانبرداری ہے۔ جب وہ منع کردیں تو کھانا حرام۔ اور جب پسند فرمادیں تو پھر کھانا ہی موجب اجر و ثواب ہے۔

سبحان اللہ! کیا تسہیل ہے شریعت کی کہ کھلا پلاکر خدا تک پہونچا دیا۔ یعنی کوئی ضروری چیز چھوڑ دائی نہیں

ایک صاحب ہمارے یہاں کے تھے کہتے تھے کہ ہم لوگوں کو کھلا پلاکر خدا تعالیٰ تک پہونچادیتے ہیں۔ میں نے سُنا تو کہا کہ شاید وہ تو نہ پہونچا سکتے ہوں اور یہ جو کہہ رہے ہیں غلط کہتے ہوں۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیشک یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے لوگوں کو کھلا پلاکر خدا تک پہونچادیا ہے۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے روزہ فرض فرمایا تو آپ نے افطار میں جلدی کرنے اور سحری کو مسنون فرمادیا۔ ان صحابی کو سحری کھانے کے لئے بلارہے ہیں اور اس کو مبارک فرمارہے ہیں۔

غرض روزہ ایسی عبادت ہے کہ اس جیسی طویل کوئی عبادت نہیں ہے اگر اسمیں قصد اور نیت صحیح ہو اور معصیت" اور کسی قسم کی نافرمانی" بھی نہ کرے بلکہ خدا کے حکم کے مطابق اس کو ادا کرے تو اسی رمضان کے ایک ہی مہینہ میں انسان خدا تعالیٰ تک پہونچ جائے اور یہی اس کے لئے بہت کافی ہوجائے مگر روزہ کو روزہ کی طرح رکھنا یہ بہت مشکل ہے۔ کھانا پینا ترک کردینا تو آسان ہے باقی تقویٰ اختیار کرنا مشکل ہے۔ اور سارا دن آدمی ہر قسم کے گناہ سے آنکھ کے، کان کے، ہاتھ کے، زبان کے اسی طرح تمام جوارح" واعضاء" کے گناہ سے اپنے کو محفوظ رکھے یہ بڑا مشکل کام ہے اس لئے کہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے کہ عین عبادت کے اندر گناہ ہوتا ہو اور وہ عبادت صحیح ہوجائے۔ پس روزہ تو دن بھر کا ہوتا ہے اب اس اتنے طویل وقت میں آدمی اپنے جملہ اعضاء کو معاصی سے بچائے جائے یہ بہت مشکل بات ہے۔

اسی لیے حقیقی روزہ کے متعلق بڑا اجر و ثواب بھی وارد ہے۔ مگر یہ روزہ آسان نہیں ہے۔ کھانا، پینا چھوڑنا تو بہت آسان ہے مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق بھی ہو، ایسا روزہ رکھنا بہت مشکل ہے۔ حالانکہ یہی مقبول ہے اور اگر مرضی کے مطابق نہ ہوا بلکہ اسمیں اس نے غیبت "و بدگوئی" وغیرہ بھی کر لی تو اللہ تعالیٰ اسکی طرف نظر التفات نہ فرمائیں گے اسلئے کہ جو چیز سال بھر حرام تھی اس کو تو اس نے نہیں چھوڑا اور جو چیزیں غیر ایام صوم میں حلال تھیں انھیں چھوڑ دیا کیونکہ معاصی تو ہر زمانہ میں حرام ہوتے ہیں اسلئے روزہ میں اور زیادہ حرام ہو جائیں گے۔

پس ان ایام میں گناہ کرنا بہت ہی بُرا ہے۔ ایک تو ماہ رمضان کی وجہ سے۔ دوسرے روزہ رکھے ہوئے ہے پھر غیبت کر رہا ہے اسکے متعلق پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ اَفْطَرَ مَنْ ظَلَّ یَاکُلُ مِنْ لُحُوْمِ النَّاسِ یعنی "جو شخص لوگوں کی دن بھر غیبت کیا کرتا ہے اُس نے اپنا روزہ توڑ دیا"

اسی طرح سے حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ (پچھنا لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا) تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو راوی حدیث ہیں وہ فرماتے ہیں کہ لَا لِلْحَجَامَۃِ وَلٰکِنْ لِلْغِیْبَۃِ یعنی حاجم اور محجوم کے افطار کو جو آپ نے فرمایا تو وہ حجامت (سینگی لگوانے) کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ دونوں کسی کی غیبت بھی کر رہے تھے اسکی وجہ سے روزہ ٹوٹ جانیکو فرمایا۔

ہم لوگ ہوتے تو آپ کے سامنے یہ سب باتیں نہ بیان کرتے مگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ بیان فرما رہے ہیں تاکہ آپ کو بتائیں کہ مقصد شریعت کا محض کھانا پینا چھوڑ نہیں ہے بلکہ اس صوم سے مقصود تقویٰ حاصل کرانا ہے۔ اب تم خود دیکھ لو کہ کتنا تقویٰ کیا ہے (یعنی اعمال سیئہ سے نفرت، گناہوں سے جھجک اور اعمال صالحہ کا تقاضہ اور نیکیوں کی خواہش و تڑپ کی کیفیات دل میں پیدا ہوئیں یا نہیں؟)

واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب ہی چور پکڑا یعنی یہ فرمایا کہ قول زور اور عمل زور" جھوٹ اور بُرے اعمال" اگر روزہ میں نہ ترک کیا تو وہ روزہ تمھارا اللہ تو

کے یہاں نہیں پہونچے گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ مقبول نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بھی مقبول نہیں۔

حدیث شریف میں صائم "روزہ دار" کے لئے افطار کے وقت جس خوشی کا تذکرہ ہے وہ خوشی بھی اسی شخص کو ہوگی جس نے روزہ کو روزہ کے طریقہ سے رکھا ہوگا۔ کیونکہ افطار کے وقت میں جس خوشی کو فرما رہے ہیں وہ بھی دراصل دو خوشیوں کا مجموعہ ہے۔ ایک تو ان میں سے جسمانی ہے اور وہ یہی کھانے پینے کی خوشی ہے۔ چنانچہ افطار میں جب آپ کھاتے پیتے ہیں تو دیکھئے افطاری کیسی لذیذ معلوم ہوتی ہے اس کا اندازہ اسطرح کر سکتے ہیں کہ روزے کے علاوہ اور دنوں میں جب کھائیے تو اتنی لذت نہیں معلوم ہوتی جس قدر کہ روزے میں معلوم ہوتی ہے۔ یہ تو جسمانی فرحت ہوئی۔ ایک دوسری فرحت افطاری کے وقت روحانی ہوتی ہے جو مومن کو نصیب ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کو اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ادا ہوگیا۔ چنانچہ ہر مومن بوقت افطار زبان حال سے گویا یہ کہتا ہے کہ ؎

للہ الحمد نمردیم و رسیدیم بدوست آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم مر کر ختم نہیں ہوئے اور دوست تک پہنچ گئے۔ ہماری اس ہمت مردانہ پر مبارکباد ہو۔

اسی طرح مومن متقی جب روزہ پورا کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو معاصی سے بچا لیتا ہے تو اسپر اسکو ایمانی خوشی ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں بھوک پیاس اور مخالفت شہوات کا تعب مجھے برداشت کرنا پڑا مگر میں نے خدا کا حکم خدا کی مرضی کے مطابق ادا کرلیا اور اپنے روزے کو فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ "روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اسکی جزا دوں گا" کا مصداق بنالیا۔

ظاہر ہے کہ یہ کچھ کم خوشی کی بات نہیں ہے۔ جب کوئی اللہ کا بندہ روزہ نماز یا خدا کے کسی حکم کو قاعدہ کے مطابق پورا کر لیتا ہے تو اس سے اسکو بڑی مسرت ہوتی ہے اور ایسی روحانی لذت ملتی ہے کہ جسمانی تمام لذتیں اسکے آگے کچھ بھی نہیں۔

بہرحال روزہ رکھنا اور صحیح طریقہ سے روزہ رکھنا بھی کچھ کم لذت اور فرحت کی چیز

نہیں ہے ہاں مگر مشکل ضرور ہے پھر جب بندہ کے اخلاص کی وجہ سے اس کا کوئی عمل قبول ہو جاتا ہے تو اسکی ہر چیز مقبول ہو جاتی ہے اور جب کوئی چیز مقبول ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بڑی قدر دانی فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار نماز پڑھا رہے تھے۔ کسی صحابی نے پیچھے سے کچھ کلمات کہے (یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ) نماز کے بعد آپؐ نے فرمایا یہ کون بولا تھا۔ سب صحابہ سہم گئے وہ صحابی بھی ڈر گئے مگر چونکہ حضورؐ نے دریافت فرمایا تھا اس لیے عرض کیا کہ میں نے کچھ کلمات کہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے وہ کلمات اللہ تعالیٰ کو اتنے پسند ہوئے اور ان کے یہاں ایسے مقبول ہوئے کہ اس کو لے جانے کے لیے بارہ فرشتے باہم منازعت" اور چھینا جھپٹی" کر رہے تھے کہ کون اس کو اوپر لے جائے۔

اسی طرح سے جب کسی کا روزہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوگیا تو اسکی وجہ سے جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں سب اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتی ہیں۔ ابھی آپ نے دیکھا کہ اسکا کھانا پینا اور شہوت ترک کرنا کیسا پسند ہوا۔ اسی طرح روزہ دار کے منہ کی بو جو انسانوں کے نزدیک کریہہ اور ناخوشگوار چیز سمجھی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ مشک کی خوشبو سے بڑھ کر محبوب ہے۔

چنانچہ اسی حدیث میں آگے آتا ہے وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ "روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بڑھ کر پاکیزہ اور پسندیدہ ہے" اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جہاد فی سبیل اللہ جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسند ہے تو اسکی وجہ سے اس مجاہد کے گھوڑے کی لید اور پیشاب بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقیع[ہ] اور قابل قدر ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت میں یہ سب چیزیں بھی ترازو پر تُلیں گی اور اُن پر اسے اجر دیا جائے گا اور یہ اسلئے کہ نیک عمل کی وجہ سے خود عامل ہی مقبول ہو جاتا ہے۔ پھر جب عامل مقبول ہو جاتا ہے تو اسکی ہر ہر چیز مقبول ہو جاتی ہے۔ یعنی جن چیزوں

[ہ] قابل احترام با وقعت

سے اسکو ادنیٰ نسبت ہوتی ہے وہ بھی مقبول ہوجاتی ہیں۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ طریق بہت آسان ہے اس میں کچھ زیادہ مجاہدے کی ضرورت نہیں ہے بس آپ یہی نماز، روزہ ٹھیک کر لیجئے یعنی نماز وقت سے پڑھئے، روزہ کو حکمِ الٰہی سمجھ کر رکھئے یعنی ان ایام میں طعام کو، شہوت کو، معاصی کو یعنی گناہ صغیرہ اور کبیرہ سب کو چھوڑ کر دیکھئے کہ آپ کو کیا لطف آتا ہے اور اُدھر سے کتنی عزت افزائی کیجاتی ہے۔

اللہ والے اپنے قلب سے مشاہدہ کرتے ہیں کہ کتنا تقرب ہوا اور کتنی صفائی پیدا ہوئی اور کتنی مشابہت اللہ تعالیٰ سے ہوئی۔

اسمیں شک نہیں کہ بڑی قدر کا مہینہ ہے۔ بزرگوں نے اسے ماہِ مجاہدہ" ریاضت اور عبادت میں محنت، مشقت کرنے کا مہینہ" بھی کہا ہے۔

یہ سب کچھ اس لئے کہہ رہا ہوں تاکہ اس ماہ مبارک کی قدر کرو اور اسکی حیثیت کو پہچانو اور کچھ کرنا چاہتے ہو تو کرو اور نہیں تو جو جی چاہے کرو۔ جو لوگ اسکی قدر کو پہچان لیتے ہیں وہ اسی رمضان کو پاکر بہت بہت ترقی کر جاتے ہیں اور جو نہیں سمجھتا اس پر کتنے رمضان آتے ہیں اور گذر جاتے ہیں۔

ایک صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ کیا کریں کہ لوگوں پر اثر ہو۔ میں نے کہا کہ بھائی اثر کیلئے تو قرآن و حدیث ہی ہے اسی کے مضامین کو اسکی ترغیبات و ترہیبات" شوق اور رغبت دلانے والے اور رہبت اور خوف پیدا کرنے والے مضامین" کو ایسے عنوان سے بیان کرو کہ لوگ سمجھ لیں۔ جب سمجھ لیں گے تو اثر بھی ہوگا۔

قرآن و حدیث میں جنت و دوزخ کا اور اہلِ جنت و اہلِ دوزخ کا ذکر اسی لئے کیا گیا ہے کہ لوگ اس سے متاثر ہوں۔ اسی طرح احکام سے متعلق نصوص میں ایسی ترغیبات موجود ہیں کہ اگر انہیں غور کرکے امت کو سمجھایا جائے تو سب کے سب شریعت کے عاشق ہوجائیں۔ چنانچہ دیکھئے روزے ہی کے متعلق کیسے کیسے فضائل بیان کئے گئے۔ کیا اثر لینے کے لئے یہ ارشاداتِ نبویہ کچھ کم ہیں؟ ان کو بیان کیجئے اور ان کے ذریعہ لوگوں پر اثر ڈالئے۔

نیز اثر ہی لینے کے لئے قرآن اُتارا گیا ہے اور اسمیں زبردست تاثیر رکھی گئی ہے مگر اثر

ڈالنے کے لئے شرط یہ ہے کہ ان مضامین کو پیش کرنے والا پہلے خود بھی ان سے متاثر ہو تو دوسروں پر اثر ہوگا۔

آپ اگر عوام الناس پر اثر ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کی واحد صورت یہی ہے کہ قرآن حدیث کو سمجھ کر ان کے مضامین سے پہلے خود اثر لیجئے پھر اس کے بعد دوسروں کے سامنے پیش کیجئے تو انشاء اللہ تعالے ضرور اثر ہوگا۔ اور میں تو عیاناً "کھلی آنکھوں" دیکھ رہا ہوں کہ اس طریق سے مسلمانوں کو نفع پہنچ رہا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

فرمایا کہ ایک حدیث اور سنئے: نَوْمُ الصَّائِمِ عِبَادَۃٌ وَصَمْتُہٗ تَسْبِیْحٌ وَعَمَلُہٗ مُضَاعَفٌ وَدُعَاءُہٗ مُسْتَجَابٌ وَذَنْبُہٗ مَغْفُوْرٌ (روزہ دار کا سونا عبادت ہے اور اس کا سکوت و خاموشی بھی تسبیح کے قائم مقام ہے اور اسکے عمل کا ثواب (ستر گنا) بڑھ جاتا ہے، اور اسکی دعا مقبول ہوتی ہے اور اسکے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ بھی کیسی قدر فرماتے ہیں اپنے بندوں کے عمل کی کہ روزہ دار کی نیند کو عبادت بنا دیا اور اسکی خاموشی کو بھی تسبیح قرار دیا۔ ؎

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھکو انشا ادھر سے ایسے گناہ پیہم اُدھر سے یہ دمبدم عطا

روزہ دار کا سونا اسلئے عبادت ہے کہ شریعت میں روزہ نام ہے کھانا، پینا، اور وظیفہ زوجیت کے چھوڑ دینے کا صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک نیت کیساتھ۔ تو جب کسی نے روزے کی نیت کرلی اور ان چیزوں کے چھوڑنے کا ارادہ کرلیا تو روزہ شروع ہوگیا اور روزہ صبح سے لیکر شام تک پورے وقت کو ملاکر ایک ہی عبادت ہے، درمیان میں اسکے حصے تو ہیں نہیں اور نوم ناقض صوم نہیں تو آدمی ان اوقات میں جو کام بھی کرتا ہے بشرطیکہ وہ منافیٔ صوم نہ ہو جاگتا ہے سوتا ہے حتیٰ کہ بیت الخلاء میں ہے یہ عبادت اس سے منفک اور جدا نہیں ہوگی بلکہ وہ ہر وقت باقی رہیگا اور یہ روزہ ہی کی خصوصیت ہے کہ ان چیزوں کیساتھ باقی رہتا ہے اور دوسری تمام عبادتیں نیند کے وقت موقوف ہوجاتی ہیں۔ یہ مطلب ہے نَوْمُ الصَّائِمِ عِبَادَۃٌ کا کہ روزہ دار سونے کی حالت میں بھی عبادت کے اندر رہتا ہے۔

اجتماعی خرابی | پھر اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے اور بھی بعض فتن کا ذکر فرمایا ہے مثلاً یہ کہ ایک فتنہ فتنۂ مستطیرہ کہلاتا ہے جس میں لوگ انسانیت اور تقاضائے انسانیت سے خارج ہو جاتے ہیں. زاہد اور عابد لوگ تو طبیعت کے تقاضے ہی سے بالکلیہ نکل جاتے ہیں یعنی اسکی اصلاح پر قادر نہیں ہوتے اس لئے ان کو یہی آسان معلوم ہوتا ہے کہ اسکو ترک ہی کر دو چنانچہ اس کو ترک کر کے رہبانیت اور جوگ وغیرہ اختیار کر لیتے ہیں اور عوام خالص بہیمیت کی جانب مائل ہو کر دنیا سے بے تعلق رہنے والے جانور ہو جاتے ہیں بلکہ ایسے کام کرنے لگتے ہیں جو جانور بھی نہیں کرتے اور أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (یہ لوگ جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں) کا مصداق ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ بین بین رہتے ہیں لَا إِلٰى هٰؤُلَاءِ وَلَا إِلٰى هٰؤُلَاءِ (نہ ادھر ہی کے نہ اُدھر ہی کے) جن کے متعلق دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دو رُخے ہوتے ہیں اب اگر انھوں نے اسکی جانب توجہ نہ کی تو ساری عمر اسی درجہ میں رہ جائیں گے اور اگر نقص کا احساس کر لیا اور ریاضت و مجاہدہ کر کے یا کسی شیخ کامل کی صحبت اختیار کر کے اپنا رُخ صحیح کر لیا اور ایک جانب کر لیا تو اس مرتبہ سے نکل سکتے ہیں.

آفات سماوی | اور آخر میں ایک فتنہ فتنۃ الوقائع الجویہ کو بھی شمار فرمایا ہے جسکی مثالیں ہم نے شروع میں آفات سماوی کے نام سے بیان کی ہیں. طوفان. وبار وغیرہ.

شاہ صاحبؒ نے فتنۃ الرجل فی نفسہ واہلہ و فتنۃ تموج کموج البحر (آدمی کا ذاتی فتنہ، خانگی فتنہ. اور سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا فتنہ) کو جو بیان فرمایا ہے تو اس کا وضوح اس مضمون سے بھی ہوتا ہے.

الحکمۃ العملیۃ علی ثلاثۃ اقسام	حکمت عملی کی تین قسمیں ہیں کیونکہ یا تو وہ ان مصالح
لانہا اما علم بمصالح شخص معین	کا علم ہوگا جن کا تعلق ہر ہر شخص سے الگ الگ ہے تاکہ
بالانفراد لیتحلی بالفضائل و یتخلی	وہ فضائل سے متصف اور رذائل سے خالی ہو سکے اور
من الرذائل و یسمی تہذیب الاخلاق	اس کا نام تہذیب اخلاق ہے (اور یہ اسی فتنہ کا علاج

ہے جسکو شاہ صاحبؒ نے فتنۃ الرجل فی نفسہ فرمایا ہے) اور چونکہ ہر ہر شخص کی مصالح کا علم خود اس شخص کو ہونا ضروری ہے اسلئے یہ تہذیب اخلاق (عادات کو پاکیزہ اور شائستہ بنانا) سب پر فرض ہے)

واما علم بمصالح جماعة مشتركة	اور یا وہ ان مصالح کا علم ہوگا جو ایک منزل
فی المنزل کالوالد والمولود والمالك	کے رہنے والوں میں مشترک ہوتی ہیں جیسے والد،
المملوك والزوج والزوجة والتلميذ	اولاد، مالک و مملوک، میاں بیوی، استاد شاگرد اور
والاستاذ والشیخ والمرید) ویسمی	پیر و مرید وغیرہ۔ اس کا نام تدبیر منزل ہے۔ (یہ اُسکا
تدبیر المنزل	علاج ہے جس کو شاہ صاحبؒ نے فتنۃ الرجل فی اہلہ (گھر کا انتظام) فرمایا ہے)
واما علم بمصالح جماعة مشتركة	اور یا وہ ان مصالح کا علم ہوگا جو ایک شہر یا
فی المدینة ویسمی السیاسة المدینة	ملک میں بسنے والوں میں مشترک ہوتی ہیں اور اسکا نام سیاست مدینہ (شہر کا نظم و نسق) ہے

(یہ اس کا علاج ہے جس کو شاہ صاحبؒ نے فتنہ تموج کموج البحر فرمایا ہے) پس حکمت عملی میں صرف ان امور کا علم ہی مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کا ثمرہ اور نتیجہ یعنی تحلی بالفضائل اور تخلی عن الرذائل مطلوب ہوتا ہے اور اسی کو تہذیب اخلاق کہتے ہیں۔

پھر حکمت کی تمام اقسام کو بیان کر کے یہی لوگ یہ بھی لکھتے ہیں کہ

اعرضوا عن اقسام الحکمة العملیة	اہل فلسفہ نے حکمت عملیہ کی تفصیلات بیان کرنے
باسرها لان الشریعة المصطفویة	سے اعراض کیا ہے اسلئے کہ شریعت محمدی نے اسکو
قد قضت الوطر منها علی اکمل وجه و	علیٰ وجہ الاتم والاکمل اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اب
اتم تفصیل۔	اس جیسے (پورے طور پر) بیان سے لوگ عاجز ہیں۔ انکا قلم اٹھتا نہیں

صاحب غیاث اللغات نے بھی حکمت عملی کی یہی تعریف کی ہے کہ معاش و معاد کا علم علیٰ وجہ الکمال ہونا یہی حکمت عملی ہے۔ اور اس کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ تہذیب اخلاق تدبیر منزل اور سیاست مدینہ۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

حکمت عملی۔ دانستن انتظام احوال معاش و معاد بوجہ کامل و افراد آں سہ است تہذیب الاخلاق و تدبیر منزل و سیاست مدن (حکمت عملی دنیا و آخرت کے حالات کے انتظام کو پورے طور سے جاننے کا نام ہے اور اسکے افراد تین ہیں:۔ اپنی عادات کو پاکیزہ بنانا ہے۔ گھریلو نظم و انتظام ٹھیک کرنا۔ ملکی نظم و نسق درست رکھنا۔

لہ اچھے اخلاق و عادات سے متصف اور آراستہ ہونا لہ برے اخلاق و عادات سے اپنے کو پاک کرنا

مذہب اسلام کی جامعیت
و مسئلہ امارت کی تفصیلات

غرض اہل فلسفہ کے اقرار و اعتراف سے بھی یہی ثابت ہوا کہ اسلام ایک کامل و مکمل نظام حیات ہے اسمیں تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدینہ سارے ہی شعبوں سے متعلق اصول اور احکام موجود ہیں انسان کو اپنے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پیش آنے والی کوئی الجھن اور پیچیدگی ایسی نہیں ہے جس کا حل کتاب اللہ میں یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود نہ ہو لیکن بات یہ ہے کہ دین کی جانب کچھ اعتنا (توجہ و اہتمام) ہی نہیں ہے۔ اس لئے لوگ ایسے مواقع پر نفسانیت کے شکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً امارت (فرمانروائی و حکمرانی) و خلافت ہی کا مسئلہ ہے اسکے متعلق شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس منصب پر کسی اہل کو فائز ہونا چاہیئے اور نا اہل کے لئے اس سے منازعت (مخالفت) جائز نہیں ہے۔ پس ابتداءً تو کسی شخص کے خلیفہ ہونے کے لئے اس کا عادل ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر بعد میں وہ عادل نہ رہ جائے فاسق ہو جائے تو اس کے بارے میں تفصیل ہے جس کو ہم آگے بیان کرتے ہیں:۔

آپ خود خیال فرمایئے کہ خلافت کا اتنا اہم مسئلہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسلام جو کہ ایک مکمل نظام ہے اس میں اسی کے متعلق کچھ احکام مذکور نہ ہوں۔ حالانکہ شاہ صاحب نے اسکے متعلق فرمایا ہے کہ فِتْنَةٌ تَمُوْجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ (سمندر کی طرح جوش مارنے والا فتنہ) کیونکہ پورے شہر اور تمام ملک میں اس فتنہ کی آگ لگ جاتی ہے اور ہر ہر شخص اس موقعہ پر حرکت میں آجاتا ہے۔ ابلیس کو ان کی نفسانیت بلکہ بہیمیت کو ابھارنے اور تحریش فی ما بینہم (لوگوں کے درمیان فتنہ فساد برپا کرنے) کا بہترین موقع ہاتھ آجاتا ہے چنانچہ کسی شخص کا امیر و خلیفہ ہونا بہت سے لوگوں کی طبیعت کے خلاف ہوتا ہے اور بہت سوں کیموافق ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں ان تمام جذبات انسانی کی اصلاح فرما دی جو بالخصوص ایسے مواقع پر ابھر آیا کرتے ہیں جیسا کہ بخاری شریف کتاب الفتن میں حضرت عبادہؓ بن صامت کی یہ حدیث موجود ہے:۔

عن جُنادة بن ابی امیة	حضرت جنادہ بن ابی امیہ سے مروی ہے وہ
قال دخلنا علی عبادة بن الصامت	کہتے ہیں کہ ہم حضرت عُبادہؓ بن صامت کی خدمت
وهو مريض فقلنا اصلحك	میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ وہ علیل تھے ہم نے

الله حدث بحديث ينفعك الله به سمعته من النبي صلى الله عليه وسلم قال دعانا النبي صلى الله عليه وسلم فبايعناه فقال فيما اخذ علينا ان بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا وعسرنا ويسرنا واثرة علينا وان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان (متفق عليه ولفظه للبخاري)

کہا اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے ہم سے آپ کوئی ایسی حدیث بیان فرمائیے جس کی برکت اللہ تعالیٰ آپ کو (اور ہم سب کو) عطا فرمائے اور آپ نے اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سُنا ہو انھوں نے فرمایا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا چنانچہ ہم نے آپ سے بیعت کی آپ نے بیعت میں ہم سے یہ وعدہ لیا کہ ہم سمع اور طاعت پر بیعت کریں خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی عُسر میں بھی اور یُسر میں بھی اور اپنے پر دوسروں کے ترجیح دینے میں بھی اور اس امر پر کہ ہم کسی معاملہ میں اسکے اہل سے منازعت نہ کرنا بجز اسکے کہ کھلا ہوا کفر ہی دیکھ لو جسکے متعلق تمہارے پاس خدا کی جانب سے برہان موجود ہو. (یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے. یہاں الفاظ بخاری کے ہیں)

دیکھئے اس حدیث میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت بیعت ہم سے یہ شرط فرمائی کہ کسی منصب میں ہمارے غیر کو اگر ہم پر ترجیح دیجائیگی تو ہم کو ناگوار نہ ہوگی اور یہ کہ ہم ملک اور امارت[1] کے بارے میں اس کے اہل سے منازعت نہ کرینگے چنانچہ صاحب فتح الباری لکھتے ہیں کہ اَثَرَةٍ عَلَيْنَا سے مراد یہ ہے کہ ہم اس شخص کی اطاعت کرینگے جو ہم پر والی بنا دیا جائے اور اطاعت کرنے میں اپنے حقوق کے ملنے کا بھی انتظار نہ کرینگے بلکہ اگر وہ ہمارا حق نہ بھی دیگا تب بھی ہمارا شعار اطاعت ہی ہوگا. یہی مطلب ہے اس حدیث کا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے.

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتاني جبرئيل فقال ان امتك مفتتنة من بعدك فقلت من اين قال من قبل امرائهم وقرائهم

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا کہ آپ کی امت آپ کے بعد فتنہ میں واقع ہوگی میں نے پوچھا کہ فتنہ کہاں سے آئیگا؟ کہا ان کے امراء اور قرّاء (علما

[1] سلطنت وحکومت

بمنع الامراء الناس الحقوق فیطلبون حقوقهم فیفتنون ویتبع القراء هؤلاء الامراء فیفتنون. قلت فکیف یسلم من سلم منهم قال بالکف والصبر ان اعطوا الذی لهم اخذ وه وان منعوه ترکوه (فتح الباری ص ۳۴ ج)

کی جانب سے امراء لوگوں کے حقوق ادا نہیں کرینگے تو لوگ اپنا حق طلب کرینگے اور مفتون ہونگے اور علماء ان امراء کی فرمانبرداری کرینگے تو وہ بھی فتنہ میں پڑجائینگے. میں نے دریافت کیا کہ اچھا تو یہ بتلاؤ کہ ان میں جو شخص بچنا چاہے وہ کسطرح بچ سکتا ہے. کہا اپنے حق سے باز رہے اور صبر کرے. اگر وہ لوگ انکے حقوق انھیں دیدیں تو لے لیں اور نہ دیں تو چھوڑدیں لینے پر اصرار نہ کریں.

اصل سبب فساد حضرات صحابہ کرام کا عمل بھی انہی تعلیمات پر تھا. وہ یہ کہ سب سے پہلے وہ اہل نااہل میں تمیز کرتے تھے. آج کل جیسا حال نہ تھا کہ عالم جاہل، امیر، غریب، اور عورت مرد سب برابر ہوگئے ہیں. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے پیش نظر تھا کہ لن یزال الناس بخیر ما تباینوا فاذا تساووا ھلکوا" یعنی لوگ ہمیشہ خیر ہی پر رہیں گے جب تک کہ ان میں فرق مراتب قائم رہے گا اور جب سب برابر ہوجائیں گے تو ھلاک ہوجائیں گے:

میں کہتا ہوں کہ عرب کے ایک شاعر نے بھی اس راز کو سمجھا تھا جس سے آج ہمارے زمانے کے عاقل تک غافل ہیں. وہ کہتا ہے ؎

لَا یَصْلُحُ النَّاسُ فَوْضٰی لَا سُرَاۃَ لَھُمْ وَلَا سُرَاۃَ اِذَا جُھَّالُھُمْ سَادُوْا

یعنی مخلوق جبکہ مساوی درجہ خود سر ہوں کوئی ان کا افسر و سردار نہ ہو تو کبھی ان کی حالت درست نہیں ہوسکتی اور اگر کسی جاہل کو سردار بنا بھی لیں تو وہ حقیقتاً نہ ہونے کے حکم میں ہے"

یہ میں نے اس لئے کہا کہ اب اس زمانہ میں معراج ترقی یہی ہے کہ ہر شخص سردار ہوجائے. چنانچہ لوگوں کو آج یہ باور کرانا کہ تمھاری حالت اچھی نہیں ہے بلکہ تم فتنہ میں پڑے ہوئے ہو. بڑا ہی دشوار کام ہے.

حضرات صحابہؓ کا ادب غرض صحابہ کا حال ایسا نہیں تھا بلکہ وہ اہل نااہل اور فقیہ غیر فقیہ میں امتیاز رکھتے تھے بلکہ یہ دیکھا جاتا تھا کہ کوئی کم اہلیت والا ہوتا تو اپنے سے بڑے

کے سامنے مسائل وغیرہ بیان کرنے سے ادبا رک جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ اِنَّ رَسُوْ
اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خُذُوا الْقُرْاٰنَ عَنْ اَرْبَعَۃٍ وَذَکَرَہٗ مِنْھُمْ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن چار شخصوں سے حاصل کرو ان میں
ایک ابن مسعودؓ بھی تھے" نیز یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ تحدیث نعمتؐ کے طور پر فرمایا
تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ یہ سمجھتے تھے کہ میں کتاب اللہ کا زیادہ
والا ہوں اور اگر میں یہ سمجھتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ اعلم ہے تو میں اسکی جانب سر
صحابہ نے ان کے اس قول کو سنا اور کسی نے رد نہیں کیا۔ اسی طرح بخاری وغیرہ
ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مفتی تھے۔ علماء حجاز، شام اور عراق کا اس پر
ہے۔ چنانچہ مشکلات میں آپ کی جانب رجوع کیا جاتا تھا۔ آپ ہی کے متعلق کسی صحا
نے لوگوں سے کہا تھا کہ جب تک یہ حبر (عالم) تم میں موجود ہے مجھ سے مسائل مت پوچھا کر
اسی طرح سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی علم فقہ اور تفسیر قرآن وغیرہ کے
سے حضرات صحابہ میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ حضرت لیث بن ابی سُلیم نے حضر
طاؤس سے کہا کہ تم ان نوعمر صاحبزادے ہی کے پاس رہتے ہو (یعنی ابن عباسؓ کے
پاس) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہ کو تم نے چھوڑ ہی دیا ہے۔ حض
طاؤس نے کہا بھائی کیا کروں۔ میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ
سے ستر بزرگوں کو دیکھا ہے کہ جب کسی امر میں اختلاف ہوتا تو ابن عباسؓ ہی کا قو
لیتے تھے۔ اسی طرح سے عبداللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ
بھی فقہاء صحابہ میں سے تھے۔

جاہ و منصب کی ہوس اب تعلیماتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ ہیں اور حضرات صحابہ
ان پر عمل کر کے دکھا دیا۔ لیکن اس زمانہ میں عمل تو الگ رہا مسلمانوں کو اس کا علم تک نہ
بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ عمل اسکے بالکل برعکس ہو گیا ہے تو غلط نہ ہوگا کیونکہ آج نہ سمع و اطا
کا پتہ ہے اور نہ منازعت سے اجتناب ہے اسلئے کہ سمع و اطاعت تو فرع امارت کی ہے ا
(بقیہ حاشیہ)

لوئی امیر ہی نہیں اسوجہ سے کہ ہر شخص سردار ہے۔ اسیطرح اگر کسی کو اہل جانکر کوئی منصب دیا
دوسرے لوگوں کو اسپر ناگواری بھی ہوتی ہے۔ رہا مسئلۂ امارت میں منازعت تو وہ تو گویا مقصد
ہی بنالیا گیا ہے۔ حالات زمانہ اسپر شاہد ہیں۔ چنانچہ اب صرف یہی نہیں ہوتا کہ امارت کے حاصل کرنے
مثلاً دو اہل ہی میں اختلاف ہو جائے کہ برا یہ بھی تھا مگر اب تو دیکھا یہ جارہا ہے کہ ایک جانب اہل ہوتا
دوسری جانب نااہل ہی اسکا مقابلہ کرنے کیلئے تیار نظر آتا ہے اور اسکی وجہ سے ایسا میدان کارزار
آتا ہے کہ الامان والحفیظ۔

سلطان کی مخالفت جائز ہوتی ہے۔

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ کسی اہل سے امر خلافت میں منازعت مت کرنا اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيْهِ
انٌ۔ یعنی بجز اس صورت کے کہ تم اسکی جانب سے کھلا ہوا کفر ہی دیکھ لو وہ بھی ایسا کہ تمہارے پاس اسکے
اللہ تعالیٰ کی جانب سے برہان ہو یعنی کوئی نص صریح ہو یا ایسی خبر صحیح ہو جو محتمل تاویل بھی نہ ہو مطلب یہ کہ
اس کا فعل تاویل کا احتمال رکھے ان پر خروج (بغاوت) جائز نہیں۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ مراد کفر سے یہاں
معصیت ہے اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ولاۃ ان کے ولایت کے بارے میں تنازع اور تعرض نہ کرو
تم انکی جانب سے کوئی امر منکر (گناہ، برا کام) دیکھو جسکے متعلق تمہیں یقین ہو کہ وہ قواعد اسلام کے خلاف
اس وقت تم انکار کر سکتے ہو اور جہاں کہیں بھی ہو حق بات کہہ سکتے ہو لیکن اور دوسرے حضرات نے یہ
کہ مراد یہاں کفر ہی ہے۔ لہذا سلطان پر اعتراض جائز نہیں مگر یہ کہ کفر ظاہر میں مبتلا ہو جاوے
صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ کفر والی روایت کا محمل اس صورت کو قرار دیا جاویگا
منازعت نفس ولایت (حکومت) میں ہو مطلب یہ ہوا کہ اس سے منازعت نہ کیجائے اسکی ولایت میں قدح کرتے
ہوئے بجز اس صورت کے کہ وہ کفر ہی کا مرتکب ہو بیٹھے اور روایت معصیت کو اس صورت پر محمل کیا
جہاں کہیں کہ منازعت ولایت کے علاوہ دوسری چیزوں میں ہو۔ مطلب یہ کہ معصیت ولایت
قادح ہے نہیں اسلئے ولایت میں منازعت کے بجائے معصیت ہی میں منازعت کیجاویگی بایں
اسپر نرمی سے انکار کرے اور اسپر حق ثابت کرنے کیلئے بغیر تندی و تیزی کے کوئی آسان شکل
کرے اور اسکا بھی محل وہی ہے جہاں انسان قادر ہو۔ ابن تین نے داؤدی سے نقل کیا ہے کہ
علماء کا مسلک یہ ہے کہ امراء جور (ظالم حکام) کو اگر بغیر فتنہ و ظلم کے امارت (حکومت) سے علیحدہ کیا جاسکتا ہو تو ایسا

ہر وقت معصیت کا تقاضا ہے نفس میں — دل خیر کی طرف مرا مائل نہیں رہا
پڑنے لگا ہے اب تو فرائض میں بھی خلل — یہ ہی نہیں کہ شوقِ نوافل نہیں رہا
پہلی سی فکر جائز و ناجائز اب نہیں — حفظِ حدود و پاسِ مسائل نہیں رہا
جب سے شریکِ حال عنایت نہیں رہی — اللہ کا فضل ہی شامل نہیں رہا
وہ ذوق و شوق قلب وہ نعرے نہیں رہے — وہ رنگ اور شورِ عنادل نہیں رہا
وہ وہ کئے ہیں جرم کہ انصاف تو یہ ہے — سرکار اب میں رحم کے قابل نہیں رہا
مانیں جو اب بھی حق تو یہ ہے آپ کا کرم — حق یہ ہے حق تو کچھ مجھے حاصل نہیں رہا
کس سے کہوں کہوں جو نہ حضرت سے حالِ دل — گو منہ تو مرا عرض کے قابل نہیں رہا
اے خضرِ راہ کیجئے بس جلد رہبری — رخ سوئے قعرِ ہے سوئے منزل نہیں رہا
یہ التجا کرم کی بلا حق کے ہے حضور — حق تو کر چکا ہوں میں زائل نہیں رہا
طاعت ہی بس حیات ہے اور معصیت ممات — کیا زندہ ہوں میں۔ زندوں میں شامل نہیں رہا
یہ آسرا ہے آپ سا کامل ہے مہرباں — گو سچ ہے میں تو ہاں کسی قابل نہیں رہا
دستِ کرم ہو جانبِ مجذوب پھر دراز — محروم آپ کا کبھی سائل نہیں رہا

حیاتِ مجذوب

مجذوبِ نارسیدہ کو واصل بنا دیا — ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنا دیا
فہمیدِ کیدِ نفس کے قابل بنا دیا — مجذوب کو بھی آپ نے عاقل بنا دیا
نقشِ بتاں مٹایا۔ دکھایا جمالِ حق — آنکھوں کو آنکھیں دل کو مرے دل بنا دیا
عشقِ بتاں ہوا ہے مبدل بہ حبِ حق — وجہِ فنا کو زیست کا حاصل بنا دیا
کیا ناخدا ہیں آپ بھی اس بحرِ عشق کے — گردابِ ہولناک کو ساحل بنا دیا
فیضِ نظر سے نفس کی کایا پلٹ گئی — جو تھے رذائل۔ ان کو فضائل بنا دیا
غفلت میں دل پڑا تھا کہ ناگاہ آپ نے — آگاہ حق سے غیر سے غافل بنا دیا
مشغول اک نگہ میں ہوا دل بہ یادِ حق — غافل کو دم میں ذاکر و شاغل بنا دیا
مردودِ بارگاہ ہوا باریاب پھر — مہجورِ نامراد کو واصل بنا دیا

اس روسیہ کو آپ نے جو ننگِ بزم تھا — پرتو سے اپنے رونقِ محفل بنا دیا
اس قلبِ ناسزا کو جو ننگِ وجود تھا — ایسا نوازا۔ نازکے قابل بنا دیا
ایسے کو جو پڑا تھا مذلت کے قعر میں — اتنا اُبھارا۔ صدرِ اَفاضل بنا دیا
میرے دلِ سیاہ کو انوارِ قلب سے — خورشیدِ پرضیا کا مماثل بنا دیا
پھر سہل کر دیا مرے سرکار! آپ نے — میں نے جس امرِ سہل کو مشکل بنا دیا
چسکا لگا کے یادِ خدا کا حضور نے — بیزار کار و بارِ مشاغل بنا دیا
دل دادہ کر دیا مجھے خلوت کا آپ نے — اس بزمِ بے ثبات سے بد دل بنا دیا
دینی امور میں تو کیا مجھ کو مستعد — اور دنیوی امور میں مجھے کاہل بنا دیا
مشکل تھا دین سہل تھی دنیا آپ نے — مشکل کو سہل سہل کو مشکل بنا دیا
ہمت بڑھا کے بارِ امانت کا آپ نے — مجھ جیسے ناتواں کو بھی حامل بنا دیا
مجھ پاشکستہ کو بھی سہارا نے آپ کے — آمادہ بہرِ قطعِ منازل بنا دیا
کر کر کے وار نفس پہ تیغِ نگاہ کے — قاتل کو مرے آپ نے بسمل بنا دیا
مغلوبِ نفس تھا مگر اب نفس کش ہوں میں — بسمل کو گویا آپ نے قاتل بنا دیا
انوارِ ذکر رہتے ہیں گھیرے ہوئے مجھے — خلوت کو میرے آپ نے محفل بنا دیا
میں کیا کہوں کہ کیا تو تھا اور اب حضور — کیا مجکو مرے مرشدِ کامل تبنا دیا
بخشی حیاتِ قلب وہ عیسیٰ نفس ہیں آپ — مردہ کو زندہ کہنے کے قابل بنا دیا
ہاں کیوں نہ ہو وہ ذاتِ مقدس ہے آپکی — رندوں کو جس نے صوفیٔ کامل بنا دیا
کر کر کے سہل وہ وہ دقائق بیاں کئے — نافہم جاہلوں کو بھی عاقل بنا دیا
صحبت سے اپنے فلسفی و منطقی کو بھی — قرآن اور حدیث کا عامل بنا دیا
آزاد تھے جو ملت و مذہب سے ان کو بھی — وابستۂ چہار سلاسل بنا دیا
ہم جیسے ہرزہ گو بھی تو اب ذاکر و نیم ہیں — زاغوں کو ہم نوائے عنادل بنا دیا
غاصب جو تھے وہ صاحبِ جود و سخا ہوئے — اور ظالموں کو آپ نے عادل بنا دیا
اتنا کیا ہے آپ نے آساں طریق کو — کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا

وہ وہ نتائج اخذ کئے ہیں کہ آپ نے　　ادنیٰ امور کو بھی مسائل بنا دیا
قائل زباں سے ہوں کہ نہوں لیکن آپ نے　　دل سے تو منکروں کو بھی قائل بنا دیا
آہن کو سوزِ دل سے کیا موم آپ نے　　ناآشنائے درد کو بسمل بنا دیا
دیکھا نہ کوئی مصلح اخلاق آپ سا　　دیووں کو بھی فرشتہ شمائل بنا دیا
دنیا کو راہ راست دکھائی حضور نے　　جب کج رؤوں نے پیروِ باطل بنا دیا
کیا طرفہ ہے طریق ہدایت حضور کا　　گم کردہ رہ کو رہبر منزل بنا دیا
کر دیجئے بس اب مجھے اپنے سے بے خبر　　اس اپنے علم نے مجھے جاہل بنا دیا

مجذوب در سے جاتا ہے دامن بھرے ہوئے
صد شکر حق نے آپ کا سائل بنا دیا

---

(۷۱۲) فرمایا کہ جب تک نسبت راسخ نہ ہو جائے مختلف بزرگوں سے ملنا اچھا نہیں. کسی کے پاس بقصد استفادہ و برکت نہ جائے. مزارات پر بھی اس قصد سے نہ جائے اور بعد رسوخ نسبت خود ہی جانے کو دل نہ چاہے گا. پھر فرمایا کہ طالب کا تو اپنے شیخ کی نسبت یہ مسلک ہونا چاہئے۔ ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ماہے　　چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

(تمام شہر خوبرویوں سے بھرا ہے مگر میں ہوں اور ایک ماہرو کا خیال ہے میں کروں کیا؟ یہ چشم بدخو تو کسی اور کی طرف نگاہ ہی نہیں کرتی)

وہ عورت فاحشہ ہے جو اپنے خاوند کے سوا دوسرے پر نظر کرے۔ شیخ کے ساتھ جو تعلق ہے وہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ خاوند اور بی بی کا۔ شیخ کو یہ سمجھے کہ میرے لئے سب سے انفع یہی ہے اس کو وحدتِ مطلب کہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جس طرح وحدتِ مطلوب ضروری ہے اسی طرح وحدتِ مطلب بھی ضروری ہے۔ البتہ نسبت راسخ ہو جانے کے بعد پھر جہاں چاہے جائے. جہاں چاہے اٹھے۔ جہاں چاہے بیٹھے۔

(۷۱۳) فرمایا کہ قرآن مجید میں ترکیب کے اعتبار سے وقف تجویز کئے ہیں اور ہر آیت پر وقف ضروری نہیں گو آیتیں توقیفی ہیں جیسا کہ دو شعر قطعہ بند ہوں تو مضمون چار دن

مصرعوں کا مل کر ایک ہوگا مگر ایک شعر کے ختم پر ضرور کہیں گے کہ شعر ختم ہوگیا۔ بعض لوگ وقف کو آیت پر لازم سمجھتے ہیں۔ اور فرمایا کہ وقف کے معنی قطع النفس (سانس توڑنا) کے ہیں

(۱۴۔۷) فرمایا کہ بعض ملحدوں کو شبہ ہوگیا ہے کہ جب خدا کے جمال و کمال کے سب مظہر ہیں تو کسی چیز کو دیکھنا حرام نہیں اس پر فرمایا کہ چاہے جمال اللہ تعالیٰ کا سب میں ظاہر ہو مگر جب اللہ میاں نے خود منع کر دیا ہے کہ ہم کو اس آئینہ میں مت دیکھو تو اس کے حکم کی تعمیل کرے۔

(۱۵۔۷) فرمایا کہ جس دوستی کی بنار فاسد ہوگی آخر میں عداوت ہوگی۔ اور دوران درس مثنوی میں فرمایا تھا کہ غیر اللہ کی دوستی کا انجام آخر عداوت ہے۔

(۱۶۔۷) فرمایا کہ بڑھاپے میں نسبت قوی ہوجاتی ہے کیونکہ مدت کی نسبت ہوتی ہے۔ نیز اہل نسبت کے پاس بیٹھنے سے روحانی قوت بڑھتی ہے۔ بعض اوقات اس کا اثر بدن پر محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے بزرگوں کے بدن پر مرنے کے بعد بھی حرارت محسوس ہوئی ہے۔ اصل میں تو یہ اثر روح پر ہوتا ہے مگر تبعاً کبھی تبرعاً جسم پر بھی ظاہر ہوجاتا ہے۔

(۱۷۔۷) فرمایا کہ زیادہ رہزن اس طریق کا کبر ہے مثلاً برا ماننا اصلاح سے۔ اور فرمایا کہ تعلیم بدون صحبت کے کافی نہیں ہوتی۔ زیادہ تر صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۱۸۔۷) ایک مولوی صاحب کو حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ آپ کسی اور سے رجوع کیجئے کیونکہ آپ کو مجھ سے مناسبت نہیں ہے۔ اس پر ان مولوی صاحب نے لکھا کہ خیر اگر آپ خود میری نگرانی نہ کریں تو جو کچھ میں پوچھوں گا وہ تو بتا دیا کریں گے۔ میں نے لکھا جی ہاں بتا دیا کروں گا۔ اس پر فرمایا کہ وہ خود دیکھ لیں گے کہ اس طریق سے کیا نفع ہوتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ مریض کے پوچھنے پر طبیب بتلا دیا کرے اور اپنی طرف سے کچھ نہ بتائے تو مریض کو یہ سلیقہ ہی نہیں ہوتا کہ کون سی بات پوچھنے کے قابل ہے کون سی نہیں۔

ف :۔ اس سے حضرت کا کمال تجربہ اس طریق کا ثابت ہے۔

(۱۹۔۷) فرمایا کہ طرح طرح کے سوچ بچار میں مت رہو۔ رنج کو قلب پر مت آنے دو۔ بلکہ جسم پر لو۔ پھر فرمایا کہ بعض لوگوں کے قلب کو مہلت ہی نہیں ہوتی واہیات خرافات میں

وقت صرف ہو جاتا ہے۔

(۷۲۰) اگر کسی کی یہ رائے ہو کہ گاؤکشی مسلمان چھوڑ دیں تو چونکہ مبنیٰ اس رائے کا ملّتِ کفریہ کی رعایت ہے اس لئے ملّتِ کفریہ کے رعایت کے مقابلہ میں بلاشبہ گاؤکشی اہلِ اسلام کا شعار ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ گائے کا گوشت کھانے کو اسلام سے تعلق نہیں ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے سے شدید تعلق معلوم ہوتا ہے کہ مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا (جو ہماری جیسی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے)

(۷۲۱) فرمایا کہ جس سے معتقد ہو اسکے کہنے کو بُرا نہ مانے تھوڑی دیر کو صبر کرے شاید یہ امتحان ہی لیتے ہوں۔ پھر فرمایا کہ اگر وہ اس کا امتحان ہو اور پہلے سے بتلادے تو پھر امتحان ہی کیا ہوا۔

(۷۲۲) فرمایا کہ (انسان پر) جب تک فنا کی کیفیت غالب نہ ہو اس کو مشتاق یا مُحب نہیں کہہ سکتے۔ اور محبت کے اس درجہ کا انسان مکلّف نہیں مگر کمال یہی ہے۔ پھر فرمایا کہ اکثر ایسی محبت اوّل ہی میں ہو جاتی ہے اور اس کیفیت عشقیہ کے بڑھنے میں کسی اسباب کی حاجت نہیں اور بیعت میں شیخ کو طالب کی جانب سے ایسی ہی محبت کا انتظار ہوتا ہے۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا مذاق ہی نہیں اسوقت مجبوری ہے۔ طبعاً انقیادِ محض بدون اسکے نہیں ہوتا بلکہ وساوس کی مزاحمت رائے میں رہتی ہے اور اگر ایسی محبت ہو جائے تو پھر واللہ اگر سرِ بازار جوتیاں لگائیں تو قلب پر اثر نہ ہو اور طبعی حُزن الگ چیز ہے اور اگر ناگواری ہو تو محبت ہی نہیں۔ اور اسکی تحقیق امتحان سے ہو جاتی ہے۔

(۷۲۳) فرمایا کہ والد صاحب کا دس ہزار روپیہ بنک میں جمع تھا میں نے اس میں سے اپنا حصہ نہیں لیا۔ بھائی نے جتنا میرے حصہ کا روپیہ ہوتا تھا وہ تبرعاً اپنے پاس سے پیش کیا۔ میں نے کہا کہیں اُس بنا پر تو نہیں؟ انھوں نے کہا نہیں اُس بنا پر نہیں۔ تب میں نے لے لیا۔ اس سے بچنے کا نفع یہ ہوا کہ خدا نے دنیا کا نفع بھی دیدیا۔

ف :- اس سے حضرت والا کا تقویٰ و احتیاط ثابت ہے۔

(۷۲۴) فرمایا کہ میرا دو شخصوں سے دل نہیں ملتا، متکبر سے اور چالاک سے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ عیب تو عیب ہیں تو کسی کمال غیر واقعی کے انتساب کو بھی پسند نہیں کرتا اس سے بھی ایذا ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی تمسخر کرتا ہو۔

(۷۲۵) فرمایا کہ مالدار ہونا بھی آجکل مصلحت ہے۔ مالداری سے یہ فائدے ہیں: (۱) لوگوں کو اس سے تکلیف نہ ہوگی نذرانوں کی فکر کر کے (۲) عزت ہوگی (۳) یہ کسی کا دست نگر نہ ہوگا۔

(۷۲۶) فرمایا کہ خطوں میں جو سلام لکھا ہوا ہوتا ہے اس کا جواب دینا واجب ہے تو خواہ خط میں لکھے یا زبانی جواب دیدے۔

(۷۲۷) فرمایا کہ اصلی چیز اصلاح کے لئے صحبت ہے علم چاہے ہو یا نہ ہو بلکہ علم بھی بلا صحبت کے بیکار ہے۔ صاحب صحبت بلا علم کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے۔ صاحب علم بلا صحبت سے اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ انگریزی خواں بچوں کو صلحاء و علماء کے پاس بھیجا کرو اور بڑے بھی اس کا خیال رکھیں تو بڑا فائدہ ہو۔ اور ہم اس کا وعدہ کرتے ہیں کہ ہم نہ ان کے پائچوں پر اعتراض کریں گے نہ ان کی ڈاڑھی سے ہمیں بحث ہوگی نہ ہم ان کو مار مار کر نماز پڑھائیں گے۔ وہ ہمارے پاس بیٹھیں گے تو ان کو ہم سے اور ہم کو ان سے انس ہوگا اور دین سے مناسبت پیدا ہوگی یہ مناسبت جڑ ہے اور علم و عمل اسکی فرع۔ صحابہ سب کے سب عالم نہ تھے۔ صرف صحبت سے پایا جو کچھ پایا اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا التزام رکھا۔ اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف کی۔

(۷۲۸) فرمایا کہ مجھے ہر کام میں یہ اہتمام رہتا ہے کہ مسلمانوں کے اس معاملہ کی بھی اصلاح ہو جو فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللهِ[1] ہے اور اس معاملہ میں بھی جو فِيمَا بَيْنَهُمْ[2] ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ میری نیت ہی مغفرت کے لئے کافی ہو جائے گی۔

ف :- اس سے حضرت والا کا رحمتِ عامہ ہونا ثابت ہوا۔

(۷۲۹) ایک شخص فارغ التحصیل حضرت کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میں

---

[1] وہ معاملات اور حقوق جو بندوں اور خدا کے درمیان ہیں۔ [2] بندوں کے باہمی معاملات اور حقوق۔

ذکر کرنا چاہتا ہوں مگر کوئی وجہ معاش نہیں ہے۔ میں نے کچھ تدبیریں کیں بھی مگر کامیاب نہیں ہوئی تو میرا خیال ہے کہ جب تک کوئی صورت معاش کی نکلے حضور والا کے پاس رہ کر ذکر ہی کروں۔ فرمایا کل کو جواب دوں گا: پھر کل کو فرمایا کہ میں نے اس میں غور کیا میرا خیال یہ ہے کہ ذکر کا نفع اس طرح نہیں ہو سکتا کہ بالقصد فکرِ معاش میں رہیں اور بالتبع ذکر میں۔ عرض کیا اچھا میں فکر معاش کو چھوڑتا ہوں اور ذکر کروں گا فرمایا کہ آپ کا دل خالی نہ ہوگا فکر معاش سے۔ عرض کیا میں چند روز کے لئے خالی ہو کر لوں گا۔ فرمایا کتنی مدت کے لئے۔ چند روز تو کافی نہیں۔ اور جب ابھی سے مدت کی تحدید قلب میں ہے تو یہ خلوئے قلب نہیں۔ طلب ذکر تو یہ ہے کہ سب کاموں سے قطع نظر کر کے بس ذکر کا ہو رہے اور یہ ارادہ کرے کہ ذکر ہی کروں گا اگرچہ تمام عمر اسی میں صرف ہو اگر یہ بھی نہ ہو تو مدتِ معتد بہ تو ہو حضرت گنگوہی دو برس فرمایا کرتے تھے۔

(۷۳۰) فرمایا میں نے بہت دفعہ طلباء سے اور عام طور سے لوگوں سے کہا ہے کہ دو باتوں پر پختہ ہو جاؤ میں ذمہ لیتا ہوں وصول الی اللہ کا۔ ایک گناہوں سے بچنا دوسرے کم بولنا اور تھوڑی خلوت ذکر و فکر کے لئے۔

(۷۳۱) فرمایا کہ دو چیزیں سخت زہر ہیں عورتوں کے ساتھ نرمی اور امردوں کی صحبت یہ مرض گجرات کے پیروں میں بہت ہے۔ پیر سے پردہ نہیں۔ عورتیں پیر صاحب کے پاؤں دباتی ہیں۔ مرد باہر رہتے ہیں اور پیر صاحب گھر میں رہتے ہیں۔

(۷۳۲) نواب صاحب ڈھاکہ نے حضرت والا سے دریافت کیا پردہ کس عمر سے چاہئے فرمایا سے تو ۷ برس سے بھی کم سے اور اعزا سے ۹ برس کی عمر سے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ جبتک پردہ میں نہ بیٹھ جائے ایک چھلا بھی نہ پہنایا جائے اور کپڑے بھی سفید یا معمولی چھینٹ وغیرہ پہنے اسمیں دین کی مصلحتیں بھی ہیں اور دنیا کی بھی ہیں۔ بلکہ بسا اوقات سیانی کے سامنے آنے سے اتنے فتنے نہیں ہوتے جتنے ناسمجھ کے سامنے آنے سے ہوتے ہیں کیونکہ سیانی خود حیا کرتی ہے مردوں کو موقع کم دیتی ہے نیز مرد سمجھتا ہے کہ سیانی سمجھدار ہے اسکے سامنے دلی خیالات علانیہ کروں گا تو سمجھ جائے گی اور ناسمجھ کے سامنے یہ مانع موجود نہیں ہوتا۔

(جاری)

یہاں سالک یہ غلطی کرتا ہے کہ اپنے کو سمجھتا ہے کہ میں مردود ہوگیا. کہتا ہے کہ میری ساری محنت برباد گئی پہلے تو کوئی جوتی بھی مار لیتا تھا تب بھی ناگوار نہ ہوتا تھا اب میاں مجھے تو اب غصہ آنے لگا. معلوم ہوتا ہے کہ میری ابھی تک اصلاح ہی نہیں ہوئی معلوم ہوتا ہے میری سب محنت ہی برباد گئی. حضرت! محنت برباد نہیں گئی بلکہ اس تبدیل کی عمر ختم ہوگئی.

احوال کا تغیر و تبدل | اب دوسری تبدیل شروع ہوئی ہے تنزل نہیں ہوا بلکہ ترقی ہوئی ہے غم کی بات نہیں بلکہ خوشی کی بات ہے جیسے اوپر مذکور ہوا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّئَاتِھِمْ حَسَنَاتٍ (یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دیتے ہیں) حسنات کے مفہوم یہ تبدیل بھی داخل ہے. وہ پہلی تبدیل تھی یہ دوسری تبدیل ہے. وہ ذات کی تبدیل تھی. یہ صفات کی تبدیل ہے. وہاں تو غصہ کے بجائے حلم پیدا ہوگیا تھا غصہ کا گویا وجود ہی نہ رہا تھا. یہاں غصہ. غصہ ہی رہا مگر اب غصہ میں اثر وہ ہے جو حلم میں تھا. یہ تبدیل بہت عجیب ہے. پہلی تبدیل کی مثال تو یہ ہے کہ ایک بے جان لکڑی تھی اسکی جگہ سانپ بٹھا دیا ایک ذات کی جگہ دوسری ذات کو قائم کر دیا. اور یہ بھی گو عجیب ہے مگر ایسی زیادہ عجیب نہیں. نہایت عجیب تو یہ ہے کہ ایک لکڑی تھی بیجان اسمیں ایسی روح پھونک دی کہ وہی چلنے لگی اسکے اندر وہ اثر پیدا ہوگیا جو سانپ میں ہوتا. یہ نہایت عجیب تبدیل وصفی ہے. یعنی غضب کی ذات غضب ہی رہی مگر اسمیں وہ اثر نہیں رہا جو غضب میں ہوتا ہے. طمع. طمع ہی رہا مگر اسمیں وہ اثر ہوا جو سخاوت میں ہوتا تو سالک میں کبھی یہ تبدیل بھی ہوتی ہے اسلئے اگر پہلی حالت نہیں رہی تو غم نہ کرنا چاہیئے. بھائی الف بے تے ختم کر چکے ہو اب قرآن شروع ہوا ہے خدا کا شکر کرو کہ الف بے تے ختم ہوئی. پہلی تبدیل جو سلوک کی الف بے تے تھی اسکی عمر منقطع ہوئی اب دوسری تبدیل کا سبق شروع ہوا ہے جو بمنزلہ قرآن کے ہے یہاں اُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّئَاتِھِمْ حَسَنَاتٍ (یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دیتے ہیں) کا صدق یوں ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں سیئات کی ذات تو وہی رہی مگر وصف بدل کر اس کو ایسا بدلا کہ اس

سیئہ کو اب حسنہ کہتے ہیں۔ ذات تو وہی رہتی ہے مگر اس کا وصف بدل دیتے ہیں وا
کیونکر واسکے متعلق ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے۔ سچ تو یہ ہے عجیب و غریب
تحقیق ہے۔ فرماتے تھے کہ شیخ کامل کو چاہیئے کہ رذائل نفس کا ازالہ نہ کرے بلکہ امالہ کرے
بخل رہے بخل ہی مگر اس کا محل بدل دیا جائے بخل کو کھو کر سخاوت نہ پیدا کی جائے اسی طرح سمجھ
کہ غصہ بھی بڑے کام کی چیز ہے اگر غصہ نہ ہوتا تو اسلام ہی نہ پھیلتا۔ اسلام جو پھیلا تو غصہ ہی
کی بدولت کیونکہ مقابلہ میں کافروں کے غصہ ہی میں جان دینا اور جان لینا آسان ہو سکتا
ہے۔ اسی طرح اگر بخل نہ ہوتا تو رنڈیوں، بھڑووں، بدمعاشوں میں خوب مال لٹاتا یہاں تک
کہ مستحقین کی نوبت بھی نہ آتی۔ اب مستحقین ہی کو دیتے ہیں چھانٹ چھانٹ کر یہ بخل ہی کی
برکت ہے غیر مستحقین کو نہ دینا یہ بخل ہی تو ہے لیکن یہ بخل جو ہے سخاوت کی ماں ہے اور
کا باپ ہے۔

سخاوت خود محتاج ہے اس بخل کی یا مثلاً مال دیکھا کسی کا اسکو دیکھ کر جی للچایا
طمع تو ہوئی مگر اسکے مقتضا پر عمل نہیں کیا بلکہ شریعت کو مدارِ عمل ٹھہرایا اور اس
کے لینے سے رُکا رہا تو گویا وہ اثر ہوا اس طمع میں جو استغنار میں ہوتا بلکہ اس طمع
گویا اور اجر بڑھ گیا استغنار کا اگر طمع نہ ہوتی تو نرے استغنار میں اجر کہاں
وہ تو ایسا ہوتا جیسے کوئی دیوار کھڑی ہے یا فرض کیجیئے کوئی گائے کھڑی ہے اُسکے سامنے
کسی کے ہزار روپیہ رکھے ہوئے ہیں تو اس کا جی ہی نہیں چاہتا کہ یہ روپیہ ہماری ملک
میں آجائے اس کے اس رُکے رہنے پر کوئی اجر ہی نہیں برخلاف اسکے کہ ہم نے دیکھا
کہ لوگ ٹمٹموں اور فٹنوں میں اُڑے اُڑے پھر رہے ہیں انھیں دیکھکر ہمیں بھی خواہش
ہوئی کہ ہماری ملک میں بھی یہ سواریاں ہوتیں تو ہم بھی اسی طرح اُڑے اُڑے پھرتے
اس وسوسہ کو فوراً یہ کہہ کر دفع کر دیا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ ان چیزوں میں کیا رکھا ہے
اور یہ آیت پڑھنے لگے لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (آپ آنکھ
اٹھا کر بھی ان چیزوں کو نہ دیکھیئے جو ہم نے ان (کافروں) کی مختلف قسموں کو برتنے کیلئے
دے رکھی ہیں) پس یہ رکنا بڑا عمل ہے اور اسی پر ثواب ہے۔ تو دیکھیئے یہ رذائل

اب کیسے کارآمد ہو رہے ہیں کہ انھیں کی بدولت تقویٰ کی دولت میسر ہے اسی کو تو مولانا فرماتے ہیں ؎

شہوتِ دنیا مثال گلخن ست — کہ از و حمامِ تقویٰ روشن ست

(دنیا کی خواہشات ایندھن جیسی ہیں کہ انھیں سے تقویٰ کا حمام روشن ہوتا ہے)

کہ یہ دنیا کی خواہش ایسی ہے جیسے سوختہ ہوتا ہے کہ حمام کے نیچے گوبر دوبر ڈال کر آگ روشن کر دیتے ہیں تو اگر حمام کا پانی گرم کرنا چاہو تو اس گوبر سے کام لو۔ اسی طرح یہ جو نفع ہے کہ از و حمامِ تقویٰ روشن ست۔ یہ ان خواہشات سے رُکنے ہی کی بدولت حاصل ہوتا ہے اور یہ رُکنا بدولت خواہش ہی کے ہے کیونکہ اگر خواہش ہی نہ ہوگی تو رُکنا ہی کہاں متحقق ہوگا جب خواہش ہی جاتی رہی تو صبر اور مجاہدہ ہی کہاں رہا۔ تو یہ تبدیل جو میں نے بیان کی یہ تبدیل وصفی ہے اور یہ لقب تبدیل ذاتی اور تبدیل وصفی میں نے رکھ دیئے ہیں آسانی کے لئے تاکہ پتہ بتانے میں سہولت ہو۔

احوال کے درجے | سو اب دیکھئے اس دقیقہ کے نہ جاننے سے بہت سے سالک مغموم ہوتے ہیں کہ بعد ریاضات و مجاہدات کے بھی پھر عود کیا امراضِ نفسانیہ نے۔ حالانکہ عود ان امراض نے نہیں کیا بلکہ احوال جو ناقص تھے اب کامل ہوگئے یا یوں کہیئے کہ ناقص تو نہ تھے کامل ہی تھے لیکن اکمل نہ تھے اب کامل سے اکمل بنانا منظور ہے حق تعالیٰ کو۔ تو احوال کو اکمل بنانے کے لئے یہ دوسری تبدیل واقع کی ہے تو خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے احوال کے تین درجے ہیں جن کی ترتیب سمجھ لینی چاہیئے۔ اوّل درجہ تو یہ ہے کہ ابھی پہلی تبدیل بھی نہیں ہوئی۔ عوام الناس کی تو یہ حالت ہے اور یہ ہے قابلِ تبدیل لیکن بتبدیل اول۔ باقی اول ہی سے دوسری تبدیل کی کوشش نہ کرے اسواسطے کہ دوسری تبدیل جب ہی معتبر ہے کہ جب بعد تبدیل اول ہو اور اگر کہا جائے کہ اسکے عکس میں کیا حرج ہے کیونکہ کمال کی بات تو یہ ہے کہ مثلاً غصہ ہو اور غصہ کو نہ چلا دے تو یہ تو اب بھی ممکن ہے پھر تبدیل اول کی تقدیم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سو حضرت قبل تبدیل اول کے دوسری تبدیل پر قدرت حاصل کر لینا کارے دارد۔ یہ ایسا ہے جیسے بے قاعدہ بغدادی پڑھے کوئی سیپارہ پڑھنے لگے تو کیا وہ

؎ نہایت مشکل ہے

سیپارہ پڑھنے پر قادر ہو جائے گا اور اگر کچھ شُد بُد پڑھ بھی لیا تو کیا اس سے مجاہدہ
کاملہ پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی گو شاذ و نادر کبھی ایسا بھی ہو گیا ہے کہ قبل
تبدیل اول دوسری تبدیل پر ابتدا ہی قدرت حاصل ہو گئی ہے مگر یہ کرامت
خواہ سالک کی خواہ کسی شیخ کی۔ اور کرامت دائم نہیں ہوا کرتی جس نے پہلے مجاہدہ نہ
کیا تجربہ کر لو اگر اسکو غصہ کی عادت ہے اور وہ غصہ روکنا چاہے گا تو دو تین دن تو رکے
پھر کچھ نہیں۔ بلکہ پھر تو تین چار دن کے غصے ایک ساتھ نکالے گا تو اس رکنے سے فا
ہی کیا ہوا اگر تین چار دن غصہ روک بھی لیا اور کسی پر نہ چلایا تو اس سے کیا ہوتا ہے۔
اب نہیں چلاتا تو پھر چلائے گا۔ اور پھر چلائے گا بھی ایسا کہ اتنے دن کے غصوں کی ا
ساتھ قضا کریگا یہ تو وہی حکایت ہوئی کہ ایک شخص کے پاس ایک گھوڑا تھا اس میں ا
ایسی واہیات عادت پڑ گئی تھی کہ جب لید کرتا تو چلتے چلتے لوٹتا اور جب اس لید کو سو
لیتا تب آگے بڑھتا۔ اس واہیات حرکت میں دو تین منٹ برباد ہو جاتے بڑی الجھن ہو
اور منزل کھوٹی ہوتی سو الگ۔ مگر ہمیشہ صبر کیا کرتا بیچارہ۔

اتفاق سے ایک روز ایک شہسوار کا راستہ میں ساتھ ہو گیا۔ اس نے جو گھوڑے
کی یہ حرکت دیکھی تو کہا میاں تمہارے گھوڑے میں یہ کیا واہیات عیب ہے۔ اس نے
میاں کیا کہوں اس میں یہی عادت پڑ گئی ہے بہت ہی تنگ ہوں اس کا کوئی علاج ہی
میں نہیں آتا۔ سوار نے کہا کہ اچھا اسے میں ٹھیک کر دوں گا یہ کہہ کر پیچھے ہو لیا پھر جب
گھوڑے نے لید کی تو اپنی عادت کے موافق اس نے سونگھنے کے لئے لوٹنا چاہا مگر سو
نے فوراً ایک زور سے چابک دیا منہ پر۔ بس سیدھا ہو گیا اور بیچارہ کو مجبوراً بے سونگھے
چلنا پڑا اسی طرح جب وہ لید کرتا اور اسے سونگھنا چاہتا سوار فوراً ایک چابک زور
منہ پر لگاتا۔ غرض رستہ بھر اس نے لید نہ سونگھنے دی جہاں تک راستہ دونوں کا ش
تھا وہاں تک تو دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے جب اس شخص کا گاؤں تھوڑی دو
رہ گیا تو رستہ پھٹا سوار کو دوسرے گاؤں جانا تھا جب وہ چلنے لگا تو اس گھو
کے مالک نے کہا کہ خدا کے سپرد اور اس سوار کو بہت دعائیں دیں کہ اللہ تمہارا بھ

ے تم نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا میرے گھوڑے کا عیب دور کر دیا۔ تم نے آج ری منزل ہموار کر دی ہے ورنہ اس کم بخت کے لید سونگھنے میں دو تین کوس حرج ہو جاتا۔ مگر صاحب اِدھر تو وہ سوار رخصت ہوا اُدھر گھوڑے نے مڑکر دیکھا کہ ب استاذ جی نہیں ہیں میدان خالی ہے جناب وہ لوٹا اور وہ تقاضا لید سونگھنے کا ودبا ہوا تھا اس نے زور کیا۔ کئی کوس آچکا تھا راستہ میں جہاں جہاں لید کی ھی لوٹ کر ہر جگہ کی لید کو آپ نے جا جا کر سونگھا۔ جب سب مقامات سے فراغت ہو چکی اسوقت پھر نئے سرے رستہ چلنا شروع کیا۔ وہ شخص بڑا پریشان ہوا اور کہنے لگا خدا بھلا کرے اس سوار کا میری ساری منزل ہی خراب کر گیا۔ غرض جہاں پہنچنا تھا اُس روز نہ پہونچ سکا اگلے دن پھر منزل کی۔ تو حضرت یہ مثل ہوگی۔ کر کے دیکھ لیجئے بدون مجاہدہ کے داعیہ کا مقابلہ اور مقاومت کرنا کارے دارد اگر کچھ دن تک مقاومت کر بھی لی پھر اُسی حالت پر آ جاؤگے۔ اسواسطے ضرورت ہے شیخ کی کہ وہ ان حقائق پر آگاہ کرتا ہے ورنہ اگر فہم کی ضرورت نہ ہو خالی عمل ہی کافی ہو تو واللہ سلوک کا حاصل کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے اگر ہم کو پہلے سے یہ خبر ہوتی کہ تصوف میں اخیر میں کیا چیز حاصل ہوتی ہے تو میاں ہم تو کچھ بھی نہ کرتے مدتوں کے بعد معلوم ہوا کہ جس کے لئے اتنے مجاہدے اور ریاضت کئے تھے وہ ذرا سی بات ہے۔ حضرت نے تو اپنی عالی ظرفی کی وجہ سے اس ذرا سی بات کو نہیں بتلایا میں اپنی کم ظرفی سے بتلا ہوں کہ وہ ذرا سی چیز ہے کیا جس کو حاصل کرنے کے لئے اتنی محنتیں کرنی پڑتی ہیں وہ یہی ہے جس کو میں نے تبدیل ثانی کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ کیونکہ یہی ہے پیدا کرنے والی تعلق مع اللہ کی اور یہی ہے محافظ تعلق مع اللہ کی اور یہی ہے بڑھانے والی تعلق مع اللہ کی۔ غرض وہ ذرا سی بات جو تصوف کا حاصل ہے۔ یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضے کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے بس جس کو یہ بات حاصل ہوگئی اُسکو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں نہ شیخ کی نہ سید کی نہ مغل کی نہ پٹھان کی نہیں تو

چاروں ذاتوں کی ضرورت ہے ؎

کشند از برائے دلے بارہا　　خورند از برائے گلے خارہا

(ایک دل کو ہاتھ میں لانے کیلئے کتنے بوجھ برداشت کرتے ہیں اور محض ایک پھول کے لئے بہت سے کانٹوں کی (چبھن کی) تکلیف سہتے ہیں ——)

ع مراعات صدکن برائے یکے (ایک کی خاطر سینکڑوں کی رعایت کرو) تو حضرت شیخ کو اپنا رہبر بنانا از بس ضروری ہے کیونکہ جو تجربہ کار ہیں انھیں اچھی طرح معلوم ہو چکا کہ اس بات کے حاصل کرنے میں بلا شیخ کی مدد کے ہرگز کامیابی نہیں ہوسکتی اور جو کا ہوگئے ہیں بلا شیخ کے مولانا نے اسکی وجہ بیان فرمائی ہے. مولانا ہیں بڑے محقق او تو نصیحت فرماتے ہیں کہ کوئی شیخ ضرور تلاش کرو ؎

یار باید راہ را تنہا مرو　　بے قلاوز اندریں صحرا مرو

(اس راستہ کو قطع کرنے کے لئے یار ہمنوا چاہئے. خبردار! تنہا مت چلنا اور بغیر رہبر کے اس صحرا میں قدم نہ رکھنا) یعنی بدون رہبر کے اس جنگل میں قدم نہ رکھو پھر فرماتے ہیں

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید　　ہم بعون ہمت مرداں رسید

(اگر کسی نے شاذ و نادر طور سے تنہا اس راہ کو طے بھی کر لیا ہے تو وہ بھی (درحقیقت) الل والوں کی توجہ باطنی کی مدد ہی سے پہونچا ہے) اس میں دو جواب دیئے ہیں ایک تو لفظ میں پس فرماتے ہیں کہ اول تو یہ نادر ہے وَالنَّادِرُ كَالْمَعْدُوْمِ دوسرے لفظ عون میں ب فرماتے ہیں کہ ؎

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را بُرید　　ہم بعون ہمّت مرداں رسید

یعنی اگر شاذ و نادر کسی نے بلا رہبر کے بھی یہ راستہ طے کر لیا ہے تو اُسے بھی ضرورت ہو ہے مدد کی مگر ایسے طریقہ سے وہ مدد اسے دی گئی ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہوئی جیسے کو بچہ گنگوہ سے چل کر تھانہ بھون پہونچا. یہاں پہونچ کر اس نے کہا کہ دیکھو میں نے کسی سے مدد نہیں لی مگر حضرت کو خبر بھی ہے کہ اماں جان کی گود میں یہاں تک آئے ہیں راستہ اماں جان کی گود میں پڑے سوتے رہے مگر خبر نہیں ہوئی جیسے کوئی عرفات سے سوتا

ئے تب بھی اس کا حج ہوجاتا ہے یہ خوب مزہ کا حج ہوا خبر بھی نہیں ہوئی مزے میں
سوتے رہے اور ہوگئے حاجی کیونکہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص بھی کسی
ے ہوئے کو عرفات پہونچا دے اور وہاں بھی سوتا ہی رہے تو اس کا بھی حج ہوجاتا
پہلے آپ چلا تھا عرفات کی طرف مگر کمزور تھا اتنا کہ تھوڑی دور چل کر غش کھاکر
اب میاں کو کچھ ہوش ہی نہیں کہ میں کہاں جا رہا تھا اور کہاں پڑا ہوا ہوں۔
رہ گیا تھا کہ اتفاق سے کوئی ایسا شخص ادھر سے گذرا جو اس کا کبھی رفیق رہ چکا
ں نے کہا لاؤ اسے شبری میں ڈال کر عرفات لے چلیں چنانچہ وہ اسی حالت میں
شبری میں لاد کر عرفات لے گیا اور وہاں سے نکال بھی لایا اور یہ حضرت جو جاگے
دیکھتے ہیں کہ میں سب حاجیوں کے ساتھ مزدلفہ میں ہوں اب وہ سمجھتا ہے کہ
پ سے آپ گیا تھا عرفات اور خود حج کرکے مزدلفہ پہونچا ہوں۔ احمق کہیں
ں سمجھتا ہے کہ میں نے آپ سے آپ حج کر لیا ہے یہ خبر نہیں کہ میاں تو دس قدم بھی
طاقت نہ رکھتے تھے رستہ ہی میں بیہوش ہوکر گر پڑے تھے وہ تو کسی دوسرے
رحم کھاکر اپنی شبری میں لاد لیا ورنہ دیکھتے کیونکر حاجی ہوجاتے۔

غیبی کی صورت

ہاں یہ دوسری بات ہے کہ بیہوشی میں پتہ ہی نہ چلا کہ مجھے کون شخص
ت کو لئے جا رہا ہے اسی طرح جو شاذ و نادر بلا اعانت شیخ واصل ہوگیا ہو اسکا یہ سمجھنا
ہے کہ میں خود کامل ہوگیا (اسکی بھی) ضرور کسی نے مدد کی کیونکہ اللہ کے بندے بہت
سے بھی رحیم و کریم ہیں جو بے کہے مخلوق کو فیض پہونچاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ ان کا
فتاب کا سا ہے کہ انھیں خود بھی خبر نہیں کہ ہم سے فیض پہونچ رہا ہے اور بعض اوقات
ضرات دعا بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص کے
میں یہ مکشوف ہوا کہ اس کا نام اہل شقاوت میں درج ہے آپ یہ دیکھکر تڑپ
اور مدتوں اسکے حق میں دعا کرتے رہے یہانتک کہ اس کا نام سُعَداء (ایک سعیدوں) میں درج
یا۔ ان حضرت کو اس کا کبھی علم بھی نہ ہوا ہوگا کہ میں جو سعید بن گیا ہوں تو
ں دعا کی برکت سے۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ میرا کوئی عمل بڑا مقبول ہوا جو میں

بزرگ ہوگیا۔ تو حضرت بعضے ایسے بھی اللہ کے بندے ہیں جو اس طرح دعائیں کرکر کے لوگوں کو فیض پہونچاتے رہتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں مگر خود انہیں بھی خبر نہیں کہ ہم سے لوگوں کو فیض پہونچ رہا ہے نہ لوگوں کو خبر کہ ہمیں ان سے فیض پہونچ رہا ہے خود ان کے وجود ہی کی برکت ہوتی ہے۔

چنانچہ تجربہ ہے کہ جب کوئی کاملین میں سے مرتا ہے تو سب کے قلوب میں کم و بیش تفاوت محسوس ہونے لگتا ہے حالانکہ اعمال وہی موجود رہتے لیکن وہ جو ایک نورانیت اور برکت تھی اس میں کمی محسوس ہونے لگتی ہے یہ انکی شعاعیں تھیں جن سے سب کے قلوب میں نورانیت تھی یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہؓ نے فرمایا کہ ہم نے حضورؐ کے دفن کے بعد ابھی مٹی سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب کو متغیر پایا یعنی وہ بات نہیں رہی جو پہلے تھی جس کے معنی حضرات شیعہ یہ سمجھے کہ نعوذ باللہ وہ مرتد ہوگئے تھے لاحول ولا قوۃ یہ قدر کی آنکھوں والوں کی۔ یہ قدر کی ہے اور یہ ہے الحس حضرات کی۔ ظاہر بات ہے آفتاب جب غروب ہوگیا تو گو اب بھی لالٹینیں ہیں مگر ان میں وہ نور کہاں جو آفتاب میں تھا اور یوں خیران کا بھی نور غنیمت ہے ؎

چونکہ شد خورشید و ما را کرد داغ چارہ نبود در مقامش جز چراغ

(جب آفتاب عالمتاب غروب ہوگیا اور ہم کو تاریکی میں) چھوڑ گیا تو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اسکی جگہ پر چراغ ہی سے کام نکالا جائے)

یہ بھی غنیمت ہے یہی سہی مگر وہ بات جو پہلے تھی وہ بھلا کہاں رہ سکتی ہے تو یہ تفاوت نور قلب میں حضرات کاملین کی برکات کی علامات ہیں۔ غرض ایسی کوئی صورت نہیں کہ بلا ان کی اعانت کے کوئی کامل ہوجائے تو یہ معنی ہیں مولانا کے ارشاد کے ؎

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ہم بعون ہمت مرداں رسید

(اگر کسی نے شاذ و نادر طور سے تنہا اس راہ کو طے بھی کرلیا ہے تو وہ بھی (درحقیقت) اللہ والوں کی توجہ باطنی کی مدد ہی سے پہونچا ہے)

(جاری)

(۱۵) اور حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو امامہ کو (مغموم) دیکھا تو پوچھا "کیا بات ہے؟" انھوں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ، بہت قرض اور افکار میں مبتلا ہوں"۔ آپ نے ارشاد فرمایا "میں تمھیں ایسی دعا بتلاتا ہوں کہ اگر تم اس کو پڑھو تو حق تعالےٰ تمھارے سب افکار دور فرمادیں اور تمھارے سب قرض ادا کردیں اور وہ یہ ہے:۔

روزانہ صبح شام یہ دعا پڑھا کرو:۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ (یا اللہ میں آپ کی پناہ پکڑتا ہوں فکر اور غم سے اور آپ کی پناہ پکڑتا ہوں عاجزی اور سستی سے اور آپ کی پناہ پکڑتا ہوں بزدلی اور بخل سے اور آپ کی پناہ پکڑتا ہوں قرض کے غلبہ اور لوگوں کے قہر سے)

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کلمات پڑھنے شروع کئے تو حق تعالیٰ نے مجھے فکروں سے نجات عطا فرمادی اور میرا قرض ادا کردیا (اخرجہ ابوداؤد والبیہقی فی الدعوات)

(۱۶) اور ایک غلام مکاتب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری مکاتبت میں مدد فرمایئے (یعنی کچھ روپیہ دیجئے جس کے ذریعے میں آزادی حاصل کرسکوں) حضرت مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ میں تمھیں وہ کلمات کیوں نہ سکھادوں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھلائے تھے (جن کا خاصہ یہ ہے کہ) اگر تمھارے ذمے اُحد (پہاڑ) کی برابر بھی قرض ہو تو وہ بھی حق تعالےٰ ادا فرمادیں اور وہ دعا یہ ہے:۔ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ (یا اللہ اپنے رزقِ حلال کے ذریعہ سے مجھے حرام سے محفوظ رکھ اور اپنے فضل سے مجھے اپنے سوا سب سے بے نیاز کردے)
(اخرجہ البیہقی)

(۱۷) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! فرشتوں کی غذا تو تسبیح وتہلیل ہے۔ (وہ کھانے پینے کے محتاج نہیں) مگر ہمارے کھانے پینے کا کیا انتظام ہو، کیونکہ ہم

کھانے پینے کے محتاج ہیں (اور موجود ہے نہیں) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے مجھے حق کے ساتھ رسول بناکر بھیجا ہے کہ تیس روز سے محمدؐ کے گھر میں آگ نہیں جلی۔ البتہ ہمارے پاس کچھ بکریاں آگئی ہیں اگر تم چاہو تو ہم ان میں سے پانچ بکریاں تمھیں دیدیں، اور اگر چاہو تو پانچ کلمات تمھیں سکھلادیں جو جبرئیل علیہ السلام نے ہمیں سکھلائے ہیں، اور وہ کلمات یہ ہیں:۔ يَا اَوَّلَ الْاَوَّلِيْنَ يَا آخِرَ الْاٰخِرِيْنَ وَيَاذَا الْقُوَّةِ الْمَتِيْنَ وَيَا اَرْحَمَ الْمَسَاكِيْنِ وَيَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (اخرجہ المستغفری) (اے پہلوں میں سب سے پہلے۔ بعد والوں میں سب سے پیچھے، اے زبردست قوت والے، اے مساکین پر بہت رحم کرنے والے اور اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنیوالے)

(۱۸) اور حضرت صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اپنے بستر پر تشریف لیجاتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے:۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اِلٰهَ آدَمَ وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ۔ (یا اللہ سات آسمانوں کے مالک اور عرشِ عظیم کے مالک، آدم علیہ السلام کے خدا اور ہر چیز کے مالک، توراۃ وانجیل اور قرآن کے نازل کرنے والے، دانہ اور گٹھلی کو پھاڑ کر اس سے درخت اگانے والے! میں آپ کی پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کی برائی سے جو آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ یا اللہ تو ہی سب سے پہلے ہے۔ تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور تو ہی سب سے آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں، تو ہی سب سے بلند ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں تو ہی سب سے اندر ہے تیرے پرے کوئی چیز نہیں تو ہمارا قرض ادا کردے اور ہمیں فقر و فاقہ سے نجات دے) (اخرجہ ابو یعلی)

(۱۹) اور حضرت قیلہ بنت مخرمہ صحابیہ رضی اللہ عنہا کی عادت تھی کہ جب وہ عشاء کے بعد اپنے بستر پر جاتیں تو یہ دعا پڑھا کرتی تھیں:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ

لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَشَرِّ مَا يَنْزِلُ فِي الْاَرْضِ وَشَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَشَرِّ فِتَنِ النَّهَارِ وَطَوَارِقِ اللَّيْلِ اِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اسْتَسْلَمَ بِقُدْرَتِهٖ كُلُّ شَيْءٍ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ ذَلَّ لِعِزَّتِهٖ كُلُّ شَيْءٍ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ تَوَاضَعَ لِعَظَمَتِهٖ كُلُّ شَيْءٍ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَشَعَ لِمُلْكِهٖ كُلُّ شَيْءٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِكَ وَجَدِّكَ الْاَعْلٰى وَاسْمِكَ الْاَكْبَرِ وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ اَنْ تَنْظُرَ اِلَيْنَا نَظْرَةً لَا تَدَعُ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا فَقْرًا اِلَّا جَبَرْتَهٗ وَلَا عَدُوًّا اِلَّا اَهْلَكْتَهٗ وَلَا عَارِيًا اِلَّا كَسَوْتَهٗ وَلَا دَيْنًا اِلَّا قَضَيْتَهٗ وَلَا اَمْرًا لَنَا فِيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ خَيْرٌ اِلَّا اَعْطَيْتَنَاهُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَتَوَكَّلْتُ عَلَيْكَ

اس دعا کے بعد تینتیس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھتی تھیں، اور فرماتی تھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں خادم طلب کرنے کے لئے حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتلاتا ہوں جو خادم سے بہتر ہے۔ انھوں نے عرض کیا، ضرور بتلائیے، آپ نے یہ تسبیحات عشاء کے بعد پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا (اخرجه الطبرانی فی الکبیر بسند حسن)

اور ترجمہ دعائے مذکورہ کا یہ ہے (میں پناہ لیتا ہوں اللہ کی اور اسکے مکمل کلمات کی جن سے نہ کوئی نیک آدمی باہر ہو سکتا ہے نہ بد، ہر اس چیز کی برائی سے جو آسمان سے نازل ہوا جو آسمان میں چڑھے اور جو زمین پر اترے اور جو زمین سے نکلے اور دن کے فتنوں سے اور رات میں آنے والے واقعات سے مگر وہ واقعہ جو ہمارے لئے خیر اور بھلائی کے ساتھ آئے میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ پکڑی اور حمد ہے اس ذات کے جس کی قدرت کے سامنے ہر چیز فرمانبردار ہے اور حمد ہے اس ذات کیلئے جس کی عزت کے ہر چیز ذلیل ہے اور حمد ہے اس ذات کے لئے جس کی عظمت کے سامنے ہر چیز پست ہے۔ حمد ہے اس ذات کے لئے جس کی سلطنت کے سامنے ہر چیز مغلوب و عاجز ہے۔ یا اللہ میں آپ

سوال کرتی ہوں بواسطہ آپ کے عرش عظیم عزت پناہ کے، اور آپ کی کتاب منتہائے رحمت کے اور آپ کی کبریا و عظمت کے اور آپ کے اسم اعظم کے اور آپ کے کلماتِ تامہ کے جن سے نہ کوئی نیک آدمی باہر ہو سکتا ہے اور نہ بد، یہ کہ آپ ہماری طرف ایسی نظر رحمت فرمائیں کہ ہمارا گناہ بلا بخشے نہ چھوڑیں اور کوئی حاجت بغیر پوری کئے ہوئے نہ چھوڑیں اور کوئی دشمن بغیر ہلاک کئے ہوئے اور کوئی ننگا بغیر لباس پہنائے ہوئے اور کوئی قرض بغیر ادا کئے ہوئے نہ چھوڑیں۔ اور کوئی ایسا معاملہ جس میں ہماری دین اور دنیا میں بھلائی ہو، بغیر عطا کئے ہوئے نہ چھوڑیں یا ارحم الراحمین میں آپ پر ایمان لائی اور آپ پر اعتماد کیا) انتہیٰ

(۲۰) اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں بروایت ہشام بن محمد نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ جگر گوشۂ رسول حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو معاش کی تنگی پیش آئی۔ اور امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی طرف سے وظیفے میں جو ایک لاکھ درہم ان کو سالانہ ملتے تھے، وہ ایک سال میں نہ آئے تو بہت ہی زیادہ تنگی لاحق ہوئی اور مجبور ہو کر قلم دوات طلب کیا کہ حضرت معاویہؓ کو خط لکھ کر یاد دہانی کرائیں، مگر (بوجہ غلبۂ غیرت وحیا) کے چھوڑ دیا۔ اسی روز اپنے جد امجد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا حال ہے؟ حضرت حسنؓ نے اپنا حال اور مفصل واقعہ بیان کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"جو شخص مخلوق سے اپنی امیدیں وابستہ کرے اور خالق سے نہ کرے اس کا یہی حال ہوا کرتا ہے"

فصل دوم اعمال وافعال | (اس فصل میں وہ اعمال وافعال ذکر کئے جاویں گے جن کا خاصہ افلاس وفقر و فاقہ دفع کرنا ہے)

صلہ رحمی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اسکے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی ہو اسکو چاہیئے کہ صلہ رحمی کرے (یعنی اپنے اعزاء واقرباء کے حقوق ادا کرے اور قدرت کے موافق ان کی جانی و مالی امداد کرے) (اخرجہ البخاری)

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد میں ہاتھ دھونا | ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اسکا

رزق زیادہ کرے، تو اسکو چاہیئے کہ کھانے سے پہلے اور کھانے بعد ہاتھ دھونے کا التزام کرے۔

نماز امام حدیث عبدالرزاقؒ نے اپنی مسند میں ایک قریشی بزرگ سے نقل کیا ہے کہ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی شخص تنگی معاش کی شکایت پیش کرتا تو آپؐ اس کے گھر والوں کو نماز پڑھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے، اور (بطور دلیل) یہ آیت پڑھی وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى. (اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم کرو اور اس پر جمے رہو ہم تم سے رزق نہیں مانگتے، ہم ہی تم کو (بھی) رزق دینگے، اور انجام خیر اہل تقویٰ کے لئے ہے)

اور سعید بن منصور نے اپنی کتاب سنن میں اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن سلام کے صاحبزادے حمزہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر جب کبھی تنگی اور سختی پیش آتی تو آپؐ ان کو (کثرت) نماز کی تاکید فرماتے تھے، اور یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے، وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ الآية۔ اور امام احمد بن حنبلؒ نے کتاب الزہد میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت ثابتؓ سے روایت فرمایا ہے کہ جب کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں تک فقر وفاقہ پہنچا تھا تو ان کو آواز دیتے تھے کہ صَلُّوْا صَلُّوْا (نماز پڑھو نماز پڑھو) اور تمام انبیاء علیہم السلام کی یہی عادت تھی کہ جب کوئی تکلیف پیش آتی تھی تو نماز کی طرف پناہ پکڑتے تھے۔

تقویٰ اور طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ:۔ اے لوگو! تم تقویٰ کو تجارت بنالو تو تمھیں بغیر تجارت وبضاعت کے رزق ملے گا، پھر یہ آیت پڑھی:۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی ومصیبت سے نکل جانے کا راستہ پیدا فرمادیتے ہیں اور اسکو بے گمان رزق عطا فرماتے ہیں)

اور حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا الآية۔ اور پھر فرمایا اے ابوذر! اگر

تمام آدمی اس پر عمل کر لیتے تو یہ آیت سب کو کافی ہو جاتی،

اور امام احمد و نسائی و ابن ماجہ نے حضرت ثوبان رضؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (بعض مرتبہ) بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اسکی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اور ابن حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت عمران بن حصین رضؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

جو شخص سب طرف سے توجہ قطع کر کے اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے تمام کاموں کے ذمے دار ہو جاتے ہیں۔ اور اس کو بے گمان رزق عطا کرتے ہیں، اور جو شخص اپنی توجہ دنیا ہی کی طرف پھیر دیتا ہے حق تعالیٰ اس کو دنیا ہی کے سپرد کر دیتے ہیں، انتہی

تنبیہ:۔ افلاس و فقر کے دفع کرنے کیلئے جس قدر تدابیر، دعائیں اور اعمال وغیرہ رسالہ میں درج ہیں اگر کوئی خدا کا بندہ سب ہی کو اختیار کرلے تو یہ بھی کوئی مشکل چیز نہیں اور بہ نسبت ان مصائب و تکلیفات کے جو آدمی کسی معمولی سی ملازمت یا تجارت و زراعت وغیرہ میں اٹھاتا ہے وہ کوئی زائد تکلیف نہیں۔

لیکن جس شخص کو زیادہ فرصت نہ ہو وہ پہلی فصل کی دعاؤں میں سے ایک بھی پڑھ لیا کرے تو کافی ہے۔ کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ منقول نہیں کہ آپ نے ایک وقت میں یک وقت یہ دعائیں پڑھی ہوں، بلکہ مختلف اوقات میں مختلف دعاؤں کا پڑھنا احادیث سے ثابت ہے۔

البتہ جو اعمال اور افعال فصل دوم میں کشائش کے اسباب بتلائے گئے ہیں وہ فی نفسہ بھی مامور بہ ہیں، ان سب پر عمل کرنے کی کوشش میں لگا رہنا چاہیئے، اگر کبھی انکے خلاف ہو تو استغفار و توبہ کرنا چاہیئے۔ **تنبیہ دوم**:۔ جو وظائف و اوراد کشائش رزق کے اسباب ہیں انسان کو چاہیئے کہ انکو بھی محض بہ نیت ثواب و رضائے حق پڑھے، کشائش رزق جو ان کا لازمی اثر ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

ضمیمہ از نفحات الانس

متعلقہ دعاء (۱۴) اَللّٰهُمَّ كَاشِفَ الْكَرْبِ مُجِيبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا اَنْتَ تَرْحَمُنِيْ فَارْحَمْنِيْ بِرَحْمَةٍ تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَمَّنْ سِوَاكَ (یا اللہ مصیبتوں کے دور کرنیوالے اور مبتلائے مصیبت کی دعاء قبول فرمانے والے دنیا و آخرت میں بڑی چھوٹی ہر قسم کی رحمتیں کرنیوالے توہی مجھ پر رحم فرمائے گا، پس توہی مجھ پر ایسی رحمت فرما جو مجھکو تیرے سوا سب سے بے نیاز کردے) مندرجہ رسالہ ہٰذا :۔

یکے از دوستانم جناب پاک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بخواب دید در مجمعے وعرض مطالب خود نمود از ہجوم دیون و غلبۂ دشمناں و خوف از پریشانی زمان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیکے از حاضران کہ شناسائے ایشاں بود اشارہ فرمودند کہ دعا بشما تعلیم خواہد کرد و برائے دعا دیگر ارشاد فرمودند کہ ما بدولت او بجانب مغرب اشارہ فرمودند کہ ازیں طرف بشما ارسال خواہیم نمود ایشاں قبل صباح برخاستہ انتظار آں آشنا نمودند چوں با او درخوردند سوال آں دعاء نمودند او بعد تامل بدعائے مسطورہ بالا نشاں داد و سبب آں چناں ذکر نمود کہ ایام واقعہ مولوی امیر علی رحمہ اللہ یکے از بزرگاں بخواب دیدند کہ در جائے لاشۂ بے جان افتادہ است و خون او جوش می زند و در ہماں قرب در مکانے جناب رسالت مآب تشریف می دارند و رو بہ قبلہ ایستادہ اند و چند اصحاب پس پشت ایستادہ ہمہ دست بدعا ہستند و آنحضرت آبدیدہ شدہ ایں دعاء مذکورہ بالا می خوانند آں بزرگ را از ہیبت آں وقت الفاظ شروع ایں دعا بیاد نماند و بعد بیداری از بزرگاں سند آں دُعا از حصن حصین یافتند بالجملہ بعد آں تلاش دعاء ثانی بکمال تعطش نمودند مگر سعی ایشاں فائدہ ندارد آخر بعد چند سال ایں دُعا بدست آمد کہ مذکور می شود۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ فِيْ كِتَابِكَ الْحَقِّ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ"۔ اے اللہ اپنی کتاب برحق میں آپنے فرمایا ہے کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ بیشک وہ بڑا بخشنے والا۔ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دیگا، میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں لفظ استغفر اللہ صد بار تکرار کند، بعد نماز صبح و بعد نماز مغرب یک بار دو قصہ اثر این است کہ بزرگے از ملک عرب وارد ایں دیار

شدہ بودند۔ اتفاقاً در اثنائے سفر با ایشاں ملاقی شدند و پریشانی ایشاں دیدہ ایں دعائے تعلیم نمودند احتمال قوی بلکہ یقین کامل شدہ کہ ایں دعا ہماں دعائے موعود ہست پس می باید کہ ہر کس ایں ہر دو ادعیہ راجمع کردہ بخواند و آں دوست بہ برکت مواظبت دعائے اولیں از اکثر بلایا علی الخصوص دین نجات یافتہ بودند (از نفحات الانس) (ترجمہ) میرے ایک دوست نے جناب پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں ایک مجمع کے اندر دیکھا۔ قرضوں کے بار، دشمنوں کے غلبہ، زمانہ کی پریشانی کا خوف وغیرہ کے سلسلہ میں اپنے مقاصد عرض کئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین میں سے ایک صاحب کی طرف جنھیں یہ پہچانتے تھے اشارہ فرمایا کہ یہ تمھیں دعار بتا دیں گے۔ اور دوسری دعار کے متعلق آنحضور نے مجھ سے مغرب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس طرف سے تمھارے پاس بھیج دیں گے۔ یہ (میرے دوست) قبل صبح اٹھکر ان شناسا آدمی کا انتظار کرنے لگے۔ جب ان سے ملاقات ہوئی اس دعار کا سوال کیا۔ انھوں نے کچھ تامّل کے بعد اوپر لکھی ہوئی دعار بتلائی۔

اور اس کا سبب یہ بیان کیا کہ ایام واقعہ (....) میں مولانا امیر علی رحمہ اللہ نے جو بزرگوں میں سے ہیں خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ پر ایک لاش بے جان پڑی ہوئی ہے اور اس کا خون جوش مار رہا ہے، اسی جگہ کے قریب ایک مکان ہے جس کے اندر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور قبلہ رو کھڑے ہیں، چند اصحاب آپ کے پیچھے کھڑے ہیں اور سب دست بدعا ہیں۔ آنحضرت آبدیدہ ہوکر یہ مذکورہ بالا دعار پڑھ رہے ہیں۔ ان بزرگ کو ہیبت کی وجہ سے اسوقت اس دعار کے شروع کے الفاظ یاد نہیں رہے۔ جاگنے کے بعد بزرگوں سے اس دعار کی سند حصن حصین سے مل گئی۔ المختصر اس کے بعد اس دعائے ثانی کی ان کو کامل طلب و جستجو رہی مگر ان کی ہر سعی بے سود رہی آخر چند سال کے بعد یہ دعار ہاتھ آئی جو ذکر کی جا رہی ہے اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ قُلْتَ فِیْ کِتَابِکَ الْحَقِّ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ۔ اَسْتَغْفِرُاللّٰہ لفظ استغفراللہ کا سو بار تکرار کرے۔ بعد نماز صبح اور بعد نماز مغرب ایکبار پڑھنا چاہئے

بخشواؤ۔ بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور اولاد میں ترقی دیگا۔ میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔" اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک بزرگ ملک عرب سے اس دیار میں تشریف لائے تھے اتفاقاً اثنائے سفر میں انکی ان سے ملاقات ہوگئی ان بزرگ نے انکی پریشانی دیکھکر یہ دعا تعلیم فرمائی۔ احتمال قوی بلکہ یقین کامل ہے کہ یہ وہی دعا ہے جس کا وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

پس چاہئے کہ ہر آدمی ان دونوں دعاؤں کو جمع کرکے پڑھے۔ اور وہ دوست پہلی دعا کی مواظبت کی برکت سے اکثر بلاؤں اور پریشانیوں سے خاصکر قرض کے بار سے نجات پاگئے تھے۔ (نفحات الانس)

کیمیائے درویشاں از بیاضِ یعقوبی

یَا وَهَّابُ یک ہزار و چار صد و چاردہ بار و بعد آں ایں دعا یَا وَهَّابُ هَبْ لِیْ مِنْ نِّعْمَةِ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ یک صد بار۔ ایں وظیفہ برائے کشائش رزق ملقب بکیمیائے درویشاں است (ترجمہ) یَا وَهَّابُ ایک ہزار چار سو چودہ بار اور یہ دعا۔ یَا وَهَّابُ هَبْ لِیْ مِنْ نِّعْمَةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (اے دینے والے دے مجھے دنیا اور آخرت کی نعمت، بیشک تو بہت دینے والا ہے) ایک سو بار، یہ وظیفہ کشائش رزق کیلئے ملقب بہ کیمیائے درویشاں ہے)

اضافہ

دو وظیفے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نے مجھے دو وظیفے بتلائے تھے وہ ابتک میرے عمل میں ہیں ایک وظیفہ تو وسعت رزق کیلئے ہے۔ اور وہ اصل میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا وہ یہ ہیکہ صبح کی نماز کے بعد ستر مرتبہ یہ آیت پڑھی جائے۔ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ ط وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ۔ (اول و آخر درود شریف) اس وظیفہ کی برکت ہے کہ بحمداللہ کبھی مالی تنگی پیش نہیں آئی۔ دوسرا وظیفہ حل مشکلات کیلئے ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے) تین سو اکتالیس مرتبہ

مکتوب نمبر ۷۹۱

حال :- حضرت والا کے فیض سے اپنے معائب میں سے دو عیبوں کا تو کچھ پتہ لگ گیا۔ ایک تصنع اور دوسرا عدم حلم۔ احتراز کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ چند دنوں سے کئی بار صورت کذب کا شبہہ پیدا ہوا۔ جمعہ کو بعض آیات یا کسی حدیث کا ترجمہ سنانیکا معمول ہو گیا ہے۔ شبہہ یہ ہے کہ میں خود ان کے مطابق نہیں ہوتا۔ تعلّی اور خودی کی باتیں بھی زبان پر آجاتی ہیں مثلاً یہ کہ "میں کہتا ہوں یا میں نے کہا" حالانکہ یہ سب کچھ میرا دیکھا ہوتا ہے بیان القرآن وغیرہ سے ورنہ خود مجھے ترجمہ تک نہیں آتا۔ بہر حال یہ خداع معلوم ہوتا ہے۔ اکابرین رحمہم اللہ کی باتیں نقل کرنا اور انکی طرف منسوب کرنا چہ جائیکہ اپنی نسبت کر دینا۔ اب کس طرح اس دھوکہ اور کذب سے بچوں۔ حضرت والا ہی سے التجا ہے اس مہلکہ سے بچار ہنا بتا دیں ورنہ کیا خبر ہلاکت میں پڑ جاؤں۔ حضرت والا سے یہ بھی التجا ہے کہ فہم قرآن کی دُعا میرے لئے فرمادیں۔

تحقیق :- بہت افسوس ہوا کہ آپ میں یہ سب باتیں ہیں بلاشبہ یہ مہلکہ ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ علاج آپ جانتے ہیں بتلائیے کیا علاج ہے۔

مکتوب نمبر ۷۹۲

حال :- خط کے جواب میں جو مضمون حضور نے بھیجا ہے وہ میری حالت کے مطابق ہے مجھے اس سے بہت تسکین ہوئی۔ تحقیق :- الحمد للہ کہ آپ سمجھ گئے مجھے خوشی ہوئی

حال :- میں بہت پریشان تھا جب حالت خراب معلوم ہوتی تھی تو سمجھتا تھا کہ کیا مردود ہو گیا۔ اور جب اچھی حالت ہوتی تو سوچتا کہ مقبول ہو گیا۔ مگر دونوں حالت میں دل روکتا تھا۔ جب یہ خیال ہوا کہ مردود ہو گیا تو دل ڈانٹتا تھا کہ کیوں ہمت ہارتے ہو اور جب اچھی حالت میں مقبولیت کا خیال آیا تو دل نے کہا کہ خبردار! عُجب آجائیگا اور اخلاص کا پردہ ہٹ جاتا تھا جب اپنے عمل کو اخلاص سے ملاتے تھے تو بہت شرمندہ ہو جاتے تھے سوائے اسکے اور کچھ نہیں نکلتا کہ یا اللہ یہ تیرا فضل ہے عجب

کشمکش میں تھا کہ یا اللہ کیا کروں۔ جب یہ خط ملا تو ہمت آگے بڑھنے کی ہوئی۔
تحقیق :۔ الحمد للہ۔ حال :۔ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت و معرفت عطا کرے۔ تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۷۹۳

حال :۔ آپ کے مختصر مگر جامع الفاظ کے اندر جو ہمارے مطلب کا گُر تھا وہ اور حضرات کے طولانی الفاظ میں بھی نظر نہیں آتے۔ کیونکہ وہ زمانۂ سابق کے بزرگوں کے مجاہدات کو بیان فرما کر زمانۂ حال کے لوگوں کی اُس مجاہدہ سے چشم پوشی بیان فرماتے ہیں۔ لیکن حضور نے صرف میرے الفاظ کو مدنظر رکھ کر جواب تحریر فرمائے۔ یوں تو میں اپنے اندر پہلے سے بہت کچھ تبدیلی پاتا ہوں کیونکہ اکثر نفس لوامہ ہی کی فتح ہوتی ہے۔ لیکن گاہ گاہ نفس امارہ بھی غالب ہو جایا کرتا ہے لیکن ایسے وقت میں بہت نادم بھی رہا کرتا ہوں۔ حضور سے استدعا ہے کہ میرے لئے خاصکر اس امر کیلئے دعا کرینگے کہ قادر مطلق مجھے نفس امارہ پر ہمیشہ ہمیشہ فتح دے۔ جس جگہ میں قیام کرتا ہوں اُس جگہ چند ہندو رہتے ہیں۔ وہ جب مجھے دیکھتے ہیں تو سلام کرتے ہیں کیا ان کے سلام کا جواب دیا جائے۔
تحقیق :۔ آپ کے خوش فہمی سے جی خوش ہوا۔ نفس امارہ مغلوب ہو کر لوامہ بلکہ مطمئنہ ہو جائے۔ مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ هَدَاكَ اللهُ کہدیا کیجئے۔

مکتوب نمبر ۷۹۴

حال :۔ حضرت والا سے خط و کتابت جس وقت رہتی ہے اسوقت دل کو بہت اطمینان و تسلی رہتی ہے۔ تحقیق :۔ الحمد للہ۔ حال :۔ میری غفلت اور لاپرواہی سے ناغہ ہو جاتا اسوقت ایک عجیب پریشانی اور ہیبت رہتی ہے جب دن زیادہ ہو جائے تو بہت قلق و اضطراب رہتا ہے حضرت استاذی المحترم مدظلہٗ ہمیشہ اپنی مجلس میں

زمانے کے انقلابات اور طبیعت میں آزادی پیدا ہو جانے کے متعلق تنبیہ دے کر
اہل اللہ سے علاقہ کو مضبوط رکھنے کے متعلق فرماتے رہے کہ اہل اللہ سے علاقہ
رکھ کر پھر علاقہ کو منقطع کر لینا ایک بڑی نحوست ہے اور انسان جبتک تزکیۂ قلب
کسی شیخ محقق سے نہ کر لیگا تب تک اسکے کسی فعل وقول کا اعتبار نہیں رہتا۔

تحقیق :۔ بالکل ٹھیک ہے۔ **حال** :۔ اس کا پڑھنا پڑھانا اور وعظ ونصیحت یہ سب
ایک نفسانی کھیل بن جاتے ہیں۔ **تحقیق** : اور کیا۔

حال :۔ اس کے بعد میں ان تمام باتوں پر ہمیشہ غور کرتا ہوں۔ **تحقیق** :۔ الحمد للہ۔

حال :۔ تو واقعی ہمارے نفس کے اندر ایسے ایسے مکائد پوشیدہ ہیں جس سے حیرانی
معلوم ہوتی ہے اور یہ زمانہ بھی ایسا پُرفتن ہے کہ ذراسی کوتاہی اور بدنظمی سے مفتون
ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ **تحقیق** :۔ بیشک۔ **حال** :۔ کبھی گھریلو معاملات
میں ایسی پیچیدگیاں آجاتی ہیں جس سے عقل ٹھکانے پر نہیں رہتی کبھی علمی کوتاہی سے
بڑی پریشانی رہتی ہے جگہ جگہ فتنہ کا دروازہ کھل گیا ہے ایسی راہ سے فتنے آتے ہیں
جس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ سب باتوں پر غور کرنے کے بعد دل میں یہ فیصلہ کر لیا ہوں
چاہے کچھ بھی ہو جائے اہل اللہ سے علاقہ کو کبھی منقطع نہ کرنا اور کبھی بے پرواہی سے
زندگی نہیں گذارنا اور اپنے اساتذۂ کرام کے طریقے پر بالکل مضبوطی کے ساتھ قائم
رہنا اسی میں میری نجات ہے۔ **تحقیق** :۔ صحیح ہے۔

حال :۔ جہانتک بھی غور کرتا ہوں کہ جب کبھی ہمارے اساتذہ کے طریقے کے خلاف کوئی
بات ذہن آتی ہے تو ایک بڑی گمراہی اور تاریکی معلوم ہوتی ہے معاذ اللہ۔ دارین کی خیریت
اسی میں ہے کہ ہمارے اساتذہ اور والدین اور اہل اللہ کو ہمارے طرف سے ذرّہ برابر
تکدر نہ ہو۔ **تحقیق** :۔ بیشک ایسا ہونا چاہیئے۔

حال :۔ اس لئے اس بات میں خوب جم گیا ہوں۔ **تحقیق** :۔ الحمد للہ۔

حال :۔ کہ کوئی کام ایسا نہ کروں جو اساتذہ کو ذرا بھی تکدر کا باعث ہو۔ حضرت والا سے
[illegible]

تحقیق:۔ دعا کرتا ہوں۔ **حال:۔** حضرت والا! یہاں مسجد میں جمعہ کے روز حضرت استاذی المحترم مدظلہ، کے حکم سے خطبہ سے پہلے میں مضمون سناتا ہوں جو حضرت حکیم الامتؒ قدس سرہٗ کے مواعظ میں سے نقل کر کے خلاصہ کے طور پر ہوتا جو بعینہٖ حضرت حکیم الامتؒ ہی کے الفاظ رہتے ہیں میرے طرف سے تغیّر و تبدّل نہیں ہوتا تو ایسے خلاصہ میں بعض جگہ حضرت موصوف خطاب کے موقع میں فرماتے ہیں "میں دعویٰ کر کے کہتا ہوں" یا "میں قسم کھا کر کہتا ہوں" اس قسم کے جملے آتے ہیں ایسے موقع میں سُنانے کے وقت طبیعت میں ایک جھجک معلوم ہوتی ہے اور عُجب کا اندیشہ معلوم ہوتا ہے باوجود حضرت کے الفاظ ہونے کے اگر اس سے میرے نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسے الفاظ کو چھوڑ دوں۔

تحقیق:۔ چھوڑ دو۔

مکتوب نمبر ۵۹۵

حال:۔ میں الہ آباد سے روانہ ہو کر بخیریت الحمد للہ علی گڈھ پہنچ گیا۔ دین سیکھنے اور اس کو اپنی زندگی میں لانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ **تحقیق:۔** الحمد للہ۔

حال:۔ اور اس سلسلہ میں حضرت والا نے جو پچھلے خط میں کام کی ترتیب کے متعلق تحریر فرمایا تھا اسی پر عمل کر رہا ہوں۔ **تحقیق:۔** الحمد للہ۔

حال:۔ ایک بات کو پہلے معلوم کر کے اور اس پر خوب ایک آدھ ہفتہ عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ پھر جب اسکو برتنے کا تحمل اپنے اندر پالیتا ہوں پھر دوسری بات سیکھتا ہوں

تحقیق:۔ الحمد للہ۔ **حال:۔** پہلے وضو اور نماز کی طرف ہی خصوصی توجہ ہے۔

تحقیق:۔ الحمد للہ۔ **حال:۔** اور بعض اوقات نمازوں میں ایک خاص قلبی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہے ہی اسوجہ سے جہاں اس کا تصور ساتھ آیا پھر اپنے باطن کی گندگی دور ہونے لگتی ہے۔ کیونکہ میں اپنی اس گندگی کو اپنے مالک سے کسی بھی حالت میں [illegible] وہ ہمارے دل کی ہر بات سے واقف ہے تو پھر خود ہی

اپنی گندگی پر شرم و ندامت آنے لگتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا دھیان اکثر اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے آتا رہتا ہے۔ چنانچہ پہلے میں اپنے کو ایسا محسوس کرتا تھا جیسے کہ کوئی بند صندوقچہ وغیرہ کہ باہر سے اندر کا حصہ بالکل ہی نظر نہیں آتا اور نہ اندر کی کوئی چیز باہر نکل سکتی ہے۔ اور اب ایسا محسوس رہنے لگا کہ جیسے وہی صندوقچہ نکل جائے اور ظاہر و باطن کے تفاوت میں کمی واقع ہونے لگے۔ خصوصاً جب سے یہ خیال تازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ باطن کے بھی سارے اسرار سے واقفیت رکھتے ہیں پھر تو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے ظاہر و باطن ایک دوسرے کے ساتھ ختم ہو جائے۔ **تحقیق**:۔ ماشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے۔

مکتوب نمبر ۷۹۶

حال:۔ تاخیر ارسال عریضہ کی بہت بہت معافی چاہتا ہوں اور پھر دعائے فلاح دارین کی التجا کرتا ہے بالخصوص صحت کاملہ۔ بلندیٔ ہمت۔ قوتِ ارادت۔ شوقِ طاعات۔ ذوقِ معمولات کی دعا کی درخواست کرتا ہے۔ غم ہے کہ اپنے سفر آخرت کے اسباب پیش آتے جا رہے ہیں پر اپنے ساتھ زادِ راہ نہیں۔ اپنے اصلاح کی فکر صحیح نہیں۔ ہاں تسلی کی چیز یہ ضرور ہے کہ حضرت والا مدظلکم سے عقیدت و تعلق ہے اللہ تعالیٰ اسکو اتنا بلند اور مستحکم بنا دیں کہ ہر فکر و عمل پر غالب رہے تا ایں کہ رضائے باری تعالیٰ کا ذریعہ ہو جائے اور حسنات دارین کا باعث بنے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر طرح سلامت رکھیں، آمین۔

تحقیق:۔ الحمد للہ بخیریت ہوں دعائے فلاح دارین۔ صحت کاملہ۔ بلندیٔ ہمت۔ قوتِ ارادت شوقِ طاعات۔ ذوقِ معمولات کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق کو اتنا بلند اور مستحکم کر دیں کہ ہر فکر و عمل پر غالب رہے کہ ارضائے باری کا ذریعہ ہو جائے۔ اور حسناتِ دارین کا باعث بنے۔

مکتوب نمبر ۷۹۷

حال:۔ اگرچہ یوسف کو خرید نہیں سکتا لیکن خریدارانِ یوسف کی صف میں کھڑے ہونے کی

سعادت سے بحمد اللہ بہرہ یاب ہے لیکن پہلے نہ صرف یہ کہ یہ سیہ کار حضور سے سوء ظن رکھتا تھا بلکہ مخالفین کے پروپیگنڈے اور ہتھکنڈے اور اپنی بدبختی و سیہ کاری کے اثر سے اس نے ان لوگوں کی صف میں بھی کھڑا ہو کر شقاوت خریدی تھی جنھوں نے حضور کو خواہ مخواہ مقدمہ بازی میں مبتلا کر دیا تھا۔ جی تو چاہتا ہے کہ اپنے اس دور جاہلیت کا حال بالتفصیل تحریر کروں تاکہ اس سیہ کار کی جہالت پوری طرح ظاہر ہو جائے لیکن بدیں خیال کہ شاید زیادہ تفصیل حضور کے لئے موجب زحمت ہو، اس خیال کو آئندہ کے لئے اٹھا رکھتا ہوں جبکہ حضور اس امر کی اجازت مرحمت فرمائینگے خدا کا شکر ہے کہ "دور جاہلیت" بہت جلد ختم ہو گیا اور یہ عاصی ایک ایسے بزرگ کی نوازشات سے نوازا گیا جو حضور کے یہاں آمد و رفت رکھتے تھے اور حضرت تھانوی صاحبؒ کی عظمت کے پوری طرح قائل تھے۔ کمترین کے والد مولوی . . . . . مرحوم اور والدہ محترمہ اور غالباً نانی صاحبہ مرحومہ بھی حضرت تھانوی صاحبؒ کے غلاموں میں شامل ہونے کے شرف سے بہرہ یاب ہیں والد مرحوم آخر میں نابینا ہو گئے تھے اس لئے حضرت تھانوی صاحبؒ سے جو خط و کتابت ان سے ہوتی تھی ان میں سے بیشتر کی کتابت کی سعادت اس سیہ کار کے حصہ میں آئی تھی اور اس طرح سن شعور کی ابتدا ہی سے خاکسار حضرت تھانویؒ اور ان کے متعلقین و وابستگان سے حسن عقیدت رکھتا تھا اور بحمد اللہ اب بھی رکھتا ہے۔ البتہ اس تھوڑے سے عرصہ میں جسے خاکسار نے اپنے "دور جاہلیت" سے تعبیر کیا ہے حضور کی نسبت سوء ظن اور شرکت ایذا رسانی کی بدبختیوں سے دوچار ہوا۔ اس بے راہ روی کی زیادہ تر وجہ "جماعت اسلامی" کے بعض بر خود غلط افراد کا پندار ہمہ دانی اور حضور کے مسلک و مقام سے ان کی بے بصیرتی اور ان بیہودہ و بنیادوں پر حضور کے نسبت ان کا غلط پروپیگنڈہ تھا

بہرحال جیسا کہ عرض کیا بحمد اللہ یہ دور ایک بزرگ کی توجہ سے ختم ہوا اور خاکسار خاندان تھانویہ کے کفش برداری کو پھر سرمایۂ حیات سمجھنے لگا۔ وہ بزرگ اب پاکستان چلے گئے ہیں اور ان کے ایما سے خاکسار کو حضرت قبلہ الحاج شاہ . . . .

. . . . کی غلامی کا شرف نصیب ہوا اور ان ہر دو بزرگوں کی توجہ و دعا سے خاکسار کی بہت کافی اصلاح ہوئی۔ قبلہ حضرت تھانوی صاحبؒ کی کسی تصنیف میں نظر سے گذرا تھا کہ جس بزرگ سے عقیدت و محبت ہو اسے اُسکی اطلاع کر دیا کرو۔ اسی وقت سے یہ خیال پیدا ہوا کہ حضور کو اس امر کی نسبت خط لکھوں لیکن نہ جانے مشیت الٰہی کیا تھی کہ یہ خیال امروز و فردا کی گردش کا شکار ہوتا رہا ہے۔ تقریباً دو سال ہوئے کہ خاکسار کو الہ آباد آنا ہوا تھا اسوقت حضور کے دربار میں حضوری بھی نصیب ہوئی تھی۔ چلتے وقت حضور سے فلاح دین و دنیا کیلئے دعا کی درخواست بھی کی تھی اور حضور نے جس شفقت اور خلوص کے انداز سے دعا دی تھی وہ آج تک یاد ہے۔ آج یہ خط لکھتے وقت بھی وہ منظر نظر کے سامنے آگیا اور رقت طاری ہوگئی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہیں۔

اب خاص بات جو عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ خاکسار اپنی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کے باعث ایک طویل عرصہ سے مختلف قسم کے وبال میں مبتلا ہے۔ ان بداعمالیوں کی فہرست بڑی گھناؤنی ہے اور اسکی سزا اس سے کہیں زیادہ ہونی چاہئے جتنی کہ ملی یا مل رہی ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ مذکورہ بالا ہر دو بزرگوں کی دعاؤں اور توجہ نے سہارا دیا۔ اِدھر تقریباً دو ہفتہ ہوئے کہ یک بیک یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ تمام پریشانیاں اسی وقت سے شروع ہوئی ہیں جب سے کہ حضور کی ایذا رساں پارٹی نے اس سیہ کار کو بھی حضور کے مخالف محاذ میں کھینچ لیا تھا۔ گو اس سیہ کار کی شرکت بالکل معصوم نوعیت کی تھی اور خاکسار کو ایک ایسے واقعہ کی شہادت دینی تھی جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل بے ضرر بھی تھا۔ لیکن تھا تو وہ بہرحال اسی مقدمہ کے سلسلہ میں۔ لہٰذا اللہ والوں کی مخالفت کرنے والوں کی مجرد صحبت بھی موجب شقاوت کیوں نہ ہو۔ اس خیال کے آتے ہی طبیعت بے چین ہوئی کہ حضور سے اقرار جرم کیا جائے۔ اظہار ندامت کی جائے۔ اور معافی طلب کی جائے اور حضور سے نگاہ شفقت کی دریوزہ گری کیلئے حضور کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔ خاکسار و سیہ کار نے اپنا باطن حضور کے سامنے پیش کر دیا ہے امید ہے کہ حضور پردہ پوشی بھی فرمائینگے اور اپنے اخلاق کریمانہ کی شعاعوں سے اس سیہ کار کی سیاہ کاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُفت کے خزانے

منٹوں میں لکھ پتی بلکہ ارب پتی

کیا خوب مہینہ ہے مہینہ رمضان کا

رحمت کا خزینہ ہے مہینہ رمضان کا

(۱) رمضان المبارک کا ایک ایک روزہ سال بھر کے تین سو چوّن مسلسل روزوں سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ (۲) بلا عُذر اگر اس کا ایک روزہ بھی نہ رکھا گیا تو عُمر بھر کے روزے بھی اس کی جگہ کافی نہیں ہونگے۔ (۳) رمضان میں ہر فرض کا ثواب ستر گنا، ہر نفل، اعتکاف و ذکر اور ہر نیک کام کا ثواب ستر گُنا ہوکر فرض کے برابر ہو جاتا ہے۔ (۴) نماز کا ثواب گھر پر ایک کا، مسجد میں پچیس کا، جامع مسجد میں پچاس کا لیکن رمضان میں ستر گنا اور زائد ہوگا اسلئے رمضان میں گھر پر ستر، مسجد میں سترہ سو پچاس، جامع مسجد میں تین ہزار پانچ سو ہو جاتا ہے اور پانچوں نمازوں کا گھر پر تین سو پچاس کا، مسجد میں آٹھ ہزار سات سو پچاس کا، اور جامع مسجد میں سترہ ہزار پانچ سو کا روزانہ ثواب ہوگا۔ (۵) جماعت کا ستائیس گنا، پنجوقتہ کا ایک سو پینتیس، اور رمضان کا ستر گُنا نو ہزار چار سو پچاس کا ثواب ہوگا۔ (۶) قرآن مجید کے ہر حرف پر دس نیکیاں تو رمضان میں سات سو ہونگی۔ قرآن مجید کے کل حروف تین لاکھ تیس ہزار چھ سو اکہتر ہیں، اس طرح پورے قرآن مجید کا ثواب رمضان میں تیئیس کروڑ چودہ لاکھ انہتر ہزار سات سو بنتا ہے۔ سننے والے کو بھی اتنا ہی ثواب۔ اور جو سمجھ کر پڑھے یا سُنے اُسے اتنا ہی مزید ثواب، اور جو پڑھے بھی، خود سنے بھی اور سمجھے بھی اُسے اس ثواب کا تین گُنا یعنی انہتر کروڑ چوالیس لاکھ نو ہزار ایک سو ثواب ملے گا۔ اسکے علاوہ قرآن کو مس کرنا یعنی چھونا اور دیکھنا یہ بھی دس دس گُنی زیادہ عبادت ہے۔ اس طرح پورا قرآن مجید پڑھنے پر تیرہ ارب اٹھاسی کروڑ اکیاسی لاکھ بیاسی ہزار ثواب ہوگا۔ (۷) قرآن مجید پڑھنے کا یہ عظیم الشان ثواب شبینہ کی ایک رات میں حاصل ہو سکتا ہے بشرطیکہ کسی مکروہ یا خلافِ شرع یا ریا و نمود سے اس

شبینہ کو ملوث نہ کیا جائے۔ (۸) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جو سب کو یاد ہے اسکے انیس۱۹ حرف ہیں اور رمضان میں تیرہ ہزار تین سو نیکیاں صرف بسم اللہ کے پڑھنے پر ملیں گی، اور جو جو سورتیں حفظ ہوں، وضو یا بے وضو چلتے پھرتے ہر حرف پر اتنی ہی نیکیاں مفت ملیں گی۔ (۹) ہر ادنیٰ سے ادنیٰ نیک کام کا ثواب ستر گنا ہے۔ خواہ راستہ سے کانٹا ہٹانا ہی ہو۔ (۱۰) ایک بار درود شریف پر دس نیکیاں اور دس رحمتیں، اور رمضان میں سات سو ہوتی ہیں۔ سب سے چھوٹا درود "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" ہے جو ایک منٹ میں سو بار ہو سکتا ہے جس کا ثواب رمضان میں ستر ہزار فی منٹ ہوا تو ڈیڑھ منٹ میں ایک لاکھ پانچ ہزار نیکیوں سے لکھ پتی ہو گئے۔ (۱۱) شب قدر ہزار ماہ یعنی تیس ہزار دن اور تیس ہزار رات کے برابر، یعنی ساٹھ ہزار گنا ثواب ہے۔ غروب شمس سے صبح صادق تک ہر منٹ کا ثواب ساٹھ ہزار منٹ کے برابر ہے۔ ایک منٹ کا ضائع کرنا بھی کس قدر خسارہ کی بات ہے۔ (۱۲) نیکی کی ترغیب پر اتنا ہی ثواب ہے جتنا کرنے والے کو ہے۔ اسلئے ہر وقت نیک کام کی ترغیب دی جائے تاکہ اس کے برابر ثواب ملتا رہے۔ اور ہر بُرے کام سے روکنے کی تدبیر کی جائے تاکہ اس کے بچنے کے برابر بھی ثواب حاصل ہو۔ (۱۳) اعتکاف پر انسان اور دوزخ کے درمیان تین خندق کا فاصلہ ہو جاتا ہے مسجد میں قدم رکھتے ہی واپسی تک کے نفلی اعتکاف کی نیت سے مُفت کا یہ ثواب حاصل ہو گا۔ (۱۴) زکوٰۃ و عُشر اور صدقہ و خیرات میں رمضان کی وجہ سے ستر گنا ثواب زائد ہو گا اللہ کی راہ میں دیئے ہوئے کا ثواب رمضان میں انچاس ہزار ہے۔ (۱۵) ان سب کاموں میں ایصالِ ثواب کی بھی نیت کی جا سکتی ہے۔ خواہ مُردہ کو خواہ زندہ کو خواہ اُن لوگوں کو جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایصالِ ثواب میں سب مسلمانوں کی نیت کرنی چاہیئے کیونکہ ثواب تقسیم نہیں ہوتا بلکہ پورے کا پورا ہر ایک کو ملتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سه صدقہ و خیرات انفاقاً مالیہ" کا ثواب سات سو گنا غیر رمضان میں ملا کرتا ہے بدلیل آیت قرآنی مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ الآیۃ۔ تو رمضان شریف میں اسپر ستر گنا مزید اضافہ ہو کر انچاس ہزار ہو جائیگا۔ (ادارہ)

ضمیمہ آداب المصاب

وعظ کا گو اصل اور زیادہ مقصود صبر کی ایک خاص جزئی یعنی صبر علیٰ موت المحبوب کے متعلق بیان کرنا تھا۔ مگر صبر کی اور بھی جزئیات ہیں جن میں ایک خاص جزئی اس وقت کے مناسب قابل ذکر ہے اور وہ صوم ہے جس کا زمانہ کل کے روز (یعنی آج کی شب) سے شروع ہو گیا ہے۔ اس کے متعلق بھی کچھ ضروری بیان مقتضائے وقت ہے۔ زیادہ گنجائش نہ ہونے کے سبب بیان القرآن سے صرف تین آیتوں کے ترجمہ و تفسیر کی نقل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حکم سوم صوم

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ الٰى قَوْلِهٖ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ (پ۲)

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ اس توقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ (کیونکہ روزہ رکھنے سے عادت پڑے گی۔ نفس کو اس کے متعدد تقاضوں سے روکنے کی۔ اور اسی عادت کی پختگی بنیاد ہے تقویٰ کی سو) تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو (اور ان تھوڑے دنوں سے مراد رمضان ہے جیسا اگلی آیت میں آتا ہے) پھر (اس میں بھی اتنی آسانی ہے کہ) جو شخص تم میں (ایسا) بیمار ہو (جس کو روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو) یا (شرعی) سفر میں ہو تو (اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بجائے ایام رمضان کے) دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کرکے اُن میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے اور (دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہو گئی یہ ہے کہ) جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں (اور پھر بھی روزہ رکھنے کو دل نہ چاہے تو) اُن کے ذمہ (صرف روزے کا) فدیہ (یعنی بدلہ) ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا (کھلا دینا یا دیدینا) ہے اور جو شخص خوشی سے (زیادہ) خیر (خیرات) کرے (کہ زیادہ فدیہ دیدے) تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور (گو ہم نے آسانی کے لئے ان حالتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت

دیدی ہے لیکن) تمہارا روزہ رکھنا (اس حال میں بھی) زیادہ بہتر ہے۔ اگر تم (کچھ روزے کی فضیلت کی) خبر رکھتے ہو۔

فائدہ:۔ پہلی امتوں میں سے نصاریٰ پر روزہ فرض ہونے کا بیان ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ نصاریٰ پر ماہ رمضان کا روزہ فرض ہوا تھا۔ ان کا کوئی بادشاہ بیمار ہوا تو اس کی قوم نے نذر مانی کہ اگر بادشاہ کو شفا ہو جائے تو ہم دس روزے اور اضافہ کر دیں گے۔ پھر اور کوئی بادشاہ بیمار ہوا تو اسکی صحت پر سات کا اور اضافہ ہوا۔ پھر تیسرا بادشاہ ہوا۔ سو اُس نے تجویز کیا کہ پچاس میں تین ہی کی کسر رہ گئی ہے لاؤ تین اور بڑھا لیں۔ اور ایام ربیع میں سب رکھ لیا کریں (ذکر فی روح المعانی بروایۃ ابن حنظلۃ والنحاس و الطبرانی عن معقل بن حنظلۃ مرفوعاً)

اور لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ میں روزہ کی ایک حکمت کا بیان ہے جس کی تقریر اثنار ترجمہ میں کر دی گئی۔ لیکن حکمت کا اسی میں انحصار نہیں ہوگیا۔ خدا جانے اور کیا کیا حکمتیں ہونگی پس کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ جب مقصود روزہ کا معلوم ہوگیا تو یہ مقصود اگر دوسرے طریق سے حاصل کرلیں تو روزہ کی یا قید رمضان کی کیا ضرورت ہے۔

وجہ گنجائش نہ ہونے کی یہ ہے کہ ممکن ہے کہ روزہ میں کچھ خاص حکمتیں اور ثمرات ایسے ہوں کہ وہ بدون ان خاص قیود مقررہ شرعیہ کے حاصل نہ ہوسکیں۔ خوب سمجھ لو۔ اور اس مقام پر چند مسائل ہیں:۔

چند مسائل ۱۔ جس بیماری میں روزہ رکھنا نہایت شاق ہو یا مضر مرض ہو اس میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

۲۔ سفر شرعی حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اپنی جائے قیام سے تین منزل کے قصد سے سفر کرے تو رستہ میں تو یہ مسافر ہوگیا۔ اب منزل مقصود پر پہونچ کر اگر پندرہ روز یا زیادہ قیام کا ارادہ کرلیا تو مسافر نہ رہا۔ اور اگر پندرہ روز سے کم کے قیام کا ارادہ کیا تو پھر بھی مسافر ہے۔

غرض! جو شخص شرعی مسافر ہو اسکو جائز ہے کہ باوجود روزہ رکھ سکنے کے روزہ نہ رکھے

لیکن ایسی حالت میں زیادہ افضل یہی ہے کہ رکھے۔

۳۔ یہ مریض اور مسافر جن کا ذکر کیا گیا اگر اُس روز کے روزہ کی نیت نہ کرچکے تھے تو روزہ نہ رکھنا درست ہے اور اگر نیت کرچکے ہوں تو بلا تکلیف شدید روزہ توڑنا جائز نہیں۔

۴۔ یہ مریض اور مسافر جتنے دن روزہ نہ رکھیں اُن دنوں کا شمار یاد رکھیں اور جب مرض اور سفر ختم ہو جاوے بعد رمضان گزر جانے کے اتنے دنوں کا روزہ بہ نیت قضا رکھیں۔ اور یہ قضا کے روزے خواہ ایک دم سے رکھیں اور خواہ ایک ایک دو دو کرکے رکھیں اور بعد ختم ہونے مرض اور سفر کے اگر کچھ رمضان بھی باقی ہے تو بقیہ رمضان کا روزہ ادا کرکے اُس کے گزرنے کے بعد یہ قضا روزے رکھ سکتے ہیں۔

۵۔ شروع اسلام میں جب لوگوں کو بتدریج روزہ کا خوگر کرنا منظور تھا یہ حکم ہوگیا تھا کہ باوجود استطاعت روزہ کے فدیہ کی اجازت تھی۔ اب یہ حکم منسوخ ہے البتہ جو شخص بہت بوڑھا ہو یا ایسا بیمار ہو کہ اب صحت کی توقع نہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ حکم اب بھی ہے کہ فی روزہ یا تو ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلادیں یا خشک جنس دینا چاہیں تو فی روزہ اسی روپے کے سیر سے ایک مسکین کو پونے دو سیر دیا کریں۔ اگر اتنے گیہوں دو مسکین کو دینگے درست نہیں یا ایک مسکین کو ایک تاریخ میں دو دن کا فدیہ دیں گے تب بھی درست نہیں۔ اور اگر فدیہ دینے کے بعد اس شخص میں طاقت آگئی یا وہ مرض جاتا رہا تو ان روزوں کو پھر قضا کرنا ہوگا۔ اور اس فدیہ کا ثواب الگ ملے گا۔ مگر یہ فدیہ بجائے روزوں کے نہ رہے گا۔ اور اگر کسی کو فدیہ دینے کی بھی وسعت نہ ہو تو بجائے فدیہ کے وہ صرف استغفار کرے اور نیت رکھے کہ جب ہو سکے ادا کروں گا۔

حکم چہارم | تمتع بمفطرات در شب صیام (یعنی رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور ہمبستری کی اجازت کا حصول) اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ إِلَى قَوْلِهِ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا (اور پہلے جو اس سے ممانعت تھی وہ موقوف کی گئی) کیونکہ (بوجہ قرب و اتصال کے) وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور

تم ان کے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہو۔ خدا تعالیٰ کو اسکی خبر تھی کہ تم حکم الٰہی میں خیانت (کر) کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے (مگر) خیر (جب تم معذرت سے پیش آئے تو) اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا۔ سو (جب اجازت ہو گئی تو) اب اُن سے ملو ملاؤ اور جو (قانون اجازت) تمہارے لئے تجویز کر دیا ہے (بے تکلف) اُس کا سامان کرو اور (جس طرح شب صیام میں بی بی سے ہمبستری کی اجازت ہے اسی طرح یہ بھی اجازت ہے کہ) کھاؤ (بھی)، اور پیو (بھی) اسوقت تک کہ تم کو سفید خط (کہ وہ نور ہے) صبح (صادق) کا (جب کہ وہ بالکل شروع ہی شروع میں طلوع ہوتی ہے) متمیز ہو جائے سیاہ خط سے (کہ عبارت ہے تاریکی کی اس حد فاصل سے جو کہ خط نور صبح سے ملا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مراد متمیز ہونے سے یہ کہ صبح صادق طلوع ہو جائے) پھر (صبح صادق سے) رات (آنے) تک روزہ کو پورا کر لیا کرو۔

فائدہ:۔ شروع اسلام میں یہ حکم تھا کہ رات کو ایک دفعہ نیند آ جانے سے آنکھ کھلنے کے بعد کھانا پینا، بی بی کے پاس جانا حرام ہو جاتا تھا۔ بعض صحابہؓ سے غلبہ میں اس حکم کے امتثال میں کوتاہی ہو گئی پھر نادم ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اطلاع کی۔ انکی ندامت اور توبہ پر حق تعالیٰ نے رحمت فرمائی اور اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ اور احقر نے جو خط تاریکی اور خط نور کے ملنے کو محسوس ہونے سے تعبیر کیا ہے۔

وجہ اس تعبیر کی یہ ہے کہ واقع میں وہ دو خط نہیں بلکہ ایک ہی خط ہے جو سطح نور و سطح ظلمت دونوں کا منتہا اور دونوں کے درمیان میں مشترک اور فاصل ہے جیسا کہ اہل ریاضی جانتے ہیں۔

حکم پنجم اعتکاف | وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ اور ان بیبیوں (کے بدن) سے اپنا بدن بھی (شہوت کے ساتھ) مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو (جو کہ) مسجدوں میں (ہوا کرتا ہے)

فائدہ:۔ مسئلہ۔ حالت اعتکاف میں بی بی کے ساتھ صحبت اور اسی طرح بوس و کنار سب حرام ہے۔ پھر اگر بوس و کنار میں انزال بھی ہو گیا تو وہ اعتکاف جاتا رہے گا

اور بجائے اسکے دوسرا قضا کرنا ہوگا۔ اور (اگر بلا شہوت اُس نے اِسکو یا اِس نے اُس کو ہاتھ لگا دیا یا بدن دبا دیا تو درست ہے۔

مسئلہ۲ :۔ اعتکاف صرف ایسی مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں پانچوں وقت جماعت سے نماز کا انتظام ہو۔

مسئلہ۳ :۔ جو اعتکاف رمضان میں نہ ہو اُس میں بھی روزہ شرط ہے۔

مسئلہ۴ :۔ اعتکاف والے کو مسجد سے کسی وقت باہر نکلنا درست نہیں البتہ جو کام بہت ہی لاچاری کے ہیں جیسے پیشاب، پاخانہ یا کوئی کھانا لانے والا نہ ہو تو گھر سے کھانا لے آنا یا جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے جانا بس ایسی ضرورت کیلئے باہر جانا درست ہے۔ لیکن گھر میں یا رستہ میں ٹھہرنا درست نہیں۔

مسئلہ۵ :۔ اگر عورت اعتکاف کرنا چاہے تو جو جگہ اُسکی نماز پڑھنے کی مقرر ہے اسی جگہ اعتکاف بھی درست ہے۔ اھ

(اشرف علی)

افطار کی دعا فرمایا حضرت معاذ ابن زہرہؓ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے :۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ (اے اللہ میں نے آپ ہی کیلئے روزہ رکھا اور آپ ہی کے دیئے ہوئے رزق پر روزہ کھولا۔ (سنن ابوداؤد)

افطار کے بعد کی دعا فرمایا حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے کہ افطار کرتے وقت (یعنی افطار سے فارغ ہوکر) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے : ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ (پیاس جاتی رہی اور رگیں تر ہوگئیں اور انشاء اللہ اجر ثابت ہوگیا) (سنن ابوداؤد)

حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص افطار کے وقت یہ دعا مانگا کرتے تھے :۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِيْ ذُنُوْبِيْ (یا اللہ! میں آپ کی اس رحمت کے ذریعہ سوال کرتا ہوں جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے کہ آپ میرے گناہ معاف فرمادیجئے)

(بیہقی بحوالہ ترغیب للمنذری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان کے فضائل و احکام احادیث نبویہ کی روشنی میں

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

...لَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ یُضَاعَفُ الْحَسَنَۃُ عَشْرِ اَمْثَالِھَا اِلٰی سَبْعِ مِأَۃِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّہٗ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یَدَعُ شَھْوَتَہٗ وَطَعَامَہٗ مِنْ اَجْلِیْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَۃٌ عِنْدَ فِطْرِہٖ وَفَرْحَۃٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّہٖ وَ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ وَالصِّیَامُ جُنَّۃٌ وَ اِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّہٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَہٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ امْرَأٌ صَائِمٌ (رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ رضی)

(فرمایا نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ اس قانون سے مستثنیٰ ہے کیونکہ روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود اسکی جزا دوں گا۔ بندہ اپنی خواہش نفس اور اپنے کھانے کو میرے لئے چھوڑتا ہے۔ پھر فرمایا کہ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک افطار کے وقت اور دوسری اس وقت ہوگی جب وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا۔ اور روزہ دار کے مُنہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی عمدہ اور بہتر ہے۔ اور روزے ڈھال ہیں (جو گناہوں سے اور دوزخ سے بچاتے ہیں) جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو گندی باتیں نہ کرے، شور وشغب نہ مچائے اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوج کرنے لگے یا لڑنے جھگڑنے لگے تو یہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں (لڑنا جھگڑنا، گالی کا جواب دینا میرا کام نہیں)

(۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ اَوَّلُ لَیْلَۃٍ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَمَرَدَۃُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْھَا بَابٌ وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْھَا بَابٌ وَیُنَادِیْ مُنَادٍ یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَ لِلّٰہِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذَالِکَ کُلَّ لَیْلَۃٍ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ عن ابی ھریرۃؓ) و فی روایۃ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَۃِ (رواہ البخاری ومسلم)

(فرمایا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ان میں کا کوئی دروازہ (رمضان ختم ہونے تک) نہیں کھولا جاتا ہے۔ اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جن میں سے کوئی دروازہ (ختم رمضان تک) بند نہیں کیا جاتا ہے اور خدا کی طرف سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے خیر اور نیکی کے طلب کرنیوالے آگے بڑھ اور اے شر اور بدی کے تلاش کرنیوالے رک جا۔ اور بہت سے (گنہ گار) لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوزخ سے آزاد کر دیتے ہیں۔ اور ہر رات ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب رمضان داخل ہوتا ہے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں)

(۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْجَنَّۃِ ثَمَانِیَۃُ اَبْوَابٍ مِنْھَا بَابٌ یُسَمَّی الرَّیَّانُ لَا یَدْخُلُہٗ اِلَّا الصَّائِمُوْنَ (رواہ البخاری ومسلم عن سھل بن سعدؓ)

(فرمایا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں ایک کا نام ریان (سیراب کرنیوالا) ہے اس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے)

(۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَۃٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ یَقْضِ عَنْہُ صَوْمُ الدَّھْرِ کُلِّہٖ وَاِنْ صَامَہٗ (رواہ احمد والترمذی و ابن ماجہ والدارمی عن ابی ھریرۃؓ)

(فرمایا سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے کسی شرعی رخصت (اجازت) کے بغیر اور بلا کسی مرض کے (جس میں روزہ چھوڑنا جائز ہو) رمضان کا روزہ چھوڑ دیا تو اگرچہ بعد میں زندگی بھر روزہ رکھے تب بھی ساری عمر کے روزوں سے اسکی تلافی نہ ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ رمضان کے روزوں کی فضیلت اور برتری اسقدر ہے کہ اگر رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دیا تو عمر بھر کے روزے رکھنے سے بھی وہ فضیلت اور اجر و ثواب نہ پائے گا جو رمضان میں روزہ رکھنے سے ملتا ہے گو قضا کا ایک روزہ رکھنے سے حکم کی تعمیل ہو جائیگی۔

(۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ یَوْمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بَعَّدَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ عَنِ النَّارِ سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا (رواہ البخاری ومسلم عن ابی سعیدؓ الخدری) (فرمایا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے ایک دن خدا کی راہ میں روزہ رکھ لیا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ سے اس قدر دور کر دیں گے کہ ستر سال میں جتنی دور پہونچا جائے)

(۶) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْجَنَّۃَ تُزَخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ اِلَی حَوْلٍ قَابِلٍ قَالَ فَاِذَا کَانَ اَوَّلُ یَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ ھَبَّتْ رِیْحٌ تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ وَرَقِ الْجَنَّۃِ عَلَی الْحُوْرِ الْعِیْنِ فَیَقُلْنَ یَا رَبِّ اجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِکَ اَزْوَاجًا تَقَرُّ بِھِمْ اَعْیُنُنَا وَتَقَرُّ اَعْیُنُھُمْ بِنَا (روی البیہقی فی شعب الایمان عن ابن عمرؓ) (فرمایا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رمضان (کے استقبال) کے لئے جنت ایک سال سے دوسرے سال تک آراستہ کی جاتی ہے پھر جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو ایک ہوا عرش کے نیچے جنت کے درختوں کے پتوں سے نکل کر حور عین کے سروں پر سے گزرتی ہے تو وہ کہتی ہیں اے ہمارے پروردگار! اپنے بندوں میں سے ہمارے لئے شوہر بنا دیجئے کہ ان (کی صحبت اور ہم نشینی) سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور انکی آنکھیں ہمارے (دیدار و وصل) سے ٹھنڈک پائیں

(۷) **روزہ کی حفاظت** | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَکَمْ مِنْ قَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ قِیَامِہٖ اِلَّا السَّھَرُ (رواہ الدارمی عن ابی ہریرۃؓ)
(فرمایا فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے لئے (حرام کھانے

یا حرام کام کرنے یا غیبت کرنے کی وجہ سے) اپنے روزے سے پیاس کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اور بہت سے شب بیداری کرنے والے (یعنی تراویح، تہجد و نوافل وغیرہ میں مشغول رہنے والے) ایسے ہیں جن کے لئے (ریاکاری کی وجہ سے) ان کی شب بیداری سے جاگنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

(۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مَالَمْ یَخْرِقْھَا (رواہ النسائی عن ابی عبیدۃ) (فرمایا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روزہ (شیطان کی شرارت سے بچنے کے لئے) ڈھال ہے جب تک کہ روزہ دار (جھوٹ بول کر یا غیبت کرکے) اُسے پھاڑ نہ ڈالے)

(۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ (رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ) (فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے روزہ رکھ کر بُری بات اور بُرا عمل نہ چھوڑا تو خدا کو کچھ اسکی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے)

(۱۰) قیام رمضان | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ) (فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے ایمان کے ساتھ (اور) ثواب سمجھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اسکے سب گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اور جس نے ایمان کے ساتھ (اور) ثواب سمجھتے ہوئے رمضان میں قیام کیا (تراویح، تہجد اور نوافل وغیرہ پڑھیں) تو اسکے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اور جس نے شب قدر میں قیام کیا ایمان کے ساتھ ثواب سمجھ کر اسکے اب تک کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے)

(۱۱) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ وَیَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ فَیُشَفَّعَانِ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان عن عبداللہ بن عمرو) (فرمایا فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روزہ اور قرآن بندہ کے لئے سفارش کریں گے۔ روزے کہیں گے اے

پروردگار ہم نے اسکو دن میں کھانے پینے اور نفسانی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا لہٰذا اسکے حق میں ہماری سفارش قبول فرمایئے۔ قرآن کریم عرض کرے گا کہ خداوندا میں نے رات میں اُسے سونے اور آرام کرنے نہیں دیا۔ لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرمایئے۔ چنانچہ دونوں کی سفارش قبول کرلی جائے گی)

(۱۲) رمضان، قرآن اور سخاوت | كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرَئِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرَئِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ (رواہ البخاری ومسلم عن ابن عباسؓ) (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے بھلائی میں۔ اور رمضان میں آپ کی سخاوت بہت بڑھ جاتی تھی۔ رمضان کی ہر رات میں جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے اور آپ ان کو قرآن کریم سنایا کرتے تھے، اور جب جبرئیلؑ آپ سے ملاقات کرتے تھے تو آپ اس ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوجاتے تھے جو بارش لیکر بھیجی جاتی ہے)

(۱۳) كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ اَطْلَقَ كُلَّ اَسِيْرٍ وَّاَعْطٰى كُلَّ سَائِلٍ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان عن ابن عباسؓ) (جب رمضان کا ماہ مقدس شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قیدی کو چھوڑ دیتے تھے اور ہر سائل کو عطا فرماتے تھے) مطلب یہ ہے کہ آپ یوں بھی کسی سائل کو محروم نہیں فرماتے تھے مگر رمضان شریف میں اس کا مزید اہتمام فرماتے تھے۔

(۱۴) سحری | سحر کہتے ہیں رات کے آخری چھٹے حصہ کو۔ اور اسی حصہ میں روزہ رکھنے کی غرض سے جو کچھ کھایا جاتا ہے وہ سحری کہلاتا ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً (رواہ البخاری ومسلم عن انسؓ) (فرمایا نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔ برکت سے مراد یہ ہے کہ سحری کھانا چونکہ سنت ہے اسلئے سنت پر عمل کرنے کا عظیم ثواب ملتا ہے۔ دوسرے سحری کھانے سے روزہ رکھنے پر قوت و اعانت ہوتی ہے۔ غرض دینی اور دنیوی دونوں ہی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

(۱۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَیْنَ صِیَامِنَا وَصِیَامِ اَھْلِ الْکِتَابِ اَکْلَۃُ السَّحَرِ (رواہ مسلم عن عمرو بن العاصؓ) (فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے کا فرق ہے)

(۱۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِعْمَ سَحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ (رواہ ابوداؤد عن ابی ھریرۃؓ) (فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے لئے سحری کا بہترین کھانا کھجور ہے)

(۱۷) قَالَ دَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی السَّحُوْرِ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَ ھَلُمَّ اِلَی الْغَدَاءِ الْمُبَارَکِ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان میں سحری کھانے کے لئے بلایا اور فرمایا کہ بابرکت کھانا کھانے کیلئے آؤ)

(۱۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَدِیْثٍ فَاِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الْمُتَسَحِّرِیْنَ (رواہ احمد عن ابی سعید الخدریؓ) (فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سحری کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں)

(۱۹) افطار | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ (رواہ البخاری عن سھلؓ) (فرمایا نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگ ہمیشہ خیر پر ہی رہیں گے جبتک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔ یعنی غروب آفتاب ہوتے ہی فوراً روزہ کھول لیا کریں گے)

(۲۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ مِنْ ھٰھُنَا وَاَدْبَرَ النَّھَارُ مِنْ ھٰھُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ (رواہ البخاری ومسلم عن عمرؓ) (فرمایا رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اِدھر سے رات آگئی (یعنی مشرق سے) اور اُدھر سے (یعنی مغرب سے) دن چلا گیا تو روزہ افطار کرنے کا وقت ہوگیا) (آگے انتظار کرنا فضول بلکہ مکروہ ہے)

(۲۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنَّہٗ بَرَکَۃٌ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی مَاءٍ فَاِنَّہٗ طَھُوْرٌ (رواہ احمد والترمذی عن سلمان ابن عامرؓ) (فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم روزہ کھولنے لگو تو کھجوروں سے افطار کرو

کیونکہ کھجور سراپا برکت ہے۔ اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے روزہ کھول لو کیونکہ وہ ظاہر و باطن کو پاک کرنے والا ہے)

۲۲) روزہ افطار کرانا | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْجَھَّزَ غَازِیًا فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ (رواہ البیہقی فی الشعب عن زید بن خالدؓ) (فرمایا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے کسی روزہ دار کا روزہ کھلوایا یا کسی مجاہد کو سامان دیا تو اسکو روزہ دار اور مجاہد کے مثل ہی اجر و ثواب ملیگا) اور روزہ دار اور مجاہد کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی جیسا کہ حضرت سلمانؓ کی روایت میں "مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْءٌ" کی تصریح ہے

۲۳) جسم کی زکوٰۃ | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِکُلِّ شَیْءٍ زَکوٰۃٌ وَزَکوٰۃُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ (رواہ ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃؓ) (فرمایا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے)

۲۴) سردی کا روزہ | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْغَنِیْمَۃُ الْبَارِدَۃُ الصَّوْمُ فِی الشِّتَاءِ (رواہ احمد والترمذی عن عامر بن مسعودؓ) (فرمایا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے موسم سرما روزہ رکھنا مفت کا ثواب ہے) یعنی اس میں پیاس بھی نہیں لگتی اور دن بھی جلدی گزر جاتا ہے۔ سلیئے بلا تعب و مشقت کے اجر حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۵) جنابت روزے کے منافی نہیں | کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُدْرِکُہُ الْفَجْرُ فِیْ رَمَضَانَ وَھُوَ جُنُبٌ مِنْ غَیْرِ حُلُمٍ فَیَغْتَسِلُ وَیَصُوْمُ (رواہ البخاری ومسلم عن عائشۃؓ) (رمضان المبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت جنابت صبح ہو جاتی تھی اور یہ جنابت احتلام کی نہیں (بلکہ مباشرت کیوجہ سے) ہوتی تھی۔ پھر آپ غسل فرماکر روزہ رکھ لیا کرتے تھے مطلب یہ کہ صبح صادق سے پہلے غسل نہیں فرمایا اور روزہ کی نیت فرمالی پھر طلوع صبح صادق کے بعد غسل فرماکر نماز فجر پڑھ لی۔ اس طرح سے روزہ کا کچھ حصہ حالت جنابت میں گذرا۔

۲۶) روزے میں بھول کر کھانا پینا | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِیَ وَھُوَ صَائِمٌ فَاَکَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْیُتِمَّ صَوْمَہٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَہُ اللّٰہُ وَسَقَاہُ (رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃؓ) (فرمایا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص روزے میں بھول کر کھا پی لے وہ اپنے

روزہ کو پورا کرے (کیونکہ اس کا کچھ قصور نہیں) اسے تو اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔

(۲۷) روزے میں مسواک اور سرمہ | عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَا أُحْصِي يَتَسَوَّكُ وَهُوَ صَائِمٌ (رواہ الترمذی وابوداؤد) (حضرت عامر بن ربیعہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت روزہ اتنی بار مسواک کرتے دیکھا جس کا شمار نہیں کر سکتا)۔

(۲۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اشْتَكَيْتُ عَيْنِيْ أَفَأَكْتَحِلُ وَأَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ (رواہ الترمذی) (حضرت انسؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میری آنکھوں میں تکلیف ہے کیا میں روزے میں سرمہ لگالوں، فرمایا ہاں لگالو)

(۲۹) جب روزہ دار کے پاس کھایا جائے | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّائِمَ يُسَبِّحُ عِظَامُهُ وَتَسْتَغْفِرُ لَهُ الْمَلٰئِكَةُ مَا أُكِلَ عِنْدَهُ (رواہ البیھقی عن بُریدۃؓ) (فرمایا فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جبتک روزہ دار کے سامنے کچھ کھایا جاتا ہے اسکی ہڈیاں تسبیح پڑھتی ہیں اور اسکے لئے فرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں)۔

(۳۰) آخری عشرہ میں عبادت کا خاص اہتمام | كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ (رواہ مسلم عن عائشۃؓ) (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں جسقدر عبادت میں محنت فرماتے تھے دوسرے دنوں میں اسقدر محنت نہیں فرماتے تھے)

(۳۱) كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِيْزَرَهُ وَأَحْيَا لَيْلَهُ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ (رواہ البخاری ومسلم عن عائشۃؓ) (جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تہبند کس لیتے تھے (تاکہ خوب عبادت کریں) اور پوری رات عبادت کرتے تھے اور گھر والوں کو (عبادت کیلئے) جگاتے تھے)

(۳۲) شب قدر | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ (رواہ ابن ماجۃ عن انس بن مالکؓ) (فرمایا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بلاشبہ

یہ مہینہ تمہارے پاس آچکا ہے اسمیں ایک رات ہے (شب قدر جو عبادت کی قدر و قیمت کے اعتبار سے) ہزار مہینہ سے بہتر ہے۔ جو اس (میں عبادت) سے محروم رہ گیا وہ تمام خیر سے محروم ہوگیا اور اس رات کی خیر و برکت سے وہی محروم ہوگا جو بالکل ہی محروم و بدنصیب ہو)

) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ (رواہ البخاری عن عائشۃؓ) (فرمایا سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو)

) شب قدر کی دعا | عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيَّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا أَقُوْلُ فِيْهَا قَالَ قُوْلِيْ اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ (رواہ احمد والترمذی) (حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ شب قدر کونسی ہے تو (اس رات میں) میں کیا دعا کروں۔ فرمایا یوں کہو اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ (اے اللہ! آپ معاف کرنیوالے ہیں، معافی کو پسند فرماتے ہیں، لہٰذا مجھے معاف کر دیجئے)

۳) رمضان مبارک کے چار اہم کام | وَفِيْ حَدِيْثٍ رَوَاهُ سَلْمَانُ وَاسْتَكْثِرُوْا فِيْهِ مِنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ خَصْلَتَيْنِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ وَخَصْلَتَيْنِ لَا غِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا فَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ فَشَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَتَسْتَغْفِرُوْنَهُ وَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ لَا غِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا فَتَسْأَلُوْنَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَتَعُوْذُوْنَ بِهٖ مِنَ النَّارِ الحدیث (رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ کذا فی الترغیب والترھیب للمنذری) (حضرت سلمانؓ کی حدیث میں مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم رمضان میں چار کام زیادہ کیا کرو۔ دو کاموں سے تو تم اپنے پروردگار کو راضی کروگے، اور دو کاموں سے خود تم کو چارہ نہیں۔ اب سنو! کہ جن دو کاموں سے تم اپنے پروردگار کو خوش کروگے وہ تو (یہ ہیں) لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی (دل سے) گواہی دینا (اور زبان سے اسکی کثرت کرنا) اور اپنے پروردگار سے مغفرت چاہنا۔ اور جن دو باتوں سے خود تم کو چارہ نہیں، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو اور دوزخ سے پناہ مانگو)

) اعتکاف | قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْرٰى لَهٗ مِنَ

مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا (رواه ابن ماجة عن ابن عباسؓ)

(فرمایا محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں کہ وہ (اعتکاف اور مسجد میں مقید ہوجانے کی وجہ سے) گناہوں سے بچا رہتا ہے اور اسکی نیکیوں کا حساب ساری نیکیاں کرنیوالے بندے کی طرح جاری رہتا ہے (یعنی اعتکاف کرنیوالا خارج مسجد جو نیکیاں کرنے سے عاجز ہے ثواب کے اعتبار سے وہ ان سے بھی محروم نہیں ہے، ان کا اجر بھی اسکے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے)

(۳۷) آخری رات میں بخشش | عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ يُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِيْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا يُوَفّٰى اَجْرُهٗ اِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ (رواه احمد عن ابی هريرةؓ) (فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رمضان کی آخری رات میں امت محمدیہ کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ عرض کیا گیا اللہ کے رسول! کیا وہ شب قدر ہوتی ہے، فرمایا نہیں! بات یہ ہے کہ کام کرنے والے کی اجرت اس وقت پوری دیدی جاتی ہے جب وہ اپنا کام پورا کردیتا ہے (اور آخری رات میں روزہ کا عمل پورا ہوجاتا ہے لہٰذا بخشش (جو اس کا اجر ہے) ہوجاتی ہے۔

(۳۸) شش عید کے روزے | اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ (رواه مسلم عن ابی ایوب الانصاریؓ)

(فرمایا فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے، اسکے بعد چھ روزے شوال کے مہینہ میں رکھے تو (پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملیگا اگر ہمیشہ ایسا ہی کیا کرے تو) گویا اس نے ساری عمر روزے رکھے۔

(۳۹) وَرَوَى الطَّبْرَانِيُّ فِي الْاَوْسَطِ بِاِسْنَادٍ فِيْهِ نَظْرٌ قَالَ مَنْ صَامَ سِتَّةَ اَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ مُتَتَابِعَةً فَكَاَنَّمَا صَامَ السَّنَةَ كُلَّهَا (الترغيب والترهيب عن ابی هريرةؓ ۲۷/۱۱۱)

(طبرانی نے اوسط میں ایسی سند سے جو قابل غور ہے بایں الفاظ روایت کیا ہے کہ جس نے عید الفطر کے بعد چھ روزے پے درپے رکھے گویا اس نے سال بھر کے روزے رکھے۔

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:-

ف: عوام میں مشہور ہے کہ شش عید کے روزوں کا یہ ثواب اسی وقت ملیگا جبکہ عید الفطر کے بعد ایک روزہ متصل رکھ لیا جائے۔ اس قید کی کوئی اصل نہیں۔ بلکہ شوال کے مہینے کے اندر اندر جب بھی چھ روزے رکھ دیئے جائینگے یہ ثواب مل جائیگا۔ البتہ طبرانی کی اس روایت سے جس کی سند قابل غور ہے (مگر زیادہ ضعیف اور موضوع نہیں) یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھ روزے پے در پے رکھنا چاہئیں متفرقانہ رکھے جائیں۔ اسلئے یہ تو اختیار ہے کہ خواہ عید الفطر کے بعد فوراً رکھے یا وسط شوال میں یا اخیر مہینہ میں مگر بہتر یہ ہے کہ چھ دن متواتر روزہ رکھا جائے اور چونکہ صحیح حدیثوں میں یہ قید مذکور نہیں جو طبرانی کی روایت میں مذکور ہے اس لئے اگر تفریق کے ساتھ بھی چھ دن پورے کر دیئے جائیں گے جب بھی امید قوی یہ ہے کہ وہ ثواب جو حدیثوں میں مذکور ہے اس صورت میں بھی مل جائے گا۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ (الانوار المحمدیہ)

۱۱۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ لَیْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ كَبْكَبَةٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ یُصَلُّوْنَ عَلٰی كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْ قَاعِدٍ یَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَاِذَا كَانَ یَوْمُ عِیْدِهِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ فِطْرِهِمْ بَاهٰی بِهِمْ مَلٰٓئِكَتَهٗ فَقَالَ یَا مَلٰٓئِكَتِیْ مَا جَزَاءُ اَجِیْرٍ وَفّٰی عَمَلَهٗ قَالُوْا رَبَّنَا جَزَاؤُهٗ اَنْ یُّوَفّٰی اَجْرَهٗ قَالَ مَلٰٓئِكَتِیْ عَبِیْدِیْ وَاِمَائِیْ قَضَوْا فَرِیْضَتِیْ عَلَیْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا یَعُجُّوْنَ اِلَی الدُّعَاءِ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَكَرَمِیْ وَعُلُوِّیْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِیْ لَاُجِیْبَنَّهُمْ فَیَقُوْلُ ارْجِعُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَیِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَیَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ (رواه البیهقی فی شعب الایمان عن انس رضی)

(فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کیساتھ اترتے ہیں اور ہر اس بندے کیلئے دعا کرتے ہیں جو کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر اللہ عز وجل کا ذکر کر رہا ہو۔ پھر جب ان مسلمانوں کی عید یعنی عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُن بندوں کی وجہ سے اپنے (ان) فرشتوں کے سامنے فخر فرماتے ہیں (جنھوں نے حضرت آدمؑ کی تخلیق کے وقت بنی آدم کو مطعون کیا تھا) کہ دیکھو اِن لوگوں نے ایک ماہ کے روزے رکھے اور میرے حکم کی تعمیل کی" اور فرماتے ہیں کہ اے

میرے فرشتو! بتاؤ اس مزدور کے لئے کیا جزا ہے جس نے اپنا عمل پورا کر دیا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اس کی جزا یہ ہے کہ اسکی اجرت پوری پوری دے دی جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فرشتو! (سنو کہ) میرے بندے اور بندیوں نے میرا وہ فریضہ پورا کر دیا جو ان پر لازم تھا (یعنی روزہ) پھر اب (اپنے گھروں سے عیدگاہ کی طرف) دعائیں گڑگڑانے کے لئے نکلے ہیں۔ قسم ہے اپنی عزت وجلال کی، اپنے کرم اور بلند قدری کی اور اپنی بلندیٔ مرتبہ کی میں ان کی دعا ضرور قبول کروں گا۔ پھر (بندوں کو) ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ (اپنے گھروں کو) واپس جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا (یعنی تمہارے نامۂ اعمال میں ہر برائی کے بدلے ایک نیکی لکھدی گئی) اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ چنانچہ مسلمان (عیدگاہ سے اپنے گھروں کو) بخشے بخشائے واپس ہوتے ہیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مُنکراتِ رمضان

رمضان المبارک بڑا مبارک مہینہ ہے اس میں نیکیوں کی طرف بہت زیادہ توجہ دینی چاہیئے اور الحمدللہ تقریباً ہر مسلمان کچھ نہ کچھ خیر کی طرف اس ماہ میں ضرور بڑھتا ہے۔ اس ماہ میں نیکیوں کے فضائل ہیں اور خصوصیت سے کن نیکیوں کی طرف توجہ کی ضرورت ہے اس کا بیان مختلف مضامین میں موجود ہے جی چاہتا ہے کہ "حسناتِ رمضان" کے ساتھ ساتھ "منکرات رمضان" کی بھی نشاں دہی کر دی جائے یعنی ان برائیوں کو بھی بتلا دیا جائے جو اس مہینے میں عموماً لوگوں سے سرزد ہوتی ہیں کیونکہ شیطان ہر ممکن طریقے سے نیک بندوں کی راہ کا روڑا بننے کے ڈھنگ نکالتا ہے اور منکرات کو رواج دینے میں اس طرح کامیاب ہو جاتا ہے کہ اکثر عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی برائی کو نیکی سمجھنے لگتے ہیں اور گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتے رہتے ہیں۔ سالہا سال کے مشاہدات اور تجربات کے پیش نظر چند مروجہ منکراتِ رمضان حیطۂ تحریر میں لائے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین اپنے اعمال کا بھی

ہُزہ لیں گے اور دیگر حضرات کو بھی منکرات سے بچانے کی سعی کریں گے۔
(۱) ایک بہت بُرا رواج یہ ہو گیا ہے کہ کمسن بچوں کو روزہ رکھا کر بچہ کا فوٹو اخبارات میں شائع کراتے ہیں۔ اس میں دو باتیں قابلِ ذکر ہیں:۔

اوّل یہ کہ کمسنی میں ہی بچہ کے ذہن میں ریاکاری کا بیج بو دیا جاتا ہے اور بچہ کے دل پر یہ اثر پڑتا ہے کہ روزہ رکھنا ایسا کام ہے جس کا اخبار میں اشتہار دینا چاہئے اور نیکی وا چھی طرح اُچھالنا بھی ایک ضروری کام ہے۔ العیاذ باللہ روزہ رکھنا مقصود نہیں بلکہ شہرت مقصود ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ریاکاری نیکیوں کی آری ہے اسکے ہوتے ہوئے کوئی نیکی، نیکی نہیں رہتی۔

دوّم یہ کہ تصویر کھنچوانا اور اخبار میں شائع کرانا یہ مستقل بڑا گناہ ہے۔ ریاکاری کیساتھ تصویر کشی کے گناہ میں ملوث ہوتے ہی بچہ سے ایک نیکی کرائی اور خود گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوئے یہ کیسی نادانی ہے؟ مسلمانوں کو اپنے ہر عمل کے بارے میں سوچنا چاہئے کہ اللہ کی رضا مطلوب ہے یا اور کچھ؟

(۲) ایک رواج یہ ہے کہ افطار کی دعوتیں کی جاتی ہیں اور جب سے کمسن بچوں سے روزہ رکھا کر ریاکاری کا سلسلہ چلا ہے اس وقت سے ان دعوتوں کا رواج اور زیادہ زور پکڑ گیا ہے۔ دعوت وضیافت تو اچھا کام ہے مگر اس کے ساتھ یہ جو مصیبت کھڑی ہو گئی ہے کہ افطار کرتے کرتے نماز مغرب کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں یا جماعت ترک کر دیتے ہیں یہ ایک عظیم خسارہ ہے، اگر دعوت نہ ہوتی تو جماعت کے ساتھ نماز مسجد میں پڑھتے اور ۲۷ نمازوں کا ثواب پاتے مگر دعوت نے یہ سب ثواب ضائع کر دیا کیا مزا رہا؟ جب دعوت انسانی کی وجہ سے دعوت رحمانی کی شرکت سے محرومی ہو گئی جس کی طرف حی علی الفلاح (آؤ فلاح وکامیابی کیطرف) کے ذریعہ منادی ربانی نے بُلایا تھا۔ بعض حضرات بالکل تو جماعت ترک نہیں کرتے بلکہ افطاری کے بے نمازی بلکہ بے روزہ دار مہمانوں کو چھوڑ کر مسجد میں پہنچ کر ایک دو رکعت پا لیتے ہیں ان میں وہ حضرات بھی شامل ہوتے ہیں جو دوسرے مہینوں میں صف اول اور تکبیر اولیٰ کا ناغہ نہیں ہونے دیتے۔ مگر رمضان جیسے مبارک ماہ میں جو ازدیاد حسنات کا مہینہ ہے صف اوّل

ور تکبیر اولیٰ کے عظیم ثواب کو افطاری کی نذر کر دیتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے ۔ اور ہاں بعض ضیافتوں میں مولوی، حافظ، قاری حضرات موجود ہوتے ہیں، یہ صاحب دعوت ہی کے گھر میں جماعت کی نماز پڑھا دیتے ہیں۔ جماعت کا ثواب ضرور مل جاتا ہے مگر دو باتیں اسمیں بھی قابل توجہ ضرور ہیں ۔ ایک تو وہی بات جو ابھی عرض کی گئی کہ جس ماہ میں زیادہ نیکیوں کیطرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے اس میں بڑی جماعت کی شرکت چھوڑی اور مسجد جانے پر جو ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی اس سے محروم ہوئے۔ دوسرے یہ کہ مسجد کی جماعت چھوڑ کر گھروں میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں کرنا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے اور سنت نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کیساتھ بالکل اس کا جوڑ نہیں بیٹھتا۔ ہر نیک کام کی رفعت و بلندی کا معیار سنت کے مطابق ہونا ہے۔ تھوڑا تھوڑا ہٹنے سے آگے چل کر بہت زیادہ ہٹ جاتے ہیں۔ بہت سی بدعتوں نے اسی طرح رواج پایا ہے۔

شاید کوئی صاحب یہ خیال فرمائیں کہ دعوت سے روکا جارہا ہے حالانکہ یہ سنت کا کام ہے اس میں کیا شک ہے۔ مگر نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنا کیا سنت نہیں ہے؟ ضرور سنت ہے اور بہت بڑی سنت ہے۔ اس کو ترک نہ کرو۔ اور دعوت بھی خوب کھاؤ جس کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب دعوت سے کھجوریں لیکر افطار کرلیں اور نماز باجماعت مسجد میں ادا کریں اور نماز سے فارغ ہو کر اچھی طرح ماحضر نوش جان فرمالیں ۔

بات یہ ہے کہ شریعت کی پاس داری ملحوظ خاطر ہو تو ہر بات کا دھیان رہے۔ چونکہ دنیا داری کے اصولوں پر اور ادلے بدلے کے عنوان سے دعوتیں ہوتی ہیں۔ بلکہ الیکشن جیتنے تک کے مضمرات پوشیدہ ہوتے ہیں اور ووٹروں اور سپوٹروں کو دعوت کے ذریعہ مانوس کیا جاتا ہے اور یہ دعوتیں چیرمینوں اور ممبروں بلکہ وزیروں اور ان کے مشیروں اور عزیزوں کو بطور رشوت کھلائی جاتی ہیں اسلئے شریعت کے اصول کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ خدارا ذرا غور کریں کیا ایسی دعوتیں سنت ہیں جن پر نماز یا نماز باجماعت کو قربان کر دیا جائے۔ پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نام تو ہے "افطار پارٹی" کا مگر اسمیں چونکہ مندرجہ بالا اصول کے مطابق دعوت دیجاتی ہے اسلئے اکثر بے روزہ حضرات تشریف لاکر روزہ کھول لیتے ہیں ۔ کَلَّا بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَۃَ ۔

(۳) بعض مساجد میں تراویح کا سہم اتارنے کے لئے عشاء کی اذان وقت سے پہلے دیدیتے ہیں۔ حالانکہ اذان وقت ہونے کے بعد ہونی چاہئے اور مسجد سے جلد نکل کر ہوٹل میں بیٹھنے کیلئے تیز رفتار حافظ ریل کو ترجیح دیتے ہیں خواہ حروف کٹنے کی وجہ سے ایک آیت بھی صحیح نہ ہو۔

(۴) بہت سی عورتیں نماز تراویح نہیں پڑھتی ہیں اور اس کو صرف مردوں کے کرنے کا کام سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ نماز تراویح بالغ مرد و عورت سب کیلئے سنت موکدہ ہے۔

(۵) بعض لوگ پورے ماہ تراویح پڑھنا ضروری خیال نہیں کرتے بلکہ صرف ایک بار قرآن شریف سُن لینا کافی سمجھتے ہیں۔ خواہ جتنے دن میں بھی ختم ہو جائے۔ حالانکہ تراویح رمضان کی آخری رات تک پڑھنا سنت موکدہ ہے اور ختم قرآن مستقل سنت ہے۔

(۶) بعض مساجد میں نابالغ کے پیچھے نماز تراویح پڑھ لیتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر ہونے کے داعی ہیں حالانکہ حنفی مذہب میں نابالغ کی اقتدار میں فرض و سنت و نفل کچھ بھی جائز نہیں ہے۔

(۷) ختم کے دن برقی قمقموں اور رنگ برنگ کی لمبی لمبی لائنوں سے مساجد کی سجاوٹ کی جاتی ہے اور انوار قرآنی سے منور ہونے کی فکر سے زیادہ برقی روشنی کی چمک سے میں آنکھیں خیرہ کردی جاتی ہیں۔ اور بجلی کی دیکھ بھال کے باعث منتظمین مسجد اس رات کو نماز باجماعت بلکہ پوری یا آدھی تراویح کی شرکت سے محروم ہو جاتے ہیں، بھلا قلوب کو منور کرنے والے انوار قرآنیہ کے سامنے اس ظاہری آرائش کی کیا ضرورت ہے۔ محققین کے مطابق یہ سب اسراف اور فضول خرچی ہے جس کے لئے شریعت میں وعیدیں آئی ہیں۔

(۸) مشروط یا معروف طریقہ پر تراویح میں قرآن مجید سنانے والے حفاظ کرام کو خدمت کے نام سے رقم دی جاتی ہے جس کا لینا دینا ناجائز ہے۔

(۹) مسجد کی بناوٹ و سجاوٹ اور مٹھائی نیز حافظ صاحب کو دینے کے لئے چندہ جمع کیا جاتا ہے جو بہت سے حضرات خوش دلی سے نہیں بلکہ محلے کے بڑے لوگوں کا منہ دیکھ کر دیتے ہیں اور...... وفد جانے کے دباؤ سے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہیں حالانکہ جب تک طیب نفس

دیا جائے اس وقت تک کسی کا ایک پیسہ لینا بھی حلال نہیں ہوتا۔ اگر کسی ضرورت سے جمع کرنا ہو تو صرف ضرورت سامنے رکھ دیں پھر جس کا دل چاہے خود سے دے یا نہ دے وفد جانا زور ڈالنے کے لئے ہوتا ہے جو شرعاً صحیح نہیں۔

عموماً اکثر مساجد میں اعتکاف کے لئے کوئی نہیں بیٹھتا حالانکہ رمضان کے آخری کا اعتکاف سنت موکدہ علی الکفایہ ہے کوئی بھی نہ کرے گا تو سب گنہ گار ہوں گے۔ جگہ اپاہج قسم کے لوگوں کو روٹی کپڑے کا لالچ دے کر اعتکاف میں بٹھا لیتے ہیں اور اکثر مسائل سے واقف نہیں ہوتے ان کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ اعتکاف کتنی دیر سے باہر رہنے سے فاسد ہو جاتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کا انتخاب اس لئے کرتے مال و دولت والے حضرات مسجد میں دس دن گذارنے کو کسر شان سمجھتے ہیں یا دنیوی یتوں کو اللہ کے گھر میں رہنے سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ یہ حُبِ دنیا ہے: تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

ایک ضروری بات رہ گئی ہے وہ یہ کہ شبینوں میں یا تہجد کے وقت بعض مساجد یا خانقاہوں میں نوافل کی جماعتیں ہوتی ہیں حالانکہ یہ مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر صرف دو تین مقتدی ہوں گنجائش ہے لہٰذا نوافل نہ پڑھیں۔ اگر شبینہ کرنا ہو تو تراویح میں پڑھیں بشرطیکہ توجہ سے سنیں۔ قرآن کی طرف سے بے التفاتی نہ ہو اور ضعیفوں کی رعایت بھی ضروری ہے کے لئے چھوٹی سورتوں سے پہلے تراویح پڑھا دیں۔

صدقۂ فطر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرًا لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ (رواہ ابوداؤد) (فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر روزوں کو لغو، بیہودہ اور گندی باتوں سے پاک کرنے کے لئے مساکین کی روزی کے لئے مقرر فرمایا)

صدقۂ فطر | صدقۂ فطر ہر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریات زندگی کے علاوہ ساڑھے

باون تولہ (یعنی ۶۱۲ ½ گرام تقریباً) چاندی یا ساڑھے سات تولہ (یعنی ½ ۸۷ گرام تقریباً) سونا یا اسکی قیمت کے بقدر رقم یا حوائج اصلیہ سے زائد ایسی چیزیں موجود ہوں جن کی قیمت بقدر نصاب ہو خواہ وہ چیزیں تجارت کے لئے نہ ہوں جیسے رہائش کے مکان سے زائد مکان گھر کے مصارف کے بقدر کاشتکاری کی زمین سے زائد زمین، ضرورت کے کپڑوں اور برتنوں سے زائد کپڑے برتن وغیرہ۔

(۲) صدقۂ فطر کے نصاب پر سال کا گذرنا شرط نہیں ہے بلکہ عید الفطر کے روز بقدر نصاب مالیت کا ہونا صدقۂ فطر کے وجوب کے لئے کافی ہے۔ (۳) جس کے پاس نصاب مذکور کے بقدر مال ہو اس پر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے لیکن اگر وہ اولاد مالدار ہو تو اسکے مال میں سے صدقۂ فطر ادا کرے۔ (۴) بالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب نہیں۔ البتہ اگر کوئی لڑکا مجنون ہو تو اسکی طرف سے ادا کرے۔

(۵) رمضان شریف کی آخری تاریخ میں یا یکم شوال کی رات میں پیدا ہونے والے بچہ کا صدقۂ فطر دینا بھی لازم ہے۔ (۶) عید کی نماز سے قبل صدقۂ فطر دینا بہتر ہے اور یکم شوال سے پہلے دے دینا بھی جائز ہے۔ اگر یکم شوال کو نہیں دیا تاخیر کردی تب بھی ساقط نہیں ہوگا بعد میں ادا کرنا ضروری ہے۔ (۷) صدقۂ فطر انھیں لوگوں کو دیا جاسکتا ہے جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (۸) جس نے کسی وجہ سے رمضان شریف کے روزے نہیں رکھے اس پر بھی یہ صدقہ واجب ہے۔ (۹) ایک آدمی کا صدقہ فطر ایک ہی مستحق کو دینا یا کئی مستحقین کو تقسیم کردینا دونوں صورتیں جائز ہیں۔ (۱۰) کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک مستحق کو دیدینا بھی درست ہے۔

صدقۂ فطر کی مقدار

صدقۂ فطر ایک کیلو چھ سو چھتیس گرام (۱٫۶۳۶) گیہوں یا اس کا آٹا یا تین کیلو دو سو بہتر گرام (۳٫۲۷۲ کیلو گرام) جَو یا ان کی قیمت ہے اگر گیہوں، جَو کے علاوہ کوئی اور غلہ دے تو اسمیں قیمت کا اعتبار ہوگا یعنی قیمت کے لحاظ سے گیہوں یا جَو کی مقدار واجب کے برابر ہونا ضروری ہے۔

حامل مضامین تصوف وعرفان • افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد تر[جمان]

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح [الامت]

مُدیر:- احمد مکین

شمارہ ۴ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ مطابق اپریل ۱۹۹۴ء جلد

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی ...

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پو[نڈ]

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر۔ پبلشر:۔ صغیر حسن۔ ۔ اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ[آباد]

ترتیب

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افاداتِ عارفی

دین پر عمل کرنے کا آسان طریقہ فرمایا کہ آجکل لوگ بکثرت یہ کہتے ہیں کہ اس دور میں دین پر عمل کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔ ہم چاروں طرف سے ایسے معاشرے میں گھرے ہوئے ہیں جو شر و فساد سے معمور ہے جسمیں ہر طرف بے دینی، بے حیائی، بے غیرتی پھیلی ہوئی ہے، گھریلو زندگی سے لیکر دفتروں اور بازاروں تک اور تعلیم گاہوں سے لیکر حکومت کے ایوانوں تک ہر جگہ شر کے محرکات اپنی پوری فتنہ سامانیوں کے ساتھ انسانوں کو گمراہ کرنے میں مشغول ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی دین کے صحیح راستہ پر چلنا بھی چاہے تو قدم قدم پر اسکے لئے مشکلات ہیں لہٰذا دین پر ٹھیک عمل ہو تو کیسے ہو؟

اس سوال کا نظری جواب تو یہ ہے کہ وہ خالق کائنات جنھوں نے ہمیں اس دین کا پابند بنایا ہے وہی اس تمام معاشرے کے بھی خالق ہیں۔ وہ خالق خیر بھی ہیں اور خالقِ شر بھی۔ دنیا میں کوئی پتہ ان کے حکم اور مشیت کے بغیر نہیں ہلتا، نہ کوئی ذرہ ان کے حکم اور مشیت کے بغیر حرکت کرتا ہے۔ تو کیا (معاذ اللہ) انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے جب میری ہی مشیت سے معاشرہ اتنا خراب ہو جائے گا؟ یقیناً معلوم تھا۔ پھر کیا انھوں نے ہمیں اپنے دین کا یہ دیکھے بغیر مکلف بنا دیا کہ اس پر عمل کرنے میں میرے بندوں کو کتنی مشکلات ہونگی؟ وہ تو اپنے بندوں پر اتنے مہربان ہیں کہ عالم کائنات میں کوئی بھی انسانوں کے حق میں اتنا رحیم و کریم نہیں ہوسکتا۔ انھوں نے تو واضح لفظوں میں ارشاد فرما دیا کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (اللہ تعالیٰ کسی کو اسکی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا)

اور فرمایا ہے کہ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (اللہ نے تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی)

اور فرمایا ہے کہ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، تنگی کا معاملہ نہیں کرنا چاہتا)

اور اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، واشگاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ (بلاشبہ دین آسان ہے)

کلام اللہ اور کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات (معاذ اللہ) کیا محض بہلانے کے لئے ہیں؟ یقیناً نہیں، یہ اللہ تعالیٰ اور اسکے صادق ومصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں، زمین وآسمان اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں، مگر ان ارشادات کی حقانیت میں فرق نہیں آسکتا۔

ان ارشادات کے باوجود کوئی شخص دین کو ناقابلِ عمل حد تک مشکل سمجھے تو اللہ بچائے، اُس سے قرآن وسنت کے ان واضح ارشادات کی تکذیب لازم آتی ہے جو بحدِ کفر پہنچ سکتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھیں۔ آمین۔

کلام اللہ اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات تو ہرگز غلط نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ اس ذات کے ارشادات ہیں جس کے علمِ محیط سے کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں ہے، قیامت تک پیش آنے والے تمام حالات وواقعات اسکے علم میں ہیں اور کلام اللہ اور کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص خطّے یا کسی خاص زمانے کیلئے نہیں بلکہ ہر دور اور ہر زمانے کے لئے آئے ہیں۔ لہٰذا ان کی رُو سے اگر قرونِ اولیٰ میں دین آسان تھا اور اسمیں کوئی تنگی نہیں تھی تو اس آخری دور میں بھی آسان ہے اور اسمیں بھی تنگی نہیں ہے۔ ہاں اگر ہمیں بظاہر نظر دین کے کسی حکم میں کوئی مشکل نظر آرہی ہے تو یقیناً وہ ہماری نگاہ کا دھوکہ اور فہم کا قصور ہے، ورنہ دین فی نفسہٖ آسان ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دین تو اپنی ذات میں پہلے بھی آسان تھا اور آج بھی آسان ہے کیونکہ وہ دینِ فطرت ہے، اور فطرت کے مطابق عمل کرنے

ہیں انسان کو فی نفسہٖ دشواری نہیں ہوتی، لیکن نفس، شیطان اور ماحول کے بیرونی اثرات کی بنا پر بعض اوقات یہ فطرت مسخ ہو جاتی ہے یا اس میں کمزوری آجاتی ہے، اسکی بنا پر دینِ فطرت علیٰ الاطلاق مشکل معلوم ہونے لگتا ہے۔ اسکے معنیٰ یہ نہیں کہ دینِ فطرت مشکل تھا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے نفس، شیطان اور ماحول سے متاثر ہو کر اپنی صلاحیتیں خراب کر لی ہیں جس سے ہمیں یہ کام مشکل معلوم ہونے لگا ہے۔

اسکی مثال یوں سمجھئے کہ اگر ایک شخص مہینوں بستر پر پڑا رہے اور چلنا پھرنا موقوف کر دے تو رفتہ رفتہ اسکے چلنے کی صلاحیت ختم ہو جائیگی، اب اگر وہ اٹھ کر چلنے کی کوشش کرے گا تو اُسے چلنا بہت مشکل معلوم ہوگا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ چلنا فی نفسہٖ مشکل تھا؟ ظاہر ہے کہ نہیں، چلنا تو پہلے بھی آسان تھا، اب بھی آسان ہے، لیکن اس شخص نے اپنی صلاحیتیں اس طرح ضائع کر دیں کہ اسے اتنا آسان کام بھی مشکل معلوم ہونے لگا۔

بس اسی طرح دین تو آسان ہی ہے، لیکن نفسانی اور شیطانی اثرات اور ماحول کے آگے سپر ڈال کر ہم نے اپنی صلاحیتیں ایسی ضائع کر دیں کہ اس دینِ فطرت پر عمل کرنا بھی مشکل معلوم ہونے لگا۔ لہٰذا دین کے مشکل ہونے کی غلط فہمی تو رفع ہو جانی چاہئے۔

البتہ پھر سوال ہو سکتا ہے کہ ہم نے اپنی صلاحیتیں خراب کر کے ہی سہی، دین پر عمل کو خود مشکل بنا لیا ہے، تو اب اس مشکل کو آسان کرنے کی کیا تدبیر ہے؟

اُس کا جواب یہ ہے، اور وہی اصل سوال کا عملی جواب بھی ہے کہ خود اپنی پیدا کردہ اس مشکل کا حل بھی اسی دینِ فطرت میں موجود ہے، اور وہ حل نہایت آسان ہے اور اس حل کو تلاش کرنے کے لئے کہیں بہت دور جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے وہ حل اپنے کلام کے بالکل شروع ہی میں بیان فرما دیا ہے، اور وہ حل ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ٥ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ٥ (ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما دیجئے)

مطلب یہ ہے کہ اگر اپنی نفسانی خواہشات، شیطانی اثرات اور ماحول کے محرکات سے مغلوب ہو تو اس غلبے سے نجات پانے کے لیئے اسی مالکِ بے نیاز سے کیوں رجوع نہیں کرتے جو تمام نفسانی خواہشات، تمام شیطانی اثرات اور سارے ماحول کے خالق ہیں جو تمھارے اور تمھاری صلاحیتوں کے بھی خالق ہیں، اور جن کی قدرتِ کاملہ کے آگے ممکن اور ناممکن کے الفاظ بے معنیٰ ہیں۔ اگر اپنے آپ کو ماحول سے، معاشرے سے اور خود اپنے نفس سے مغلوب محسوس کرتے ہو تو انہی سے کہو کہ یا اللہ! آپ کا دین دینِ فطرت ہے، دنیا و آخرت کی تمامتر سعادتیں اسی میں ہیں، لیکن میں اپنی صلاحیتوں کو خود برباد کر چکا ہوں، نفس مجھے اس طرح ورغلاتا ہے، شیطان اس طرح بہکاتا ہے، ماحول کے اثرات اس طرح مجھ پر مسلّط ہیں، لیکن آپ ان تمام چیزوں کے خالق ہیں، آپ اپنے فضل و کرم سے اس غلبے کو ختم فرما دیجئے، میرے اندر ان محرکات سے جو مرعوبیت ہے، اسکو دور فرما کر ہمّت اور حوصلہ پیدا فرما دیجئے۔ مجھ میں صلاحیت نہیں ہے تو صلاحیت کے خالق بھی تو آپ ہیں، صلاحیت عطا فرما دیجئے، ہمّت نہیں ہے تو ہمّت دینے والے بھی آپ ہیں۔ ہمّت عطا فرما دیجئے۔ آپ کی قدرتِ کاملہ کے آگے یہ سارے شیطانی اثرات ہیچ در ہیچ ہیں، مجھ سے ان کے تسلّط کو زائل فرما دیجئے اور اپنے محبوب نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، آپؐ کی تعلیمات اور سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔

اپنا یہ سارا ماجرا دنیا بھر کو سُناتے پھرنے کے بجائے انہی کو سُناؤ جو اس ساری کائنات کے خالق ہیں، اور جو ایک لمحے میں سب کچھ بدل دینے پر قادر ہیں۔ اگر ایک دم سے دین کے تمام احکام پر عمل کرنے کی ہمّت نہیں پاتے تو اپنی اس عاجزی اور درماندگی کو انہی کے دربار میں کیوں پیش نہیں کرتے؟ روزانہ تھوڑی دیر یکسو ہو کر بیٹھو، اپنے حالات کا یہ سارا کچّا چٹھا اللہ تعالےٰ کو سُناؤ اور دل سے مانگو کہ یا اللہ! ان حالات کو تبدیل کر دیجئے۔ چالیس دن تک یہ کام کر کے دیکھو، پھر دیکھو کیا سے کیا ہوتا ہے؟

بتاؤ کہ کیا اس کام میں بھی کوئی دشواری ہے ؟ اسمیں بھی کوئی مشکل ہے ؟ یہ وہ آسان ترین تدبیر ہے جس سے زیادہ آسان کوئی اور تدبیر نہیں ہوسکتی ، اگر اس تدبیر پر بھی کوئی عمل نہ کرے تو پھر اُسے دین پر عمل کرنے کی مشکلات کا عذر کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے ؟

ذرا تصور کرو کہ میدانِ حشر قائم ہے ، لوگوں کے اعمال نامے کُھلے ہوئے ہیں ، جزا وسزا کا مرحلہ درپیش ہے ، تم سے سوال ہوتا ہے کہ تم نے دنیا میں فلاں فلاں اوامر و نواہی کے مطابق کیوں عمل نہیں کیا ؟ تم جواب دیتے ہو کہ یا اللہ ! میں جس زمانے اور جس ماحول میں پیدا ہوا تھا ، وہ شر اور فساد سے بھرا ہوا تھا ، اسمیں آپ کے دین پر چلنے میں قدم قدم پر رکاوٹیں تھیں ، گھر کے ایک ایک فرد سے لیکر ملک اور معاشرے تک ، سب مجھے بھٹکانے پر لگے ہوئے تھے ، شر و فساد کے اتنے سارے محرکات کے مقابلے میں تنہا تھا ، میرے اندر ان کی مدافعت کی طاقت نہ تھی ، اسلئے میں مغلوب ہوگیا ۔ تم سمجھتے ہو کہ تمھارا یہ جواب کافی ہوگیا ، لیکن کیا اسکے جواب میں یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ اگر تم ان سارے محرکات کے آگے مغلوب تھے تو تم نے ہم سے کیوں مدد نہیں مانگی ؟ کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ تمھاری طرح معاذ اللہ ہماری قدرت کاملہ بھی ان شیطانی طاقتوں کے اثرات کو تم سے ختم نہیں کرسکے گی ، ہم نے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تم تک اپنا کلام پہنچایا تھا ، یہ کلام جگہ جگہ ان ارشادات سے بھرا ہوا ہے کہ " اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ " (بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) " اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ " (بیشک اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے)

یہ اعلانات آخر کس لئے تھے ؟ اسی لئے تو تھے کہ تم ان کا واسطہ دیکر اپنی مشکلات ہمارے سامنے پیش کرو ، ہم نے تو اپنے کلام کے آغاز ہی میں تمھیں یہ گُر سکھا دیا تھا کہ جب کبھی تمھیں مغلوبیت محسوس ہو ، جب کبھی اپنے آپ کو بے آسرا پاؤ تو فوراً ہمارے پاس آجاؤ ، ہم سے رجوع کرو ، ہم نے تو رجوع کرنے کا طریقہ بھی تمھیں بتا دیا تھا بلکہ اپنی طرف سے الفاظ تک بنا کر تمھیں سکھا دیئے تھے کہ :

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

تم نے اس بے پایاں رحمت کی کیا قدر کی ؟ کتنی مرتبہ سچے دل سے ہماری طرف رجوع کیا ؟ کب ہم سے کہا کہ تم واقعی نفس وشیطان کے غلبے سے نجات پانا چاہتے ہو ؟ اگر نہیں کہا تو بتاؤ تمھارے پاس کیا عذر ہے ؟

سوچئے کہ اگر میدانِ حشر میں ہم سے یہ سوال ہو تو اس کا ہمارے پاس کیا جواب ہو سکتا ہے ؟ اللہ تعالیٰ کا شکر کرو کہ ابھی سوال وجواب کا یہ مرحلہ پیش نہیں آیا، ابھی مہلت ملی ہوئی ہے اور ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان، ناک، زبان کام کر رہے ہیں لیکن

ع تم آج ہوا سمجھو، جو روزِ جزا ہوگا

اس وقت کو غنیمت جانو، اور روزِ جزا کے اس سوال کو مستحضر کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاؤ، روزانہ تھوڑا سا وقت دس منٹ، پندرہ منٹ دوسرے کام دھندوں سے ذہن کو فارغ کرکے بیٹھ جاؤ اور اسمیں اپنی ساری مشکلات اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، دل سے مستحضر کرکے کہو: "یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ، یَامَالِكَ يَوْمِ الدِّيْنِ، اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" اور پھر جو کچھ دشواریاں عملی زندگی میں پیش آتی ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے حضور بیان کرو، اور انہی کی قدرت کاملہ اور رحمتِ واسعہ کا واسطہ دیکر دعا مانگو کہ یا اللہ! ان تمام مشکلات کو آسان فرما دیجئے، یہ کام کچھ دن پابندی سے کرو پھر دیکھو کیا مشکل باقی رہتی ہے ؟ یہ نسخہ تو بہت ہی آسان ہے، لیکن ع " دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں" عام طور سے لوگ اسے آسان سمجھکر ٹلاتے رہتے ہیں، سوچتے ہیں کہ گر تو بہت اچھا معلوم ہوگیا ہے کل سے اسپر عمل کرینگے، کل کو پھر یہی سوچتے ہیں کہ آئندہ کل سے کرینگے یہانتک کہ عملاً یہ "کل" کبھی نہیں آتی، لہٰذا علاج یہ ہیکہ جب یہ گرانقدر نسخہ ہاتھ آگیا تو اُسے کل تک مت ٹلاؤ۔ خدا جانے کل تک زندگی ہے کہ نہیں ؟ زندگی ہے تو موقع ہے کہ نہیں ؟ موقع ہے تو وہ جذبہ ہے کہ نہیں، جو اسوقت محسوس ہو رہا ہے ؟ اسلئے ٹلانے کے بجائے آج ہی شروع کردو اور پابندی سے شروع کردو، انشاء اللہ ضرور نفع ہوگا۔

(جاری)

معزولی کی وجوہات | یہ تفصیل تو محدثین فرماتے ہیں۔ اب اسکے متعلق فقہاء کی عبارت پیش کرتا ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کن مواقع پر امام اور خلیفہ کو معزول کیا جاسکتا ہے اور کن مواقع پر نہیں۔ چنانچہ درمختار میں ہے کہ :۔

(۱) یُکْرَہُ تَقْلِیْدُ الْفَاسِقِ وَیُعْزَلُ بِهٖ اِلَّا لِفِتْنَةٍ قَالَ الشَّامِي اَلْمُرَادُ اَنَّہٗ یَسْتَحِقُّ الْعَزْلَ وَلِذَا لَمْ یَقُلْ یَنْعَزِلُ

فاسق کو "امیر وحاکم" بنانا جائز نہیں اور فسق کیوجہ سے وہ "معزول" و "برطرف" کردیا جائیگا بشرطیکہ اسمیں کوئی فتنہ نہ ہو۔ شامیؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہیکہ عزل کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اسی لئے یہ نہیں کہا کہ معزول ہوجائے گا بلکہ یہ کہا کہ معزول کردیا جائیگا۔

(۲) وَفِي شَرْحِ الْمَقَاصِدِ وَاَمَّا خَلْعُهٗ بِنَفْسِهٖ بِلَا سَبَبٍ فَفِيْهِ خِلَافٌ۔ وَكَذَا فِي انْعِزَالِهٖ بِالْفِسْقِ وَالْاَكْثَرُوْنَ عَلٰی اَنَّهٗ لَا یَنْعَزِلُ وَهُوَ الْمُخْتَارُ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ وَاَبِيْ حَنِیْفَةَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ رِوَایَتَانِ وَیَسْتَحِقُّ الْعَزْلَ بِالْاِتِّفَاقِ۔

اور شرح مقاصد میں ہے کہ بلاکسی وجہ کے امام "وحاکم" کیلئے خود کو "امارت" "وحکومت" سے علٰحدہ کرنے میں اختلاف ہے۔ اسی طرح سے اسمیں بھی اختلاف ہے کہ "فسق" "وبدعملی" کی وجہ سے امام معزول ہوجائیگا یا نہیں۔ اکثر حضرات کا قول یہ ہیکہ معزول نہیں ہوگا یہی امام اعظمؒ اور شافعیؒ کا مختار قول ہے۔ اور امام محمدؒ سے دو روایتیں ہیں۔ باقی اسمیں اتفاق ہیکہ وہ مستحق عزل ہوجائیگا۔

(۳) وَقَالَ فِي الْمُسَایَرَةِ اِذَا قُلِّدَ عَدْلًا ثُمَّ جَارَ وَفَسَقَ لَا یَنْعَزِلُ وَلٰکِنْ تَسْتَحِقُّ الْعَزْلَ اِنْ لَّمْ یَسْتَلْزِمْ فِتْنَةً

مسایرہ میں کہا ہے کہ جب کسی عادل کو امام بنادیا جائے پھر وہ "فاسق" "وبدکردار" ہوجائے تو وہ خود سے تو معزول نہ ہوجائیگا البتہ "عزل" "وبرطرفی" کا مستحق ہوجائیگا۔ بشرطیکہ اسکے معزول کرنے میں کوئی فتنہ نہ ہو۔

(۴) وَفِي الْمَوَاقِفِ اَنَّ لِلْاُمَّةِ خَلْعَ الْاِمَامِ وَعَزْلَهٗ بِسَبَبٍ یُوْجِبُ مِثْلَ اَنْ یُّوْجَدَ مِنْهُ مَا یُوْجِبُ اِخْتِلَالَ الْمُسْلِمِیْنَ وَانْتِکَاسَ اُمُوْرِ الدِّیْنِ کَمَا کَانَ لَهُمْ نَصْبُهٗ وَاِقَامَتُهٗ لِانْتِظَامِهَا وَعَلَائِهَا

مواقف میں ہے کہ کسی سبب موجب کے پائے جانے کیوجہ سے امت کو حق ہے کہ امام کو معزول کردے جیسے اس سے کوئی ایسی چیز پائی جائے جس کے سبب سے مسلمانوں میں انتشار ہوجائے یا دین کا نظام درہم برہم ہوجائے جس طرح سے کہ ان کو نصب امام (مقرر کرنا) کا حق ہوتا ہے تاکہ سلطنت کا نظام د

وَاِنْ اَدّٰی خَلْعُہٗ اِلٰی فِتْنَۃٍ اُحْتُمِلَ اَدْنٰی　اور اگر اس کا معزول کرنا مفضی الی الفتنہ الْمَضَرَّتَیْنِ ۔　"باعث فتنہ وفساد" ہو تو کم درجہ کے نقصان کو برداشت کرلیا جائیگا اور مَنِ ابْتُلِیَ بِبَلِیَّتَیْنِ فَلْیَخْتَرْ اَھْوَنَھُمَا (جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو تو جو ان میں سے آسان ہو اسکو اختیار کرے) پر عمل کیا جائے گا۔

دیکھیے اس سے معلوم ہوا کہ فسق کی وجہ سے امام معزول نہیں ہوگا۔ بالخصوص جبکہ اسکے معزول کرنے میں فتنہ بھی ہو۔ اس وقت کا حکم شرعی یہی ہے کہ صبر کرلے اور فتنہ وفساد کو کسی قیمت پر گوارا نہ کرے۔ البتہ ایک صورت یہ ہے کہ امام المسلمین معاذاللہ مرتد ہی ہوجائے یا کسی قسم کے کفر کا ارتکاب کرلے تو اس وقت بلاشبہ امام باقی نہ رہے گا۔ اس کے متعلق بھی شریعت میں احکام موجود ہیں کہ ہی ہٰذا :۔

اور وہ حکم یہ ہے کہ اسوقت امام معزول ہوجائے گا۔ اگر جدا نہ ہو بشرط قدرت جدا کردینا علی الاطلاق واجب ہے۔ جیسا کہ شرح مقاصد میں ہے۔ یَنْحَلُّ عَقْدُ الْاِمَامَۃِ بِمَا یَزُوْلُ بِہٖ مَقْصُوْدُ الْاِمَامَۃِ کَرِدَّۃٍ (اس چیز سے عقد امامت ختم ہوجاتا ہے جس سے مقصود امامت فوت ہوجائے جیسے (نعوذ باللہ) امام وامیر کا مرتد ہوجانا) مگر اسمیں شرط یہ ہے کہ وہ کفر متفق علیہ ہو۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ :۔

اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ مِنَ اللّٰہِ فِیْہِ بُرْھَانٌ (مگر یہ کہ تم کھلا ہوا اور قطعی کفر دیکھو جس کے متعلق خدا کی طرف سے تمہارے پاس دلیل موجود ہو) اور جس طرح اس کا کفر ہونا قطعی ہو اسی طرح اس کا صدور بھی یقینی ہو، مثل رویت عین کے، جیسا کہ اِلَّا اَنْ تَرَوْا دال ہے۔ کیونکہ مراد یہاں رویت عین ہی ہے، قلبی ہوتی تو مفعول (آنکھوں سے دیکھنا) ثانی بھی ذکر ہوتا۔

علامہ نوویؒ نے مسلم کی حدیث اَفَلَا نُقَاتِلُھُمْ قَالَ لَا کے تحت یہ لکھا ہے کہ فِیْہِ اَنَّہٗ لَا یَجُوْزُ الْخُرُوْجُ عَلَی الْخُلَفَاءِ بِمُجَرَّدِ الظُّلْمِ اَوِالْفِسْقِ مَا لَمْ یُغَیِّرُوْا شَیْئًا مِّنْ قَوَاعِدِ الْاِسْلَامِ (باب وجوب الانکار علی الامراء)

تو اس سے یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ مطلق تغیر احکام سے خروج جائز ہے، اس کا جواب یہ

ہے کہ اس میں تغییر سے وہ تغییر مراد ہے جو حد کفر تک پہونچ جائے۔ اور تغییر حد کفر
تک پہنچنے والا وہ ہے جس میں استخفاف یا استقباح امور دین کا ہو۔ فقہاء نے ان امور
کو بسط" وتفصیل" کے ساتھ بیان فرمایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ یہ امور دین خواہ اصول ہوں
یا فروع، فرائض وواجبات ہوں یا سنن ومستحبات، عبادات ہوں یا عادات، حتیٰ کہ
عمامہ کی ہیئت مسنونہ کا قصداً استخفاف ہو یا دلالۃً سب موجب کفر ہے۔

شامی میں ہے ولاعتبار التعظیم المنافی للاستخفاف کفرا لحنفیۃ
بالفاظ کثیرۃ وافعال تصدر من المتھتکین لدلالتھا علی الاستخفاف
بالدین کصلاۃ بلاوضوء عمدا بل بالمواظبۃ علیٰ ترک سنۃ استخفافا
بھا بسبب انہ فعلھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادۃ واستقباحھا کمن
استقبح من انسان جعل بعض العمامۃ تحت حلقہ او احفاء شاربہ انتھیٰ
(رد المحتار الشامی) ویظھر من ھذا ان ما کان دلیل الاستخفاف یکفر
بہ وان لم یقصد الاستخفاف۔ (اور تعظیم کا اعتبار کرنے کی وجہ سے جو استخفاف اور
تحقیر سمجھنے کی منافی اور ضد ہے حنفیہ نے تکفیر کی ہے بہت سے ایسے الفاظ اور افعال کی وجہ
سے جو گستاخ اور بے ادب لوگوں سے صادر ہوتے ہیں کیونکہ ان الفاظ وافعال سے دین
کی تحقیر اور توہین سمجھی جاتی ہے جیسے بلا وضو قصداً نماز پڑھنا۔ بلکہ کفر کا حکم کیا ہے کسی
سنت کے مسلسل چھوڑنے کی وجہ سے اسے معمولی سمجھتے ہوئے اس طور سے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زائد فعل کیا ہے، اسی پر بس نہیں (بلکہ) حنفیہ نے اس شخص
کی بھی تکفیر کی ہے جو کسی سنت کو برا سمجھے جیسے کسی انسان نے عمامہ کا کچھ حصہ اپنے حلق کے
نیچے کر لیا یا کسی نے موئے لب ترشوائے اور اس نے قبیح اور بُرا سمجھا

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر اس چیز سے جو استخفاف و
حقارت کی دلیل ہو تکفیر کی جائیگی اگرچہ اس سے استخفاف کا ارادہ نہ کرے)

البتہ اگر قبل عزل توبہ کرلے تو کفر کا حکم مرتفع (برطرف) اور ختم ہو جائے گا۔ احکام آخرت
میں تو فوراً اور احکام دنیویہ میں جب کہ قرائن وآثار (علامات ونشانات) سے اخلاص فی التوبۃ توبہ میں

مخلص ہونے" پر قلب شہادت دے۔ کما صرح بھذا الشرط فی توبۃ قاطع الطریق والمرتد بقولھم حتی یتوب لا بالقول بل بظھور سیما الصلحاء وبقولھم حتی یظھر علیہ التوبۃ و یری انہ مخلص و بقولھم حتی یری علیہ خشوع التوبۃ وحال المخلص کذا فی در المختار و رد المحتار قلت والعلۃ صون المسلمین عن ضرر القاطع والمرتد ان لم یخلصا وھذا الضرر من السلطان اعظم ان لم یخلص فاشتراطہ فیہ اولیٰ۔ کذا صرح مولانا التھانوی فی امداد الفتاوی)

فساد کی اصل وجہ! دیکھئے ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ ابتداءً امارت کیلئے کیا شرائط ہیں اور عزل امیر کے باب میں شریعت کے کیا احکامات ہیں۔

چنانچہ آج جتنے بھی نزاعات اور فسادات پائے جارہے ہیں وہ سب اسی لئے ہے کہ فتنۃ تموج کموج البحر (یعنی سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتے ہوئے فتنے) میں لوگ مبتلا ہیں اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس سے کیونکر نکلا جاسکتا ہے۔ حالانکہ شریعت نے جس طرح تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل کے اصول تعلیم فرماکر لوگوں کو ان کے نفس و اہل اور متعلقین کے فتنوں سے بچایا تھا اسی طرح سے سیاست مدینہ کے اصول بھی تعلیم فرماکر پوری قوم اور جماعت کو بھی نزاع و اختلاف سے بچنے کا سامان فراہم کیا تھا لیکن ہم نے اسکی جانب التفات نہ کرکے اپنے نفوس کو بھی ہلاک کیا اور منزل اور گھر کو بھی فاسد کیا اور اسی بداخلاقی کے سبب شہر و ملک کے فساد کا بھی سبب بنے۔

یہاں تک تو کلام فتن ثلاثہ یعنی فتنۃ الرجل فی نفسہ۔ و فی اہلہ و فتنۃ تموج کموج البحر (یعنی انسان کا اپنا ذاتی فتنہ، خانگی فساد، اور سمندر کی موجوں کی طرح جوش مارتے ہوئے فتنے) کے متعلق تھا، باقی شاہ صاحبؒ نے چوتھا فتنہ فتنہ ملیہ جو بیان فرمایا ہے اسکے متعلق کہتا ہوں۔

شاہ صاحبؒ نے خوب ہی بات فرمائی۔ علماء، زہاد (مشائخ) اور امراء و سلاطین

یہی حضرات خواص امت سمجھے جاتے ہیں اور جب یہ فاسد ہو جاتے ہیں تو پھر عوام کا پوچھنا ہی کیا ہے وہ تو انھیں لوگوں کے تابع ہوتے ہیں۔ پس جس زمانے میں خواص امت بگڑ جائیں تو اس زمانہ کے فاسد ہونے میں اور زمانۂ جاہلیت کے عود کر (لوٹ آنے) آنے میں کیا کلام ہے نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس دور سے ہم گزر رہے ہیں وہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے جاہلیت اپنی پوری قوت کے ساتھ عود کر آئی ہے اور عوام کے ساتھ ساتھ امت کے خواص بھی بہت دور جا پڑے ہیں الا ماشاء اللہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو ہماری اس رائے سے اتفاق نہ ہو اور وہ اس امر کو دلیل بنائے کہ آج بھی مدارس موجود ہیں اور دینی ادارے قائم ہیں۔ طلباء کی بنات اور کام کرنے والوں کی کثرت ہے پھر اس کو دورِ جاہلیت کیلئے کہا جا سکتا ہے تو وہ کہہ سکتا ہے لیکن مجھے اس سے اختلاف ہے کیونکہ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ جس قدر مدارس بڑھتے جا رہے ہیں اور جلسہ جلوس کی جس قدر کثرت ہوتی جا رہی ہے اسی قدر گمراہی بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ بلا شبہہ مدارس موجود ہیں اور عمدہ عمدہ عمارتیں قائم ہیں طلبہ کی بھی کمی نہیں ہے۔ مسلمان جی کھول کر ان پر روپیہ بھی صرف کر رہے ہیں۔ یہ سب صحیح ہے لیکن آپ سے پوچھتا ہوں کہ کتنے ہیں جو ان میں سے کام کے نکلتے ہیں اور حقیقی معنوں میں عالم دین اور فقیہ کہلانے کے مستحق ہیں۔ آپ کو جو ہم لوگوں پر دینداری کا شبہہ ہوتا ہے تو صرف ظاہر کو دیکھ کر کیونکہ ہم نے اپنا ظاہر دینداروں جیسا بنا رکھا ہے اسی طرح سے ہم جیسے لوگوں پر عالم و فقیہ کا اطلاق جو آپ کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ فقیہ کے مفہوم ہی سے ناآشنا ہیں اگر اسکی حقیقت آپ کے بھی پیش نظر ہو جائے تو ہمارا آپ کا اختلاف ہی ختم ہو جائے۔

سنئے! فقیہ کسے کہتے ہیں۔ شامیؒ نے احیاء العلوم للغزالی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت فرقدؒ سنجی نے حضرت حسن بصریؒ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا انھوں نے جواب دیا اس پر حضرت فرقدؒ بولے کہ فقہاء کی رائے تو آپ کی رائے کے خلاف ہے۔ یہ سنکر حضرت حسنؒ نے فرمایا تمھاری ماں تم کو روئے تم نے کسی فقیہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی

ہے (یعنی جانتے بھی ہو فقیہ کسے کہتے ہیں) فقیہ وہ شخص کہلاتا ہے جو دنیا سے زاہد ہو، آخرت کا طالب و راغب ہو، اپنے دین کا بصیر ہو، اپنے رب کی عبادت پر دوام ہو. پرہیزگار ہو. اعراض مسلمین (مسلمانوں کی آبرو) سے اپنے آپ کو روکنے والا ہو، اور ن کے مال سے عفیف ہو. جماعت مسلمین کا خیرخواہ ہو.

اب اس تعریف کی روشنی میں فرمایئے کہ آج کتنے ہیں جن کو آپ س کا مصداق پاتے ہیں.

اصلاح کا طریقہ کار | بہرحال لوگوں کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ آج صرف اسلام کا اسم ی ... م موجود رہ گیا ہے. اور قرآن محض رسم کے درجے میں باقی ہے. اب اس سے بڑھ کر اور کیا جہالت ہوگی ایسے وقت میں اگر کوئی شخص امت کی اصلاح کا بیڑا ٹھائے تو اس کو وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کی اصلاح فرمائی. جانتے ہیں وہ طریقہ کیا تھا وہ طریقہ یہ تھا کہ آپ نے اصلاح اپنے گھر والوں سے شروع فرمائی جس کا حکم آپ کو حق تعالیٰ کی طرف سے ہوا تھا. قال اللہ تعالیٰ وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ (یعنی آپ اپنے کنبے کے عزیزوں کو (عذاب الٰہی سے) ڈرایئے)

چنانچہ نبی اور بادشاہ میں یہی فرق ہوتا ہے کہ نبی جو احکام دوسروں سے بیان کرتا ہے تو پہلے اس پر خود عمل کرتا ہے اور اپنے گھر والوں سے عمل کراتا ہے پھر اسکے بعد دوسروں سے مطالبہ کرتا ہے اور سلاطین جو قوانین مقرر کرتے ہیں اس کا نفاذ "واجراء" دوسروں پر تو کرتے ہیں اور خود کو اور اپنے گھرانے والوں کو اس سے مستثنیٰ" الگ اور بالاتر" سمجھتے ہیں.

روح المعانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام ہونے کے باوجود انذار کے لئے جو آپ کے عشیرہ (کنبہ) کی تخصیص کی گئی تو اسکی چند وجوہ ہیں. اولاً محاباۃ کا توہم دور کرنا مقصود ہے یعنی یہ کہ اگر اَنۡذِرِ النَّاسَ (لوگوں کو ڈرایئے) وغیرہ کہا جاتا تو یہ گمان کیا جا سکتا تھا کہ شاید مانند سلاطین کے اس حکم سے اپنے لوگوں

کو خاص کرلیں اور ان کی جانب مائل ہوکر ان کی رعایت فرمائیں۔ لیکن جب یہ فرما دیا گیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو سب سے پہلے ڈرائیے تو اس وہم کی گنجائش باقی نہ رہی۔ یا اسلئے تخصیص فرمائی کہ ان کے شان کا اہتمام اہم ہے کیونکہ آدمی کے جب خاندان والے موافق ہوجاتے ہیں تو اسکو ان سے ایک خاص قوت ہوجاتی ہے اور یہ چیز غیروں کی اصلاح میں بھی مدد و معاون (معین و مددگار) بنتی ہے ورنہ اگر اپنے ہی لوگ مخالف ہوتے ہیں یا بات کا اثر قبول نہیں کرتے، تو دوسرے بدرجۂ اولیٰ قبول نہیں کرتے۔ اسی لئے مجھے جب دوسری جگہ لوگ بلاتے ہیں تو کہدیتا ہوں کہ میں نے اپنی ہی جگہ کیا کام کر لیا ہے کہ اب آپ کے یہاں کام کرنے آؤں۔ مجھے غیرت معلوم ہوتی ہے کہ اپنے یہاں کچھ کام کئے بغیر کو دکر دوسری جگہ پہونچ جاؤں اور پھر تیسری جگہ چلا جاؤں۔ اور کام کسی جگہ بھی نہ ہو۔ مجھے یہ طریقہ پسند نہیں۔ چاہتا ہوں کہ کسی ایک جگہ جم کر کچھ کام کرلوں اور یہ سمجھ لوں کہ اب لوگ کام پر لگ گئے ہیں۔ ان میں دین کا شوق اور عمل کی فکر پیدا ہوگئی ہے۔ تب کہیں اور جاؤں تو خیر ایک بات بھی ہے۔ ان لوگوں کو وہاں والوں کے لئے نمونہ میں پیش کرسکتا ہوں اور اس کا بہت اثر پڑتا ہے انسان جب دیکھتا ہے کہ اسی کے ہم جنس لوگ انھیں حالات اور موانع (رکاوٹوں) کے ساتھ دین کا کام کر رہے ہیں تو ان کی ہمت بڑھتی ہے اور کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

غرض دینی اصول یہ ٹھہرا کہ کام کی ابتداء اپنوں سے کرنی چاہئے اور ان میں بھی الاقرب فالاقرب کا لحاظ ضروری ہے۔

مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ فترۃ وحی کے بعد سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یٰاَیُّہَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَہِّرْ الآیۃ (اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھئے پھر (کافروں کو) ڈرائیے۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے) ہے جس میں مطلقاً انذار کا حکم ہے اور اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (اور آپ اپنے قریبی اہل خاندان کو (عذاب الٰہی سے) ڈرائیے) میں خاص لوگوں کو انذار فرمایا گیا ہے۔ تو

اس کے شان نزول میں جملہ مفسرین یہ بیان فرماتے ہیں کہ اسکے بعد آپ کوہ صفا پر چڑھے اور عام قریش کو اور ان کے خواص کو الاقرب فالاقرب پکارنا شروع کیا۔ اور فرمایا یَا بَنِیْ عَبْدِالْمُطَّلِب۔ یَا بَنِیْ ہَاشِم، یَا بَنِیْ عَبْدِمَنَاف، یَا عَبَّاسُ عَمَّ النَّبِیِّ، یَاصَفِیَّۃُ عَمَّۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ، یَا فَاطِمَۃُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ اِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا سَلُوْنِیْ مِنْ مَالِیْ مَاشِئْتُمْ (اے بنی عبدالمطلب اے بنی ہاشم، اے بنی عبدمناف، اے عباس عم نبی، اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی، اے فاطمہ رسول اللہ کی بیٹی! مجھے اللہ کی طرف سے تمہارے حق میں کوئی اختیار نہیں۔ ہاں! تم میرے مال میں سے جتنا چاہو مانگ لو)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بنی عبدالمطلب کو جمع کیا ان کی تعداد چالیس تھی۔ جن میں سے ایک ایک آدمی ایک بچہ شتر کھاجاتا تھا اور ایک بڑا پیالہ پانی کا پی جاتا تھا اور ایک قاب دودھ پی جاتا تھا۔ چنانچہ ان سب نے خوب کھایا اور پیا اور سیر ہوکر واپس آئے اسوقت آپ نے ان کو انذار فرمایا۔ اور فرمایا کہ اے بنی عبدالمطلب اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پشت پر دشمنوں کی ایک جماعت موجود ہے۔ تو کیا تم میری تصدیق کروگے۔ سب نے کہا ہاں آپ نے فرمایا کہ اچھا تو میں تمھیں سامنے آنے والے ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ نیز روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اے بنی عبدالمطلب اور اے بنی ہاشم، اے بنی عبدمناف اپنے نفسوں کو دوزخ سے بچاؤ۔ اسلئے کہ میں تمھارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ بنت ابوبکر، اے حفصہ بنت عمر، اے فاطمہ بنت محمد، اے صفیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تم سب کی سب اپنے نفسوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، یعنی ایمان لاؤ اور عمل صالح کرو اسلئے کہ میں بدون اس کے کسی کے کچھ کام نہیں آسکتا۔

آزادیٔ نسواں کا فریب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ
"وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی ہ"

(سورۃ الاحزاب ۳۳)

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ ــــ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

آج کا موضوع | میرے محترم بھائیو اور بہنو! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آج کی اس گفتگو کا موضوع "حجاب کی اہمیت" مقرر کیا گیا ہے، اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اسلامی احکامات کی رو سے اور قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں عورت کیلئے "حجاب" اور "پردہ" کا کیا حکم ہے؟ اور وہ کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

اس موضوع کو صحیح طور پر سمجھنے سے پہلے ایک اہم نکتے کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہوں گا۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ عورت کے لئے "حجاب" اور "پردہ" کیوں ضروری ہے؟ اور اس کے شرعی احکام کیا ہیں۔ اور یہ بات اس وقت تک ٹھیک ٹھیک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ عورت کے اس دنیا میں آنے اور اس کے پیدا کئے جانے کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

تخلیق کا مقصد خالق سے پوچھو | آج مغربی افکار کی یورش میں یہ پروپیگنڈہ ہر جگہ

جاتا ہے کہ اسلام کے اندر عورت کو نقاب اور پردے میں رکھ کر گھونٹ دیا گیا ہے۔ اس کو چار دیواری کے اندر قید کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ سارا پروپیگنڈہ درحقیقت اس بات کا نتیجہ ہے کہ عورت کی تخلیق کا بنیادی مقصد معلوم نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس بات پر ایمان ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ انسان کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ مرد اور عورت دونوں کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ اگر خدانخواستہ اس پر ایمان نہ ہو تو پھر بات آگے نہیں چل سکتی۔ اور اس زمانے میں جو اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور لادینیت کے میدان میں روز بروز آگے بڑھتے چلے جا رہے ان کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی نشانیاں اور علامات دکھا رہے ہیں جس سے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہو رہے۔ اگر اللہ پر ایمان نہ ہو تو پھر بات آگے چل ہی نہیں سکتی۔ لیکن اگر اللہ پر ایمان ہے اور یہ پتہ ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اور مرد کو بھی اسی نے پیدا کیا اور عورت کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے۔ اب پیدائش کا مقصد بھی اسی سے پوچھنا چاہئے کہ مرد کو کیوں پیدا کیا اور عورت کو کیوں پیدا کیا، اور دونوں کی تخلیق کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

مرد اور عورت دو مختلف صنفیں ہیں

یہ نعرہ آج بہت زور و شور سے لگایا جا رہا ہے کہ عورتوں کو بھی مرد کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہئے۔ اور مغربی افکار نے یہ پروپیگنڈہ ساری دنیا میں کر دیا ہے۔ لیکن یہ نہیں دیکھا کہ اگر مرد اور عورت دونوں ایک ہی جیسے کام کے لئے پیدا ہوئے تھے تو پھر دونوں کو جسمانی طور پر الگ الگ پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مرد کا جسمانی نظام اور ہے۔ عورت کا جسمانی نظام اور ہے۔ مرد کا مزاج اور ہے۔ اور عورت کا مزاج اور ہے۔ مرد کی صلاحیتیں اور ہیں۔ عورت کی صلاحیتیں اور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں صنفیں اس طرح بنائی ہیں کہ دونوں کی تخلیقی ساخت اور اس کے نظام میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ مرد اور عورت میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہے یہ خود فطرت کے خلاف بغاوت ہے اور مشاہدہ کا انکار ہے۔ اس لئے کہ یہ تو آنکھوں سے نظ

آ رہا ہے کہ مرد اور عورت کی ساخت میں فرق ہے۔ نئے فیشن نے مرد اور عورت کے اس فطری فرق کو مٹانے کی کتنی کوششیں کر دیکھیں۔ چنانچہ عورتوں نے مردوں جیسا لباس پہننا شروع کر دیا۔ اور مردوں نے عورتوں جیسا لباس پہننا شروع کر دیا عورتوں نے مردوں جیسے بال رکھنے شروع کر دیئے۔ اور مردوں نے عورتوں جیسے بال رکھنے شروع کر دیئے۔ لیکن اس بات سے انکار اب بھی نہیں کیا جا سکتا کہ مرد اور عورت دونوں کا جسمانی نظام مختلف ہے۔ دونوں مختلف صنفیں ہیں۔ دونوں کے انداز زندگی مختلف ہیں اور دونوں کی صلاحیتیں مختلف ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے پوچھنے کا ذریعہ پیغمبر ہیں

لیکن یہ کس سے معلوم کیا جائے کہ مرد کو کیوں پیدا کیا گیا۔ اور عورت کو کیوں پیدا کیا گیا؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہی ہے کہ جس ذات نے پیدا کیا ہے، اس سے پوچھو کہ آپ نے مرد کو کس مقصد کے تحت پیدا کیا ہے؟ اور عورت کو کس مقصد کے تحت پیدا کیا ہے؟ اور اس پوچھنے کا ذریعہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

انسانی زندگی کے دو شعبے

قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے کسی ادنیٰ شبہ کے بغیر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ درحقیقت انسانی زندگی دو مختلف شعبوں پر منقسم ہے۔ ایک گھر کے اندر کا شعبہ ہے۔ اور ایک گھر کے باہر کا شعبہ ہے۔ یہ دونوں شعبے ایسے ہیں کہ ان دونوں کو ساتھ لئے بغیر ایک متوازن اور معتدل زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ گھر کا انتظام بھی ضروری ہے اور گھر کے باہر کا کام یعنی کسب معاش اور روزی کمانے کا انتظام بھی ضروری ہے۔ جب دونوں کام ایک ساتھ اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک چلیں گے تب انسان کی زندگی استوار ہوگی۔ اگر ان میں سے ایک ختم ہوگیا یا ناقص ہوگیا تو اس سے انسان کی زندگی میں توازن ختم ہو جائے گا۔

مرد اور عورت کے درمیان تقسیم کار

ان دونوں شعبوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ تقسیم فرمائی کہ مرد کے ذمہ گھر کے باہر کے کام لگائے۔ مثلاً کسب معاش اور روزی کمانا

کام اور سیاسی اور سماجی کام وغیرہ۔ یہ سارے کام درحقیقت مرد کے ذمے عائد کئے ہیں۔ اور گھر کے اندر کا شعبہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حوالے کیا ہے وہ اس کو سنبھالیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آجاتا کہ عورت گھر کا انتظام کرے گی اور مرد باہر کا انتظام کرے گا تو بھی کوئی چون وچرا کی مجال نہیں تھی۔ لیکن اگر عقل کے ذریعے انسان کی فطری تخلیق کا جائزہ لیں تو بھی اسکے سوا اور کوئی انتظام نہیں ہوسکتا اس لئے کہ مرد اور عورت کے درمیان اگر تقابل کرکے دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ جسمانی قوت جتنی مرد میں ہے اتنی عورت میں نہیں۔ اور کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے مرد میں عورت کے بہ نسبت جسمانی قوت زیادہ رکھی ہے۔ اور گھر کے باہر کے کام قوت کا تقاضہ کرتے ہیں محنت کا تقاضہ کرتے ہیں۔ وہ کام قوت اور محنت کے بغیر انجام نہیں دیئے جاسکتے۔ لہٰذا اس فطری تخلیق کا بھی تقاضا یہی تھا کہ گھر کے باہر کا کام مرد انجام دے اور گھر کے اندر کے کام عورت کے سپرد ہوں۔

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان تقسیم کار

حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے درمیان یہ تقسیم کار فرما رکھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کے باہر کے کام انجام دیتے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے اندر کا انتظام سنبھالتیں۔ چنانچہ گھر کی جھاڑو دیتیں، چکی چلاکر آٹا پیستیں، پانی بھرتیں، کھانا پکاتیں۔

عورت گھر کا انتظام سنبھالے

ابتداء میں جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو براہ راست خطاب فرمایا۔ اور ان کے واسطے سے ساری مسلمان خواتین سے خطاب فرمایا، وہ یہ کہ

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ یعنی تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔

اس میں صرف اتنی بات نہیں کہ عورت کو ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جانا چاہئے۔ بلکہ اس آیت میں ایک بنیادی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے عورت کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ گھر میں قرار سے رہ کر گھر کے انتظام کو سنبھالے۔

عورت کو کس لالچ پر گھر سے باہر نکالا گیا؟

لیکن جس ماحول میں معاشرے کی پاکیزگی کوئی قیمت ہی نہ رکھتی ہو اور جہاں عفت وعصمت کے بجائے اخلاقی باختگی اور حیا سوزی کو منتہائے مقصود سمجھا جاتا ہو، ظاہر ہے کہ وہاں اس تقسیم کار اور پردہ وحیا کو صرف غیر ضروری، بلکہ راستے کی اکاوٹ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ جب مغرب میں تمام اخلاقی اقدار سے آزادی کی ہوا چلی تو مرد نے عورت کے گھر میں رہنے کو اپنے لئے دوہری مصیبت سمجھا۔ ایک طرف تو اسکی ہوسناک طبیعت عورت کی کوئی ذمہ داری قبول کئے بغیر قدم قدم پر اس سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔ اور دوسری طرف وہ اپنی قانونی بیوی کی معاشی کفالت کو بھی ایک بوجھ تصور کرتا تھا۔ چنانچہ ان دونوں مشکلات کا جو عیارانہ حل نکالا، اس کا خوبصورت اور معصوم نام "تحریک آزادی نسواں" ہے۔ عورت کو یہ پڑھایا گیا کہ تم اب تک گھر کی چار دیواری میں قید رہی ہو، اب آزادی کا دور ہے۔ اور تمہیں اس قید سے باہر آکر مردوں کے شانہ بشانہ زندگی کے ہر کام میں حصہ لینا چاہئے۔ اب تک تمہیں حکومت وسیاست کے ایوانوں سے بھی محروم رکھا گیا ہے۔ اب تم باہر آکر زندگی کی جدوجہد میں برابر کا حصہ لو تو دنیا بھر کے اعزازات اور اونچے اونچے منصب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

عورت بے چاری ان دلفریب نعروں سے متاثر ہو کر گھر سے باہر آگئی اور پروپیگنڈے کے تمام وسائل کے ذریعے شور مچا مچا کر اسے یہ باور کرا دیا گیا کہ اسے صدیوں کی غلامی کے بعد آج آزادی ملی ہے۔ اور اب اسکے رنج ومحن کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ ان دلفریب نعروں کی آڑ میں عورت کو گھسیٹ کر سڑکوں پر لایا گیا۔ اسے دفتروں میں کلرکی عطا کی گئی۔ اسے اجنبی مردوں کے پرائیوٹ سکریٹری کا "منصب" بخشا گیا۔ اسے "اسٹینو ٹائپسٹ" بننے کا "اعزاز" دیا گیا۔ اسے تجارت چمکانے کے لئے "سیلز گرل" اور "ماڈل گرل" بننے کا شرف بخشا گیا۔ اور اسکے ایک ایک عضو کو بر سر بازار رسوا کر کے گاہکوں کو دعوت دی گئی کہ آؤ اور ہم سے مال خریدو۔ یہاں تک کہ وہ عورت جس کے سر پر دینِ فطرت نے عزت وآبرو کا تاج رکھا تھا اور جس کے گلے میں عفت وعصمت کے ہار ڈالے تھے، تجارتی اداروں کے

ایک شو پیس اور مرد کی تھکن دور کرنے کے لئے ایک تفریح کا سامان بن کر رہ گئی۔

آج ہر گھٹیا کام عورت کے سپرد ہے

نام یہ لیا گیا تھا کہ عورت کو "آزادی" دے کر سیاست وحکومت کے ایوان اس کے لئے کھولے جارہے ہیں۔ لیکن ذرا جائزہ لے کر تو دیکھئے کہ اس عرصے میں خود مغربی ممالک کی کتنی عورتیں صدر، وزیر اعظم یا وزیر بن گئیں؟ کتنی خواتین کو جج بنایا گیا؟ کتنی عورتوں کو دوسرے بلند مناصب کا اعزاز نصیب ہوا؟ اعداد وشمار جمع کئے جائیں تو ایسی عورتوں کا تناسب بمشکل چند فی لاکھ ہوگا۔ ان گنی چنی خواتین کو کچھ مناصب دینے کے نام پر باقی لاکھوں عورتوں کو جس بے دردی کے ساتھ سڑکوں اور بازاروں میں گھسیٹ لایا گیا ہے وہ "آزادئ نسواں" کے فراڈ کا المناک ترین پہلو ہے۔ آج یورپ اور امریکہ میں جاکر دیکھئے تو دنیا بھر کے تمام نچلے درجے کے کام عورت کے سپرد ہیں۔ ریستورانوں میں کوئی مرد ویٹر شاذ ونادر ہی کہیں نظر آئے گا۔ ورنہ یہ خدمات تمام تر عورتیں انجام دے رہی ہیں۔ ہوٹلوں میں مسافروں کے کمرے صاف کرنے، ان کے بستر کی چادریں بدلنے اور "روم اٹنڈنٹ" کی خدمات تمام تر عورتوں کے سپرد ہیں۔ دوکانوں پر مال بیچنے کے لئے مرد خال خال نظر آئیں گے۔ یہ کام بھی عورتوں ہی سے لیا جارہا ہے۔ دفاتر کے استقبالیوں پر عام طور پر عورتیں ہی تعینات ہیں۔ اور بیرے سے لیکر کلرک تک کے تمام "مناصب" زیادہ تر اسی صنف نازک کے حصے میں آئے ہیں جسے "گھر کی قید سے آزادی" عطا کی گئی ہے۔

نئی تھذیب کا عجیب فلسفہ

پروپیگنڈے کی قوتوں نے یہ عجیب وغریب فلسفہ ذہنوں پر مسلط کر دیا ہے کہ عورت اگر اپنے گھر میں اپنے اور اپنے شوہر، اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور اولاد کے لئے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلت ہے۔ لیکن وہی عورت اجنبی مردوں کے لئے کھانا پکائے، ان کے کمروں کی صفائی کرے، ہوٹلوں اور جہازوں میں ان کی میزبانی کرے، دوکانوں پر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے اور دفاتر میں اپنے افسروں کی نازبرداری کرے تو یہ "آزادی" اور "اعزاز" ہے! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!۔

پھر ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ عورت کسب معاش کے لئے آٹھ آٹھ گھنٹے کی یہ سخت اور

ذلّت آمیز ڈیوٹیاں ادا کرنے کے باوجود اپنے گھر کے کام دھندوں سے اب بھی فارغ نہیں ہوئی۔ گھر کی تمام خدمات آج بھی پہلے کی طرح اسی کے ذمے ہیں۔ اور یورپ اور امریکہ میں اکثریت ان عورتوں کی ہے جن کو آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی دینے کے بعد اپنے گھر پہونچ کر کھانا پکانے، برتن دھونے اور گھر کی صفائی کا کام اب بھی کرنا پڑتا ہے۔

کیا نصف آبادی عضو معطّل ہے؟ عورتوں کو گھر سے باہر نکالنے کے لئے آج کل ایک چلتا ہوا استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ قومی تعمیر و ترقی کے دور میں ہم اپنی نصف آبادی کو عضو معطّل بنا کر نہیں ڈال سکتے۔ یہ بات اس شان سے کہی جاتی ہے کہ گویا ملک کے تمام مردوں کو کسی نہ کسی کام پر لگا کر مردوں کی حد تک "مکمل روزگار" کی منزل حاصل کر لی گئی ہے۔ اب نہ صرف یہ کہ کوئی مرد بے روزگار نہیں رہا۔ بلکہ ہزارہا کام "مین پاور" کے انتظار میں ہیں۔

حالانکہ یہ بات ایک ایسے ملک میں کہی جارہی ہے جہاں اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل مرد سڑکوں پر جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں۔ جہاں کوئی چپراسی یا ڈرائیور کی آسامی نکلتی ہے تو اسکے لئے دسیوں گریجویٹ اپنی درخواستیں پیش کر دیتے ہیں اور اگر کوئی کلرک کی جگہ نکلتی ہے تو اسکے لئے دسیوں ماسٹر اور ڈاکٹر تک کی ڈگریاں رکھنے والے اپنی درخواستیں پیش کر دیتے ہیں۔ پہلے مردوں کی "نصف آبادی" ہی کو ملکی تعمیر و ترقی کے کام میں پورے طور پر لگا لیجئے۔ اسکے بعد باقی نصف آبادی کے بارے میں سوچئے کہ وہ عضو معطّل ہے یا نہیں؟

آج فیملی سسٹم تباہ ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے عورت کو گھر کی ذمہ دار بنایا تھا، گھر کی منتظمہ بنایا تھا تاکہ وہ فیملی سسٹم استوار رکھ سکے۔ لیکن جب وہ گھر سے باہر آگئی تو نتیجہ یہ ہوا کہ باپ بھی باہر اور ماں بھی باہر، اور بچے اسکول میں، یا نرسری میں اور گھر پر تالا پڑ گیا، اب وہ فیملی سسٹم تباہ اور برباد ہو کر رہ گیا۔ عورت کو تو اس لئے بنایا تھا کہ جب وہ گھر میں رہے گی تو گھر کا انتظام بھی کرے گی اور بچے اس کی گود

میں تربیت پائیں گے۔ ماں کی گود بچے کی سب سے پہلی تربیت گاہ ہوتی ہے۔ وہیں سے وہ اخلاق سیکھتے ہیں، وہیں سے وہ کردار سیکھتے ہیں، وہیں سے زندگی گزارنے کے صحیح طریقے سیکھتے ہیں۔ لیکن آج مغربی معاشرے میں بچوں کو ماں اور باپ کی شفقت میسر نہیں اور فیملی سسٹم درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔ اور جب عورت دوسری جگہ کام کر رہی ہے اور مرد دوسری جگہ کام کر رہا ہے، اور دونوں کے درمیان دن بھر میں کوئی رابطہ نہیں ہے، اور دونوں جگہ پر آزاد سوسائٹی کا ماحول ہے تو بسا اوقات ان دونوں کا آپس کا رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے، اور ٹوٹنے لگتا ہے اور اس کی جگہ ناجائز رشتے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں، اور اسکی وجہ سے طلاق تک نوبت پہنچتی ہے، گھر برباد ہو جاتا ہے۔

(جاری)

نئی تہذیب کا عجیب فلسفہ ہے کہ اگر ایک عورت اپنے گھر میں اپنے لئے اور اپنے شوہر کے لئے اپنے بچوں کے لئے کھانا تیار کرتی ہے، تو یہ رجعت پسندی اور دقیانوسیت ہے اور اگر وہی عورت ہوائی جہاز میں ائیر ہوسٹس بنکر سیکڑوں انسانوں کی ہوسناک نگاہوں کا نشانہ بنکر ان کی خدمت کرتی ہے تو اس کا نام آزادی اور جدت پسندی ہے۔ اگر عورت گھر میں رہ کر اپنے ماں، باپ، بہن، بھائیوں کیلئے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلت ہے۔ لیکن دوکانوں پر "سیلز گرل" بنکر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے، یا دفاتر میں اپنے افسروں کی ناز برداری کرے تو یہ "آزادی" اور "اعزاز" ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

وف کا حاصل | غرض کوئی بھی شیوخ سے مستغنی نہیں ۔ شیوخ کے یہ نفع ہیں۔ مثلاً یہی ایک ت ہے جو میں نے عرض کی کہ تصوف کا حاصل یہ ہے کہ "جس طاعت میں سستی ہو سستی کا قابلہ کر کے اس طاعت کو کرے اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضا کا مقابلہ کر کے اس ناہ سے بچ جاوے" دیکھئے یہ ہے تو چھوٹی سی بات کہنے میں، مگر وقوع میں کتنی عظیم الشان ہے، شیخ کا بس یہی کام ہے کہ وہ اس بات کے حاصل کرنے کی تدبیریں بتلاتا ہے اور کچھ ہیں کرتا یہاں مشائخ کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ اس نے تو سب کی دکان ہی پھیکی کر دی۔ ب کون پوچھے گا ہم کو سو یہ تشویش تو اسے ہو جسے شوق ہو مشیخت کا۔ بلا سے تم ہمیں می نہ پوچھو ۔ مگر جب اس چھوٹی بات پر عمل کر وگے اسوقت دیکھو گے کہ گاڑی نہیں چلتی یل بھی موجود، پہیئے بھی موجود مگر ڈھکیلنے والے کی پھر بھی ضرورت ہے اسواسطے کہ گاڑی تو لدل میں پھنسی ہوئی ہے۔ دِل دِل میں سمجھا کرو کہ معلّم کی ضرورت نہیں مگر دراصل ہے نرورت ۔ محض دُلدُل کافی نہیں۔ تو شیخ کا کام فقط یہ ہے جو میں نے ذکر کیا۔

الحمد للہ حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت سے اب تصوف مخفی تو ہے نہیں حاصل کر لو س کا جی چاہے طریقہ بتلا دیا کہ یہ مگدر رہے یہ اسکے اٹھانے کی ترکیب ہے اٹھالو جس کا ی چاہے حقیقت تصوف کی تو میں نے ظاہر کر دی آگے تمھاری ہمت ہے۔ اجی خوشنویس نے طریقہ بھی بتا دیا کہ ایسے لکھو قلم بھی دیدیا مگر لکھ تو لو بھلا بلا استاد سے مشق کئے ہوئے بلا کسی خوشنویس کی مدد کے کوئی خوشنویس ہو ہی نہیں سکتا اسی واسطے حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر ہوائے ایں سفر داری دلا — دامن رہبر بگیر و پس بیا

اے دل اگر تجھے اس راہِ (عشق و محبت) کے سفر کا شوق ہے تو کسی راہبر کا دامن تھام لے اور اس کے پیچھے پیچھے چلا چل) کرنے والے جانتے ہیں کہ با وجود وضوح طریق کے پھر بھی ضرورت ہوتی ہے ہبر کی ؎

در ارادت باش صادق اے فرید — تا بیابی گنج عرفاں را کلید

(اے فرید ارادت اور عقیدت میں سچے بنو تاکہ خزانۂ معرفت کی کنجی حاصل کر سکو)

؎ بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

(بغیر رفیق اور رہبر جو راہِ عشق میں چلا اسکی عمر تمام ہوگئی اور عشق کی حقیقت سے آگاہ نہ ہوسکا) حقیقت میں یہی بات ہے تو بس یہ ضرورت ہوتی ہے شیخ کی بلکہ میں کہتا ہوں کہ جب تک حقیقت طریق معلوم نہ ہو جب تک تو شیخ کی ضرورت کا کماحقہٗ علم بھی نہیں ہوتا اور بعد مشاہدۂ حقیقت کے دلیل سے اور بصیرت سے معلوم ہوگا کہ ہاں واقعی یہ راستہ اکیلے طے نہیں ہوسکتا اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص علم پڑھے گا جبھی تو علم کی قدر ہوگی اور جبھی تو وہ یہ سمجھے گا کہ کتنا علم کافی ہے۔ جبھی تو اُمت کے تمام اکابر نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ بلا شیخ کے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا کوئی تو بات ہے جو حاصل ہوجاتی ہے جسکو مولانا فرماتے ہیں ؎

گر نہ بودے نالۂ نے را اثر پس جہاں را پُر نہ کردے از شکر

(اگر نے کے نالہ میں کوئی اثر نہ ہوتا تو نے دنیا کو شکر اور حلاوت سے پُر نہ کرتی) اگر اس طلب کے اندر کچھ اثر نہ ہوتا تو آخر یہ جو ثمرات کا ظہور اور مشاہدہ ہورہا ہے یہ کیوں ہوتا۔ بہرحال اب حقیقت معلوم ہوجانے کے بعد تو زیادہ ضرورت محسوس ہوگی شیخ کی، پہلے تو چونکہ حقیقت نہیں معلوم تھی اس لئے ضرورتِ شیخ کا بھی اتنا احساس نہ تھا اب یہ ارمان بھی نہ رہا کہ ارے میاں اگر ہمیں تصوف کی حقیقت معلوم ہوجاتی تو ہم خود ہی حاصل کرنے کی کوشش کرتے خواہ مخواہ پیروں کے نخرے نہ اٹھانے پڑتے اور ایسے اقوال جو منقول ہیں وہ طالب کے دل بڑھانے کو ہیں کہ وہ اس طریق کو محال نہ سمجھے سو اب حقیقت معلوم ہوگئی ہے کرکے دیکھو۔ بسم اللہ۔ حضرت کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ ؎ در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست ہشدار و گوش را بہ پیامِ سروش دار

(راہ عشق میں شیطانی وسوسے بہت آتے ہیں لہٰذا چوکنا رہو اور کان کو فرشتے کے پیام (وحی ربانی) کیطرف لگائے رہو) حضرت قدم قدم پر گاڑی نہ اٹکے تو کہئے گا۔ اول تو البتہ اس قدر ہوگا کہ یہ بھی پتہ نہ چلے گا کہ حقیقت یہ ہے یا یہ ہے دونوں چیزیں برابر معلوم ہونگی ؎

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں درمیاں شاں برزخ لایبغیاں

(دو دریا (جن میں ایک کا پانی شور و تلخ ہے۔ دوسرے کا شیریں اور تسکین بخش ہے بظاہر) باہم ملے ہوئے ہیں (اور حقیقۃً) دونوں کے درمیان ایک حجاب اور مانع قوی ہے کہ دونوں (اپنے اپنے موقعہ سے) آگے نہیں

بڑھ سکتے (یعنی بظاہر یکساں اور متصل معلوم ہونے کے دونوں کے ذائقہ اور اثرات میں نمایاں فرق ہوتا ہے)
یہ پتہ نہ چلے گا کہ اِدھر جاؤں یا اُدھر۔ دونوں چیزیں ایک نظر آئیں گی۔ بہرحال یہ کرتا ہے، شیخ
کہ ملکات فاسدہ کو مغلوب کرنے کے طریقے بتلاتا ہے اور وہ طریقے مرکب ہیں تدبیر سے اور
ذکر سے پھر کسی تعلیم پر عمل کرنے کے بعد یہ تبدیل واقع ہوتی ہے یعنی ملکات فاسدہ بالکل مغلوب
ور کالمعدوم ہو جاتے ہیں اور ملکات حسنہ غالب ہو جاتے ہیں۔

تصوف کے درجات | یہ تفصیل میں اس لئے بیان کر رہا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ درجات
تصوف کیا ہیں۔ تو اوّل درجہ تو مجاہدہ تھا یعنی تعلیم طریق پر عمل۔ اُس کے بعد تبدیل ہو گی
جب یہ تبدیل نہ تھی اس وقت دواعیٔ نفس قوی تھے اس لئے اعمال صالحہ کی اور ترک معاصی
کی توقع نہ تھی آگے چل کر سڑک کے اندر دوسری منزل آئی وہ یہ کہ ملکاتِ حسنہ غالب ہو گئے
اور ملکات سیئہ ایسے مغلوب ہوئے کہ قریب قریب زائل ہو گئے۔ اب یہ حالت ہے کہ رات
بھر جاگنا بھی آسان ہے اب نہ بیوی بچوں کی محبت دل میں ہے نہ کوئی دوست یاد آتا ہے نہ
لذائذ کی طرف التفات ہے دنیا سے بالکل دل سرد ہو گیا کسی چیز کی خواہش باقی نہیں رہی
سوائے اللہ اللہ اور نماز روزہ کے کسی چیز میں دل نہیں لگتا اگر کوئی ہفت اقلیم کی سلطنت
بھی دینے لگے اس سے بھی انکار کر دیں بلکہ جو اُن کے سامنے اس کا بیان بھی کر دے اسکے پیچھے
لٹھ لے کر پیچھے لگ جاویں جب یہ تبدیل راستہ میں واقع ہو چکے اسوقت دوسری تبدیل کا موقع ہے۔ اگر قبل
تبدیل اول کسی کو تبدیل ثانی کے حصول کی ہوس ہو تو وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ یہ صورت تو
ہو گی مگر حقیقت نہیں۔ یعنی قبل تبدیل اول کے جو گمان ہے کہ میں قادر ہوں طمع کے
روکنے پر وہ قدرت نہیں۔ ہاں صورت ہے قدرت کی۔ اسکی ایسی مثال ہے خوب سمجھ لو
جیسا کہ پہلے جھوٹے پھول آتے ہیں جب وہ جھڑ جاتے ہیں تو پھر سچے پھول آتے ہیں پھر پھل آتا ہے
تو گو جھوٹے پھولوں کی اور سچے پھولوں کی ایک ہی سی شکل ہوتی ہے مگر دیکھئے حقیقت کے
اعتبار سے دونوں میں کس قدر تفاوت ہے کہ سچے پھول تو بار آور ہیں اور جھوٹے پھول
بار آور نہیں۔

یہ مثال تو میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے القا فرمائی دوسری مثال مولانا۔ نے ارشاد فرمائی

اور اسی کی برکت سے یہ مثال میرے ذہن میں آئی فرماتے ہیں ؎

اے شدہ تو صبح کاذب را رہین   صبح صادق را ز کاذب ہم ببین

(اے شخص! تم تو صبح کاذب میں الجھ کر رہ گئے ہو، صبح صادق اور صبح کاذب میں تمیز و فرق کرو) یعنی صبح کاذب کو دیکھکر دھوکہ نہ کھانا جو صبح صادق ہے اس کا انتظار کرو کیونکہ صبح کاذب کا جو نور ہے اسکے بیچ میں تاریکی ہے اسمیں کہیں مت چل پڑنا ورنہ بستی سے باہر ہوئے نہیں کہ چوروں نے مارا انہیں ایسے میں تنہا جانا اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے ضرور ہے کہ کوئی رہبر لے لو یا کسی کانسٹبل کے ساتھ ہو لو۔ ناواقف کہتا ہے کہ اونھ مجھے کانسٹبل یا رہبر کی ضرورت نہیں اُجالا تو ہو رہا ہے بہت اچھا جاؤ اکیلے پیر غیب[1] ہو جاؤگے اور پیر بن جاؤگے وہاں دفن ہوکر۔ تو واقع میں جس طرح صبح صادق میں اور صبح کاذب میں فرق ہے اسی طرح سے جو تقویٰ قبل مجاہدہ کے ہوتا ہے اور جو بعد مجاہدہ کے ہوتا ہے ان دونوں کی شکل گو ایک سی ہوتی ہے مگر حقیقت میں بڑا فرق ہے۔

غرض کہ یہ دھوکہ ہوتا ہے سلوک میں کہ جب اُس نے مجاہدہ اور ذکر و شغل شروع کیا تو ملکات سیئہ رفتہ رفتہ مغلوب ہونے شروع ہوتے ہیں یہاں تک کہ قریب قریب مردہ کے ہوگئے جب اس تبدیل پر ایک مدت گذر گئی اب وہ ملکات پھر ابھرنے لگے اور رفتہ رفتہ ان میں پھر جان آنا شروع ہوئی اب اسکی جان کو بنی کہ ہائے میں تو پھر ویسا ہی ہوگیا جیسا پہلے تھا پہلے تو یہ حالت تھی کہ کیسا ہی حسین سامنے گذرتا اسکی طرف دیکھنا تو کیسا تھوکنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا اور اب جی چاہتا ہے کہ دیکھیں تو کیسا ہے بس جی غارت ہوگیا سارا مجاہدہ، ہم تو پھر ویسے کے ویسے ہی ہوگئے بہت سے لوگوں نے اس غم میں خودکشی تک کرلی ہے۔ سمجھے کہ ہم ملعون ہوگئے۔ مردود ہوگئے۔ ملکات سیئہ پہلے مضمحل ہوگئے تھے اور گناہوں سے طبعی نفرت ہوگئی تھی اب صرف عقلی نفرت تو ہے طبعی نہیں رہی۔ بات یہ ہے کہ یہ تیسری منزل ہے سلوک کی جسمیں ملکات سیئہ کا اضمحلال جو قوی ہوگیا تھا اب کم ہونا شروع ہوگیا ہے اب حق تعالیٰ اپنے بندہ کو اجر دینا چاہتے ہیں کیونکہ اب تک ملکات سیئہ مغلوب بحکم معدوم رہے پھر اجر مقاومت کا کہاں ملتا

---

[1] یہ تھانہ بھون کے ایک انتہائی سرحد کا نام ہے ۱۲۔

باقی ان ملکات کو جو اتنے دنوں بیکار رکھا گیا یہ ایسا ہے جیسے شریر گھوڑے کا کھانا پینا بند کر کے اس کو شائستہ بنایا جاتا ہے پھر جب شائستہ ہوگیا تو اب اس کو خوب کھلاتے پلاتے ہیں اس کھلانے پلانے سے جو اسکے اندر قوت پیدا ہوتی ہے اس کے ذریعہ سے اب وہ چلتا تو خوب ہے لیکن شرارت نہیں کرتا اور اگر کبھی کرتا بھی ہے تو ذراسی ایڑ سے سیدھا ہو جاتا ہے۔ اصل میں حق تعالیٰ کو مقصود تھا مقاومت کا اجر دینا اور اول ہی سے مقاومت تھی مشکل۔ اسلئے یہ انھیں کی شان تربیت تھی کہ انھوں نے پہلے یہ تبدیل کی جس کو تبدیل اول کہا جا رہا ہے ؎

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی

(آپ کے پاس ایسی کیمیا ہے جس سے آپ ہماری برائیوں کو نیکیوں سے بدل سکتے ہیں۔ برائی میں کوئی چیز خون کا دریا ہی کیوں نہ ہو آپ اسے دریائے نیل کی طرح بہتر اور مفید بنا سکتے ہیں)

اور یہ تبدیل کی ؎

اے مبدل کردہ خاکے را بزر خاک دیگر را نمودہ بوالبشر

(اے وہ ذات جس نے ایک خاک کو سونے میں تبدیل کر دیا اور دوسری خاک کو ابوالبشر "آدم علیہ السلام" بنا دیا ہے) ؎

کار تو تبدیل اعیان وعطا کار ما سہو است نسیان وخطا

(آپ کا کام ذوات کو تبدیل کرنا اور عطا کرنا ہے ہمارا کام بھول چوک اور غلطی کرنا ہے)

تو یہ تبدیل اول اُس تبدیل ثانی کے لئے مقدمہ تھی جو مقصود تھی یہ حضرت سمجھے کہ بس منزل ختم ہوگئی اسکی تو ایسی مثال ہے جیسے ایک نادان بڑھیا کی حکایت ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بیان فرماتے تھے کہ جب حج کرنے کے لئے سب لوگ مکہ معظمہ سے عرفات جانے لگے تو اُسکے رفقاء اسکو بھی لے چلے، وہ چلّانے لگی کہ ارے بھائی مکہ میں تو آگئے اب آگے اور کہاں لیوں جاؤ ہو (یعنی کہاں لئے جاتے ہو ۱۲) پہاڑوں اور پتھروں میں۔ اجی اللہ کے گھر تو پہونچ گئے اب اور کیا چاہو ہو۔ یہ خبر نہ تھی اسکو کہ مکہ جو جارہے ہیں تو عرفات کے ہی لئے تو جارہے ہیں۔ یوں فضیلت چاہے مکہ معظمہ ہی کی زیادہ ہو مگر مکہ

جو گئے ہیں تو عرفات ہی کے لئے تو گئے ہیں. کیونکہ مکہ معظمہ جانے سے آخر مقصود کیا ہے. حج ہی تو ہے اور حج نصیب ہوتا ہے عرفات کے میدان میں پہونچکر. تو جیسے یہ بیوقوف بڑھیا مکہ میں داخل ہوکر آگے چلنا نہیں چاہتی تھی اسی طرح بعض سالکین جو ناواقف ہیں وہ اس تبدیل اول کی حالت سے خارج ہونا گوارا نہیں کرتے، ارے بھائی ابھی تم مکہ میں داخل ہوئے ہو آگے کیوں نہیں چلتے ارے عرفات تو آگے ہے عرفات میں چلو وہاں پہونچکر حج نصیب ہوگا اب چلے تو بیچ میں مزدلفہ آیا. مزدلفہ کیا ہے تبدیل ثانی جس کا نام میں نے رکھا ہے تبدیل وصفی. سالک تبدیل ذاتی کی حالت میں سمجھتا تھا کہ مجھے قرب تام حاصل ہے اور اب تبدیل وصفی کی حالت میں سمجھتا ہے کہ مجھے بُعد ہوگیا بُعد تو ہوگا مگر ہر بُعد مُضر نہیں. مزدلفہ پہونچ کر مکہ سے تو ضرور بُعد ہوا مگر عرفات کے لئے یہ بُعد ہوا یہ تیسرا اسٹیشن ہے اسکے آگے ایک بہت پُربہار مقام ہے اس کا نام ہے وصول جو گویا عرفات ہے تو یہ چار منزلیں ہیں اب پہونچا ہے منزل مقصود پر. اس مثال سے یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ تبدیل ثانی زیادہ اصعب ہے بہ نسبت تبدیل اول کے کیونکہ مکہ سے عرفات جانے میں مشقت پڑتی ہے لیکن یہاں بعض کو یہ شبہ ہوگا کہ تبدیل ذات تو صاحب زیادہ دشوار ہے بہ نسبت وصف کے کیونکہ تبدیل ذات تو یہ ہے کہ مثلاً تانبا تھا اب سونا ہو یہ تبدیل بہت مشکل ہے اور تبدیل وصف یہ ہے کہ پہلے سے بھی سونا تھا مگر میلا تھا اسکو صاف کر دیا یہ تو زیادہ مشکل نہیں تو یہ درسیات پڑھنے سے شبہ پیدا ہوا مگر میں نے تو درسیات کی اصطلاح کو نہیں لیا بلکہ میں نے اپنی اصطلاح جدا مقرر کی ہے اور اسکی شرح بھی کر چکا ہوں کہ تبدیل ذات کے معنیٰ یہاں یہ نہیں ہیں کہ وہ ذات جو پہلے تھی وہ بالکل معدوم ہو جاتی بلکہ وہ ذات معدوم بمعنی مغلوب ہوکر اسکے اوپر دوسری ذات اُبھر کر غالب ہو جاتی ہے جیسے پہلے ایک تھا افسر دوسرا تھا اس کا ماتحت پھر اس ماتحت کو افسر کر دیا گیا اور اس افسر کو اس کا ماتحت بنا دیا گیا. مثلاً پہلے بخل غالب تھا اور سخاوت مغلوب تھی اب بخل کی ذات کو تو مغلوب کر دیا اور سخاوت کو غالب کر دیا. یہ تھوڑا ہی ہوا کہ بخل کو سخاوت بنا دیا یوں خدا کی قدرت میں تو سب کچھ ہے. غرض تبدیل ذات تو یہ ہوئی اور تبدیل وصفی یہ ہے کہ بخل

با تو بخل ہی لیکن اُس میں اثر اور صفت سخاوت کی پیدا ہوگئی جیسا کہ میں تفصیل کے ساتھ یان کر چکا ہوں۔

بہر حال وہ تبدیل اول اہون ہے، اور یہ ثانی اعلیٰ درجہ کی ہے اور اصعب ہے۔ اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ تبدیل ثانی اصعب اور اعجب ہے یوں تبدیل اول بھی عجیب ہے۔ گر تبدیل ثانی بہت عجیب ہے تو گویا تبدیلیں ہوتی ہیں سالک کے احوال میں چونکہ ان کے متعلق عوام اور خواص غلطی کرتے ہیں اسلئے متنبہ کر دیا گیا ہے سو خواص تو سمجھ ہی گئے ہونگے

عوام کو ہدایت عوام کو چاہئے کہ جتنی برائیاں اپنے اندر ہوں رفتہ رفتہ عادت ڈالیں اُن سب کے چھوڑنے کی۔ لیکن یہ نہیں کہ خود سوچ کر تدبیریں کریں۔ نہیں بلکہ کسی محقق بزرگ سے رجوع کریں اور اس بزرگ سے محض ذکر و شغل ہی نہ پوچھیں بلکہ زیادہ تر اپنے امراض کا علاج پوچھیں کہ مجھ میں مثلاً تکبر ہے کوئی تدبیر ایسی بتلائیے کہ یہ کم بخت جاتا رہے یوں نہ پوچھو کہ کس تدبیر سے تکبر کم ہوگا بلکہ یوں پوچھو کہ کوئی ایسی تدبیر بتلائیے کہ ہمارا تکبر جاتا رہے۔ بھائی خوب سمجھ لو جب تک عادتوں کو بدلو گے نہیں اور نفس کو دباؤ گے نہیں تمہارا دین قائم نہیں رہ سکتا۔ خصوص ترقی تو ہرگز نہیں کر سکتا۔

اب میں عورتوں کو خطاب کرتا ہوں۔ عورتیں تو صرف نماز روزہ ہی کو دین سمجھتی ہیں جس نے نماز روزہ کر لیا اپنے نزدیک پورا دین حاصل کر لیا اور مطمئن ہو کر بیٹھ رہیں حالانکہ تمہارے اندر سیکڑوں عیب ہیں، تمہارے اندر ناحق کا غصہ ہے، تمہارے اندر غیبت کا عیب ہے، تمہارے اندر ریا ہے، تمہارے اندر فخر ہے، کبر ہے ان کی تدبیریں پوچھو بزرگوں سے بالخصوص کبر کے مٹانے کے تو ایسی کوشش کرو کہ کوئی گالیاں بھی دے کوئی کیسی ہی ذلت کرے لیکن تمہیں ناگوار نہ ہو پہلے اسکی کوشش کرو تب آئندہ طریق کھلے گا۔ یہ عورتوں کو میں اسلئے سُناتا ہوں چونکہ انھیں کچھ خبر ہی نہیں ہے انھیں تبدیلِ اول ہی کی خبر نہیں جب بُری عادتوں کے چھوڑنے کی کوشش کروگی تو پھر حق تعالیٰ اور توفیق دیگا پھر اور توفیق دے گا چلنا تو شروع کرو پھر تو رستہ ہی میں آ ویگی تبدیلِ اول بھی تبدیل ثانی بھی پھر تو گاڑی چلے ہی گی جب تبدیل ثانی تک خدا پہنچنا نصیب کریگا

پھر تو وہاں صرف حقیقت سمجھا دینا ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ تبدیلیں ہوتی ہیں احوال میں اور میں عرض کر ہی چکا ہوں کہ انکے متعلق خواص کی غلطیاں کیا ہیں اور عوام کی غلطیاں کیا ہیں۔ یہ تو دنیا میں تبدیلیں ہوئیں جن میں ایک گونہ اکتساب کو دخل ہے۔ آگے آخرت میں بھی تبدیل ہوتی ہے جو موہوب محض ہے۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے رحمت کا وہ تبدیل وہ ہے جو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کیلئے یہ تبدیل بھی ہوگی کہ انکو گناہوں کے بدلے نیکیاں دیدی جاوینگی بس اب ختم ہوا یہ بیان۔

گنہ گاروں کو بشارت آگے فرماتے ہیں۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ اسکی دو تقریریں ہیں ایک تو یہ کہ فرمارہے ہیں گنہگاروں کو کہ بشارت سن لو کہ بس تمہاری طرف سے توبہ ہی کی دیر ہے اللہ تعالیٰ غفور ہیں وہ تو توبہ قبول کر ہی لیتے ہیں۔ سب گناہوں کو مٹا ہی دیتے ہیں کیونکہ ہم غفور ہیں اور یہی نہیں بلکہ رحیم بھی ہیں یعنی توبہ کے بعد جو اعمال کروگے انھیں بھی ہم قبول کریں گے اس تفسیر کے اعتبار سے تو یہ ارشاد تحقق توبہ کیساتھ متعلق ہے جو اِلَّا مَنْ تَابَ میں مذکور ہے اور جو يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ کے ساتھ متعلق کیا جاوے تو وہ ایک نہایت لطیف تفسیر ہوگی اور یہ دوسری تقریر ہے یعنی ایک تبدیل کا تعلق تو ہے رحمت سے اور دوسری تبدیل کا تعلق ہے مغفرت سے یعنی بُرے ملکات کو مٹا دیا اور انکی جگہ اچھے ملکات عطا کر دیئے۔ یہ تو مغفرت ہوئی اور یہ رحمت ہے کہ بُرے ملکات کو مٹایا تو نہیں مگر ایسا کر دیا کہ ان کی خاصیت بدل دی۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی تبدیل کو متعلق غفور کے کہا جاوے اور دوسری تبدیل کو متعلق رحیم کے کہا جاوے تو یہ نہایت ہی اچھا مطلب ہو جاتا ہے۔ اب میں ختم کرتا ہوں نماز (یعنی نماز عشاء ۱۲) میں بھی چند منٹ کی دیر ہوگئی ہے۔ اس وعظ کا نام تکمیل الاعمال بتبدیل الاحوال مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں احوال کی تبدیل کا بیان ہے جس سے اعمال کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور پچھلے جمعہ کے وعظ کا جو نام ہے اسکے مناسب بھی ہے۔ اس کا نام ہے تجدد الامثال بتعدد الاعمال اور اس کا نام ہے تکمیل الاعمال بتبدیل الاحوال۔ اب دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ فہم سلیم اور ہمت قوی عطا فرمائے اور اپنی مرضیات کی توفیق اور رہبری فرمائے اور نافرمانیوں سے بچنے میں مدد فرمائے۔ فقط۔

شوال کے بعض احکام

فرمایا کہ صاحبو! یہ مہینہ شوال کا ہے اسکی بعض خصوصیات کا مختصراً ذکر کرتا ہوں ایک خصوصیت تو اس مہینہ کی یہ ہے کہ اسمیں چھ روزے رکھنا مستحب ہے حدیث شریف میں ان روزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی رمضان المبارک کے روزوں کے بعد چھ روزے شوال میں بھی رکھے گا اس کو ایسا ثواب ملے گا کہ گویا اس نے سال بھر برابر روزے رکھے۔ اور یہ سال بھر روزوں کا حساب اس طرح ٹھیک ہے کہ ہر نیکی کا ثواب کم ازکم دس گنا ملتا ہے تو رمضان کے ایک مہینہ کے روزے دس مہینے کے روزوں کے برابر ہوئے اور چھ روزے شوال کے ساٹھ دن کے برابر ہوئے جس کے دو مہینہ ہوتے ہیں تو یہ کل ملکر ایک سال ہوگیا اگر کسی کو ہمت ہو تو یہ خیال کرنے کی بات ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ یہ چھ روزے مسلسل رکھے بلکہ شوال کے اندر اندر پورے کرلے خواہ ایک ساتھ رکھے خواہ فصل کے ساتھ رکھے برابر ثواب ہے۔

دوسری خصوصیت اس مہینہ کی یہ ہے کہ یہ اشہر حج میں سے ہے یعنی اس مہینہ سے حج کے مہینے شروع ہوجاتے ہیں اور چونکہ مکہ معظمہ بعید ہے اسلئے یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان سے روانگی اسی مہینہ سے شروع ہوجاتی ہے اگر کسی کو خدا نے وسعت دی ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ فوراً سفر کا قصد کرے۔

ہم نے خرچ کا حساب لگایا تھا تو آجکل ساڑھے تین سو روپیہ حج کیلئے کافی ہے یوں کوئی نواب بنکر جانا چاہے تو وہ اور بات ہے اور مدینہ طیبہ کے لئے سو سوا سو روپیہ اور چاہئیں لیکن جس کے پاس صرف حج کے لئے روپیہ ہو مدینہ طیبہ کے لئے روپیہ نہ ہو تو اسکے اوپر حج فرض ہے۔ آجکل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب مدینہ طیبہ ہی نہ جانا ہوا تو کیا حج ہوا۔ یہ بالکل غلط عقیدہ ہے اگر اس بنا پر حج میں تاخیر کرے گا تو وہ فاسق ہوگا۔

غرض جس کے پاس ساڑھے تین سو روپیہ علاوہ اہل وعیال کے نان ونفقہ کے موجود ہوں اس پر اسی سال حج کرنا فرض ہے اگر تاخیر کرے گا گنہ گار ہوگا۔ ہاں اگر راستہ کی بدامنی وغیرہ کے متعلق خبریں سنی ہوں تو اسکی تحقیق کرے۔ تحقیق کرنے کے ذرائع موجود ہیں اگر کوئی تحقیق کرنا چاہے گا تو ہم بھی مدد کرنے کے لئے حاضر ہیں تحقیق کرنے میں کوئی حرج نہیں

کیونکہ یہ بھی عقل کی اور مصلحت کی بات ہے اگر تحقیق کے بعد امن طریق معلوم ہو جاوے تو پھر بلا عذر حج میں تاخیر کرنا فسق ہے کیونکہ سال بھر کی مدت بہت ہوتی ہے موت، حیات، صحت، مرض کی کس کو خبر ہے۔ لہٰذا جس کے پاس ساڑھے تین سو روپیہ موجود ہوں وہ قصد روانگی کرے کیونکہ ابھی بہت فراغت کا وقت باقی ہے بہت لوگ جارہے ہیں فقط

حضرت مصلح الامۃؒ کا حزم و احتیاط

فرمایا۔ میرے پاس ایک عورت کا ایک جگہ سے خط آیا اس میں اس نے اپنے داماد کی شکایت لکھی تھی تو میں نے اسوقت اس کا جواب نہ لکھا بلکہ اسکے داماد کے پاس اس خط کو بھیج دیا اور ان داماد صاحب سے اس شکایت کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے ایک طویل خط اسکے جواب میں لکھا۔ معاملات بہت اُلجھے ہوئے تھے تو میں نے اس عورت کو یہ لکھا:

"میں نے ان سے دریافت کیا آپ کے خط کی بہت سی باتوں کو انھوں نے تسلیم نہیں کیا۔ لہٰذا میں کوئی حتمی بات ایک طرف نہیں کہہ سکتا ہوں۔ شریعت کے اتباع میں عدل و انصاف منحصر ہے لہٰذا اسی کی وصیت آپ کو اور لڑکی کو کرتا ہوں۔

اور داماد کو یہ لکھا:-

"بلا دلیل آپ سے کیسے بدگمان ہو سکتا ہوں آپ کا خط پڑھا اور ان کا خط بھی پڑھا حیران رہ گیا فیصلہ نہ کر سکا کہ کس فریق کی غلطی ہے۔ حقیقی عدل و انصاف شرع شریف پر عمل میں منحصر ہے لہٰذا اسی کی وصیت کرتا ہوں"

(از مکاتیب مصلح الامۃؒ)

(بقیہ مکتوب نمبر ۹۷)

حال :- اور خاکسار کے اصلاح حال کیلئے مستقل طور پر توجہ فرماتے رہیں گے۔ اسوقت خاکسار مختلف قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہے۔ خاکسار پر ایک جھوٹا اور جعلی مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ خاکسار کی آمدنی کے دروازے بھی بند ہیں اور خاکسار کو یقین ہے کہ حضور کی معافی اور توجہ و شفقت کے بعد یہ سارے بادل بہت جلد چھنٹ جائینگے آخر میں پھر استدعا ہے کہ حضور مناسب سمجھیں تو ان حالات کو اپنے ہی تک محدود رکھیں تاکہ یہ سیہ کار مزید رُسوا نہ ہو سکے لیکن اگر خاکسار کی اصلاح حال کے لئے حضور اسے ضروری تصور فرمائیں تو حضور کو اختیار ہے۔ حضور کے دربار میں مراسلت کے آداب سے خاکسار بیگانہ محض ہے۔ گستاخیوں کی معذرت و اصلاح کی گذارش بھی پیش خدمت ہے

تحقیق :- یہ معلوم کر کے کہ آپ کے والد صاحب مرحوم اور والدہ صاحبہ اور نانی صاحبہ سب حضرت تھانویؒ سے بیعت تھے پھر بھی آپ نے اس تعلق کا کوئی لحاظ نہیں کیا اِنَّا لِلّٰہ اب آپ کا تعلق ایک بزرگ سے ہو گیا ہے ان سے سب باتوں کو پیش فرما کر اصلاح کیجئے۔ خیر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ میں اس درجہ کا آدمی نہیں ہوں کہ میری وجہ سے کوئی آدمی کسی بلا میں گرفتار ہو۔ اب آپ سے اپنی اصلاح کیلئے دعا کا خواستگار ہوں۔

(مکتوب نمبر ۹۸)

حال :- گذارش یہ ہے کہ خاکسار ڈاک اور تار کے محکمہ میں ایک ادنیٰ ملازم ہے انگریزی تعلیم یافتہ ہونے کے باعث دینیات سے بالکل کورا۔ حضرت والا کے اکثر مرید میرے احباب ہیں۔ کئی بار حضرت والا کی خدمت اقدس میں عریضہ پیش کرنے کا امنگ ہوا مگر اپنے میں لاکھوں کمی اور خامیوں کو دیکھتا ہوا شرم آئی اور ہمت نہ پڑی۔ جناب . . . . . صاحب جو حضرت والا کے خادموں میں سے ہیں ان کی ہمت افزائی پر یہ عریضہ بعد ادب پیش خدمت کر رہا ہوں بچپن سے حقیقت

اور معرفت کیا ہے معلوم کرنے کا شوق رہا اور برابر اسکے جستجو میں لگا رہا۔ اس بنا پر اکثر تصنیفات شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور امام غزالیؒ وغیرہ کے دیکھا اور اب بھی مطالعہ کرتا ہوں۔ مگر درست اعمال اور مرشد کامل کی کمی کی وجہ سے کوئی خاص بات لائق تحریر نہیں۔ اب حضرت والا کی خدمت بابرکات میں پیش ہوا اور بعد ادب التجا ہے کہ حضور نااہل کی دست گیری فرماویں اور اپنے خادموں میں شامل کرلیں تاکہ جناب والا کے برکت اور دعا سے خداوند کریم اپنے حبیب کے طفیل سے مجھ جیسے بدنصیب پر رحم کرے اور عمل صالحہ کا توفیق عطا کرے۔ میں خود کو نقشبندی سلسلہ پر زیادہ تر مائل پاتا ہوں۔ ممکن ہے صرف دھوکا ہو باقی جیسا حضرت والا کا ارشاد گرامی ہو اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔

تحقیق:۔ خط سے آپ کے حالات اور دینی جذبات کا اندازہ لگا جس کی بنا پر آپ نے اکابر کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور کر رہے ہیں بہت اچھا ہے مگر یہ بات بھی جو آپ نے لکھی ہے کہ "بغیر مرشد کامل کوئی خاص بات لائق تحریر نہیں"۔ صحیح ہے، اسلئے کہ ظاہری بہت سے علوم وفنون میں مشاہدہ اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے محض کتاب گردانی سے اس میں مہارت حاصل نہیں ہوتی۔ بعینہ اسی طرح اس راہ میں بھی ہے کہ مشائخ عموماً کتب بینی سے روک دیتے ہیں اور حضرت مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ طب کی کتابیں طبیب کے لئے ہیں مریض کے لئے نہیں۔ اسی طرح تصوف کی کتابیں مشائخ کے لئے ہیں نہ کہ طالبین کے لئے۔ اس لکھنے سے میرا مطلب محض آپ کے لکھنے کی تائید وتصویب ہے کہ جو آپ نے کمی محسوس کیا، ٹھیک ہے۔ رہی یہ بات کہ مجھ سے تعلق پیدا کرنے کو لکھ رہے ہیں تو عرض ہے کہ مرشد کامل سے تعلق پیدا کرنا چاہئے اور اس سے اصلاح کرانی چاہئے اور اس سے پورا اعتقاد ہونا چاہیے سُن سُنا کر آپ نے میرے پاس خط لکھا ہوگا تو آپ کو کیسے اطمینان ہے کہ میں آپ کا کام کرسکوں گا اور آپ کی کمی کو دور کرسکوں گا۔

(مکتوب نمبر ۷۹۹)

حال :- ایک بار میں نے آپ کے پاس خط بھیجا تو آپ نے بتایا کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھا کرو تو میں برابر پڑھتا ہوں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

تحقیق :- آپ نے لکھا ہے "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کے وظیفہ کے پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا" کیا مجھ کو فائدہ کا ذمہ دار سمجھتے ہو یا وظیفے کو اسکا جواب دو پھر کچھ کہوں گا۔

(مکتوب نمبر ۸۰۰)

حال :- کلام پاک کی طرف بعض مرتبہ خیال فاسد آجاتا ہے جو زبان سے کہہ نہیں سکتا اس میں پریشان ہو جاتا ہوں اور نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نقش نماز وغیر نماز میں آجاتا ہے جیسے کہ معلوم ہوتا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود ہیں۔

تحقیق :- کلام مجید کے متعلق جو خیالات آتے ہیں ان کی طرف التفات نہ کیجئے۔ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال محبت کی وجہ سے ہے اور منع نہیں ہے عمداً توجہ صلوٰۃ کی طرف رکھنی چاہیئے۔

(مکتوب نمبر ۸۰۱)

حال :- حضرت والا! مکرمی جناب مولوی ..... صاحب کے ذریعہ سہ روزہ اجتماع اور سبق بند کرنے پر یہ ارشاد گرامی ملا تھا کہ بند کر دیا ہے تو اس پر ڈٹے رہیئے پھر شروع نہ کر دینگے۔ انشاء اللہ اسی میں خیر ہوگا۔ سو الحمد للہ حضرت والا مدظلہ العالی کی دعا و توجہ کی برکت سے بندہ اسمیں خیر ابھی سے دیکھ رہا ہے اور آئندہ بھی دیکھے گا۔ پہلے تو یہ حال ہو گیا تھا کہ مدرسہ سے اور لوازمات زندگی سے جو تھوڑا موڑا وقت بچتا تو یہ لوگ اسمیں حائل ہو جاتے اپنا معمول بھی وقت سے ادا نہ ہو پاتا بلکہ بسا اوقات رہ بھی جاتا۔ غرض کوئی نظم باقی نہ رہ گیا تھا اور اس کے خسران کا صحیح احساس بھی باقی نہ ہوتا تھا۔

اور اب بفضلہ تعالیٰ حضرت والا مدظلہ کی دعا کی برکت سے وقت بچتا ہے

اور اپنے گذشتہ حالات میں غور کرنے اور اپنی غلطیوں کے پکڑنے کا موقع نصیب ہوتا ہے جس سے اپنی اصلاح کی فکر بڑھتی ہے اور موت اور مابعد الموت پیش آنے والے حالات و واقعات میں بھی غور و خوض کی توفیق میسر ہوتی ہے جس سے آخرت مستحضر رکھنے میں سہولت ہوتی ہے اور نہایت دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ معمولات پورے کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت والا شانہ سے صحیح ارادت و صحیح عقیدت و اخلاص کامل عطا فرما دیں اور اسمیں ترقی و استقامت بخشیں آمین

تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ حضرت والا! ہمیں افسوس ہے کہ اپنے نقصانوں کو پہلے کیوں نہیں سوچا۔ حضرت والا مدظلہ العالی کا بڑا احسان ہے کہ متنبہ فرمایا!

حضرت والا! جب میں غور کرتا ہوں تو ندامت ہوتی ہے اور اپنے گذشتہ ساری حالات خلاف اخلاص معلوم ہوتے ہیں۔ تحقیق :۔ اسمیں کیا شک ہے۔

حال :۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فہم صحیح و اخلاص عطا فرما دیں۔ تحقیق :۔ آمین۔

حال :۔ اور حضرت شیخ مدظلہ کی پوری عظمت اور پوری عقیدت و صحیح ارادت کے ساتھ مزاج شناسی کی دولت سے بھی نوازدیں۔ تحقیق :۔ آمین۔

حال :۔ اور ہمارا سارا حال ظاہر و باطن درست اور صحیح فرمادیں۔ تحقیق :۔ آمین

حال :۔ اجتراب دوبارہ پھران چیزوں کو از خود شروع کردینے کی جسارت تو الگ اس کا تصور بھی نہیں لاسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر کج روی سے محفوظ فرمادیں اور بالکل حضرت شیخ مدظلہ کے حسب منشار رہنے اور اسی میں جینے و مرنیکی توفیق عطا فرمادیں۔ تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ اور ہمارے ایمان کی سلامتی اور دین و دنیا دونوں کی ہر فلاح و بہبود کا اسی میں محصور ہونا ہمارے دل میں اتاردیں۔ اور یہی ہماری جبلت و ہویت بنا کر اس میں مستقیم رکھیں۔

تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ اور یہ سب ہمارا محض قول و خیال نہ رہے بلکہ یہی ہماری حقیقت و اصلیت ہوجائے۔ آمین۔ تحقیق :۔ آمین

حال :۔ اور زندگی کے چند لمحے جو باقی رہ گئے ہیں وہ سب اسی میں صرف و خرچ ہوں۔

تحقیق :- آمین۔ حال :- حضرت والا! تھوڑا تھوڑا جو ذکر شروع کیا تھا اب اسکی ادائیگی میں سہولت معلوم ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ اب تھوڑا تھوڑا کرکے بڑھاؤں۔ تحقیق :- بڑھادو۔ حال :- اگر مناسب ہو تو اجازت مرحمت فرمائی جاوے۔ تحقیق :- اجازت ہے۔ حال :- اور دعا فرمائی جاوے

تحقیق :- دعا کرتا ہوں۔ حال :- کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں اور اسمیں ترقی ورسوخ واستقامت عطا فرمائیں۔ تحقیق :- آمین۔

حال :- بعد مغرب تین ہزار اللہ۔ اللہ سے اور بعد فجر ایک ہزار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ سے اول وآخر درود شریف کے ساتھ شروع کیا تھا۔ حضرت والا دعا فرمادی جائے۔

تحقیق :- دعا کرتا ہوں۔ حال :- کہ بندہ اور بندہ کے بال بچے وگھر والے سب دین دار ہو جائیں۔ تحقیق :- آمین۔ حال :- اور دین کے اور اللہ ورسولؐ وحضرت والا شانہ کے سچے فدائی ہو جائیں۔ آمین۔

تحقیق :- آمین۔ آپ نے جو باتیں لکھی ہیں اس سے خوش ہوا۔ الحمدللہ کہ ان باتوں کو آپ سمجھنے لگے۔ میں بہت دنوں سے انھیں باتوں کی طرف توجہ کرنے کے لئے اشارۃً کنایۃً کہا کرتا تھا مگر آپ سمجھتے نہیں تھے۔ اب جبکہ میں نے قطع تعلق کو کہا اور صاف صاف بات کہی تو آپ کی سمجھ میں آیا تو کام پر لگے۔ بھائی آج کل یہی تو ہو گیا ہے کہ جو لوگ ہم لوگوں کے پاس آمد ورفت رکھتے ہیں وہ بھی اصل کام کی طرف اصلاً التفات نہیں کرتے۔ آپ خود بتلایئے کہ جو لوگ ہاتھ پیر ہوں وہی کام کے نہ رہیں تو پھر کام آخر کیسے ہو۔ وہ جگہ خراب ہو کر رہ جائیگی اسی کو فاسد ہو جانے سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ اگر آپ اور قاری صاحب اور مولوی ..... صاحب قاعدہ سے کام کئے ہوتے یعنی خود اپنی اصلاح سے کام شروع کئے ہوتے تو معلوم نہیں کام کہاں سے کہاں پہونچا ہوتا۔ مگر جب کام قاعدہ سے کیا ہی نہ جائے گا تو پھر کام کا ہونا تو درکنار کام بگڑ جائیگا۔

مشکوٰۃ میں ایک حدیث آئی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

بطور پیشین گوئی کے اقوام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے اسکو نقل کرتا ہوں اسکو سمجھئے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَفِيْنَا الْاَعْرَابِيُّ وَالْعَجَمِيُّ فَقَالَ اِقْرَأُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ وَسَيَجِيْئُ اَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهٗ كَمَا يُقَامُ الْقِدْحُ يَتَعَجَّلُوْنَهٗ وَلَا يَتَاَجَّلُوْنَهٗ (رواہ ابوداؤد)

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس حال میں کہ ہم قرآن پڑھ رہے تھے ہم میں دیہاتی بھی تھے اور عجمی بھی۔ آپ نے فرمایا پڑھو سب ٹھیک ہے۔ اور عنقریب ایسی قوم آئیں گی جو اسے اس طرح سیدھا کرینگی جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ اسکی فوری جزاء دنیا ہی میں چاہیں گے اور اسکی جزاء آخرت نہ طلب کریں گے) قَالَ صَاحِبُ الْمِرْقَاةِ (وَسَيَجِيْئُ اَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهٗ) اَيْ يُبَالِغُوْنَ فِيْ عَمَلِ الْقِرَاءَةِ كَمَالَ الْمُبَالَغَةِ لِاَجْلِ الرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ وَالْمُبَاهَاةِ وَالشُّهْرَةِ (يَتَعَجَّلُوْنَهٗ) اَيْ ثَوَابَهٗ فِي الدُّنْيَا (وَلَا يَتَاَجَّلُوْنَهٗ) بِطَلَبِ الْاَجْرِ فِي الْعُقْبٰى بَلْ يُؤْثِرُوْنَ الْعَاجِلَةَ عَلَى الْاٰجِلَةِ وَيَتَاَكَّلُوْنَ وَلَا يَتَوَكَّلُوْنَ

(مرقات شرح مشکوٰۃ شریف)

اس خط کو قاری صاحب اور مولوی . . . صاحب کو بھی دکھلا دیں اس سے جو کچھ وہ لوگ سمجھیں اپنے تئیں لکھیں۔ صفحہ ۶۱۷ ج ۲

(مکتوب نمبر ۸۰۲)

حال:۔ حضرت! اس خواب کی تعبیر کیا فرماتے ہیں کہ احقر نے دیکھا کہ مسجد میں ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے جسمیں مولوی . . . . صاحب بھی تشریف فرما ہیں انھوں نے ایک کتاب جو قرآن کی شکل میں تھی اور بہت پرانی معلوم ہو رہی تھی خواب میں معلوم ہوا کہ یہ کتاب جسکے اوپر پنسل سے کچھ لکھا ہوا تھا حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا ہے معلوم کرکے میں بہت رویا اور دیکھنے والے بھی رو رہے تھے بعد اسکے میں بیدار ہو گیا۔

تحقیق:۔ آپ کو قرآن شریف کے انوار ملیں گے۔ میں اس خواب سے بہت خوش ہوا سمجھتا ہوں کہ یہ تدریس مقبول ہوئی ہے جناب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں۔

(۷۳۳) حضرت والا کے ایماء سے میر معصوم علی صاحب ساکن میرٹھ نے ریل کے قواعد کا ترجمہ کیا اور جن قواعد کے متعلق کوئی حکم شرعی ہوتا اسکو بغرض تحقیق ایک جگہ جمع کراتے تھے۔ چند ذی علم مہمان دور سے آئے ہوئے تھے۔ وہ مدرسہ کے مہمانخانہ میں مقیم تھے اور حضرت والا بوجہ پیر میں بال توڑ ہونے کے مکان ہی پر تشریف رکھتے تھے دن میں ایک دو دفعہ وہ مہمان حضرت والا کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ اتفاقی بات ہے کہ اکثر جب وہ حاضر ہوتے تو حضرت والا وہی قواعد ریل سنتے تھے ان سے گفتگو بھی فرماتے لیکن ان کی سیری نہ ہوتی۔ یہاں تک منقبض ہوئے کہ آپس میں کہتے کہ وہاں تو ہر وقت بیمہ اور پارسل ہی ہوتا ہے۔ ہماری تمنا تھی کہ درویشی کے نکات سننے میں سارا وقت صرف ہوا کرتا۔ یہ خبر حضرت والا تک پہونچ گئی تو فرمایا میں ان نکات و لطائف کی اس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔ بڑی چیز صفائی معاملات ہے جس کے واسطے مسائل شریعت ذریعہ ہیں اور اس واسطے یہ کتاب قواعد ریلوے لکھائی گئی ہے تاکہ معاملات اور حقوق میں گناہ سے حفاظت ہو۔ عمل چاہئے۔ نکات و لطائف سے کیا ہوتا ہے۔

(۷۳۴) فرمایا کہ امام کو باوجود نااہل ہونے کے جب لوگ اہل سمجھ کر امام بناتے ہیں تو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس کو لوگوں کے گمان کے موافق اہل ہی کر دیں۔ اکثر واقع ہوا ہے کہ مشائخ نے کسی ایسے شخص کو اجازت دیدی جس میں اہلیت نہ تھی مگر حق تعالیٰ نے ان کے فعل کی برکت سے اس کو اہل کر دیا۔

(۷۳۵) ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھ کو عورتوں اور لڑکوں کی طرف اس درجہ میلان ہے کہ جنون کی سی حالت ہے۔ کھانے کا بھی اس کے سامنے ہوش نہیں۔ اور نماز پڑھتا تو ہوں مگر بعض وقت یہ بھی ہوش نہیں رہتا کہ کیا پڑھا اور میں اس سے نہایت خائف ہوں اور اس کا علاج چاہتا ہوں۔ فرمایا میلان کے دو درجے ہیں۔ ایک تو کسی شے کی طرف توجہ اور ایک محبت یعنی توجہ تقاضا کے درجے میں۔ اول درجہ تو امر طبعی ہے حق تعالیٰ نے مرد کی طبیعت میں میلان رکھا ہے۔ نہ یہ کسی تدبیر سے جا سکتا ہے اور نہ اس کے کھونے کا انسان مکلف ہے۔ اور دوسرا درجہ اختیاری ہے یعنی اختیار کو وجود و عدم

میں دخل ہے۔ انسان کسی چیز میں انہماک اتنا کر سکتا ہے کہ اسی کا ہو رہے اور کسی چیز سے اتنا بچ سکتا ہے کہ محبت کا درجہ نہ رہے۔ جب یہ اختیاری ہے تو انسان اسکا مکلف بھی۔ علاج اس کا ہمت ہے۔ حق تعالیٰ نے افعال اختیاریہ کو بندہ کی ہمت پر رکھا ہے۔ ہمت کرنے کے بعد مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور دوسرا علاج طبیعت کو اس طرف سے ہے جس وقت ہیجان پیدا ہو یہ قاعدہ ہے کہ نفس دو چیز کی طرف ایک وقت میں متوجہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جس وقت ہیجان پیدا ہو نفس کو دوسرے کام میں لگا دینا چاہئے خواہ دین کے کام میں (مثلاً نماز پڑھنے لگے یا ذکر و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو جاوے) خواہ دنیا کے کام میں (مثلاً کسی کے پاس جا بیٹھے وغیرہ وغیرہ) اور ایک علاج یہ بھی ہے کہ اس ہیجان کی طرف مطلق التفات ہی نہ کرے اور سمجھ لے کہ اس سے میرا کچھ نہیں بگڑتا۔ خیال ہے آتا ہے آیا کرے۔ یہ نہایت مجرب علاج ہے عرض کیا کیسے التفات نہ کروں۔ نماز اور ذکر و شغل میرا سب غارت ہو گیا۔ کسی وقت وہ خیال دور نہیں ہوتا۔ فرمایا یہ خیال درجہ اولیٰ ہے اس پر گناہ نہیں۔ تم اپنے فعل کے مکلف ہو۔ ان خیالات کا مرتبۂ ظہور میں آجانا تمہارا فعل ہے۔ جب تک یہ نہیں مطلق گناہ و مواخذہ نہیں۔ اگر ساری عمر بھی طبیعت اپنے کام کئے جاوے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔ عرض کیا کوئی وظیفہ ایسا بتا دیجئے جس سے یہ بلا دور ہو جائے۔ فرمایا وظیفوں سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ علاج وہی ہے جو میں نے بتایا۔ بجائے وظیفہ کے دعا کیجئے۔ ہمت سے کام لیجئے اور کسی دوسرے کام میں لگ جایا کیجئے اور حق تعالیٰ سے بالحاح و زاری دعا مانگا کیجئے کہ مجھے ان آفات سے محفوظ رکھئے۔ دعا سے یقیناً اثر ہوتا ہے ہر مشکل میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲۳۶) ایک شخص شاملی سے آیا اور بیعت ہونے کی درخواست کی فرمایا اس سے پہلے بھی مجھ سے ملے ہو یا نہیں۔ عرض کیا ہاں رمضان میں اور چند آدمیوں کے ساتھ آیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ بعد رمضان آنا۔ اب حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا متصل رمضان کے کیوں نہیں آئے؟ عرض کیا کوئی ساتھ کو نہ ملا اس واسطے نہ آسکا۔ فرمایا اب بھی تو اکیلے ہی آئے ہو۔ ساتھی تو اب بھی نہیں ہے۔ عرض کیا ساتھی کا انتظار کرتے کرتے یہ دن آگیا جب کوئی نہ ملا تو اکیلے چلا آیا۔ فرمایا یہ غلطی ہے یاد کر لو کہ دین کے واسطے کبھی ساتھی مت ڈھونڈنا ممکن

ہے کہ وہ ساتھی شوق سے نہ آیا ہو اپنے اور کسی کام سے آیا ہو۔ دیکھا دیکھی بیعت میں بھی شریک ہونے لگے تو اس کو میں کیسے بیعت کروں گا۔ پھر پوچھا تم کسی رسم میں عرس وغیرہ میں پیران کلیر میں یا بنت میں جایا کرتے ہو یا نہیں۔ عرض کیا کبھی نہیں پوچھا تمھارے بیوی بچے ہیں۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا تم اور تمھاری بیوی نماز پڑھتے ہو یا نہیں۔ عرض کیا میں تو پڑھتا ہوں اور وہ بھی پڑھتی ہے مگر آجکل بیمار ہے۔ اسی واسطے آجکل نہیں پڑھتی۔ فرمایا مرض میں نماز معاف نہیں ہوجاتی۔ اس وقت میں نماز پڑھوانا تمھارے ذمہ ہے۔ چھوڑنے سے صرف وہی گنہ گار نہ ہوگی۔ تم بھی گنہ گار ہوگے۔ نماز ایسی کیا مشکل چیز ہے۔ اہتمام کے ساتھ پڑھواؤ۔ اور جتنی مرض میں مجبوری ہوتی ہے اتنی ہی نماز بھی تو مرض کی سہل ہوتی ہے۔ پھر حضرت والا نے اسکو بیعت کیا اور تعلیم فرمایا کہ رات کو تہجد آٹھ رکعت پڑھا کرو دو دو رکعت کرکے اور ان میں اختیار ہے کوئی سی سورت پڑھا کرو۔ قل ہو اللہ کی قید نہیں۔ پھر تہجد کے بعد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک ہزار بار ضرب کے ساتھ۔ اتنا جہر نہ ہو کہ پاس کے آدمی جاگ جاویں ورنہ بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ اور بہتر یہ ہے کہ تہجد پچھلی رات میں پڑھا جاوے۔ اگر نہ ہوسکے تو بعد عشاء کے سہی۔ یہ رات کے معمولات ہوئے۔ اور دن میں یہ معمول رکھو کہ چلتے پھرتے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتے رہا کرو۔ اور کبھی محمد رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) اور کسی رسم میں شریک مت ہونا۔ بس اسوقت اسی قدر بتاتا ہوں پھر مجھ سے وقتاً فوقتاً پوچھتے رہنا۔ عرض کیا میں ہر ہفتہ شاملی سے آتا رہوں گا۔ فرمایا اگر جمعہ کے دن آنا ہوا کرے تو کھانا ساتھ لیکر آیا کرنا۔ اگر اور کسی دن آؤ گے تو اگر ممکن ہوگا تو ہم کھلا دیا کریں گے ہم نے لوگوں سے کہہ رکھا ہے کہ جو جمعہ کے دن آوے گا وہ ہمارا مہمان نہیں۔ وہ نمازِ جمعہ کے لئے آیا ہے تو اپنے کام کو آیا ہے کسی پر کیا احسان ہے۔ ہاں جو لوگ دور سے آتے ہیں اور میرے ہی پاس آتے ہیں وہ کسی دن آویں میرے مہمان ہیں۔ اور میں تمھیں شجرہ دوں گا اگر تمھیں پڑھنا آتا ہے تو خود پڑھ لیا کرنا۔ نہیں تو کسی دوسرے پڑھے لکھے آدمی سے کبھی کبھی سن لیا کرنا۔ اور تم کسی سے قرآن شریف اور بہشتی زیور پڑھ لو۔

(۲۳۷) ایک خانصاحب عبداللہ خاں نام خورجہ ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھانہ بھون

میں کوتوال تھے ان کی تبدیلی ہوگئی اور دو چار دن کے واسطے اہل وعیال کو تھانہ بھون چھوڑ گئے۔ ان کے جاتے ہی مکان میں چوری ہوگئی اور بہت نقصان ہوا۔ حضرت والا ان کے گھر تسلی دینے کے لئے تشریف لے گئے تو فرمایا کہ حکومت دنیا کی یہ اصلیت ہے۔ کل ان سے تمام شہر ڈرتا تھا اور آج ان کا مال ومتاع سب لے گئے۔ اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ تھانہ دائے ضابطہ کی تحقیقات کر رہے ہیں ان کا اختیار ہوتا تو چوری نکال ہی لیتے۔ بخلاف اسکے اہل اللہ کی حکومت کو دیکھئے کہ کسی سیاح یورپین نے ولایت میں جاکر کہا کہ ہم نے ہندوستان میں ایک مُردہ ایسا دیکھا جو سلطنت کر رہا ہے (کنایہ ہے حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہٗ سے) اکبر بادشاہ باوجود آزاد خیال ہونے کے دو دفعہ آگرہ سے اجمیر پیدل گیا۔ بیشک دین سے آدمی کو دائمی عزت حاصل ہوجاتی ہے اورنگ زیب کا مقبرہ اور بادشاہوں کی طرح نہیں بنایا گیا ہے۔ قبر پکی بھی نہیں کی ہے مگر اب تک ایسی عظمت ہے کہ جو کوئی جاتا ہے اسی طرح حاضری ہوتی ہے جیسے زندگی میں ہوتی تھی حتیٰ کہ حکام بھی جاتے ہیں تو مجاور ان کو حضوری کے آداب تسلیم وتعظیم سکھاتے ہیں اور دور کھڑے کئے جاتے ہیں گویا ابھی بادشاہ دربار میں موجود ہے۔ یہ سب اس کا اثر ہے کہ اورنگ زیب عالم اور متشرع تھا۔ تورع کا اثر بعد مرنے کے بھی رہتا ہے۔

(۷۳۸) تعلیم و فلسفہ کا ذکر ہوا تو حضرت والا نے فرمایا کہ میں نے بھی فلسفہ کی کتابیں پڑھی ہیں مگر کبھی ان پر بسم اللہ نہیں کہی بلکہ اعوذ باللہ پڑھ لیا کرتا تھا اور نہ کبھی دل لگا کر فلسفہ کو پڑھا ایک آلی علم سمجھ کر پڑھا بعض لوگ کہتے ہیں بڑا مشکل علم ہے اور کاموں کو چھوڑ کر پڑھا جاوے تب آتا ہے میں نے تو ہمیشہ اسی طرح پڑھا مجھے تو کچھ مشکل معلوم نہیں ہوا بہتوں کو پڑھا بھی دیا۔ ایک شخص نے عرض کیا فلسفہ کارآمد چیز تو ضرور ہے۔ فرمایا ہاں عمق نظر اور دقت فکر اس سے پیدا ہوتی ہے۔

(۷۳۹) ایک روز حسب معمول بعد نماز عصر مصلیٰ پر تشریف فرما تھے۔ قرأۃ سیکھنے والا لڑکا محمد عمر نام حسب معمول حاضر ہوا اور سامنے بیٹھ کر قرآن شریف شروع کیا۔ اس کے آس پاس اور لوگ بیٹھ گئے ایک اور طالب علم کو جو عرصہ دراز سے مدرسہ میں تھے اجازت تھی کہ سماعت کیا کریں وہ بھی قرآن شریف لیکر حاضر ہوئے اور محمد عمر کے پاس آ پہونچنے کے لئے

مجمع میں گھسنا چاہا تو حضرت والا نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا تم کو اتنے دن یہاں رہتے ہو گئے مگر اب تک اس سے آشنا نہ ہوئے کہ دین کیا چیز ہے۔ بہت سی کتابیں پڑھ لینے یا وظیفہ گھونٹنے کا نام دین نہیں ہے۔ دین میں اصلاح عادات بھی داخل ہے اور اسی کو تہذیب بھی کہتے ہیں۔ لوگوں کی گردنیں پھلانگنا کس نے بتلایا ہے تم تو سامع ہو آواز دور تک پہنچتی ہے جہاں جگہ ملی وہیں کیوں نہ بیٹھ گئے۔ اور پاس ہی بیٹھنے کا شوق تھا تو پہلے سے آئے ہوتے جاؤ یہاں سے اٹھ جاؤ۔ جب تک تہذیب نہ سیکھ لو ہمارے پاس مت آؤ! آڑ میں بیٹھو اور وہیں سے سنو۔

(۷۴۰) ایک طالب نے ذکر شروع کرنا چاہا تو تعلیم فرمایا کہ تہجد کا التزام کرو۔ بہتر آخر شب میں ہے اگر نہ ہو سکے تو عشاء کے بعد سہی اور اکثری عادت آٹھ رکعتیں چاہئے اور اس سے کمی زیادتی مقتضائے وقت و موقع پر ہے۔ بعد تہجد کے اسم ذات کم از کم ایک ہزار بار اور زیادہ سے زیادہ تین ہزار بار کا ورد کرو۔ پھر صبح کی نماز کے بعد اپنے معمولات سے فارغ ہونے کے بعد بھی اسی قدر۔ پھر ظہر کے بعد ایک ہزار بار۔ اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے لا الٰہ الا اللہ پڑھتے رہو اور کبھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور کتاب دیکھنا بالکل چھوڑ دو۔ اب ہر وقت ذکر ہی سے دھیان رکھو۔ دوسرے اشغال جتنے بھی ہو سکیں کم کر دو۔ کیونکہ کثرت اشغال مبتدی کے لئے مضر ہے۔ پھر حالات مجھ سے کہتے رہو جو بات چھپانے کی نہ ہو عصر کے بعد مجمع میں کرلو اور جو بات چھپانے کی ہو وہ بعد مغرب کہو۔ یہ دونوں وقت ان ہی کاموں کے لئے مقرر ہیں

(۷۴۱) صبح کے وقت ایک مولوی صاحب کرتا بہت نیچا اور اوپر سے صدری پہن کر گھڑی جیب میں ڈال کر واعظانہ بڑا سا عمامہ باندھ کر کہیں جا رہے تھے۔ حضرت والا کی نظر ان پر پڑ گئی تو حکیم محمد مصطفیٰ صاحب سے فرمایا کہ ان سے کہہ دینا کہ یہ وضع مجھ کو پسند نہیں۔ طالبعلموں کی طرح رہنا چاہئے صدری کرتے کے نیچے کر لیں اور اگر ضرورت نہیں تو بالکل نہ پہنیں۔ اب شام کو بعد مغرب یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص نے حضرت والا سے دردزہ کے واسطے ایک تعویذ کی درخواست کی حضرت والا نے ترحماً فوراً تعویذ لکھنے کے لئے ایک لڑکے سے قلم دان منگایا وہ مولوی صاحب کھڑے پنکھا جھل رہے تھے۔ اسوقت کسی قدر اندھیرا ہو گیا تھا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ چراغ لے آؤں فرمایا نہیں اور تعویذ لکھنا شروع کیا۔ بوجہ اندھیرے ہونے

کے قدرے دقت ہوئی۔ مولوی صاحب نے پھر عرض کیا چراغ لے آؤں پس حضرت والا نے تعویذ ہاتھ سے رکھ دیا اور فرمایا کہ میں نے قصداً بلا روشنی کے لکھنا شروع کیا تھا کہ دیکھوں آپ کیا کرتے ہیں مگر آپ کو ایک دفعہ کہنے پر بھی صبر نہ ہوا اور جو بات طبیعت میں ہے ظاہر ہوکر رہی۔ آپ کی طبیعت میں امارت ہے۔ اور میری طبیعت میں امارت سے نفرت ہے۔ ابھی اتنا اندھیرا نہیں کہ لکھا جانہ سکے ذرا کلفت سے سہی۔ یہ امارت ہے کہ شام ہوئی اور لالٹینیں روشن ہوئیں۔ اگر ذرا گرمی ہوئی پنکھا شروع ہوا۔ میں پیخانہ میں بھی روشنی ہر وقت نہیں لیجاتا ہوں۔ حالانکہ وہاں ضرورت ہے۔ میں اس کو بھی امارت کی شان سمجھتا ہوں کہ پیخانہ کا وقت آیا لالٹین رکھو اور پانی رکھو۔ خوب سمجھ لیجئے کہ بندہ وہ ہے جو بندوں کی طرح رہے۔ اور ترفع اور بناوٹ کیا چیز ہے سوائے کہ دھوکہ اور وہم وخیال ہے۔ بندہ جب تک زندہ ہے جب تک تو شان بنانی ہی نہیں چاہیئے کیا خبر کیا حالت ہونے والی ہے ہاں جب دنیا سے ایمان صحیح و سالم لیکر نکل جاوے پھر اینٹھے جتنا چاہے۔ بندے وہ تھے جیسے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کہ فرمایا کرتے تھے اگر چار حرف جاننے کی تہمت نہ ہوتی اور اس سے لوگ جان نہ گئے ہوتے تو ایسا گم ہوتا کہ کوئی یہ بھی نہ پہچانتا کہ قاسم دنیا میں بھی پیدا ہوا تھا۔ پھر حضرت والا نے ان ہی مولوی صاحب سے فرمایا آج میں نے تمہارا وہ خط بھی دیکھا ہے جس میں آپ نے اپنے بھائی صاحب کو لکھا ہے کہ میرے نام ایک روپیہ کا منی آرڈر مت بھیجنا کیونکہ یہاں لوگ میری عزت کرتے ہیں ایک روپیہ کا منی آرڈر آنے سے میری ذلت ہوگی۔ جس وقت سے میری نظر اس خط پر پڑی سر سے پیر تک آگ ہوگیا۔ میں نے ضبط کیا کہ آپ اب سمجھ جائیں کہنے کی ضرورت نہ پڑے مگر اشارہ تو وہاں کافی ہو جہاں عقل ہو اور جہاں عقل ہو ہی نہیں وہاں بے حیا ہی بننا پڑتا ہے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا میری اسمیں ایک اور مصلحت تھی وہ یہ کہ اس بہانہ سے بھائی ایک سے زیادہ روپیہ بھیجیں گے۔ فرمایا کہ اگر یہ ہے تو یہ حرکت آپ کی اور زیادہ بیہودہ ہے اس میں ترفع کے ساتھ خداعِ مسلم بھی شامل ہے۔ اور مسلم کے افراد میں سے بھی بھائی کے ساتھ۔ سبحان اللہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ مجھے اسی پر طیش تھا کہ ترفع ہے یہاں گناہ کے اندر گناہ گھسا ہوا ہے۔ ان باتوں کی طرف تو کسی کو خیال ہی نہیں رہا۔ نہ عوام

کو نہ خواص کو۔ بس یہ سمجھ لیا ہے کہ دین نام ہے بہت سی نفلیں پڑھنے کا یا کتابیں پڑھ لینے کا واللہ دین اور ہی چیز ہے۔ آپ مجھے پنکھا نہ جھلا کریں اور نہ کسی قسم کی میری خدمت کریں۔ آپ کی خدمت مجھے ناگوار ہوگی۔ اور میں یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ اسمیں رمز کیا ہے۔ وہ رمز یہ ہے کہ جب آپ ہر وقت میری خدمت کریں گے تو کوئی دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ آپ میرے مقرب ہیں پھر اگر وہ آپ سے کوئی بری بات دیکھے گا یا کسی کو آپ سے تکلیف بھی پہونچے گی تو مجھ تک شکایت نہ لاسکے گا یہ ایسی بات ہے کہ دن ورات مشاہدہ میں ہے۔ جہاں اسکا خیال نہیں ہے وہاں لوگوں کو خوب موقع ملتا ہے ظلم کرنے کا۔ میں نے نیاز کو بھی منع کر رکھا ہے کہ کسی کا پیغام مجھے نہ پہنچاؤ جس کو کچھ کہنا ہو براہ راست کہے کیونکہ اس سے خیال ہو سکتا ہے کہ وہ منہ لگا ہوا ہے پھر اس کی کوئی شکایت نہ کرسکے گا۔ نیز جب یہ معمول ہو جاوے گا کہ وہ واسطہ ہو جاوے گا تو ممکن ہے کہ اسکی نیت بدلے اور لوگوں سے تحصیل وصول شروع کردے جیسا کہ بہت سے مشائخ کے یہاں دیکھا ہے کہ بلا خدام کا پیٹ بھرے کیا مجال ہے کہ کوئی پہونچ لے۔ اور چونکہ شیخ صاحب کی بدولت ان کو آمدنی ہے اس واسطے اور زیادہ رجوعات بڑھانے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ آنے والوں کو شیخ صاحب کی کراماتیں (ایک صحیح اور دس غلط) سناتے ہیں۔ کچھ ڈراتے ہیں۔ کچھ امید دلاتے ہیں۔ خدا کا نام تو بے طہارت لے لیں مگر شیخ صاحب کا نام کبھی بلا وضو نہ لیں۔ شیخ صاحب کو اچھا خاصا بت بنا رکھا ہے کہ ان کی پوجا ہو رہی ہے۔ یہ کیا ہے سب ڈھونگ ہے۔ یہ سب اس کا نتیجہ ہے کہ بیچ والوں کو دخل دیا گیا ہے۔

(۷۴۲) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ جو کچھ مجھ سے غلطی ہوا کرے حضرت والا مجھے ٹوک دیا کریں۔ فرمایا میں کوئی پولیس کا سپاہی ہوں کہ ہر وقت ڈنڈا لئے تمہارے پیچھے پھرا کروں۔ ایک ایک بات کہاں تک ٹوکوں گا تمھیں چاہئے کہ مجھے دیکھو اور میری سی عادتیں اختیار کرو۔

(۷۴۳) عبداللہ خاں صاحب کے ماموں صاحب نے عرض کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے شیخ جناب حاجی صاحبؒ تمام دوسرے مشائخ سے افضل ہیں اور مرید کے لئے تصور شیخ بھی ایک چیز ہے نفع بھی ہوتا ہے اور لذیذ بھی ہے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام

شیخوں کے شیخ ہیں تو تمام مشائخ سے افضل ہوئے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو انبیاء علیہم السلام کے بھی امام ہیں تو آپ دنیا و مافیہا سے افضل و برتر ہوئے۔

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جب یہ ہمارا اور تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور تو بڑی چیز ہوا۔ لیکن جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کا ارادہ کرتا ہوں تو اندر سے دل قبول نہیں کرتا اور لذت حاصل نہیں ہوتی۔ گویا مجھ سے ہو ہی نہیں سکتا۔ ہاں اللہ کے تصور ذات میں جی لگتا ہے اور لذت آتی ہے یہ کیا بات ہے اور اس میں خطا و صواب کیا ہے۔
فرمایا۔ کہ مذاق مختلف ہوتے ہیں بعضوں پر حبِ حق غالب ہوتی ہے اور بعضوں پر حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ پر توحید کا غلبہ ہے اور فی نفسہٖ دونوں مذاق صحیح ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی درحقیقت حق تعالیٰ ہی کی محبت ہے کیونکہ آپ سے محبت من حیث الرسالۃ ہے اور نائب کی محبت من حیث النیابۃ درحقیقت منیب کی محبت ہے اور اللہ کو ہم نے پہچانا کیسے؟ بذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ تو جب تک آپ کا واسطہ نہ ہو حبُّ اللہ حاصل نہیں ہو سکتی اور میرا مذاق بھی آپ ہی کا سا ہے۔ مجھے کسی چیز میں ایسی لذت نہیں آتی جیسی ذکر اللہ میں آتی ہے۔ اور یہ یاد رکھئے کہ دونوں محمود ہیں۔

(۴۷) فرمایا کہ علماء کی تعظیم سے تو لوگوں کا نفع ہے کہ ان کی تعظیم درحقیقت دین کی تعظیم ہے مگر علماء اور علم کے لئے سخت مضر ہے۔ علماء میں تو اس سے نخوت اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے اس واسطے مضر ہوا۔ اور جب ان میں یہ صفات رذیلہ لوگ دیکھتے ہیں تو نہ ان کی بات میں اثر رہتا ہے اور نہ ان کے علم کی تعظیم لوگوں کے دلوں میں رہتی ہے۔ ان کے ساتھ علم بھی بدنام ہو جاتا ہے۔

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مُدیر:۔ احمد مکین

شمارہ ۵ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ مطابق مئی ۱۹۹۴ء جلد ۷

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ (۶۰) روپیہ ششماہی پینتیس (۳۵) روپے

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو (۱۰۰) روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳ - بخشی بازار

الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

طابع و ناظم - پبلشر:۔ صغیر حسن۔ :۔ اسرار کریمی پریس، جانسین گنج الٰہ آباد

ترتیب

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ

ابھی تک بیشتر احباب نے سال رواں ۱۹۹۴ء کا زرِ تعاون ارسال نہیں فرمایا ہے۔ اس طرف توجہ فرماکر ادارہ کی اعانت فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احوال وکوائف

ناظرین کرام کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ مرشدی ومولائی عارف باللہ حضرت مولانا شاہ قاری محمد مبین صاحب دامت برکاتہم کو عرصہ سے وجعِ رکبہ کا عارضہ لاحق ہے۔ امسال موسم سرما میں یہ تکلیف اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ چلنا پھرنا، مسجد تک جانا سبھی موقوف ہو گیا۔ مختلف علاج ہوتے رہے بفضلہ تعالیٰ ہومیو پیتھک علاج سے کچھ نفع ہوا مگر ایک اور تکلیف مرض بواسیر کی پیدا ہو گئی، کئی ماہ تک باوجود مسلسل علاج کے خون بند نہ ہونے کی وجہ سے ضعف ونقاہت بڑھتی گئی۔ ماہ شعبان میں بمبئی تشریف لیجانے کا ارادہ تھا مگر اس مرض کی شدت کی بنا پر تردد ہو رہا تھا۔ بمبئی کے بعض مخلص احباب کی رائے ہوئی کہ حضرت والا بمبئی تشریف لائیں کیونکہ وہاں علاج ومعالجہ کی سہولیات دوسری جگہوں کی نسبت زیادہ میسر ہیں۔ اس لئے اواخر شعبان میں بمبئی کا سفر فرمایا وہاں رمضان شریف میں یونانی اور ہومیو پیتھک ادویات استعمال فرماتے رہے مگر "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کا حال رہا اور کوئی خاطر خواہ نفع نہ ہوا بالآخر ایلو پیتھک معالج کی طرف رجوع کیا گیا جس کے علاج سے قدرے افاقہ ضرور ہوا مگر کامل اور پائیدار نفع اس سے بھی نہ ہو سکا اسلئے ۲۴ر شوال مطابق ۶ر اپریل بروز چہارشنبہ بواسیری مسّوں کا آپریشن کرایا گیا سطور ذیل کی تحریر کے وقت تک کی اطلاع یہ ہے کہ بفضلہ تعالیٰ بواسیری تکلیف میں تو مکمل آرام ہے لیکن گھٹنے کی تکلیف بڑھ گئی ہے آپ حضرات سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا دامت برکاتہم کو صحتِ عاجلہ کاملہ مستمرہ مرحمت فرمائیں اور ہر قسم کے اوجاع واسقام سے شفاء کامل وعاجل عطا فرمائیں اور حضرت کے ظلِ عاطفت کو بعافیتِ تامہ ہم خدام کے سروں پر ہمیشہ قائم رکھیں اور ہم سب کو حضرت والا مدظلہ کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ آمین۔۔۔

غالب یہی ہے کہ عید ضحیٰ تک حضرت والا دامت برکاتہم کا قیام بمبئی میں رہے گا۔ بمبئی کا پتہ درج ذیل ہے

(مبین منزل قیصر ۱۱۸ آگرہ روڈ کرلا بمبئی ۴۰۰۰۷۰)

(ادارہ)

آتشِ نمرود اور گناہوں کی آگ فرمایا کہ ایک دن میں سوچ رہا تھا کہ دنیا میں جو بداعمالیاں نافرمانیاں، معصیتیں اور گناہ پھیلے ہوئے ہیں، اگر حقیقت بیں نگاہوں سے دیکھا جائے تو ان میں سے ہر عمل ایک آگ ہے، قرآن و حدیث میں بھی بعض گناہوں کو آگ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں ان کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ وہ آگ کھا رہے ہیں۔ حدیث میں جھوٹی گواہی پیش کرکے دوسرے کے مال پر قبضہ جمانے والے کو وعید سنائی گئی ہے کہ جو مال اس ناجائز طریقے سے حاصل کیا گیا ہو وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔

ان ارشادات کا یہ مطلب تو ہے ہی کہ یہ اعمال آخرت میں آتشِ جہنم کے مستوجب ہوں گے۔ لیکن بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بھی بتایا ہے کہ یہ سارے گناہ دنیا میں بھی اپنی صورتِ مثالیہ کے اعتبار سے آگ ہیں۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ دنیا میں ہمیں یہ آگ محسوس نہیں ہوتی جب تک آخرت کی منزل نہیں آتی اللہ تعالیٰ اس دنیا کا کاروبار باقی رکھنا چاہتے ہیں، اس لئے اس آگ کا احساس ہم سے ختم کر دیا گیا ہے۔ اگر دنیوی زندگی کا سوئچ بند کر دیا جائے تو بداعمالیوں کی یہ آگ جو دنیا کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے پوری دنیا کو ایک شعلہ بنا کر بھسم کر ڈالے۔ لیکن جبتک کاروبارِ زندگی چل رہا ہے، یہ آگ محسوس اور مشاہد نہیں ہوتی، مگر معنوی طور پر موجود ہے۔

غرض میں سوچ رہا تھا کہ جب ہم اس آگ کے بیچوں بیچ بیٹھے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس آگ کے اثرات ہم تک نہ پہونچیں، اور ہم اسکی تپش اور سوزش سے بالکل محفوظ رہیں؟ جواب میں ذہن فوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کی طرف منتقل ہوا کہ اُن کے لئے تو ایک محسوس اور مشاہد مادی آگ سُلگائی گئی تھی، اور انھیں باقاعدہ اسمیں ڈال دیا گیا تھا، لیکن چونکہ اُن کی لَو اللہ تعالیٰ سے لگی ہوئی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں تھے، اس لئے آتشِ نمرود کا دہکتا ہوا الاؤ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا، آگ کے خالق نے حکم دے دیا کہ: يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (اے آگ ٹھنڈی

ہو کر ابراہیم کے لئے سلامتی کا سبب بن جا)

نتیجہ یہ کہ یہ دہکتا ہوا الاؤ اُن کے لئے گلزار بن گیا، اور وہ اس آگ کے عین درمیان بھی اسکی تپش سے محفوظ رہے۔

ہم بھی بحمد اللہ ملت ابراہیمی میں داخل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی اقتدا کا حکم دیا ہے، لہٰذا اگر ہمارے چاروں طرف بداعمالیوں کی آتش نمرود سُلگی ہوئی ہے تو گھبرانے کی کیا بات ہے؟ اس معنوی آگ کے خالق بھی وہی ہیں جو آتش نمرود کے خالق تھے۔ ان کی قدرتِ کاملہ میں بھی کوئی فرق نہیں آیا، اپنی طرف رجوع کرنے والے بندوں کے ساتھ ان کی رحمت کاملہ کا معاملہ بھی وہی ہے، پھر ہم اس آگ کے درمیان بیٹھ کر انہی کو پکاریں اور ان کی پناہ طلب کریں تو یہ معنوی آگ ہمارے لئے بھی بے ضرر بن سکتی ہے، اور یہ جو ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ اس اہتمام سے سُنایا جارہا ہے کیا بعید ہے کہ اس کا ایک منشا یہ بھی ہو کہ ہم اپنے ماحول اور اپنے حالات کی آگ میں اس سے ہدایت حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کریں۔ اس تصور سے بحمد اللہ بڑی تسکین اور تسلی ہوئی۔

اللہ کے دین کیلئے انتخاب فرمایا کہ قرآن کریم میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِىٓ إِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىٓ إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيبُ، اس آیت کا ترجمہ عام طور سے یہ کیا جاتا ہے کہ: (اللہ تعالیٰ چُن کر اپنی طرف بُلا لیتا ہے جسکو چاہتا ہے اور اپنی طرف ہدایت بخشتا ہے اسکو جو اسکی طرف رجوع کرتا ہے)

اس آیت کا دوسرا حصّہ تو بالکل واضح ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے ہدایت مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو ہدایت عطا فرمادیتے ہیں، البتہ پہلے حصّے کے مذکورہ بالا ترجمے کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازخود جس کو چاہتے ہیں اپنے لئے اور اپنے دین کے لئے چُن لیتے ہیں۔

لیکن اس پہلے حصّے کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے:۔ "اللہ تعالیٰ چُن کر اپنی طرف بلا لیتا ہے اُس کو جو چاہتا ہے (کہ اُسے چُن لیا جائے)"

عربی قواعد کے رُو سے اگر "یَشَاءُ" کی ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کیا جائے تو پہلے معنیٰ ہوں گے۔ اور "مَن" کی طرف راجع کیا جائے تو دوسرے معنیٰ۔

اور دونوں معنیٰ واقعے کے مطابق ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازخود اپنے کسی بندے کو اپنے لئے اور اپنے دین کے لئے منتخب فرمالیتے ہیں، اور اُس سے اپنے دین کا کام لیتے ہیں۔ اس طرح دین کے لئے منتخب ہوجانا تو غیر اختیاری ہے۔ اس میں بندے کے اپنے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کو اسی طرح دین کے لئے چُن لیا جاتا ہے۔

اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرکے چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے دین کے لئے چُن لیں۔ وہ اپنی اس خواہش کا اظہار دعا کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسکی دُعا قبول فرماتے ہیں، اور اسکو بھی اپنے دین کے لئے منتخب فرمالیتے ہیں۔ اور آیت کے دوسرے حصّے میں صرف اسی صورت کا بیان ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے اُسے ہدایت دیجاتی ہے۔

بہرصورت! اس آیت کریمہ میں یہ وعدہ فرمایا گیا ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کروگے اور دل سے چاہوگے کہ تمہیں ہدایت ملے اور اللہ کے دین پر عمل کی توفیق ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور ہدایت فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ کے اس وعدے میں تخلف ممکن نہیں۔

لہٰذا اگر دین پر عمل کی توفیق نہیں ہورہی ہے تو اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ تم نے دل سے چاہا ہی نہیں، اور اپنی یہ سچی خواہش لیکر کبھی اللہ تعالیٰ سے رجوع ہی نہیں کیا، جس دن صدق دل سے اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کروگے ہدایت مل جائے گی۔

واضح رہے کہ محض سرسری طور پر آرزو کے اظہار کا نام خواہش اور چاہنا نہیں۔ بلکہ "چاہنے" اور "اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ اپنے قلب و ذہن کو پوری طرح آمادہ کرکے اللہ تعالیٰ سے اس طرح ہدایت مانگو جس طرح بیماری کی حالت

میں صحت مانگتے ہو، مفلسی کی حالت میں خوشحالی مانگتے ہو کہ یہ بات ذہن میں طے ہوتی ہے کہ ہماری موجودہ حالت بیماری یا مفلسی کی حالت ہے، اور اس سے ہم نہ خوش ہیں نہ مطمئن، دوسری طرف جس صحت یا خوشحالی کی دعا کرتے ہیں اُسے موجودہ حالت سے اچھا سمجھتے ہیں، اور قلب و ذہن کے پورے اشتیاق کے ساتھ اسکی دعا کرتے ہیں۔

اسی طرح پہلے ذہن میں یہ بات طے ہونی چاہئے کہ ہماری موجودہ حالت دینی اعتبار سے قابلِ اطمینان نہیں ہے، اور دین پر عمل کرنے والی زندگی کی طرف اشتیاق ہونا چاہئے اس طرح جب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کروگے اور اس سے ہدایت اور توفیق مانگوگے۔ اور مانگتے رہوگے تو ممکن نہیں ہے کہ ہدایت اور توفیق نصیب نہ ہو۔

آندھیاں اور خاکساری فرمایا کہ ایک مرتبہ ہندوستان میں میں اپنے وطن سے کسی کام کے سلسلے میں ایک دیہات میں گیا، راستہ کچا تھا اور وہاں جانے آنے کے لئے تانگے چلا کرتے تھے، اپنے کام سے فارغ ہو کر میں تانگے میں واپس آرہا تھا، راستے میں ایک طویل و عریض صحرا پڑتا تھا، تانگے والے نے چلتے چلتے اچانک ایک جگہ تانگہ روک دیا۔ اور ہم سے کہا کہ تانگے سے اتر جائیں، ہم نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اس علاقے میں بڑی خوفناک آندھی چلا کرتی ہے جس سے بڑی تباہی مچتی ہے۔ بڑی بڑی وزنی چیزوں کو اڑا لیجاتی ہے۔ اور آثار سے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ آندھی آنے والی ہے۔

آندھی کی ابتدا ہوئی تو ہم نے ایک قریبی درخت کی آڑ میں پناہ لینی چاہی تو تانگے والے نے چیخ کر کہا کہ درخت کی آڑ میں ہرگز نہ رہیئے۔ ہم نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ اس آندھی میں بڑے بڑے درخت گر جاتے ہیں، اس لئے ایسے میں درخت کی پناہ لینا بہت خطرناک ہے، ہم نے پوچھا کہ "پھر کیا کرنا چاہیئے؟" تو تانگے والے نے جواب دیا کہ "بس اس آندھی سے بچاؤ کی ایک ہی شکل ہے، اور وہ یہ کہ زمین پر اوندھے ہو کر لیٹ جائیے" ہم نے اسکے کہنے پر عمل کیا اور نیچے لیٹ گئے، آندھی آئی اور بہت زور سے آئی، جھاڑیوں اور ٹیلوں تک کو اڑا لے گئی۔ لیکن یہ سارا طوفان ہمارے اُوپر سے گذر گیا اور بحمد اللہ ہمارا بال بیکا نہیں ہوا تھوڑی دیر میں آندھی ختم ہو گئی تو دیکھا کہ سطح پر سکون ہی سکون ہے ہم نے زمین سے اٹھکر

اپنی راہ لی۔

یہ واقعہ تو ہونے کو ہوگیا، لیکن ہم نے اس سے بڑا سبق لیا، ہمیں اس واقعے سے سبق یہ ملا کہ وقت کی آندھیوں کا علاج اونچے اونچے سہارے ڈھونڈنے میں نہیں بلکہ خاکساری اور بندگی کے فرش پر جبینِ نیاز ٹیک دینے میں ہے، ہمارے ارد گرد اب بھی نہ جانے کتنی خوفناک آندھیاں چل رہی ہیں جو ہمارے دین و دانش کی متاع اڑا لیجانے کی فکر میں ہیں۔ ان آندھیوں سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ اور وہ یہ انسان عاجزی، فروتنی، خاکساری اور بیچارگی لیکر اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہوجائے نھیں سے کہے کہ یا اللہ! میں ان آندھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکونگا، اپنے فضل وکرم آپ ہی مدد فرمایئے اور ان کے شر سے مجھے بچالیجئے، اگر یہ کرلیا تو انشاءاللہ ساری آندھیاں اوپر ہی اوپر سے گذر جائینگی اور تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گی تم آندھیوں پر غالب رہوگے، آندھیاں تم پر غالب نہ آسکیں گی ؎

تصور عرش پر ہے، وقف سجدہ ہے جبیں میری مرا پھر پوچھنا کیا؟ آسماں میرا، زمیں میری

(جاری)

تدابیرِ مغفرت فرمایا کہ جب خطا ہوجائے فوراً استغفراللہ کہو۔ تمام زندگی استغفراللہ کہتے رہو اور معافی مانگتے رہو اور رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ الخ کہتے رہو۔ یہ سرکاری مضمون معافی کا ہے۔ ہماری خطائیں محدود اور ان کی مغفرت غیر محدود۔ استغفار کی طاقت کو معمولی مت سمجھو۔ انشاءاللہ تعالیٰ آخری عمر میں پاک وصاف ہوکر مروگے۔ جب رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ پڑھو تو یہ تصور کرو کہ غیر محدود مغفرت ورحمت کی ہمارے اوپر بارش ہوگئی اور ہماری سب خطائیں معاف ہوگئیں۔ یہ تریاق ہے گناہ کے زہر کا۔ جب گناہ کا زہر کھایا تو تریاق کھانے میں کیوں دیر کرتے ہو فوراً استغفار کا تریاق کھاؤ یہ ان کا عطا فرمودہ تریاق ہے ان کی طاقت کے سامنے گناہوں کی کیا طاقت ہے۔ استغفار کے بعد اپنی مغفرت کا سو فیصد امیدوار رہنا چاہیے

خیال یہ ہوتا تھا کہ جب پہلی آیت قُمْ فَاَنْذِرْ (یعنی اٹھئے اور ڈرائیے) نازل ہوئی تو آپ نے کیا عمل کیا لیکن مفسرین کے کلام کے دیکھنے سے بات واضح ہوگئی کہ ان دونوں میں کچھ تقابل نہیں ہے بلکہ ایک ہی چیز کا حکم فرمایا گیا ہے محض جہت اور حیثیت کے اختلاف سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ فَاَنْذِرْ کا تو حاصل یہ ہے کہ اِفْعَلْ فِعْلَ الْاِنْذَارِ (یعنی انذار اور ڈرانے کا کام کیجئے) اور اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ کا مفہوم یہ ہے کہ فعل انذار جب شروع فرمائیں تو اس میں اس ترتیب کو ملحوظ رکھیں کہ سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ دار کو کیجئے۔ اور پھر اسکے بعد جو دور کے رشتہ دار ہوں اسی طرح درجہ بدرجہ، باقی وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف انھیں کو انذار کے لئے خاص فرمائیے اور دوسروں کو انذار ہی نہ کیجئے۔ پس اس آیت کی تفسیر سے ایک نہایت اہم اصول باب اصلاح کا ہاتھ آیا۔ وہ یہی کہ اصلاح میں اپنے لوگوں کو مقدم کرنا چاہئے۔ آج ہماری تربیت گاہوں میں یہ اصول بھی معمول بہا نہیں رہ گیا ہے اسی لئے جو جگہیں اصلاح کے لئے موضوع تھیں وہ آماجگاہ فساد ہوگئی ہیں۔

مشائخ کے فیوض سے محروم اور کہیں کوئی بزرگ ہوتا ہے تو دوسرے لوگ تو اس سے فائدہ اٹھالیتے ہیں مگر اس کے عزیز و قریب اور پاس کے رہنے والے زیادہ تر محروم رہتے ہیں۔ اسکے متعلق علامہ شعرانی نے طبقات کبریٰ میں شیخ محمد بن ابی جمرہ کا قول نقل کیا ہے جو بہت مشہور ہے۔ میں نے حضرت مولانا سے بھی اسکو سُنا تھا اور اب تو اصل کتاب ہی مل گئی مجھے اسمیں کچھ کلام ہے اسلئے پہلے ان بزرگ کے ارشاد کا حاصل بیان کرتا ہوں پھر انھیں کی برکت سے میں نے جو سمجھا ہے، اسے عرض کروں گا۔

فرماتے ہیں کہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ ان بزرگوں سے تین شخصوں کو فائدہ نہیں ہوتا۔ اولاد کو، بیوی کو۔ اور خادم کو۔ اولاد کو نفع اسلئے نہیں ہوتا کہ وہ آنکھ ہی ایسی فضا میں کھولتا ہے کہ مریدین اس کا ہاتھ چومتے ہیں اور اپنے کندھوں پر بٹھاتے ہیں اس کو تبرک بنالیتے ہیں اور اگر وہ کوئی چیز طلب کرتا ہے تو اسمیں فوراً اُسکی اطاعت کرتے ہیں جس کی وجہ سے ابتدا ہی سے اسکے نفس میں تکبّر راسخ ہو جاتا ہے اور حُبِ ریاست گویا

گھٹی میں پڑ جاتی ہے۔ بس بُری صفات اس پر تہہ بتہہ لگ جاتی ہیں پھر کسی ناصح کی نصیحت کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ اکابر پر جسارت کرنے لگ جاتا ہے اور اپنے اوپر ان کی برتری تسلیم نہیں کرتا لیکن اگر کہیں یہ صاحبزادے صالح ہوئے تو اپنے والد ماجد سے بھی بڑھ جاتے ہیں اور دوسروں سے کہیں زیادہ مستفیض اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

اور بیوی کو نفع اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ ان بزرگ کو شوہر ہونے کی آنکھ سے دیکھتی ہے۔ ولی اور بزرگ ہونے کی نگاہ سے نہیں دیکھتی، اسلئے یہ خیال کرتی ہے کہ یہ تو شہوت میں خود میرے محتاج ہیں۔ البتہ اگر کہیں اللہ تعالیٰ اسکو بصیرت کا نور بخش دیں اور وہ ان کو ولایت کی آنکھ سے دیکھنے لگے تو پھر یہ بھی ہے کہ ان بزرگ سے سب سے پہلے اسی کو نفع ہو اس لئے کہ وہ ان کی صحبت میں رات دن رہتی ہے۔

اور خادم کو جو نفع نہیں ہوتا تو اسلئے کہ وہ شیخ کو ہر وقت ہی دیکھتا رہتا ہے اور اسکے کھانے پینے سونے ہر حال پر مطلع ہوتا ہے۔ اسی لئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ شیخ کو مرید کے ساتھ کھانا نہیں کھانا چاہئے اور نہ بلا ضرورت ہر وقت اپنے پاس بٹھانا چاہئے۔ اس لئے کہ اندیشہ ہے کہ اس مرید کے قلب سے شیخ کی حرمت و عظمت ساقط ہو جائے اور وہ اسکی قلبی برکت سے محروم ہو جائے اس طرح گویا صحبت کی برکت سے محرومی رہے۔ لیکن جہاں یہ ہے وہیں یہ بھی ہے کہ خادم اگر شیخ کو عظمت اور توقیر کی نظر سے دیکھے تو اسکو ویسا ہی نفع ہو جیسا کہ دوسروں کو بلکہ دوسروں سے بڑھ کر اسکو فلاح نصیب ہو۔

(طبقات کبریٰ ص ۱۷۱ ج ۱)

محرومی کی وجہ میں یہاں ایک بات تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان اصناف ثلثہ (تینوں اقسام) کو بزرگوں سے جو نفع نہیں ہوتا تو بطور قدر مشترک کے سب کی وجہ ایک ہی ہے وہ یہ کہ ان کو ان بزرگ سے عقیدت نہیں ہوتی حالانکہ طریق میں مدار فیض صحیح عقیدت ہی ہے اور جس طرح دوسرے لوگوں کے لئے اعتقاد شرط ہے ان کے لئے بھی شرط ہے۔ راستہ سب کے لئے ایک ہی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دوسروں کو تو اعتقاد کے بعد نفع ہو اور ان لوگوں کو بدون اعتقاد ہی کے نفع ہو جائے۔

دیکھئے ایمان ۔ اسلام اور اخلاص سب ہی لوگوں میں مشترک ہے لہذا کوئی بھی ہو اولاد ہو ۔ بیوی ہو یا خادم ہو سب کو وہی کرنا ہوگا جو اور لوگ کرتے ہیں ۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ دوسروں سے کم کریں اور نفع زیادہ ہو ۔ باقی یہ کہ کچھ بھی نہ کریں بلکہ اس سے بداعتقاد رہیں اور نفع وہ چاہیں جو معتقدین کو ہوا کرتا ہے تو یہ عادۃ اللہ کے خلاف ہے ۔ نفع کے لئے گو قرب شرط نہیں ہے مگر اعتقاد شرط ہے پس ہو سکتا ہے کہ کسی شخص میں اور اس کے شیخ میں بعد المشرقین (یعنی مشرق اور مغرب کی دوری) ہو مگر اس کو فائدہ ایسا ہی پہونچ رہا ہو جیسا قریب والے کو ۔ اور ایک شخص کو بہت زیادہ جسمانی قرب حاصل ہو مگر وہ اپنی بداعتقادی کی وجہ سے بہت دور ہو ۔

پس باوجود قرب کے ان تینوں کو جو کسی شیخ سے نفع نہیں ہوتا تو اسکی وجہ ان کی بداعتقادی اور عدمِ خلوص ہے ۔ ظاہر ہے کہ جب خادم میں خلوص نہ ہوگا تو اسکو فائدہ نہ ہوگا یہ راستہ ہی اخلاص کا ہے ۔ آدمی میں اگر اخلاص ہو تو عبادت کرے تب نفع ۔ اور خدمت کرے تب نفع ۔ اور اگر اخلاص ہی نہ ہو تو ساری عمر کسی کے پاس پڑا رہے کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا ۔

میں نے بزرگوں کے یہاں لوگوں کے حالات کو نظر غائر سے دیکھا ہے بلکہ نظر اعتبار سے دیکھا ہے ۔ ایک خادم کا ان بزرگ کے بعد بُرا حال ہوگیا لوگوں سے کہتا تھا کہ میں ان بزرگ کے یہاں ایک دن بھی خلوص کے ساتھ نہیں رہا ۔ لوگ منع کرتے تھے کہ ارے چپ رہو یہ کیا کہتے ہو مگر وہ کہتا تھا ۔

جانتے ہیں کیا بات ہے ۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں ابتدائً کچھ خلوص ہوتا ہے مگر بعد میں یہ لوگ اپنے کو مقرب سمجھنے لگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں کا انتظام انھیں کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہا ملادیا ۔ جس کو نہ چاہا ان بزرگ کو اس سے خفا کرادیا ۔ کسی کی شکایت کردی، کسی کی سفارش کردی اسی طرح سے کرتے کرتے ان کے اندر خاصا تکبر پیدا ہوجاتا ہے ۔ نیز لوگوں کی آؤبھگت خاطر مدارات کی وجہ سے دنیا داری بھی آجاتی ہے اور رہا سہا اخلاص ختم ہوجاتا ہے ۔ یہ ہے اصل وجہ خادم کو نفع نہ پہونچنے کی یہ چیزیں نہ ہوں تو ان کو بہت نفع پہونچے ۔

اسی طرح سے زوجہ کو بھی بزرگ سے بہت نفع پہونچتا ہے ۔ قیامت میں اسکی سفارش

ے اسکو بخشوائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ سارے لوگ تو میری وجہ سے
ں میں جارہے ہیں اور جو ساری عمر رفیقۂ حیات رہ چکی ہے وہی دوزخ میں جائے۔
ضرات ایسے بداخلاق تو ہوتے نہیں اسلئے اس کو کب گوارا کرینگے لیکن یہاں یہ نفع مراد
ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ عقلی طور پر جیسا کہ اعتقاد دوسرے مریدین کو ہوتا ہے ویسا
بیوی کو نہیں ہوتا اسلئے اس قسم کا فائدہ بھی نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح سے ظاہر ہے کہ اولاد کو بھی طبعی محبت تو شیخ سے ہوگی ہی کیونکہ وہ والد
، اور اس کا فی الجملہ نفع بھی مرتب ہوتا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ اگر یہ لوگ کچھ اعتقاد
پیدا کرلیں اور (کچھ نہ کچھ) اپنے اختیار سے اسکو عمل میں لادیں تو ان کو زیادہ نفع پہونچے یعنی یہ
ں کریں کہ یہ میرے والد ہیں ساری دنیا تو ان سے نفع اٹھارہی ہے اور میں ہی محروم
ں یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ بس اسی خیال کو ہمیشہ تصور میں رکھے تو کبھی محروم
۔۔ حاصل یہ کہ یہ لوگ محض اپنی محبت طبعی پر اکتفا نہ کریں بلکہ محبت عقلی اور عقیدت اور
۔ق وخلوص بھی قلب میں پیدا کریں۔

ے ہونا آسان ہے اور معلّم ہونا مشکل ہے، | یہ ہے اصل وجہ جو میں نے سمجھی ہے باقی یہ کہ شیخ کی اولاد کو لوگ تبرک
بنا لیتے ہیں اور اسکی تعظیم وتکریم کرتے ہیں اسلئے وہ خراب ہوجاتے ہیں
ان معائب" اور برائیوں" کی وجہ سے ان کو نفع نہیں ہوتا تو مجھے اسمیں کلام ہے۔ میں یہ کہتا
ں کہ مانا کہ لوگ ان کو بگاڑ دیتے ہیں لیکن آپ سے کہتا ہوں کہ وہ بزرگ آخر کس مرض کی
ہیں اور ان کی بزرگی دوسروں کے لئے ہے اپنوں کے لئے کیوں نہیں۔ یہ اسکی اصلاح
یں۔ دوسروں کو بناتے ہیں سنوارتے ہیں اسی طرح سے اپنی اولاد کو بھی درست کرلیں اور
و بگڑنے نہ دیں۔ ان کی اصلاح آخر کیوں نہیں کرتے اسکے متعلق کہتا ہوں سنئے: بات
ہے کہ یہ کام ہی بہت مشکل ہے۔ اصلاح وتربیت کچھ آسان چیز اور کوئی کھیل نہیں ہے بلکہ
ے مرتبۂ عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے کسی کو ملا کرتا ہے اور اس منصب کیلئے خاص
۔گ منتخب کئے جاتے ہیں۔ بزرگ ہونا آسان ہے لیکن مصلح اور مربّی ہونا مشکل ہے
شکل اسلئے ہے کہ اس کے لئے بہت زیادہ شفقت، حکمت اور مشقت درکار ہے۔ خاصکر

اپنے گھر والوں کی تعلیم و تربیت یہ تو ایک دشوار گذار مرحلہ ہے۔ جب تک کسی میں اعلیٰ درجہ کی شفقت اور غایت درجہ کا خلوص نہ ہوگا اس وادیٔ پُرخار میں وہ قدم نہیں رکھ سکتا۔ اقارب "عزیز رشتہ دار" مثل عقارب "اور بچھوؤں" کے ہوتے ہیں ان کی اصلاح کرنا پوری دشمنی مول لینا ہے اور انگارہ کو ہاتھ میں لینا ہے۔ اسلئے میں کہتا ہوں کہ یہاں صرف انھیں ماتحتوں کا قصور نہیں ہے بلکہ دوسری جانب بھی جب کوئی خامی ہوتی ہے تبھی ایسا ہوتا ہے اُدھر سے اعتقاد ہو اور اِدھر سے شفقت اور خیال تربیت ہو اس کے بعد بھی کسی کو نفع نہ ہو یہ عادۃ اللہ کے خلاف ہے۔

باقی نصح، شفقت اور اخلاص یہ ایسی چیزیں ہیں جو پوشیدہ نہیں رہتیں شیخ تو مرید کے اخلاص کا امتحان کرتا ہی ہے یہ مرید بھی شیخ کے اخلاص کا پتہ چلا لیتے ہیں اور جہاں کسی سے کوئی کام اخلاص کے خلاف دیکھتے ہیں بس فوراً اس سے بدعقیدہ ہوجاتے ہیں۔ اسلئے اعتقاد مرید کے لئے ضروری ہے کہ شیخ کوئی کام خلاف اخلاص کم از کم مرید کے سامنے تو نہ کرے۔ پس امتحان میں پورا اترنا مشکل ہوجاتا ہے کیونکہ عام مریدین سے آدمی بچ سکتا ہے اور خلاف اخلاص کام ان کے سامنے کرنے سے خود کو بچا سکتا ہے مگر یہ جو گھر کے لوگ ہیں (اولاد۔ زوجہ اور خادم) جن سے چولی اور دامن کا ساتھ ہے ان سے بچکر آدمی کہاں جاسکتا ہے۔ اب خیال فرمائیے کہ جس کے افعال کے نگراں تیس دن چوبیس گھنٹے ساتھ رہتے ہوں وہ اخلاص کے باب میں ان سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتا ہے اور اس کے لئے کتنے بڑے شخص کی ضرورت ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوگا بلکہ آپ کام تو کریں بداعتقادی کا اور ان سے مطالبہ کریں اپنے سے اعتقاد کا یہ تو کوئی انصاف کی بات نہ ہوئی۔

"ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شری بینم" بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ فساد کا زمانہ ہے۔ ہر نوع کے فتن عام ہوگئے ہیں۔ لہٰذا اگر اسکے متعلق یہ کہدیا جائے کہ دور جاہلیت لوٹ آیا ہے تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ خود دیکھئے آج ہمارے اخلاق بھی فاسد ہوگئے۔ تہذیب اخلاق کا کہیں پتہ نہیں۔ ہمارے گھروں کا حال بھی ٹھیک نہیں ہے۔ جس گھر کو دیکھئے دوزخ کا نمونہ بنا ہوا ہے تدبیر منزل کی صلاح بھی رخصت ہوچکی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کے لئے سخت آزمائش کا وقت

ہے اور ایک مستقل عذاب ہے کیونکہ گھر درست ہو تو آدمی باہر کے ماحول سے گھبرا کر اپنے گھر ہی میں سکون حاصل کرے لیکن جب وہاں بھی آرام نہ ملے تو انسان کہاں جائے عبرت کے لئے بطور نمونہ دو واقعات آپ کو سُناتا ہوں اسی سے اندازہ فرمایئے کہ آج لوگ کس نازک دور سے گزر رہے ہیں۔

ایک صاحب کا خط دہلی سے آیا ہے لکھتے ہیں کہ:۔

عرض ہے کہ مدت دراز سے گھر کی زندگی کی تلخیوں میں بہت بُری طرح مبتلا ہوں۔ پندرہ سترہ برس سے اپنے وطن.... سے جدا ہو کر یہاں دہلی میں مقیم ہوں اور دس برس سے بیوی بچے بھی یہیں آگئے ہیں اسوقت سے اس ابتلاء میں جو شدت ہوگئی ہے مجھے امید نہیں ہے کہ دنیا کے کسی گھر میں کوئی شخص اتنا اور اس طرح مبتلائے شدائد ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں اور ان کی حقیقی والدہ میں تقریباً تیس دن چوبیس گھنٹے ایسی لڑائیاں اور بدکلامیاں ہوتی ہیں کہ نہ عزت و عافیت محفوظ، نہ گھر میں اصلا سکون، ذہنی انتشار میرا اختلال دماغ کی حد تک پہونچ گیا ہے نہ کوئی وجہ نزاع ہے نہ کسی وجہ کی ضرورت۔ معمولاً وعادۃً سب کچھ ہوتا ہے بدکلامی۔ بدمزاجی ہر وقت چیخنا چلانا طبیعت ثانیہ بن چکا ہے۔ نافرمانی سرکشی کی انتہا نہیں معمولی طور پر کھانے پینے کو بھی ہے۔ معاش کم ہے تو مقروض بہت زیادہ ہو گیا ہوں۔ ۷۴ سال کی عمر ہے۔ سر سے پاؤں تک مبتلاء امراض ہوں بہت زیادہ کمزور اور ہر وقت دل و دماغ پر خوف و ہراس طاری رہتا ہے۔ یہاں کا ایک فرعون بے ثبوں در پئے آزار رہا ہے آج تک بھی اس سے سخت خوف ہے۔ گھر کی زندگی دوران سب کے بگاڑ کا بظاہر کوئی علاج نہیں رہا ہے بجز دعا کے۔ غیر شرعی پیروں فقیروں سے رجوع نہیں کر سکتا میں نے یہاں مولانا.... صاحب سے ذکر کیا تو موصوف نے معاً آں محترم کا نام نامی بتایا طبیعت نے قبول بھی کر لیا۔ اگر جناب محترم میرے لئے دعا فرمائیں تو ممنونِ منت ہوں گا۔ اپنی سراسیگی و بدحواسی کے باعث نماز تک پابند نہ رہ سکا ہوں بلکہ شدید اثرات کی وجہ سے بنیادی عقیدے کو بھی بگڑا ہوا محسوس کرتا ہوں۔ اس امر کی جانب بھی دعائے خیر میں توجہ فرمائیں۔ خسران دارین کے اندیشہ

ں مبتلا ہوں۔ مولانا سید ۔ ۔ ۔ ۔ کے سلسلۂ نسب میں ہوں لیکن بے علم وعمل توجہ اللہ
ہ کا خواہشمند ہوں ع آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند ۔ انتہٰی۔

(جامع عرض کرتا ہے کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصلح الامت دامت برکاتہم
جواب بھی نقل کر دیا جائے تاکہ ناظرین کو اس مصیبت کا علاج بھی معلوم ہو جائے جس میں
وبیش اس زمانہ میں ہر شخص ہی مبتلا ہے) جواب مرحمت فرمایا کہ :-

"آپ کی تکلیف سے رنج ہے دل سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے نجات
ے اور لوگوں کی حالت درست فرما دے لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ
نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچنے اور پناہ کی جگہ سوائے اللہ کی آغوش رحمت کی) کا ورد بکثرت فرمایئے۔ لوگ
قل سے خارج، بہائم سے بدتر ہو چکے ہیں اس لئے دین کے ساتھ ساتھ دنیا بھی انکی
باہ ہے۔ جب تک لوگ انسانیت کی طرف نہیں آئیں گے یہی جنگ وجدل نقد وقت
ہے گا۔ ان کے لئے یہ ہے کہ صحبت نیک اختیار کریں اسی سے ان کے حالات بد کی اصلاح
و سکتی ہے۔ والسلام

اب دوسرا خط سنئے :-

ایک صاحب حیدرآباد سے لکھتے ہیں کہ دو سال سے بیمار ہوں۔ صحت نہیں ہوتی ہے
یماری سے بڑھ کر گھر کی تکلیف ہے۔ اولاد سے جو تکلیف پہونچ رہی ہے وہ بیان سے باہر
ہے۔ ایک لڑکا طرح طرح سے تکلیف دے رہا ہے۔ کتابیں خراب کر دیا پیسہ برباد کر دیا
در کرتا جا رہا ہے اخلاقی حالت خراب ہو رہی ہے پروا نہیں ہے۔ کھانے پینے کی تکلیف مجھکو
ہو رہی ہے وہ مزے میں ہے۔ صحبت اچھی نہیں۔ کسی کا خوف ڈر نہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔
یں ضرورت کی کتابیں جوڑ کر رکھتا ہوں وہ اٹھا کر اِدھر اُدھر ڈال دیتا ہے۔ اہلیہ بھی مجبور
یں۔ ایک چھوٹا بھائی ہے نہ دوا لاتا ہے نہ کوئی کام کرتا ہے نوکر نہ چاکر۔ کمائی کا نام نہیں
ھر کا پیسہ برباد کرتا ہے اسکے بعد بھی نہ کھانا میسر ہوتا ہے نہ کچھ مزا بہت پریشانی میں ہوں۔
یال تھا کہ ملازمت کے بعد کچھ چین سے بیٹھ کر اللہ اللہ کروں گا مگر وہ نصیب نہیں ہے۔
ساری عمر گذر گئی اگر اس حالت میں موت آگئی تو سخت خرابی کا باعث ہوگا۔ تمام سلاسل

کی برکتیں ختم ہو جائیں گی اور جہنم میں ہمیشہ کے لئے ٹھکانا ہو جائے گا۔ جسمانی اور دماغی سب طرح سے مجبور ہوں۔ بصارت کی بھی بہت کمی ہو گئی ہے بہت تکلیف سے خط لکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالے سے دعا فرمایئے اور تسلی و تشفی دیجئے کہ میرا کس طرح حشر ہو گا۔ ممکن ہے کہ اس لڑکے کی اسی حالت کی وجہ سے میرا کفن و دفن بھی ٹھیک نہ ہو مردہ ایسا ہی پڑا رہے۔ سڑ کر بدبودار ہو جائے۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ کا مصداق ہو گیا ہوں۔ ایسے شخص کا کیا حال ہو گا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ نہ چل سکتا ہوں نہ کسی سے مل سکتا ہوں نہ کسی سے بات کر سکتا ہوں۔ نہ کوئی تسلی دینے والا نہ کوئی ہمدردی کرنے والا نہ کسی قسم کی مدد عزیزوں سے نہ قدمے نہ درمے نہ زبان سے نہ ہاتھ سے۔ بس آپ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اس جیسے گنہ گار کو بخش دیں اور جہنم سے نجات دیں۔

والسلام۔ مجبور و معذور و مفلوج.......

تعلیماتِ رسالت سے سرتابی کا نتیجہ دیکھا آپ نے فتنۃ الرجل فی نفسہ واہلہ" یعنی آدمی کا ذاتی اور خانگی فتنہ" کی مثال اور اس کا نمونہ یہ سب نحوست اسکی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات جو تہذیب اخلاق و تدبیر منزل سے متعلق تھیں ان کو پسِ پشت ڈال دیا اب ظاہر ہے کہ آدمی جب اللہ و رسول کے بتلائے ہوئے طریقہ کو چھوڑے گا اور خود اپنے نفس اور خواہشات کی اتباع کرے گا تو یہ فساد تو نقدِ وقت ہو ہی گا۔ مجھے اس موقع پر ایک مصری عالم کا وعظ یاد آیا حج کے موقع پر حرم شریف میں عربی میں تقریر کر رہے تھے۔ انھوں نے بیان کیا کہ۔

سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جس طرح اصلاح معاد (آخرت) کے اصول تعلیم فرمائے اسی طرح اصلاح معاش (دنیا) کے اصول بھی بیان فرمائے جن لوگوں نے دونوں میں آپ کی تصدیق کی ان کو فلاحِ دارین حاصل ہوئی اور جس نے جس میں آپ کی تصدیق نہیں کی اسی قدر اپنا نقصان کیا۔ ہم لوگوں نے معاد سے متعلق امور میں تصدیق کی لیکن معاش سے متعلق جو امور آپ نے تعلیم فرمائے تھے ان کی تصدیق نہیں کی گئی اسی کا یہ نزاع و فساد نتیجہ ہے جس سے ہم آج دوچار ہیں۔ اور انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ امور دنیا میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہ کرنے کا یہ ادنیٰ وبال ہے کہ آج ہر شخص ایک دوسرے سے منہ پھلائے ہوئے ہے کوئی دو دل متفق نہیں ہیں ہر ایک کو دوسرے سے شکایت ہے عافیت تنگ اور زندگی محال ہوگئی ہے۔ اور یہ اتنا تو تعلیمات کے چھوڑنے کی وجہ سے تم اس دنیا میں بھگت رہے ہو وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَکْبَرُ آخرت میں اس سے بڑھ کر دیکھنے کے لئے تیار رہو۔ میں نے جب ان کا یہ وعظ سنا تو اسی وقت بہت پسند ہوا میں نے دل میں کہا کہ یہ وعظ یاد رکھنے کا ہے اور اب تو خود ہی لوگوں کے حالات کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ آپ بھی کر رہے ہیں۔

فتن کا واحد علاج اتباع سنت ہے غرض جس طرح اس فتنہ کا سبب ترک سنت بنا اسی طرح سے اس کا علاج بھی اتباع سنت ہے۔ اخلاق میں معاشرت۔ معاملات میں۔ عبادات میں اور عقائد میں۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ اصلاح کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے اپنوں ہی سے کام شروع فرماتے۔ آپ اسی کے مامور تھے۔ آپ کو حکم ہوا تھا کہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (اور آپ اپنے قریبی اہل خاندان کو ڈرایئے) جس کی تفسیر اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (اور ان لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں) اسکے بعد فرماتے ہیں کہ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (اور اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہدیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں)

سبحان اللہ کس قدر مرتب اصول تعلیم فرمائے یعنی پہلے یہ ارشاد فرمایا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے، اور یہ ظاہر ہے کہ انذار کے بعد لوگ دو قسم پر منقسم ہوجائیں گے بعض متبعین و موافق ہونگے اور بعض منافقین و مخالفین۔ تو آپ بھی ہر ایک کے ساتھ اسکے مناسب معاملہ فرمایئے۔ یعنی مخلصین اور ماننے والوں کے ساتھ تو خَفْضِ جَنَاح "مشفقانہ برتاؤ اور فروتنی کا معاملہ کیجئے کہ اس وجہ سے ان کی دلجوئی ہوگی اور آپ ان کی نظروں میں اور زیادہ محبوب ہوجائیں گے جو سبب ہوگا آپ کی تقویت اور ان کی ترقی کا۔ اور جو مخالف

ہوں ان کے ساتھ آپ کا برتاؤ یہ ہونا چاہیئے کہ ان کی ذات سے تو نفرت نہ ہو لیکن ان کی خلاف شرع باتوں کی تائید بھی نہ کیجئے بلکہ صاف کہدیجئے کہ میں تمھارے اس فعل شنیع" اور حرکات قبیحہ" سے بری اور بیزار ہوں۔

سبحان اللہ کس قدر زرّیں اور جامع اصول ہیں۔ واقعی ایک مصلح جن کی اصلاح کرتا ہے وہ یا تو عزیز و قریب ہوتے ہیں یا غیر۔ پھر غیر ہو کر کبھی موافق ہو جاتے ہیں اور کبھی مخالف ہی رہتے ہیں۔ ہر مصلح کو انھیں اصناف ثلثہ (تینوں قسموں) سے سابقہ پڑتا ہے۔ پس ہر ایک کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے اللہ تعالیٰ نے یہاں اسے بیان فرما دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برت کر ان کا مفید اور کامیاب ہونا ثابت فرما دیا۔ لہٰذا انسان جن حالات میں گھرا ہو اور جن فتنوں میں مبتلا ہو ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت معلوم کرے اور اس پر عمل کر کے خود اپنے کو اور اپنے متعلقین کو اور اہل بستی کو اس فتنہ سے نکالے۔ میں نے اسکو پہلے بھی کہا ہے اور اب پھر کہتا ہوں اور میں اس بات کو بصیرت کے ساتھ سمجھ چکا ہوں کہ فلاح آخرت تو دین اختیار کرنے پر موقوف ہے ہی اس زمانے میں تو دنیوی فلاح حاصل کرنے کے لئے بھی دین اختیار کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چلنا ناگزیر ہے ؎

میندار سعدی کہ راہِ صفا　　تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

(اے سعدی! یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ راہ حق "اللہ تعالیٰ کی قرب رضا کا راستہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی اتباع کئے بغیر طے کیا جا سکتا ہے)
(آپؐ کے طریقہ کے خلاف جو بھی کوئی دوسرا راستہ اختیار کریگا وہ کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکے گا)

بس اس دعا پر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ ۝ (یا اللہ میں تمام ظاہری اور باطنی فتنوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں)

مکتوب نمبر ۸۰۳

حال :۔ خدمت اقدس میں دست بستہ التماس یہ ہے کہ کافی عرصہ سے مندرجہ ذیل معاملہ میں ایک الجھن دماغ میں چل رہی ہے اور اس کا دفعیہ کسی صورت سے بھی نہیں ہو رہا ہے۔ آج آپ کو اس سلسلہ میں تکلیف دے رہا ہوں کہ مجھے آپ مطلع فرمائیں کہ مضمون ذیل میں میں کس کس جگہ گمراہی میں مبتلا ہوں اور اس کا تدارک کس طرح سے کروں۔ میرے لئے دعا بھی فرمایئے گا۔ کیا ہر مرید کو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی اصلاح کے لئے اپنے شیخ پیر کامل ہی کو اپنا رہبر جان کر اس ہی سے ہر معاملہ میں اصلاح طلب کرے۔

اب اسکے بعد ایک دوسری الجھن حسب ذیل ہے کہ ایک شخص جو کسی پیر کامل سے مرید ہے اور وہ اپنے شیخ سے وقتاً فوقتاً خط و کتابت سے اپنی اصلاح بھی لیتا رہتا ہے۔ تو کیا ایسا مرید اس بات کا پابند ہے کہ وہ کسی دوسرے شیخ یا پیر کامل یا کسی عالم دین کی صحبت میں نہ بیٹھے اور نہ مرید اپنی اصلاح کی خواہش ظاہر کرے اور نہ اپنی مزید کسی پریشانی کا اظہار کرے۔ اسکے علاوہ اگر کوئی پیر کامل یا عالم دین اپنی کسی نشست میں کسی صاحب نسبت کو بغرض اصلاح کچھ بتائے تو اس مرید کو اس پیر کامل کی بات پر توجہ نہ دینا چاہیئے۔ اور اگر عالم دین نہی اس کو کسی بدعت پر روکے تو کیا اس مرید کو جو کہ پہلے سے کسی پیر کامل کا دامن پکڑے ہوئے ہے۔ اپنے شیخ کے فتویٰ کا انتظار کرے یا اس سے اجازت چاہے جب اجازت مل جائے اسوقت اس پر وہ عمل کرے یا پھر کسی دینی کتاب کے مسئلہ پر جو علمائے حق کی ہوں بغیر پوچھے اپنے شیخ کے ہرگز عمل نہ کرے۔ مطلب یہ کہ بہشتی زیور کے مسئلہ پر بھی اپنے شیخ کا فتویٰ لے جب جاکر اسپر عمل پیرا ہو۔ تو اس شکل کے بعد تو پھر یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ کسی وعظ میں شرکت کرے نہ کسی دینی کتاب کا مطالعہ کرے جس کی شیخ نے اجازت نہ دی ہو اور نہ کسی دوسرے دیندار بزرگ کی صحبت میں بیٹھ کر فیض حاصل کرے۔ دوسرے بزرگوں واعظین دیگر علمائے کرام کو

یہ کھل کر اعلان کر دینا چاہیئے کہ میرے وعظ صرف وہی حضرات سُنیں جو کسی پیر کامل کے مرید نہ ہوں اور صرف ایسے ہی حضرات میری مجلس میں شرکت کریں۔ کیونکہ اگر کسی صاحب نسبت نے کسی بزرگ یا عالم دین کی کہی ہوئی بات پر عمل کر لیا تو نفع تو ہوگا مگر کم۔ پورے نفع کا حقدار تو جب ہی ہوگا جب اسکی تصدیق اپنے شیخ سے کرے کم نفع کے لالچ میں اگر مرید کسی دوسرے بزرگ کی بات کو مانے لیتا ہے۔ پھر اس خیال یا وسوسہ سے کہ بغیر اجازت شیخ عمل شروع کر رہا ہوں ہمارا شیخ ہم سے ناراض نہ ہو جائے اور جو کچھ فیض حاصل کر رہا ہوں ہمارے شیخ سے منقطع نہ ہو جائے اس ڈر سے عمل ہی نہیں کرتا۔ تو پھر کیا اس مرید کا ایسا کرنا ٹھیک ہے۔

تحقیق :- جن باتوں کو دریافت کیا ہے اسکے متعلق عرض ہے کہ جو مسائل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں وہ سب کتاب وسنت سے ثابت ہیں پس جن عمل کے فرض و واجب سنت و مستحب ہونے کو لکھا ہے اس پر عمل کرنا چاہیئے اور جن اعمال کے معصیت اور فسق و بدعت ہونے کو لکھا ہے اس سے بچنا لازم ہے۔ ان مسائل کے متعلق شیخ سے دریافت کرنا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً بہشتی زیور اسمیں جتنے مسائل ہیں سب مفتیٰ بہ ہیں ان کے ہر ہر جزئیہ کے لئے اجازت لینا پھر عمل کرنا اسکی ضرورت کیا ہے؟ اس طرح تو شیخ و مرید دونوں کو ہی ضیق و تنگی ہو جائے گی، ہاں اگر کسی مسئلہ میں اشکال ہو یا پیچیدگی ہو تو شیخ عالم سے دریافت کریں کچھ مضائقہ نہیں۔ شیخ سے دریافت کرنے کے لئے دوسرے امور ہیں۔ اپنے حالات و اخلاق کی اصلاح کے متعلق لکھنا چاہیئے۔ اور طریق میں کوئی بات پیش آوے تو اس سے مطلع کرنا چاہیئے اور ہدایات معلوم کرکے اسپر عمل کرنا چاہیئے۔

وعظ کی شرکت کے متعلق سوال ہے تو جواب یہ ہے کہ جائز ہے۔ اگر واعظ حق پرست اور عالم ربانی ہے اور شریعت کی ترجمانی کرتا ہے اس سے کسی کو ضرر نہیں پہنچتا نہ ظاہری نہ باطنی۔ ورنہ ناجائز ہے۔ اور واعظ مذکر کے آداب حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ لکھے ہیں :-

مذکر اور واعظ کو ضرور ہے کہ مکلف یعنی مسلمان عاقل بالغ ہو اور عادل یعنی متقی ہو جیسا کہ راوی حدیث اور شاہدین میں علماء نے تکلیف اور عدالت شرط قرار دی ہے۔ اور واعظ کو ضرور ہے کہ محدث و مفسر ہو اور سلف صالح یعنی صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے اخبار اور سیرت سے فی الجملہ بقدر کفایت کے واقف ہو اور محدث سے مراد یہ لیتے ہیں کہ کتب حدیث یعنی صحاح ستہ وغیرہا سے شغل رکھتا ہو اس طرح پر کہ حدیث کے الفاظ استاد سے پڑھ کر سند حاصل کر چکا ہو اور ان کے معانی کو پوچھا ہو اور احادیث کی صحت و ضعف کو معلوم کر چکا ہو اگرچہ معرفت صحت و سقم کی حافظ حدیث یا استنباط فقہ سے ثابت ہو گئی ہو اور اسی طرح مفسر سے مراد یہ لیتے ہیں کہ قرآن کی شرح غریب سے مشغول ہو اور آیات مشکلہ کی توجیہ اور تاویل سے واقف ہو اور جو سلف سے تفسیر قرآن روایت ہوئی ہو اسکو جانتا ہو۔ (شفاء العلیل صـ۱۲۵)

مکتوب نمبر ۲۰

حال:۔ سکون قلب جو الہ آباد تھا وہ کہاں مل سکتا۔ لیکن حضرت والا کے جواب کے بعد قدرے سکون ضرور ہے۔ حضرت والا سے فلاح دارین کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

تحقیق:۔ سکون قلب کے لئے اس تحریر میں غور کرو۔ مرقاۃ میں ہے کہ شارح حکم ابن عباد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن امر دنیا اور امر آخرت دونوں میں مطلوب ہے۔ امر دنیا میں یہ کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھے کہ منافع بغیر محنت اور مشقت کے حاصل ہوں گے اگر کچھ سعی کرنی پڑے گی تو وہ سعی خفیف و ہلکی اور شرعاً جائز ہوگی اور اس پر ثواب مرتب ہوگا۔ فرض اور نفل بھی فوت نہ ہوگی اسکی وجہ سے جسمانی سکون اور راحت میسر ہوگی اور پریشانی و اضطراب نہ ہوگا۔ اور آخرت میں یہ حسن ظن رکھے کہ اسکے اعمال صالحہ قبول ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اجر و ثواب دیں گے۔ اس سے اعمال میں رغبت اور انہماک کی کیفیت پیدا ہوگی

اورحلاوت ولذت ونشاط پیدا ہوگا یہ حُسن ظن کی وجہ سے ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوگا

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حُسن ظن رکھنے کے مواقع میں سے ایک موقع یہ ہے کہ اہل وعیال اور بدن و مال میں مصائب آئیں توان میں حُسن ظن رکھے تاکہ شکوہ وشکایت میں نہ پڑجائے۔ اگر یہ حُسن ظن رکھے گا تو ویسے ہی معاملہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ فرمائیں گے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۸۰۵

حال :۔ مکتوب گرامی صادر ہوا اور کاشف ما فیہ ہوا۔ **تحقیق** :۔ مبارک ہو۔
حال :۔ عرصہ سے اپنی تحریری کوتاہی کا معترف ہوں اور احساس بھی ہوتا رہتا ہے۔
تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ اور کئی دفعہ تو دو دو تین تین بار مجھے لکھنا پڑتا ہے۔ واقعی اپنے پرچے کو پڑھا اور عربی کتاب کا ترجمہ بھی پڑھا جو اس سے قبل آنجناب نے تحریر فرمایا تھا۔ طریق کار سے اور اس مضمون سے بڑی مسرت ہوئی کہ تصوف کو اختصار سے یکجا کردیا گیا ہے۔ **تحقیق** :۔ بیشک۔
حال :۔ اور حقیقت میں تصوف کا نچوڑ ہے۔ **تحقیق** :۔ بیشک۔
حال :۔ اور اسکو مستحضر رکھنے سے سالک کو بڑی سہولت ہوگی۔ **تحقیق**: ضرور ہوگی
حال :۔ اور نہایت نافع ثابت ہوگا انشاءاللہ۔ **تحقیق** :۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔
حال :۔ یہ بات لکھنے سے رہ گئی تھی آئندہ کے لئے بھی یہی توقع ہے کہ حضرت والا اسی قسم کی تحریر اور نصیحت سے احقر کو مطلع فرماتے رہیں گے۔ **تحقیق**: ضرور
حال :۔ اور دعا بھی فرماتے رہیں۔ **تحقیق** :۔ دعا کرتا ہوں۔
حال :۔ کہ اللہ تعالیٰ توفیق شامل حال فرماویں۔ **تحقیق** :۔ آمین۔
حال :۔ اور آنجناب کے فیوض و برکات سے احقر مستفیض ہوتا رہے۔
تحقیق :۔ آمین، آپ کے مضمون مرسلہ کے پسند فرمانے اور مزید طلب کرنے کی وجہ

سے اسی کتاب سے ایک دوسرا مضمون نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ:

تمام عارفین کا اس پر اجماع ہے کہ طریق پر چلنا بدون مرشد کے ممکن نہیں۔ چنانچہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی مصلح کو نہیں دیکھا وہ فلاح نہیں پاسکتا۔ اور یہ مضمون اس حدیث سے مستنبط فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنِ اسْتَغْنٰی بِرَأْیِہٖ ضَلَّ (یعنی جو اپنی رائے میں مستقل بن جاتا ہے وہ گمراہ ہوجاتا ہے) نیز فرمایا کہ اَلْمُؤْمِنُ مِرْآۃُ الْمُؤْمِنِ (یعنی ایک مومن دوسرے مومن کیلئے بمنزلہ آئینہ ہوتا ہے) حضرت شیخ جیلانیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ عالمِ اسباب میں سبب کی ضرورت بہرحال ہے گو اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہیں کہ بدون انبیاء کے بھیجے ہوئے ہدایت فرمادیتے۔ غرضیکہ حضرت نے مرشد کی طلب پر بہت ابھارا ہے اور یوں فرمایا ہے کہ طالب کو چاہئے کہ شب کی تاریکی میں اٹھے، وضو کرے، دو رکعت نماز پڑھے اور پھر اس طرح کہے کہ یا اللہ! اپنے مقرب اور صالح بندوں میں سے کسی سے مجھے ملادے تاکہ وہ مجھے آپ سے ملادے اور آپ کا راستہ بتادے۔

علامہ شعرانیؒ نے فرمایا کہ یہ بات میری سمجھ میں اچھی طرح سے آگئی ہے اور خوب محقق ہوگئی ہے کہ انسان علم میں کتنا ہی بڑا نہ ہوجائے اس کو عمل کے لئے ایک ایسے شیخ کی ضرورت ہے جو طریق سے واقف ہو جیسا کہ امام غزالیؒ اور یافعیؒ وغیرہ کو آخر ضرورت پیش آئی۔ مطلب یہ کہ کیمیا بنانے کا علم ہوجانا تو صرف کافی نہیں ہے اور نہ صرف اس اتنے سے کیمیا بن ہی جائے گی بلکہ اسکے لئے تو عملی طور پر کسی کو بناتے ہوئے دیکھنے کی بھی حاجت ہے۔ دیکھو ظاہری اور بدنی امراض میں جو کہ ظاہری علامات مثلاً حرارت، برودت وغیرہ سے بھی معلوم ہوسکتے ہیں صرف مشہور ادویہ کا از خود استعمال مفید نہیں ہوتا بلکہ طبیب حاذق کی بھی حاجت ہوتی ہے جو کہ فن طب میں علمی اور عملی ہر طرح سے ماہر ہو۔ کیونکہ اگر مریض دوا کو خود استعمال کرے گا تو بسا اوقات یہی اسکی ہلاکت کا سبب بن جائے گا۔ اس لئے کہ

یہاں صرف دواہی تھوڑی ہے بلکہ اور بھی کچھ چیزیں ہیں جن کی رعایت ضروری ہوتی ہے مثلاً یہ کہ جگہ اور موسم کا لحاظ، مرض کس درجہ کا ہے؟ مریض کس مزاج کا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب بدنی امراض کا یہ حکم ہے تو پھر قلوب کے امراض کا کیا حال ہوگا جو کہ غیب محض ہیں ان کے لئے نہ محسوس علامات ہیں نہ کچھ۔ اور اکثر لوگ اپنی بدحالی پر خوش بھی رہتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہی استقامت مطلوبہ ہے۔ اور اسکی مثال ایسی سمجھو جیسے کوئی برص والا ہو اور اسکے پاس آئینہ نہ ہو جس میں منہ کا داغ دیکھ سکے تو اسکو اپنے برص کا علم کسی آنکھ والے ہی سے ہوسکتا ہے اور وہی اسکے لئے بمنزلہ آئینہ کے ہوگا۔ بلکہ یوں سمجھو کہ جب ظاہری راستہ بدون رہبر کے نہیں چلاجاسکتا اور ضرورت پڑتی ہے کسی واقفِ راہ کی جو نشان طریق۔ مواقع ہلاکت۔ پانی کے مقامات۔ درندوں کی جگہوں سے واقف ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص تنہا ایسے راستہ میں چلے گا تو اسکی ہلاکت کی توقع غالب ہے نجات کے مقابلہ میں۔ تو پھر باطنی راہ کیونکر بدون شیخ کے رہبری کے چلی جاسکتی ہے۔ خاصکر جبکہ سالک کا یہ حال ہو کہ نہ اس کے لئے نظر ہے نہ قدم نہ قوت۔ اور مزید یہ کہ چور اور ڈاکوؤں کی کثرت ہے یعنی زخارفِ ۵ دنیا، نفس کی خواہش اور شیاطین الانس و الجن (پھر بھلا تنِ تنہا ناواقف آدمی طریق میں ان سب کا کیسے مقابلہ کرسکتا ہے) ان سب سے خلاصی شیخ کامل ہی کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ جس طرح سے پہلے خط میں آپ سے دریافت کیا تھا۔ اب اس تحریر کے متعلق بھی دریافت کرتا ہوں کہ لکھئے کہ اس سے آپ کیا سمجھے اور کتنا سمجھے؟

مکتوب نمبر ۸۰۶

حال:۔ خدا کے فضل اور حضرت کی دعا سے بندہ بخیر وخوبی سفر کو طے کرکے مکان پہنچا سب سے پہلے اس بات کو لکھنے کا جی چاہتا ہے، اور بار بار قلب میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تم نے ایک شیخ کامل کو پاکر کیا حاصل کیا۔ اسکے جواب میں کہتا ہوں کہ لوگوں کو انکا صحیح راستہ مل جاتا ہے۔ تحقیق:۔ بیشک۔ حال:۔ یوں تو حضرت والا کے مجلس کے بہت سے فوائد ہیں لیکن میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ انسان کا فہم کھل جاتا ہے۔ تحقیق: خوب عمدہ بات لکھی

ـــــــــــــــــــــــــــــ

۵ (دنیا کی زیب وزینت اور بھانے والی چیزیں)

عورت کے بارے گورباچوف کا نظریہ

اگر یہ باتیں صرف میں کہتا تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ یہ سب باتیں آپ تعصب کی بنا پر کہہ رہے ہیں لیکن اب سے چند سال پہلے سوویت یونین کے آخری صدر "میخائل گورباچوف" نے ایک کتاب لکھی ہے "پروسٹرائیکا" آج یہ کتاب ساری دنیا میں مشہور ہے اور شائع شدہ شکل میں موجود ہے۔ اس کتاب میں گورباچوف نے "عورتوں کے بارے" (Status of Women) "عورتوں کا مرتبہ" کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے۔ اس میں اس نے صاف اور واضح لفظوں میں یہ بات لکھی ہے کہ:

"ہماری مغرب کی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر نکالا گیا۔ اور اسکو گھر سے باہر نکالنے کے نتیجے میں بیشک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کیے۔ اور پیداوار میں کچھ اضافہ ہوا۔ اس لئے کہ مرد بھی کام کر رہے ہیں اور عورتیں بھی کام کر رہی ہیں۔ لیکن پیداوار کے زیادہ ہونے کے باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو گیا اور اس فیملی سسٹم کے تباہ ہونے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصانات اٹھانا پڑے ہیں وہ نقصانات ان فوائد سے زیادہ ہیں جو پروڈکشن (پیداوار) کے اضافے کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوئے۔ لہٰذا میں اپنے ملک میں "پروسٹرائیکا" کے نام سے ایک تحریک شروع کر رہا ہوں۔ اس میں میرا ایک بہت بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے اسکو واپس گھر میں کیسے لایا جائے؟ اسکے طریقے سوچنے پڑیں گے۔ ورنہ جس طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو چکا ہے۔ اسی طرح ہماری پوری قوم تباہ ہو جائیگی۔"

یہ الفاظ میخائل گورباچوف نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔ وہ کتاب آج بھی بازار میں دستیاب ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

روپیہ پیسہ بذات خود کوئی چیز نہیں

اس فیملی سسٹم کی تباہ کاری کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے عورت کی مقصد تخلیق کو نہیں جانا کہ عورت کو کیوں پیدا کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اسلئے پیدا کیا تھا کہ وہ گھر کے نظام اور فیملی سسٹم کو استوار کرے۔ آج

کے معاشی دور کی ساری کوششوں کا حاصل یہ ہے کہ روپیہ پیسہ زیادہ ہو جائے لیکن یہ تو بتاؤ کہ کیا یہ روپیہ پیسہ بذات خود کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ اگر آپ کو بھوک لگ رہی ہو اور آپ کے پاس پیسے موجود ہوں تو آپ اسکو کھا کر بھوک مٹا لیں گے؟ پیسہ بذات خود کوئی چیز نہیں۔ جب تک اسکے ذریعہ ضرورت کی چیز مہیا کر کے آدمی سکون حاصل نہ کرے۔

آج کا نفع بخش کاروبار پچھلے دنوں ایک رسالے میں ایک سروے کی تفصیل آئی ہے اس سروے کا مقصد یہ تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ نفع بخش کاروبار کونسا ہے؟

چنانچہ اس سروے کی رپورٹ یہ لکھی ہے کہ آج پوری دنیا میں سب سے زیادہ نفع بخش کاروبار" ماڈل گرل" کا کاروبار ہے۔ اسلئے کہ ایک" ماڈل گرل" مصنوعات کے اشتہارات پر اپنی عریاں تصویر دینے کے لئے صرف ایک دن کے ۲۵ ملین ڈالر وصول کرتی ہے اور اس ایک دن میں وہ تاجر اور سرمایہ کار اپنی مرضی سے جتنی تصویریں جس انداز سے اور جس زاویے سے اتارنا چاہے اتارتا ہے۔ اور اسکے ذریعہ وہ اپنی مصنوعات کو بازار میں پھیلاتا ہے۔ . . . آج یہ عورت ایک بکاؤ مال بن چکا ہے۔ اور سرمایہ دار اسکو جس طرح چاہتا ہے استعمال کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عورت نے گھر سے باہر نکل کر اپنی قدر و منزلت اور اپنا مرتبہ کھو دیا اور اس کا یہ نتیجہ نکلا

ایک یہودی کا عبرتناک واقعہ ایک بزرگ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ پہلے زمانے میں ایک یہودی بہت بڑا مالدار اور سرمایہ دار تھا۔ اس زمانے میں لوگ اپنی دولت زیر زمین خزانے بنا کر اس میں رکھا کرتے تھے۔ اس یہودی نے خزانے میں سونا چاندی کے انبار اور ڈھیر جمع کئے ہوئے تھے۔ جیسا کہ قارون کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ اس نے بہت بڑا خزانہ جمع کیا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ وہ یہودی اپنے خزانوں کا خفیہ طور پر معائنہ کرنے کے لئے گیا۔ اور جب اندر گیا تو اس چوکیدار کو بھی اطلاع نہیں کی جس کو وہاں خزانے پر اس نے مقرر کیا تھا۔ تاکہ یہ دیکھے کہ وہ چوکیدار کہیں خیانت تو نہیں کر رہا

اور اس خزانے کے دروازے کا سسٹم ایسا تھا کہ وہ اندر سے بند تو ہوتا تھا لیکن اندر سے کھل نہیں سکتا تھا۔ صرف باہر سے کھل سکتا تھا۔ اب اس نے بے خیالی میں دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اب کھولنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ باہر جو چوکیدار تھا وہ یہ سمجھتا رہا کہ خزانہ بند ہے۔ اور اسکے ذہن میں یہ تصور بھی نہیں تھا کہ خزانے کا مالک اندر ہے۔ اب یہ مالک اندر جا کر خزانہ کی تفتیش کرتا رہا۔ اور جب دیکھ بھال کر تفتیش سے فارغ ہو کر واپس باہر نکلنا چاہا تو باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اب وہاں پر قید ہے۔ بھوک لگ رہی ہے اور خزانہ سارا موجود ہے لیکن بھوک نہیں مٹا سکتا۔ پیاس لگ رہی ہے اور خزانہ سارا موجود ہے۔ لیکن پیاس نہیں بجھا سکتا۔ رات کو نیند آرہی ہے اور خزانہ سارا موجود ہے لیکن بستر فراہم نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ جتنے دن بغیر کھائے پیئے زندہ رہ سکتا، زندہ رہا۔ اور پھر اسی خزانہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

تو یہ روپیہ پیسہ اپنی ذات میں انسان کو نفع پہنچانے والی چیز نہیں۔ جب تک کہ نظام درست نہ ہو۔ اور جب تک راستہ درست نہ ہو۔

گنتی میں اگرچہ دولت زیادہ ہو جائے گی

آج کی دنیا یہ کہتی ہے کہ اگر عورت کو گھر سے باہر نکالیں گے تو ہمیں ورکرز مہیا ہوں گے اور اسکے نتیجے میں پروڈکشن (پیداوار) زیادہ ہوگی اور دولت زیادہ ہو گی تو ٹھیک ہے کہ گنتی میں تو دولت زیادہ ہو جائے گی۔ لیکن جب تمہارا فیملی سسٹم تباہ ہو گیا اور جس کے نتیجے میں تمہاری قومی ترقی کا راستہ بند ہو گیا یہ کتنا بڑا نقصان ہو گیا۔

دولت کمانے کا مقصد کیا ہے؟

اسلئے قرآن کریم میں جو آیت وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (اپنے گھروں میں قرار سے رہو) ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ ہم نے عورت کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ زندگی کی یہ اہم ترین خدمت انجام دے کر اپنی فیملی سسٹم کو استوار کرے اور اپنے گھر کو سنبھالے۔ اس کے تو کوئی معنی نہیں ہیں کہ گھر کا گھر اجڑا پڑا ہے۔ اور ساری توجہات باہر کے کاموں میں صرف ہو رہی ہیں۔ باہر رہ کر انسان جو کچھ کماتا ہے وہ تو اسلئے کماتا ہے کہ گھر کے اندر آکر انسان سکون حاصل کرے

لیکن اگر گھر کا سکون تباہ ہے تو پھر اس نے جتنی کچھ کمائی کی ہو، وہ کمائی بیکار ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

بچے کو ماں کی ممتا کی ضرورت ہے

اس لئے گھر کے نظام کو استوار کرنے کے لئے اور بچوں کی صحیح تربیت کے لئے اور بچوں کو صحیح فکر پر ڈھالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرائض عورت کے سپرد کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود یہ کہ بچہ ماں اور باپ دونوں کا ہوتا ہے لیکن جتنا پیار اور جتنی ممتا اللہ تعالیٰ نے ماں کے دل میں رکھی، باپ کے دل میں اتنی نہیں رکھی۔ اور بچے کو جتنا پیار اپنی ماں سے ہوتا ہے، اپنے باپ سے اتنا نہیں ہوتا۔ اور جب بچے کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ چاہے کسی بھی جگہ پر ہو، وہ فوراً ماں کو پکاریگا باپ کو نہیں پکاریگا۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ ماں میری مصیبت کا علاج کر سکتی ہے۔ اور اسی محبت کے رشتے سے بچے کی تربیت ہوتی ہے۔ اور جو کام ماں انجام دے سکتی ہے، وہ باپ انجام نہیں دے سکتا۔ اگر کوئی باپ چاہے کہ میں ماں کی مدد کے بغیر بچے کی پرورش خود کر لوں، تو باپ کے لئے یہ بات ممکن نہیں تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ آج کل لوگ بچوں کو نرسریوں کے اندر پالتے ہیں۔ یاد رکھو! کوئی بھی نرسری بچے کو ماں کی ممتا فراہم نہیں کر سکتی۔ بچے کو کسی پولٹری فارم قسم کے ادارے کی ضرورت نہیں، بلکہ بچے کو ماں کی ممتا اور اسکی شفقت کی ضرورت ہے۔ اور ماں کی ممتا اور اسکی شفقت کو حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ عورت گھر کا نظام سنبھالے۔ اگر کوئی عورت گھر کا نظام نہیں سنبھال رہی ہے تو وہ فطرت سے بغاوت کر رہی ہے اور فطرت سے بغاوت کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو اس وقت آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔

بڑے کارناموں کی بنیاد "گھر" ہے

قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے فرمادیا تھا کہ "وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ" (یعنی اپنے گھروں میں قرار سے رہو) یہ گھر ہی تمہاری دنیا و آخرت ہے، یہ گھر تمہاری زندگی ہے۔ اور یہ خیال مت کرو کہ مرد گھر سے باہر نکل کر بڑے بڑے کام انجام دے رہا ہے۔ لہٰذا میں بھی باہر نکل کر بڑے بڑے کارنامے انجام دوں۔۔۔ ۔۔۔ ارے یہ تو سوچو کہ سارے بڑے بڑے کارناموں کی بنیاد یہ گھر ہے۔ اگر تم نے اولا

کی صحیح تربیت کردی اور انکے دلوں میں ایمان پیدا کردیا اور انکے اندر تقویٰ اور عمل صالح پیدا کردیا تو یقین رکھو کہ اگر مرد باہر نکل کر جتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہا ہے، ان تمام کارناموں پر تمہارا یہ کارنامہ فوقیت رکھے گا کہ تم نے ایک بچے کی تربیت دین کے مطابق کردی۔

مغرب کے الٹے پروپیگنڈے نے اور مغربی کی اندھی تقلید نے ہمارے معاشرے کی خواتین سے اولاد کی دینی تربیت کی فکر کو رفتہ رفتہ ختم کرنا شروع کردیا ہے اور جو خواتین اپنے گھروں میں بیٹھی ہیں۔ وہ بھی کبھی کبھی یہ سوچنے لگتی ہیں کہ واقعۃً یہ لوگ درست کہتے ہیں ہم گھر کی چار دیواری میں مقید اور بند ہوگئے ہیں۔ اور جو خواتین گھروں سے باہر نکل رہی ہیں، شاید یہ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ ۔ ۔ ۔ لیکن خوب سمجھ لیں کہ عورت جو خدمت اپنے گھر میں بیٹھ کر انجام دے رہی ہے۔ یاد رکھو اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ اور وہ خدمت گھر سے باہر نکل کر، بازاروں میں جاکر، دوکانوں پر بیٹھ کر نہیں انجام دی جاسکتی، جو گھر میں بیٹھ کر انجام دی جاسکتی ہے۔

تسکین وراحت پردہ کے اندر ہے

اور خواتین یہ نہ سمجھیں کہ یہ پردہ ہمارے لئے دشواری کا سبب ہے، بلکہ عورت کی فطرت میں پردہ داخل ہے، اور "عورت" کے معنیٰ ہی "چھپانے والی چیز" کے ہیں۔ اور پردہ عورت کی سرشت میں داخل ہے۔ اگر فطرت مسخ ہوجائے تو اس کا تو کوئی علاج نہیں۔ لیکن جو تسکین اور راحت پردہ کی حالت میں ہوگی، وہ تسکین بے پردگی اور کھلم کھلا اور علانیہ رہنے کی حالت میں نہیں ہوگی۔ لہٰذا پردہ کا تحفظ حیا کا ایک لازمی حصہ ہے۔

آج سروں کے بال کی حالت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں آج کے حالات دیکھ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب ایسی عورتیں ہونگی ان کے سر کے بال ایسے ہوں گے جیسے لاغر اونٹ کے کوہان۔ اونٹ کے کوہان کی طرح بال بنانے کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تصور بھی نہیں آسکتا تھا۔ آج دیکھ لیں کہ عورتیں اونٹوں کے کوہان کی طرح بال بنارہی ہیں۔

لباس کے اندر بھی عریاں

اور فرمایا کہ وہ عورتیں بظاہر تو لباس پہنی ہوئی ہوں گی، لیکن وہ

لباس ایسے ہیں جن سے ستر کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ لباس اتنا باریک ہے، یا وہ لباس اتنا چست ہے کہ اسکی وجہ سے جسم کے تمام نشیب و فراز عیاں ہوجاتے ہیں۔ اور یہ سب حیا کے ختم ہونے کا نتیجہ ہے۔ آج سے پہلے اس کا تصور اور خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ ایسا لباس پہنے گی۔ اس لئے کہ اس کے دل میں حیا تھی اور اسکی طبیعت ایسی تھی کہ وہ ایسا لباس پہننا پسند نہیں کرتی تھی، لیکن آج سینہ کھلا ہے گلا کھلا ہوا، بازو کھلے ہیں۔ یہ کیسا لباس ہوا؟ لباس تو ستر پوشی کے لئے تھا جو عورت کو اسکی اصل فطرت کی طرف لوٹانے کے لئے تھا۔ وہ لباس ستر پوشی کا کام دینے کے بجائے جسم کو اور زیادہ نمایاں کرنے کا کام انجام دے رہا ہے۔

مخلوط تقریبات کا سیلاب | شادی بیاہ کی تقریبات میں بے حیائی کے جو مناظر ان گھرانوں میں بھی نظر آنے لگے ہیں جو اپنے آپ کو دیندار کہتے ہیں جن کے مرد مسجد میں صف اول میں بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے گھرانوں کی شادی بیاہ کی تقریبات میں جاکر دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جس میں اس بات کا خیال اور تصور نہیں آسکتا تھا کہ شادی بیاہ کی تقریبات میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوگا۔ لیکن اب تو مرد و عورت کی مخلوط دعوتوں کا ایک سیلاب ہے اور عورتیں بن سنور کر، سنگھار پٹیار کرکے زیب و زینت سے آراستہ ہوکر ان مخلوط دعوتوں میں شریک ہوتی ہیں۔ نہ پردے کا کوئی تصور ہے، نہ حیا کا کوئی خیال ہے۔

یہ بدامنی کیوں نہ ہو | اور پھر ان تقریبات کی ویڈیو فلمیں بن رہی ہیں تاکہ جو کوئی اس تقریب میں شریک نہ ہوسکا اور اس نظارے سے لطف اندوز نہیں ہوسکا اس کے لئے اس نظارہ سے لطف اندوز ہونے کے لئے ویڈیو فلم تیار ہے۔ اسکے ذریعہ وہ اس نظارہ کرسکتا ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن پھر بھی دیندار، پھر بھی نمازی پرہیزگار، یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن کان پر جوں نہیں رینگتی۔ اور ماتھے پر شکن نہیں آتی، اور دل میں اسکو ختم کرنے کا کوئی داعیہ پیدا نہیں ہوتا۔

بتائیے کیا پھر بھی یہ فتنے نہ آئیں؟ کیا پھر بھی بدامنی اور بے سکونی پیدا نہ ہو؟!

آج کل ہر ایک کی جان و مال و عزت و آبرو خطرے میں ہے۔ یہ سب کیوں نہ ہوں۔۔۔ ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غنیمت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے کہ ایسا قہر ہم پر نازل نہیں ہوتا کہ ہم سب ہلاک ہو جائیں۔ ورنہ ہمارے اعمال تو ایسے ہیں کہ ایک قہر اور عذاب کے ذریعہ سب کو ہلاک کر دیا جاتا۔

ہم اپنی اولاد کو جہنم کے گڑھے میں ڈھکیل رہے ہیں

اور یہ سب گھر کے بڑوں کی غفلت اور بے حسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے دل سے احساس ختم ہو گیا۔ کوئی کہنے والا اور کوئی ٹوکنے والا نہیں رہا۔ بچے جہنم کی طرف دوڑے ہوئے جا رہے ہیں۔ کوئی ان کا ہاتھ پکڑ کر روکنے والا نہیں ہے۔ کسی باپ کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ ہم اپنی اولاد کو کس گڑھے میں ڈھکیل رہے ہیں اور دن رات سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اب اگر کوئی ان کو سمجھاتا ہے تو ان بڑوں کا یہ جواب ہوتا ہے کہ ارے بھائی! یہ تو نوجوان ہیں، لگے رہنے دو، ان کے کاموں میں رکاوٹ نہ ڈالو۔ اسی طرح ان اولاد کے سامنے ہتھیار ڈال ڈال کر نتیجہ یہاں تک پہنچ گیا۔

ابھی پانی سر سے نہیں گزرا

اب بھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ اب بھی اگر گھر کے سربراہ اور گھر کے ذمہ دار اس بات کا تہیہ کر لیں کہ یہ چند کام نہیں کرنے دیں گے، ہمارے گھر میں مرد و عورت کا مخلوط اجتماع نہیں ہوگا، ہمارے گھر میں کوئی تقریب عورتوں کی بے پردگی کے ساتھ نہیں ہوگی، وڈیو فلم نہیں بنے گی، اگر گھر کے بڑے ان باتوں کا تہیہ کر لیں، تو اب بھی اس سیلاب پر بند باندھا جا سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ سیلاب قابو سے باہر ہوا ہو۔ لیکن اسوقت سے ڈرو کہ جب کوئی کہنے والا خیر خواہ اس صورت حال کو تبدیل کرنے کی کوشش کرے گا، اور نہیں کر سکے گا۔ کم از کم وہ گھرانے جو اپنے آپ کو دیندار کہتے ہیں، جو دین اور اسلام کے نام لیوا ہیں اور بزرگوں سے تعلق رکھنے والے ہیں وہ تو کم از کم اس بات کا تہیہ کر لیں کہ ہم یہ مخلوط اجتماع نہیں ہونے دیں گے۔

ایسے اجتماعات کا بائیکاٹ کر دو

ہمارے بزرگوں نے بائیکاٹ وغیرہ کے طریقے نہیں سکھائے لیکن یاد رکھو! ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جہاں انسان کو یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ

یا تو ہماری یہ بات مانی جائے گی، ورنہ اس تقریب میں ہماری شرکت نہیں ہوگی، اگر شادی کی تقریبات ہو رہی ہیں اور مخلوط اجتماعات ہو رہے ہیں، اب اگر اس دعوت میں نہیں جاتے تو شکایت ہو جائے گی کہ آپ اس مخلوط دعوت میں شریک کیوں نہیں ہوئے۔ ۔ ۔ ۔ ارے یہ تو سوچو کہ ان کی شکایت کی تو آپ کو پرواہ ہے، لیکن ان کو آپ کی شکایت کی پرواہ نہیں، تم پردہ نشین خاتون ہو، اور وہ تم کو بلانا چاہتے ہیں تو پھر انھوں نے تمھارے لئے پردہ کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ جب انھوں نے تمھارا اتنا خیال نہیں کیا، تو پھر تم پر بھی ان کا خیال کرنا واجب نہیں ہے، ان سے صاف صاف کہہ دو کہ ہم ایسی تقریب میں شریک نہیں ہوں گے، جب تک کچھ خواتین ڈٹ کر یہ فیصلہ نہ کریں گی، یقین رکھو کہ اس وقت تک یہ سیلاب بند نہیں ہوگا، کب تک ہتھیار ڈالتے جاؤ گے؟ کب تک ان کے آگے سپر ڈالتے جاؤ گے؟ یہ سیلاب کہاں تک پہنچے گا؟۔

دنیا والوں کا کب تک خیال کروگے

ہمارے بزرگ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ اس دور کے اندر اللہ تعالیٰ نے جیتے بزرگ پیدا فرمائے تھے، ان کے گھر کی بیٹھک میں فرشی نشست تھی، گھر کی خواتین کے دل میں یہ خیال آیا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے، فرشی نشست کا زمانہ نہیں رہا، اسلئے آکر مولانا سے کہا کہ اب آپ یہ فرشی نشست ختم کر دیں اور صوفے وغیرہ لگا دیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ مجھے تو نہ صوفے کا شوق ہے اور نہ مجھے اس پر آرام ملے، مجھے تو فرش پر بیٹھ کر آرام ملتا ہے، میں تو اسی پر بیٹھ کر کام کروں گا، خواتین نے کہا کہ آپ کو اس پر آرام ملتا ہے، مگر دنیا والوں کا تو کچھ خیال کر لیا کرو، جو آپ کے پاس ملنے کیلئے آتے ہیں۔ انکا ہی کچھ خیال کرلو۔ اسپر حضرت مولانا نے کیا عجیب جواب دیا، فرمایا: بی بی! دنیا والوں کا تو میں خیال کر لوں، لیکن یہ تو بتاؤ کہ دنیا والوں نے میرا کیا خیال کر لیا؟ میری وجہ سے کسی نے اپنے طرز زندگی میں، یا کسی نے اپنے کسی کام میں کوئی تبدیلی لائی ہو۔ جب انھوں نے میرا خیال نہیں کیا تو میں ان کا کیوں خیال کروں۔

اوج قنوج

جنید وقت حکیم الامت حضرت مولٰنا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

تواضع کی حقیقت ، ضرورت اور فوائد کے متعلق یہ
وعظ قنوج کی جامع مسجد میں ۳ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ
بروز جمعہ ہوا ۔ جو ۲ گھنٹہ ۲۲ منٹ میں ختم ہوا
جسے حکیم محمد مصطفٰی صاحب مقیم میرٹھ نے قلمبند کیا۔

خطبۂ ماثورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیّئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و نشھد انّ سیّدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلّم امّا بعد! فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ

تمہید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے تواضع اختیار کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ رفعت و بلندی عطا فرماتا ہے"

میرا ارادہ بیان وعظ کا نہ تھا۔ اس سفر میں کئی جگہ فرمائش کی گئی ہے مگر جواب نفی میں دیا گیا یہ سفر اسی ضرورت سے کیا ہے کہ طبیعت عرصہ سے مضمحل ہے۔ وطن میں رہ کر فراغ ملنا مشکل تھا۔ اسلئے یہ سفر کیا تاکہ کاموں سے فراغ رہے۔ اور راحت ملے اور وعظ کہنے میں تعب ہوتا ہے جو مقصود سفر کے خلاف ہے مگر مجھے پہلے سے احتمال تھا کہ قنوج میں ضرور استدعا کی جائے گی۔ لیکن غالب یہی ارادہ تھا کہ بیان نہ کروں گا۔ جیسا اس سفر میں اور کہیں بھی بیان نہیں ہوا۔ اور رات نیند بھی خراب رہی اس وجہ سے بھی طبیعت مضمحل ہے۔ پھر کوئی مضمون بھی ذہن میں حاضر نہ تھا، یہ تو عذر تھا۔ مگر میرے بھائی اختر نے لوگوں کی طرف سے خواہش ظاہر کی۔ اور درخواست اس طرح کی گئی کہ اگر طبیعت متحمل

ہو سکے تو کچھ بیان ہو جائے۔ نیز مقدار وقت کو میری رائے پر چھوڑ دیا گیا۔ اس
گنجائش دینے نے زیادہ اثر کیا۔ اسکے بعد یہ حدیث دفعۃً قلب پر وارد ہوئی
شاید منظور خدا ہو۔ جو مضمون بے ساختہ آگیا۔ اور شاید وہ مضمون یہاں کے مناسب

کبر اور اسکا علاج | یہ حدیث چھوٹی سی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بڑی تعلیم ترغیب کے عنوان سے ارشاد فرمائی ہے ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے تواضع اختیار کرتا ہے اس کو حق تعالیٰ رفعت اور بلندی عطا فرماتے ہیں۔ یہ مضمون ایسا ہے کہ یہاں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر جگہ اور ہر وقت اس کی ضرورت ہے۔ یہ جگہ بھی اسکے مواقع میں سے ہے عام ضرورت اسکی یہ ہے کہ وہ امراض جو انسان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت ہیں ان سب کا بیان تفصیل کے ساتھ اس وقت تو نہیں ہو سکتا۔ اسلئے ایک وہ مرض جو اکثر دیگر امراض کی جڑ ہے اور لوگوں میں غالب بھی ہے بیان کے لئے اختیار کیا گیا۔ اسی کا بیان اس حدیث میں ہے۔ وہ مرض کبر ہے جو عام طور سے اکثر طبیعتوں میں مرکوز ہے شاید ہی کوئی اس سے خالی ہو۔ ہر انسان میں اس کا مادہ اور اکثر میں اس کا اثر بھی موجود ہے کوئی عقل پر اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور کوئی تمول میں اور کوئی حُسن میں۔ غرض کوئی طبیعت اس سے مستثنیٰ نہیں۔ دنیا داروں کی تو کیا شکایت دیندار بھی اس سے خالی نہیں۔ کوئی علم میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور کوئی عمل میں اکثر اہلِ علم کو دیکھیے کہ وہ عوام کو ... سمجھتے ہیں اگر کوئی عام آدمی راستے میں مل جائے تو خود تو یہ اسکو کیا سلام کریں گے بلکہ اگر وہ سلام کرے تو بعض اوقات جواب بھی نہیں دیتے اسکی وجہ سوا اس کے اور کیا ہے کہ یہ اپنے آپ کو بڑا اور اس کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اور بعض کا جہل تو ایسا مرکب ہے کہ اپنی اس نامعقول حرکت پر قرآن و حدیث سے شہادت لاتے ہیں مثلاً قرآن شریف میں ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ عالم اور غیر عالم برابر نہیں"

اور حدیث میں جا بجا علماء کی فضیلت آئی ہے اور فضیلت کے معنیٰ یہ ہیں کہ دوسرا

سے بڑھا ہوا ہو تو قرآن و حدیث سے جاہلوں کا چھوٹا ہونا اور ہمارا بڑا ہونا ثابت ہوگیا۔ پھر اگر ہم اپنے آپ کو بڑا سمجھیں تو کیا بیجا ہے۔ یہ ثبوت ہیں ان کے خیال خام کے۔ ان لوگوں نے وہ آیتیں نہیں دیکھیں جن میں عالم بے عمل کی مذمت آئی ہے مثلاً آیت وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (اللہ تعالیٰ نے اسکو باوجود علم کے گمراہ کردیا) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ علم کے ساتھ بھی گمراہ ہیں اور احادیث میں تو بالتصریح ایسے علماء کی سخت مذمت اور ان کے لئے سخت وعید موجود ہے جو عالم ہوکر عمل نہیں کرتے۔ ایسی حدیثیں بہت ہیں اور ہر حدیث کی کتاب میں موجود ہیں۔

پس جب کہ ان میں بد ترین عمل موجود ہے جس کا نام تکبر ہے تو یہ عالم بے عمل کے مصداق ہوئے اور ان وعیدوں اور مذمتوں کے مورد ہوئے جو قرآن و حدیث میں موجود ہیں پھر کس بات پر پھولے ہوئے ہیں قطع نظر اسکے جن عوام کو یہ حقیر سمجھتے ہیں کیا معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ ان کے ساتھ کیا ہے۔

ع تا یار کرا خواہد میلش بکہ باشد

(یار کس کو چاہتا ہے اور میلان اس کا کس کی طرف ہوتا ہے)

ممکن ہے خدا تعالےٰ ان کو تم سے بھی اچھی حالت میں پہنچا دیں اور ممکن ہے کہ تم کو مردود کردیں اور ان کو مقبول بنالیں۔ خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں کیا خبر تمہارا خاتمہ کیسے ہو اور ان کا خاتمہ کیسا ہو۔

امید اور خوف | بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ کیا خدا تعالےٰ کے یہاں کوئی قاعدہ قانون نہیں ہے یہ تو بالکل اندھیر ہے کہ کوئی اعمال صالحہ کرتا ہو اور مومن ہو۔ اور باوجود اسکے اس اندیشہ میں رہے کہ جانے عند اللہ مقبول ہوں یا مردود۔ اسکے تو معنیٰ یہ ہوئے کہ ایمان اور اعمال صالحہ بیکار چیز ہیں کیونکہ اسکے بعد بھی نتیجہ یہی کہ ہر وقت یہ خوف لگا ہوا ہے۔ "ع تا یار کرا خواہد و میلان بکہ باشد" یہاں تک کہ یار کس کو چاہتا ہے اور اسکا میلان کس طرف ہے" اسی طرح بد اعمالیوں میں کچھ حرج نہیں کیونکہ بد اعمالی کرنے والا بھی امید کرسکتا ہے ع تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد (یہاں تک کہ یار

کس کو چاہتا ہے اور اس کا میلان کس کی طرف ہو جائے) اس طرح تو دین کا کارخانہ ہی سب درہم برہم ہو جاتا ہے نہ وعدہ کوئی رہا نہ وعید۔

اور یہ بات نصوص کے بھی بالکل خلاف ہے وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ الْمِیْعَادَ (اللہ کا وعدہ ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلاف نہیں کرتے) وغیرہ سینکڑوں آیتیں موجود ہیں جو دونوں طرف سے یقین دلانے والی ہیں نیک اعمال کرنے والے کے لئے جنت کا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہو سکتا۔ اور عُصاۃ و کفار کیلئے جہنم کی وعید ہے جو خلاف نہیں ہو گی۔ پھر اسکے کیا معنیٰ کہ نیک اعمال کرکے بھی اس اندیشہ میں رہو۔ ع تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد (یار کس کو چاہتا ہے اور اسکا میلان کس کی طرف ہو جاتا ہے) اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ قانونِ خداوندی میں کچھ اندھیر نہیں، مگر تم نے اس میں غور نہیں کیا۔ جن آیتوں میں ایمان و عمل صالح پر وعدہ ہے اسمیں شرط یہ ہے کہ ایمان و عمل صالح موت تک مستمر "قائم" رہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے اَلْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ (اعمال کا دارومدار خاتموں پر ہے) اور جن آیتوں میں کفر و معصیت پر وعید ہے اسمیں بھی یہی شرط ہے کہ اسی حالت میں موت ہو تب وعید ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ (پھر کافر ہونے کی حالت میں مرجائے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں)

پس قاعدہ تو یہی ہے کہ کسی پر میلان "توجہ" جو "میلش بکہ باشد" میں مذکور ہے بلاوجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اعمال کی وجہ سے میلان ہوتا ہے اعمال صالحہ پر میلان رحمت کے ساتھ ہوتا ہے اور بداعمالیوں پر نقمت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور یہی حاصل ہے ان نصوص کا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کے لئے اعتقاد رکھنا چاہیئے جنت کا۔ اور کافر کیلئے اعتقاد رکھنا چاہیئے دوزخ کا۔

توفیق اور سلب کا اختیار یہ بات تو یقینی ہے کہ عمل صالح پر نتیجہ اچھا مرتب ہو گا۔ اور بُرا نتیجہ مرتب نہ ہو گا۔ اور بداعمالی پر نتیجہ برا مرتب ہو گا، اچھا مرتب نہ ہو گا۔ لیکن ایمان و عمل صالح کے استمرار و دوام الی الموت "موت تک ایمان و عمل صالح کے باقی رہنے"

کی ایک شرط ایسی ہے جو کمر توڑ دینے والی ہے کیونکہ عملِ نیک اور عملِ بد گو آپ کے ارادہ پر ہے اور یہی مدارِ تکلیف ہے لیکن ارادہ کا پلٹ دینا حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ اس پر قادر ہیں کہ ایک ایسے شخص کو جو آج کافر ہے کل کو ایسا مؤمن کامل کر دیں کہ غوث وقطب ہو جائے۔ اور ایک غوث اور قطب کو دم بھر میں ایسا کافر کر دیں کہ شیطان سے بھی بدتر ہو جائے۔ خود شیطان ہی کی حالت آپ کو معلوم ہے کہ داخلِ ملائکہ تھا۔ مگر حق تعالیٰ کا ارادہ اسکے خلاف تھا اور وہ ذرا دیر میں ظہور میں آگیا۔ لیکن اس سے اعمال کا بیکار ہونا یا قدرت سے خارج ہونا لازم نہیں آیا۔ کیونکہ وہ کافر کفر کی حالت میں مقبول نہیں ہوا بلکہ توفیقِ ایمان کے بعد مقبول ہوا۔ اور توفیق کے بعد اس کا صدور اختیار سے ہوا۔ اور وہ غوث وقطب ایمان وعمل صالح کی حالت میں مردود نہیں ہوا بلکہ سلبِ ایمان و سلبِ اعمال کے بعد مردود ہوا اور خذلان کے بعد اس سلب کا صدور اختیار سے ہوا۔

پس یہ بات یقینی ہے کہ بقاء ایمان کی حالت میں کوئی مردود نہیں ہوسکتا۔ اور (مردودیت) بقاء کفر کی حالت میں کوئی مقبول نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ بقاء انتہاءِ سلسلۂ علل کے درجہ میں کس کے قبضہ میں ہے۔ یہ ہے اصل اس بات کی کہ بندگان خدا خوف سے کانپا کرتے ہیں۔ باوجود اسکے کہ وہ حق تعالیٰ کے وعدہ وعید پر بالکل یقین رکھتے ہیں یقین تو اس بات کا رکھتے ہیں کہ اعمال پر نتیجہ مرتب کرنا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہوسکتا۔ اگر اخیر تک ہم ایمان وعمل صالح پر جمے رہے تو یقیناً نجات ہے اور اگر اخیر تک کوئی کفر پر جما رہا تو یقیناً جہنم کا عذاب ہے اس کا تو پورا یقین ہے مگر کانپتے ہیں اس واسطے کہ دل حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ ارادہ کا پلٹ جانا ہر وقت ممکن ہے۔ جس کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ایک ایسے فاعلِ مختار کے قبضہ میں ہے جس پر کسی بات کی روک ٹوک نہیں ہوسکتی۔ ہاں وہ کریم ذرحیم بھی ضرور ہے جس سے بہت کچھ امیدیں ہیں۔ غالب یہی ہے کہ جو ایمان وعمل صالح کا ارادہ کرتا ہے حق تعالیٰ اس پر رحم وکرم فرماتے ہیں اور اسکو دوام واستمرار کی توفیق دیتے ہیں۔ لیکن جس وقت نظر اسکے اختیا

اور حکومت علی الاطلاق پر پڑتی ہے اسوقت سب امیدیں فراموش ہوجاتی ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

غافل مرو کہ مرکب مردانِ راہ را　　در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش　　ناگہ بیک خروش بہ منزل رسیدہ اند

(غافل ہوکر نہ چل اس لئے کہ مردانِ راہ کے گھوڑے سخت جنگل میں چلنے سے عاجز ہے ہیں۔ (ناامید بھی مت ہو۔ اسلئے کہ رند شرابی اچانک ایک نالہ سے منزل تک پہنچ گئے ہیں)

اور یہ صرف شاعری نہیں۔ بلکہ ایسے واقعات ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی شان یہ ہے ؎

گنہ آمرز رندانِ قدح خوار　　بطاعت گیر پیرانِ ریا کار

(وہ رندانِ شراب خوار کے گناہ بخشنے والے، ریاکار پیروں سے طاعت پر مواخذہ کرنیوالے ہیں)

حق تعالیٰ کی عظمت | گو ایسا کم ہوا ہے لیکن ہوا ضرور ہے کہ ایک مومن کافر اور زندیق بن گیا۔ اور ایک کافر ملحد مشرک مومن کامل بن گیا۔ جب ایک بات ممکن الوقوع ہے گو کم ہی ہو۔ تب بھی ڈرنے کی چیز ہے۔ لوگ کچہری میں جاتے ہیں تو ڈر معلوم ہوتا ہے کیونکہ انکو اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی پیچ ایسا نہ آن پڑے کہ قانون بھی ہمارے خلاف ہوجائے۔ اسی طرح اچھے اچھے ماہران قانون کو بھی حاکم سے خوف ہوتا ہے۔ حالانکہ ان کو قانون معلوم ہوتا ہے پھر حق تعالیٰ سے کیسا کچھ خوف ہونا چاہئے۔ اس کو خود سمجھ لو کیونکہ حق تعالیٰ حاکم مطلق ہیں۔ جن کے اوپر کوئی کسی قسم کا حاکم نہیں۔ تمھاری حالت کا بدل دینا اور قانون کو تمھارے خلاف کردینا ہر وقت ان کے اختیار میں ہے۔ کاہے کا ناز اور کاہے کا انداز۔ ناز و انداز اسوقت تک سوجھتے ہیں جب تک حق تعالیٰ کی عظمت نظر میں نہ ہو۔ اور اگر عظمت نظر میں ہو تو پتے پانی ہوجائیں۔ حق تعالیٰ کی عظمت وہ چیز ہے کہ اس کے انکشاف کے وقت عقل و ہوش سب رخصت ہوجاتے ہیں۔ سمجھنے کی بات ہے کہ ناز انداز کسی عمل ہی پر ہوسکتا ہے۔ اور عمل کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا ہو مگر حق تعالیٰ کی شان کے موافق نہیں ہوسکتا۔ کیا بندہ اور کیا اس کا عمل۔ جس کو خدا کی شان کیموافق

کہا جائے۔ نیز ناز تو مکتسب (اختیاری) چیز پر ہو سکتا ہے اور اعمال جن پر آپ کو ناز ہے گو وہ مکتسب ہے لیکن اکتساب بھی اسکی صدور کی ایک علت ہے۔ عِلَّۃُ العِلَل نہیں ہے بلکہ اسکی علت حقیقتاً مشیتِ حق ہے۔ پس چونکہ اکتساب علتِ قریبہ ہوتی ہے اسلئے اعمال کو اسکی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مگر اسکے لئے بھی ایک دوسری شئے علت ہے یعنی مشیت حق چنانچہ معلوم ہے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ (اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالےٰ چاہیں)

[illegible] اُدھر کی مشیت سے سب کچھ ہوتا ہے۔ اور آپ کو جو دخل ہے وہ برائے نام ہے۔

(جاری)

آدمی کو اپنے عمل پر کبھی ناز نہیں کرنا چاہئے

اور یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ بعض لوگوں کو جو اپنے تھوڑے عمل پر ناز ہو جاتا ہے کہ ہم بہت کچھ کرتے ہیں، یہ کوتاہیٔ نظر کی دلیل ہے انسان کوئی کام [illegible] اُدھر ہی سے امداد و توفیق نہ ہو۔ خوب کہا ہے ؎

[illegible] احسان حق   گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

[illegible] احسان حق عنایتوں کے کچھ نہیں ہوتا اگر کوئی فرشتہ بھی ہو تو اسکے نامۂ اعمال کو سیاہی سمجھو)

[illegible]

[illegible] اندر لیسچ   بے عنایات خدا ہیچیم و ہیچ

[illegible] عنایات خداوندی نہ ہو تو ہم کچھ بھی نہیں۔)

[illegible] خدا کی عنایت سے توفیق ہوتی ہے اپنا کوئی کمال نہ سمجھے جب تک کہ دل میں کوئی بات نہیں ہوتی آدمی کچھ بھی نہیں کرسکتا اور یہ خدا کے اختیار میں ہے۔

ع من چو کلکم درمیان اِصْبَعَین (میں تو ایسا ہوں جیسے دو انگلیوں کے درمیان کا قلم)

(اکمیل یوسفی حصہ دوم)

(۷۴۵) حضرت والا کے ایک قریب کے رشتہ دار کی چار سالہ لڑکی کا انتقال ہوا۔ حضرت والا سے پوچھا گیا کفن میں کے کپڑے دیئے جائیں۔ فرمایا نابالغ ہے اسلئے دو یا تین کپڑے کافی ہیں صرف دو چادریں دیدو۔ حکیم مصطفیٰ صاحب نے عرض کیا تکفین کے بارہ میں نابالغ لڑکی جوان عورت کے حکم میں ہے جیسا کہ بہشتی زیور میں ہے۔ فرمایا ہاں استحباباً نہ وجوباً (کفن کے کپڑے میں کم کرنا شاید اسکے والد صاحب کی تنگدستی کی وجہ سے تھا) پھر جب جنازہ تیار ہوا تو حضرت والا اور خدام ساتھ گئے جنازہ کو لڑکی کے والد اپنے ہاتھوں پر مدرسہ کے پیچھے قبرستان تک لے گئے (قبرستان چونکہ بہت ہی قریب تھا اس واسطے جنازہ کو کسی دوسرے نے نہیں لیا ورنہ بدلتے چلنا اعانت ہے) جب مردہ کو قبر میں رکھا تو فرمایا قبلہ رخ داہنی کروٹ پر کردو۔ رکھنے والے نے کچھ قبلہ کی طرف کو کردیا۔ فرمایا بالکل کروٹ پر کردو جب پٹاؤ دیا گیا تو کچھ کمی تھی جس میں مٹی گرنے کا خیال تھا فرمایا پورا کردو اور ڈھیلے رکھدو تاکہ مٹی نہ گرے اگرچہ اب مٹی ہی مٹی ہے مگر دیکھتی آنکھوں تو اپنے عزیز پر مٹی گرتے نہیں دیکھی جاتی۔ پھر حکیم صاحب نے دریافت کیا کہ پٹاؤ پتھر کا دینا درست ہے یا نہیں۔ فرمایا ہاں بلکہ لکڑی سے اچھا ہے کیونکہ از جنس ارض ہے۔ اور اس سے بھی اچھی کچی اینٹیں یا کچے گھڑے ہیں۔ پھر قبر درست ہوجانے کے بعد حضرت والا نے کچھ پڑھا پھر سب لوگ بلا اسکے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کریں لوٹ آئے (دفن سے واپس ہوتے وقت التزام کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا یا جنازہ کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا یہ سب صرف رواج و رسم ہے۔ خفیۃً اور بلا التزام مضائقہ نہیں)

(۷۴۶) کسی طالب علم نے کہا کہ بندہ کا حال بہت ہی خراب ہے جس سے سخت پریشانی ہے قلب متشدد مثل گنوار کے ادنیٰ بات پر غصہ آتا ہے۔ قلب میں میلان الی المعاصی بلکہ بعض اوقات میں احب ہے۔ طرح طرح کے وسواس آتے ہیں۔ فرمایا سختی اور میلان اور وساوس یہ تینوں امور غیر اختیاریہ سے ہیں جن کی کوئی خاص تدبیر نہیں ذکر اللہ اور طاعت صحبت اہل اللہ کی ملازمت طویلہ سے انکا از خود ازالہ ہوجا

وجہ سے اعتکاف نہ کرنا۔ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فعلِ اول اولیٰ ہوگا اس لئے کہ اول سنّت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اور فعل آخر صرف عزیمت۔ فرمایا کہ قواعد سے اعتکاف ہی اولیٰ ہے۔

(۷۵۳) فرمایا کہ بدون صحبت شیخ کے اگر کوئی لاکھ تسبیحیں پڑھتا رہے کچھ نفع نہیں۔ حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت خود ذکر اللہ میں یہ صفت ہونی چاہئے تھی کہ وہ خود کافی ہوجایا کرتا۔ صحبتِ شیخ کی کیوں قید ہے۔ فرمایا کہ کام بنادے گا تو ذکر اللہ ہی بنادے گا لیکن عادۃ اللہ یوں جاری ہے کہ بدون شیخ کی صحبت کے نرا ذکر کام بنانے کے لئے کافی نہیں اسکے لئے صحبت شیخ شرط ہے جس طرح کہ کاٹ جب کریگی تلوار ہی کرے گی لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کسی کے قبضہ میں ہو ورنہ اکیلی تلوار کچھ نہیں کرسکتی گو کاٹ جب ہوگا تلوار ہی سے ہوگا۔

(۷۵۴) فرمایا کہ شیخ کے پاس رہ کر مشغول رہنے میں اور دور رہ کر مشغول رہنے میں ایسا فرق ہے جیسے مریض ایک تو طبیب کے پاس رہ کر علاج کرادے اور دوسرے یہ کہ دور سے محض خط و کتابت کے ذریعہ سے علاج ہو ظاہر ہے کہ نفع میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا پھر فرمایا کہ صحبت شیخ میں طالب دزدیدہ طور پر اپنے اندر اخلاق کو لے لیتا ہے۔ ایک بار بدون صحبت شیخ کے محض خط و کتابت پر اکتفا کرنے کی یہ مثال دی تھی کہ جیسے شوہر اور بیوی محض خط و کتابت کرتے رہیں اور اظہار محبت بھی کرتے رہیں لیکن ملتے جلتے نہ رہیں تو اولاد ہو چکی۔ اسی طرح شیخ کے ساتھ محض خط و کتابت رکھنے سے کوئی معتدبہ نتیجہ نہیں پیدا ہوسکتا ثمرات خاصہ کے لئے گاہے گاہے صحبت شیخ ضروری ہے۔

(۷۵۵) فرمایا کہ بعض اصلاح منحصر ہوتی ہے اس بات پر کہ اجازت تعلیم و تلقین کی دی جائے

(۷۵۶) فرمایا کہ بعد تکمیل کے پھر شیخ کا دخل تربیت میں نہیں رہتا نہ حاجت رہتی ہے خود بجانب اللہ بلا واسطہ اسکی تربیت ہوتی رہتی ہے۔ طالب شیخ سے مستغنی ہوجاتا ہے جیسا ساطہ بنا و سنوار کر دلہن کو دولہا تک پہونچا دیتی ہے اسکے بعد پھر وہاں اس کا گزر نہیں ہوتا

البتہ شیخ کا جس کی بدولت اسکو یہ وصول الی اللہ میسر ہوا ہے ہمیشہ ممنون رہنا چاہئے ورنہ ناشکری موجب زوال ہو جاتی ہے۔

(۷۵۷) فرمایا کہ صحبت نیک کے متعلق یہ قطعہ مجھے بہت پسند ہے اسکو اکثر پڑھا کرتا ہوں ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے ۔۔۔ رسید از دست محبوبے بدستم

(ایک روز بہت خوشبودار مٹی حمام میں ایک دوست کے ہاتھ سے مجھے ملی ۔۔۔)

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ۔۔۔ کہ از بوئے دل آویز تو مستم

(اس سے میں نے کہا کہ تو مشک ہے یا عبیر کہ میں تیری دلآویز خوشبو سے مست ہو گیا)

بگفتا من گلِ ناچیز بودم ۔۔۔ ولیکن مدتے با گل نشستم

(اس نے کہا کہ میں تو ناچیز مٹی تھی لیکن مجھے ایک مدت تک پھول کے ساتھ رہنا میسر ہوا)

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد ۔۔۔ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(ہمنشین کے جمال کا اثر میرے اندر آگیا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جو ہوں ۔۔۔)

(۷۵۸) ایک صاحب نے عرض کیا کہ نماز کی پابندی نہیں ہوتی فرمایا کہ اس کے دو علاج ہیں ایک سہل ایک مشکل. مشکل علاج تو یہ ہے کہ اپنے اوپر کوئی جرمانہ مقرر کرے جو نہ اس قدر زیادہ ہو کہ پابندی کے ساتھ اس کا ادا ہونا ہی مشکل ہو۔ اور نہ اس قدر کم ہو کہ نفس پر شاق ہی نہ ہو۔ یہ علاج تو مشکل ہے کیونکہ خود اپنے اوپر سزا جاری کرنا ہے مشکل کام۔ دوسرا علاج سہل یہ ہے کہ جس سے عقیدت ہو اسکے پاس کچھ دن رہئے اس سے انشاء اللہ خود بخود اصلاح ہو جاوے گی۔

(۷۵۹) فرمایا کہ تسخیر اور مقبولیت عند اللہ میں یہ فرق ہے کہ جو عملیات وغیرہ سے تسخیر کی جاتی ہے اس کا اثر فوری ہوتا ہے دیر پا نہیں ہوتا۔ اور مقبولیت عند اللہ کا اثر روز بروز گہرا ہوتا جاتا ہے اور کبھی زائل نہیں ہوتا۔ جیسے ایک تو ملمع ہوتا ہے کہ شروع شروع میں گو اصلی کندن سے بھی زیادہ اس میں آب و تاب ہوتی ہے لیکن جب جھول اتر جاتا ہے تو پھر وہی تانبہ کا تانبہ۔ برخلاف اسکے جو تانبہ کیمیا کے ذریعہ سے سونا بن جاتا ہے اسکے جگر تک

اثر پہونچ جاتا ہے سونے ہونے کی خاصیت کبھی زائل نہیں ہوتی۔

(۷۶۰) فرمایا کہ عورتوں کا عشق خواہ حرام ہو لیکن وجداناً اسکی ظلمت میں پھر بھی ایک قسم کی کمی ہوتی ہے بخلاف مردوں کے عشق کے کہ اس میں ظلمت شدید ہوتی ہے کیونکہ عورتیں گو نامحرم ہوں لیکن کسی حال میں کسی شخص کے لئے تو محلِ تمتع ہیں۔ امرد تو کسی شخص کے لئے کسی حال میں محل تمتع فطرۃً ہیں ہی نہیں۔ عشقِ زناں تو مشابہ تہ خانہ کی تاریکی کے ہے کہ اسکی ظلمت عارضی ہے اور عشقِ امرداں مشابہ اندھیری رات کی تاریکی کے ہے کہ اسکی ظلمت ذاتی ہے گو دونوں حرام ہیں لیکن امردوں کا عشق حرام در حرام اور گودر گو کیونکہ حلّت کا وہاں گذر ہی نہیں۔ عورتیں فی نفسہ تو محلِ حلّت ہیں گو عارض کی وجہ سے وہ حلّت ثابت نہ ہو۔

(۷۶۱) عشق مجازی کے تذکرہ میں فرمایا کہ ایک بات بتلاتا ہوں جو مجھ ہی سے سنئے گا اس سے پہلے کبھی نہ سُنی ہوگی اور اول وہلہ میں سمجھ میں بھی نہ آئے گی لیکن سچی بات ہے تجربہ کرلیا جاوے فی الحال تقلیداً مان لی جاوے۔ وہ بات یہ ہے کہ اگر عاشق کی طبیعت بالکل ہی خبیث نہ ہو تو متقی شخص کی طرف نفسانی میلان نہیں ہوسکتا کیونکہ تقویٰ کا قدرتی اثر یہ ہے کہ وہ وقایہ ہوتا ہے نفسانی میلان کا۔ خواہ تقویٰ کا دوسرے کو علم ہو یا نہ ہو۔ عشق مجازی ہی کے تذکرہ میں فرمایا کہ یہ سخت ابتلاء کی چیز ہے اس سے بہت بچنا چاہئے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں خود مجھ کو اپنا اعتبار نہیں اور چونکہ میں خود کوئی چیز نہیں اسلئے میری حیثیت سے یہ بے اعتباری کوئی ایسی اہم نہیں لیکن جو شخص مجھکو بڑا سمجھتا ہے اور مجھ سے عقیدت رکھتا ہو اس کے لئے بڑی عبرت کی بات ہے کہ جس کو ہم بڑا سمجھتے ہیں جب اسکی یہ حالت ہے تو بہت ہی احتیاط رکھنا چاہئے۔

(۷۶۲) فرمایا کہ بزرگوں کے تعلق سے دین تو درست ہوتا ہی ہے دنیا کی بھی برکت ہوتی ہے لیکن دنیا کے قصد سے تعلق پیدا نہ کرے جس طرح کہ حج کو جاتے وقت اس کا قصد ہونا چاہئے کہ بمبئی دیکھیں گے اور جہاز کی سیر کریں گے لیکن جو شخص حج کو جائیگا راستہ میں بمبئی بھی پڑے گی اور جہاز کی سیر بھی نصیب ہو جائے گی۔

(۷۶۳) فرمایا کہ ایک صاحب کیرانہ میں بیعت ہونے کے لئے جب آئے تو مٹھائی ایک اور شخص کے ہاتھ میں لائے میں نے دیکھ لیا کہ ہاں آپ میں شان ہے اور کبر کا مادّہ ہے۔ اتفاق سے مجھے کئی جگہ جانا تھا میں نے ان سے کہا کہ مجھے یہاں فرصت نہیں ملی مجھے فلاں صاحب کے یہاں جانا ہے وہاں شاید بیعت کر سکوں وہاں چلئے چنانچہ مٹھائی کا طباق ہاتھ میں لئے ہوئے حضرت میرے ساتھ ہوئے وہاں پہنچ کر بھی میں نے یہی کہا کہ کیا کہوں یہاں بھی فرصت نہ ملی وہاں چلئے۔ غرض اسی طرح دو گھنٹے تک گھر گھر ان کو مع مٹھائی کے لئے پھرا اور قصداً بازار میں ہو ہو کر جاتا تھا وہ صاحب ہاتھ میں مٹھائی کا طباق لئے لئے ساتھ پھرتے رہے جب میں نے خوب پریشان کر لیا اور سمجھ لیا کہ ہاں اب ان کے قلب سے یہ خبیث مادّہ نکل گیا تب مرید کیا اور اپنی اس حرکت کی وجہ بھی ظاہر کر دی۔ چنانچہ تکبر کا اتنا بڑا مرض جو برسوں مجاہدوں اور ریاضتوں سے بھی نہ جاتا اس تدبیر سے بفضلہ دو گھنٹہ میں جاتا رہا۔

(۷۶۴) فرمایا کہ صحیح بنا ر اعتقاد کی کسی کے اقوال نہیں ہوتے بلکہ اسکے اعمال اور افعال ہوتے ہیں جو اعتقاد افعال سے ناشی ہو وہ معتبر ہے یعنی اعتقاد اس بنا ر پر پیدا ہو کہ دیکھو افعال و اعمال، نشست و برخاست سب باتیں کیسی سنت کے موافق ہیں اسی وجہ سے میرے وعظ سنکر جو معتقد ہوتے ہیں ان کے اعتقاد کا مجھے اعتبار نہیں۔ کیونکہ آخر وعظ میں گالیاں تو بکوں گا نہیں اچھی ہی باتیں کہوں گا۔ ہاں جو یہاں آکر اور میرا طرزِ عمل دیکھکر پھر بھی معتقد رہے اس کا اعتقاد البتہ پختہ ہے۔

(۷۶۵) فرمایا ذکر میں چاہے دل لگے یا نہ لگے لیکن برابر کئے جاوے رفتہ رفتہ اسکی ایسی عادت پڑجاتی ہے کہ پھر بلا اسکے چین ہی نہیں پڑتا۔ جیسے شروع میں حقّہ پینے سے گھمیر بھی آتی ہے متلی بھی ہوتی ہے قے بھی ہوتی ہے لیکن پیتے پیتے پھر یہ حالت ہو جاتی ہے کہ چاہے کھانا نہ ملے مگر حقّہ کے دو کش مل جاویں۔ ایک بار فرمایا کہ نفع تو شروع ہی سے ہونے لگتا ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا جیسے بچّہ روز کچھ نہ کچھ بڑھتا ہے،

لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ آج اتنا بڑھا کل اتنا بڑھا۔ البتہ ایک معتد بہ مدت گذر جانے کے بعد اسکی پچھلی حالت کو خیال میں لاکر موازنہ کیا جاوے تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہو۔ یہی حال ذکر کا ہے کہ شروع میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کچھ بھی نفع نہیں ہو رہا ہے حالانکہ دراصل نفع برابر ہو رہا ہے۔ ایک بار فرمایا کہ پتھر پر پہلے اول قطرہ گرتا ہے پھر دوسرا پھر تیسرا یہانتک کہ پانی گرتے گرتے اس میں گڑھا پیدا ہو جاتا ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اخیر قطرہ نے وہ گڑھا کر دیا۔ یہ ہرگز نہیں۔ بلکہ گڑھا کرنے میں اول قطرہ کو بھی ایسا ہی دخل ہے جیسا کہ اخیر قطرہ کو۔ اول قطرہ کو بے اثر ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے۔ اسی طرح اول روز کا ذکر جس کو بے ثمرہ سمجھا جاتا ہے ہرگز بے ثمرہ نہیں۔ اخیر میں جو حالت خاص پیدا ہوگی اس میں اول روز کے ذکر کو بھی اتنا ہی دخل ہو گا جتنا کہ اخیر روز کے ذکر کو۔

([illegible]) فرمایا کہ ذکر و نماز وغیرہ میں سرسری توجہ و استحضار کافی ہے۔ زیادہ کاوش توجہ میں نہ کرے ورنہ قلب و دماغ ماؤف ہو جاویں گے۔ زیادہ کاوش سے تعب اور پریشانی ہوتی ہے جس سے نفع بند ہو جاتا ہے۔ سرسری توجہ ہی سے شدہ شدہ ملکہ تامہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی خاص کیفیت یا حالت کی بقا کے لئے بھی زیادہ کاوش نہ کرے ہر وقت اسکے پیچھے پڑے گھیر گھار مضر ہے اپنا کام کئے جاوے جیسی جیسی استعداد اسکے ساتھ بڑھتی جاوے گی اسکے مناسب احوال و واردات خود فائض ہوتے رہیں گے۔ اپنے قلب کو مشوش نہ کرے۔ نہ ثمرات و حالات کے درپے ہو۔ بڑی چیز کام میں مشغول ہونا ہے۔

([illegible]) فرمایا کہ مختلف اذکار سے اس قدر نفع نہیں ہوتا جس قدر ایک یا دو قسم کے ذکر سے ہوتا ہے کیونکہ مختلف اذکار میں طبیعت منتشر رہتی ہے کوئی ذکر بھی راسخ نہیں ہوتا۔ ایک دو اذکار پر مداومت کی جاوے تو وہ بہت جلد راسخ ہو جاتے ہیں۔

([illegible]) فرمایا کہ اگر کسی کی تنخواہ بڑی ہو لیکن مہینہ میں سب ختم ہو جاتی ہو تو وہ غنی نہیں مسکین ہے کیونکہ غنی وہ ہے جس کے پاس کچھ ذخیرہ ہو۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃؒ

مدیر:۔ احمد مکین

شمارہ ۶۔ ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ مطابق جون ۱۹۹۴ء ۔ جلد ۱۷

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی تیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳- بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر۔ پبلشر:۔ صغیر حسن۔ :۔ اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

فہرست

گذارش رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ ابھی تک بیشتر احباب نے سال رواں ۲۰۰۰ء کا زرِ تعاون ارسال نہیں فرمایا ہے۔ اس طرف توجہ فرما کر ادارہ کی اعانت فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عافیت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

امابعد اس وقت آپ کے سامنے ایک ضروری مضمون بیان کرتا ہوں سنئے:

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتن سے مانگی ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (حصن حصین عن ابی عوانہ) "یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں" لہٰذا جب حدیث شریف میں یہ آیا ہے تو ہم کو فتن کو بھی سمجھنا ہوگا اور ماظہر اور ما بطن کو بھی جاننا ضروری ہوگا اس وقت اسی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں اگرچہ یہ بھی سمجھتا ہوں کہ یہ زمانہ ان سب باتوں کے کہنے اور سننے کا نہیں ہے۔ تاہم جب ہمارے علماء و مشائخ نے اس سے بحث کی ہے اور اس کی تفصیلات کتابوں میں لکھی ہیں تو ہم بھی اسے بیان کرتے ہیں کوئی سنے یا نہ سنے ع

کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

اور ہو سکتا ہے کہ کسی اللہ کے بندے کو اس سے کچھ نفع بھی پہونچ جائے

میں نے اوپر جو حدیث نقل کی ہے وہ ابوعوانہ کی روایت ہے جس کو حصن حصین میں نقل کیا گیا ہے۔ شارح لکھتے ہیں کہ:۔

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ ای الدنیویة والاخرویة ماظهر ومابطن ای ما یتعلق بالامر الظاهر والباطن او ماظهر الأن وما سیظهر فی مستقبل الزمان۔" یعنی فتن سے مراد دنیوی اور اخروی دونوں طرح کے فتنے ہیں ان سب ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے اور ماظہر سے مراد وہ فتنے

ہیں جو امور ظاہرہ سے متعلق ہیں اور ما بطن سے وہ فتنے مراد ہیں جو امور باطنہ سے متعلق ہیں اور یہ بھی تفسیر ہو سکتی ہے کہ ظاہر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ فتن ہوں جو اس وقت فی الحال موجود تھے اور باطن سے مراد آئندہ ہونے والے فتنے ہوں" پس آپ نے گویا موجودہ اور آئندہ سب ہی فتن سے پناہ مانگی

نیز یہ سمجھئے کہ احادیث ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ فتن کے بہت سے اقسام ہیں اور یہ ایسی سخت چیز ہے کہ موت کو اس پر ترجیح دی گئی ہے۔ چنانچہ مجمع البحار میں ہے کہ:

الموت خير من الفتنة۔ الفتنة تكون من الله ومن الخلق وتكون في الدين والدنيا كالارتداد والمعاصي والبلية والمصيبة والقتل والعذاب واليه اشار بحديث وَ إِذَا اَرَدْتَ فِتْنَةً فِيْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِيْ۔ (مجمع ص ۵۵ ج ۲)

موت بہتر ہے فتنہ سے۔ اور فتنہ کبھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے اور کبھی مخلوق کی طرف سے ہوتا ہے اسی طرح کبھی دین میں ہوتا ہے کبھی دنیا میں ہوتا ہے مثلاً ارتداد کا پیش آجانا العیاذ باللہ اور معاصی کا ابتلاء اسی طرح کسی آفت یا مصیبت کا آجانا یا قتل وعذاب کا پیش آجانا چنانچہ اسی کی جانب اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اے اللہ جب آپ کسی قوم کے ساتھ فتنہ کا ارادہ فرمادیں تو اس سے قبل مجھے وفات دے دیجئے۔

اسی طرح سے انسان کا فتنہ کبھی خود اسکے نفس اور صدر میں "یعنی اسکی ذات اور اسکے دل میں" ہوتا ہے اور کبھی اسکے اہل اور بیوی" میں ہوتا ہے، کبھی اسکے مال میں ہوتا ہے اور کبھی اس کے ولد میں ہوتا ہے اور کبھی اسکے دار "یعنی گھر" میں ہوتا ہے اور کبھی اس کے جار" اور پڑوسی" میں ہوتا ہے۔ اسی طرح سے کبھی اسکی حیات (زندگی) میں ہوتا ہے، اور کبھی اسکی ممات (موت) میں ہوتا ہے اور کبھی اسکے فقر" اور تنگدستی" میں ہوتا ہے اور کبھی اسکے غنا" اور مالداری" میں ہوتا ہے۔

چنانچہ مجمع البحار میں ہے کہ:۔

فتنة الرجل في اهله وان

انسان کا فتنہ اسکے اہل" وعیال" میں یہ ہے کہ

یاتی لهم بما لا یحل من القول والفعل وما یعرض لهن معه من سوء او حزن او غیرهما

ان سے ایسا کوئی قول کہے یا ایسا فعل کرے جو جائز نہ ہو اسی طرح سے اہل "یعنی ازواج" اسکے ساتھ رہتے ہوئے کوئی رنج وغم وغیرہ پیش آئے۔

وفی ماله بان یأخذه من غیر حق ویصرف فی غیر مصرفه۔

اور انسان کا فتنہ اسکے مال میں یہ ہے کہ اسکو ناحق اور ناجائز طریقوں سے حاصل کرے اور بے محل اسے صرف کرے۔

وفی ولده لفرط المحبة والشغل به عن کثیر من الخیرات۔

اسی طرح انسان کا فتنہ اسکے ولد میں یہ ہے کہ اسکے ساتھ حد سے زیادہ محبت کرے اور یہ محبت اسکو بہت سی بھلائیوں سے روک دے۔

وفی جاره بان یتمنی مثل حاله وزواله عنه

اور انسان کا فتنہ اسکے پڑوسی میں یہ ہے کہ وہ پڑوسی اسکے کسی اچھے حال کی اپنے لئے تمنا کرے اور یہ چاہے کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے" اسی کا نام حسد ہے جس سے آیۃ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ میں پناہ مانگی گئی ہے"

اسی طرح سے ایک فتنہ زندگی کا ہوتا ہے اور ایک موت کا فتنہ ہوتا ہے۔

فتنة المحیا ما یعرض فی حیاته من الابتلاء بالدنیا والشهوات والجهالات او الابتلاء مع عدم الصبر والوقوع فی الآفات والاصرار علی الفساد۔

زندگی کا فتنہ تو یہی کہ دنیا میں اسے ابتلاآت ومصائب پیش آئیں یا شہوات وجہالات میں مبتلا ہو جائے یا مصائب میں ایسا مبتلا ہو کہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ اسی طرح سے مختلف آفات میں مبتلا ہو اور فساد پر مصر ہو اسی کا نام حیات کا فتنہ ہے

وفتنة الممات ما یفتتن عند الموت فی امر الخاتمة نعوذ بالله او فتنة القبر المترتب علیه او سوال منکر ونکیر مع الحیرة و

اور موت کا فتنہ یہ کہ امور خاتمہ میں موت کے وقت کچھ الجھ جائے (اور شیطان اس پر حسن خاتمہ ہی دشوار کردے) اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھے۔ یا اس سے قبر کا فتنہ مراد ہے جو کہ موت پر ہی مرتب ہوگا۔ یا منکر ونکیر کا سوال مراد ہے کہ انسان اسوقت متحیر ہو جائے

عذاب القبر والاھوال۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ اس سے عذاب قبر اور قبر کے اندر کے ہولناک حالات مراد ہوں۔ (اور یہ ظاہر ہے کہ نکیرین کے سوال پر تحیر کافر ہی کو ہوگا مومن تو فرفر سب سوالوں کا جواب دیدیگا اسلئے کہ دنیا میں اس نے یہ سبق پڑھا تھا اور تکرار کرکے اسکو خوب یاد رکھا تھا اور کافر ان سب سے غافل تھا اسلئے وہ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے ھاہ ھاہ لاادری (ہائیں ہائیں! میں تو نہیں جانتا) ہی ہر سوال کے جواب میں کہے گا)

وفتنة الصدر ما ینطوی علیہ من الحقد والحسد والعقائد الباطلة وما یعرض فیہ من الشکوك والشبہ والوساوس۔ اور انسان کا فتنہ خود اسکے نفس اور صدر میں یہ ہے کہ وہ کینہ وحسد یا عقائد باطلہ یا عقائد میں شک وشبہ اور وساوس وغیرہ میں مبتلا ہو۔ (اسکی مزید تفصیل آگے آتی ہے)

وشر فتنة الغنی کالطغیان والبطر وعدم اداء الزکوٰة۔ وزاد لفظ الشر منا تصریحا بہ او تغلیظاً علی الاغنیاء حتیٰ لا یغتروا۔ (مجمع البحار ص۵۸) اسی طرح سے غنا اور مالداری کا بھی ایک فتنہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان طغیان غرور اور فرح بطر میں اسکی وجہ سے مبتلا ہوجائے۔ یا مال ہو اور اسکی زکوٰۃ نہ دے۔ اور حدیث میں شرفتنة الغنی جو آیا ہے تو شر کا لفظ اسلئے بڑھادیا تاکہ فتنہ کے شر کی جانب تصریح ہوجائے اور اغنیاء کو تنبیہ ہوجائے تاکہ دھوکے میں نہ پڑیں۔

اور جس طرح سے صاحب مجمع البحار نے فتن کے بہت سے اقسام کو بیان فرمادیا ہے اسی طرح حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے آخر میں "الفتن" کا عنوان قائم فرماکر اس کے تحت فتن کے بہت سے اقسام بیان کئے ہیں جن میں تین بہت نمایاں ہیں۔

(۱) فتنة الرجل فی نفسہ "انسان کا ذاتی اور قلبی فتنہ" (۲) فتنة الرجل فی اہلہ "انسان کا خانگی فتنہ" (۳) اور فتنة تموج کموج البحر "سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا فتنہ"۔

چنانچہ یہ فتنة الرجل فی نفسہ وہی ہے کہ جسے فتنة الصدر "قلب کے فتنہ" سے تعبیر کیا گیا ہے

یعنی انسان کا قلب فاسد ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ جب قلب فاسد ہو جائے گا تو اس کے تمام جوارح فاسد ہو جائیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ اِلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اِلَا وَهِیَ الْقَلْبُ۔ (یعنی سنو! انسان کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے کہ جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو تمام بدن فاسد ہو جاتا ہے سُن لو کہ وہ لوتھڑا قلب ہے)

پس جب انسان کا نفس مفتون (مبتلاء فتنہ) ہو جاتا ہے تو اس کا تعلق چونکہ خلق سے بھی ہوتا ہے اور خالق سے بھی۔ اسلئے جب قلب خراب ہو جاتا ہے تو اسکے یہ دونوں تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔ یعنی عقائد باطلہ بھی اس میں پیدا ہو جاتے ہیں اور مخلوق سے حِقد و حَسد اور ان پر ظلم بے رحمی بھی اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی خالق کے تعلق کی خرابی کو حضرت شاہ صاحبؒ نے ان لفظوں سے بیان کیا ہے کہ:-

فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِیْ نَفْسِهٖ بِاَنْ یَّقْسُوَ قَلْبُهٗ فَلَا یَجِدُ حَلَاوَةَ الطَّاعَةِ وَلَا لَذَّةَ الْمُنَاجَاةِ (یعنی انسان کا خود اسکے نفس کا فتنہ یہ ہے کہ اس کا قلب قاسی "سخت" ہو جائے جس کی وجہ سے نہ تو اسکو طاعت میں کوئی حلاوت ملے اور نہ مناجات" اور دعا" ہی میں اس کو لذت نصیب ہو) اور قساوت" اور سخت دلی" کا یہ اثر خالق کے تعلق میں ہے۔ باقی انسان جب قاسی القلب" اور سخت دل" ہو جاتا ہے تو اسکی قساوت کا اثر مخلوق کے تعلق پر بھی پڑتا ہے یعنی وہ ان پر ظلم و ستم کرنے لگ جاتا ہے اور اس کے دل سے شفقت و رحم ختم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ابناءِ جنس (ہم جنسوں) کے ساتھ ایسی بے دردی کا معاملہ کرتا ہے کہ شاید ایسا معاملہ ایک جانور بھی دوسرے پر روا نہ رکھتا ہو یعنی جانوروں کو بھی رحم آسکتا ہے لیکن اسے بالکل نہیں آتا۔ حالانکہ رحم امر محمود (پسندیدہ چیز) اور شرعاً مطلوب ہے اور اللہ و رسول کو پسند ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ یعنی زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

دوسرا فتنہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فتنۃ الرجل فی اھلہ" یعنی انسان کا اپنے

اہل وعیال میں مبتلائے فتنہ ہونا" فرمایا ہے جس سے مراد تدبیر منزل یعنی گھر کے نظم ونسق کا فساد" اور درہم برہم ہونا" ہے جیساکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور تمام شیاطین اس کے پاس آ آکر اپنی کارگذاری سناتے ہیں جن کی جانب وہ کوئی خاص التفات نہیں کرتا۔ یہانتک کہ ایک شیطان آکر یہ کہتا ہے کہ میں تو فلاں شخص کے پیچھے (توجہ) لگ گیا۔ اور جب تک اس میں اور اسکی بیوی میں جدائی نہیں کرادی اس کو چھوڑا نہیں۔ ابلیس اسکے کارنامہ کو سُن کر بہت خوش ہوتا ہے اور اسکو اپنے قریب بٹھالیتا ہے اور کہتا ہے کہ شاباش تم نے کام کیا ہے۔

یہ تو میاں بیوی کا حال آپنے سنا اسی طرح سے تدبیر منزل کا فساد یہ بھی ہے کہ ایک گھر کے رہنے والے سب لوگ قالباً" اور جسمانی طور سے" تو ایک جگہ جمع معلوم ہوتے ہوں مگر قلباً" یعنی دل کے لحاظ سے" ہر ایک دوسرے سے دور ہو اور باہم خوب عداوت اور رنجش موجود ہو۔ یہانتک کہ باپ کو بیٹے سے شکایت، بیٹے کو باپ سے شکایت۔ ماں بیٹی میں رنجش، بھائی کو بھائی سے اختلاف، آقا غلام سے ناخوش، غلام آقا سے ناراض۔ استاد شاگرد سے ناخوش، شاگرد استاد کا شاکی۔ مرید پیر کا نافرمان اور پیر مرید سے خوش نہیں۔ غرض جب کسی جگہ کا یہ حال ہو جائے تو اس جگہ کے فاسد ہونے میں کیا کلام ہے۔

حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کی یہی شکایت فرما رہے ہیں کہ بداخلاقی نے ہر گھر کو ایسا فاسد" اور تباہ" کردیا ہے کہ کہیں دو شخص بھی باہم ایک دل نہیں رہ گئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ :۔

این چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم   ہمہ آفاق پُر از فتنہ وشر می بینم

(یہ کیا شور وغوغا ہے جو زمانے میں دیکھ رہا ہوں۔ چنانچہ تمام جہان کو فتنہ وشر سے بھرا ہوا دیکھ رہا ہوں)

ہر کسے روز بہی می طلبد از ایام   مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم

(زمانہ میں ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ دن بہتر سے بہتر آئے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ میں تو ہر آنیوالے دن کو گذشتہ دن سے بدتر ہی دیکھ رہا ہوں)

دختراں را ہمہ جنگ است وجدل با مادر　　　پسراں را ہمہ بدخواہ پدر می بینم
(حالت یہ ہے کہ لڑکیوں کی ماں کیساتھ لڑائی ٹھنی ہوئی ہے۔ اور لڑکوں کو اپنے باپ کا بدخواہ ہی دیکھ رہا ہوں)

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد　　　ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم
(بھائی بھائی میں کوئی رحم باقی نہیں رہ گیا ہے۔ اسی طرح سے باپ کو بھی لڑکے پر کوئی شفقت باقی نہیں آتی)

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں　　　طوق زریں ہمہ در گردن خر می بینم
(عربی گھوڑا تو کاٹھی کے نیچے زخمی ہو رہا ہے۔ اور سونے کا طوق گدھے کی گردن میں پڑا دیکھ رہا ہوں)

ابلہاں را ہمہ شربت زگلاب و قند است　　　قوت دانا ہمہ از خون جگر می بینم
(احمق بیوقوف اور بے حس لوگ تو سب کے سب گلاب و قند کا شربت اڑا رہے ہیں اور دانشمند ذی احساس لوگوں کا حصہ خون جگر کا پینا دیکھ رہا ہوں)

اس شعر میں غور فرمایئے کیا فرما رہے ہیں۔

پند حافظ بشنو خواجہ برو نیکی کن　　　زانکہ ایں پند بہ از درّ و گہر می بینم
(اے دوستو! حافظ کی اس نصیحت کو بگوش ہوش سنو اور نیکی کے کام کرو۔ اور یہ سمجھ لو کہ یہ نصائح موتی اور گوہر سے بھی زیادہ قیمتی ہیں)

دیکھئے حضرت حافظؒ نے فتنۃ الرجل فی اھلہ" یعنی خانگی اور گھریلو فتنہ" کا کیسا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ بلاشبہ فساد منزل کی بالکل صحیح تصویر ہے جو کہ ہماری سوء معاشرت" یعنی ایک دوسرے کے ساتھ نامناسب انداز میں رہنے سہنے" سے پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ تو اگر گھر میں صالح معیشت" یعنی اچھا طرز زندگی" ہو اور وہاں کا ماحول درست ہو تو انسان باہر سے رنجیدہ اور پریشان حال بھی آوے تو اپنے لوگوں کے حسن اخلاق سے ہی کلیجہ ٹھنڈا کر لے اور سکون قلب حاصل کر لے لیکن جب گھر بھی فاسد ہو تو اب آدمی وہاں سے بھاگ کر کہاں جاوے۔

اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے ترک کر دینے کی وجہ سے سوء معاشرت اور فساد معیشت" یعنی طرز زندگانی کی خرابی" کو گھر گھر عام دیکھ رہا ہوں اور زیادہ تر حصہ اس میں عورتوں ہی کا ہوتا ہے یہی دار" اور گھر" کے فتنہ کا سبب بنتی ہیں۔ اور انھیں کی ذات سے فساد شروع ہوتا ہے پھر مرد بھی اسکی زد میں آجاتے ہیں حتیٰ کہ

بخرہ اور چولہا چکی الگ کرنے کی نوبت آجاتی ہے۔ چنانچہ مجھے لوگوں کے حالات معلوم
س درجہ پریشان ہوجاتے ہیں کہ بازار اور دوکان میں یا محلہ کے ہوٹل میں تو ان
ے سکون بھی میسر ہوتا ہے مگر ان کا گھر تو ان کے لئے نمونۂ دوزخ ہی ہوجاتا
س میں قدم رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ احباب سے مل کر کچھ تسلی بھی ہوجاتی ہے
قارب" اور رشتہ دار" تو مثل عقارب" یعنی بچھو" ہی ثابت ہوتے ہیں۔
اسی کو دنیوی عذاب کہتا ہوں کہ اپنے اپنے گھروں کو فاسد کرکے جب لوگ اسکو
الیں گے تو اب ایسے لوگ اگر کسی ادارے میں جائیں گے یا دفتر میں کام کرینگے
مملکت ان سے متعلق ہوگا تو ان کی بد اخلاقی بھی تو ان کے ساتھ ہی ساتھ
لی نتیجہ یہ ہوگا کہ جو نور گھر برسا کر آئے ہیں وہی ان جگہوں میں بھی برسائینگے
دنیا کا یہی حال دیکھ رہا ہوں کہ جن لوگوں کے اخلاق فاسد" اور خراب" ہوگئے
ہی لوگ معلم اخلاق (اخلاق سکھانے والے) سمجھے جاتے ہیں۔ اور ایک میں ہی نہیں
نے بھی عقلاء زمانہ ہیں سب ہی حالات کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور زبان سے
ہ نہیں سکتے۔

البتہ میں نے سفر حج میں صرف ایک مصری عالم کو اس موضوع پر کلام کرتے سُنا
یسا بیان میں نے تو کسی عالم مصلح کا سنا نہیں۔ انھوں نے کہا کہ:۔

سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں دونوں ہی جہان کی فلاح
کے اصول لیکر تشریف لائے پس جس نے آپ کی تصدیق دونوں امور میں
ی وہ دونوں جہان میں کامیاب ہوا۔ اور جس نے صرف آخرت سے متعلق
مور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی وہ آخرت میں کامیاب
ہوا۔ اور جس نے جس میں آپ کی تصدیق نہیں کی وہ اسمیں ناکام رہا چنانچہ
نے بھی فلاحِ دنیا سے متعلق جو تعلیمات تھیں ان میں آپ کی تصدیق نہیں
ی تو اس کا انجام بد اس دنیا میں بھی دیکھ لیا کہ کوئی شخص کسی سے خوش نہیں
ہے۔ ماں بیٹی۔ باپ۔ بیٹا۔ بھائی بھائی۔ میاں بیوی غرض سب میں خلاف و

نزاع "جنگ و جدال" جاری ہے۔ اور ہر ایک دوسرے سے منہ پھلائے ہوئے ہے جس کی وجہ سے عافیت تنگ اور زندگی دشوار ہوگئی ہے۔ اور یہ تو صرف دنیوی انجام تھا اور جو کچھ یہاں دیکھا ہے اس سے کہیں بڑھ کر آخرت میں دیکھنے کے لئے تیار رہو۔"

میں نے جب ان عالم کا یہ وعظ سُنا تو بہت خوش ہوا اور اپنے دل میں کہ کہ بس اس نصیحت کو پلے باندھ لو۔ یہ بات کبھی بھولنے کی نہیں ہے۔ اور یہ خیال کہ کہ وعظ اسے کہتے ہیں اور مصلح ایسے ہوتے ہیں۔

تیسرا فتنہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ایسا فتنہ ہے کہ جیسے موجیں مارتا ہوا سمندر یعنی اسکی حدود وسیع ہوتی ہیں جس کی وجہ سے سارا عالم اِ "تلاطم" یعنی اسکے تھپیڑوں کی زد" میں پڑ جاتا ہے۔ آگے خود ہی اسکی تفسیر فرمائی کہ:۔

ھی فساد تدبیر المدینۃ وطمع الناس فی الخلافۃ من غیر حق وھ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطان قد ایس ان یعبدہ المصلون فی جز العرب ولکن فی التحریش بینھم۔ یعنی فِتْنَةٌ تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ سے مراد تدبیر مد "یعنی شہر اور ملک کے نظم و نسق" کا فساد "و بگاڑ" ہے "یعنی شہر اور ملک فاسد ہو جائے ا نااہل لوگ خلافت کی طمع اور خواہش کرنے لگیں" جس کی وجہ سے آپسمیں خوب نزا اور شقاق واقع ہو اور لوگ گتھم گتھا ہو جائیں اور باہم اس طرح سے لڑیں جیسے جانور لڑا کرتے ہیں۔

چنانچہ اس حدیث میں اسی کی جانب اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ اب مومنین جزیرۃ العر میں اسکی پرستش کریں لیکن اس کا داؤں ان پر اس طرح سے اب بھی چل سک ہے کہ وہ ایک کو دوسرے کے خلاف ابھار دے اور باہم لڑا دے۔"

میں کہتا ہوں کہ آخر لوگ فتنہ میں مبتلا ہوتے ہوں گے تب ہی تو علماء اہتمام کے ساتھ ان چیزوں کو بیان کیا ہے تاکہ لوگ ہر زمانہ میں اپنے آپ کو آ

سے بچائیں۔ چنانچہ آج بھی دیکھئے گا تو لوگوں کو ان سب میں مبتلا پائے گا۔ یعنی فتنہ رجل فی نفسہ بھی ہے فی اہلہ بھی ہے اور تموج کموج البحر بھی" یعنی ذاتی اور گھریلو فتنہ سمندر کی طرح جوش مارنے والا فتنہ سبھی موجود ہے اور گو دیکھنے میں یہ تین قسمیں معلوم ہوتی ہیں مگر اصل سب کی ایک ہے یعنی انسان کے نفس کا فتنہ۔ خود انسان کے اخلاق خراب ہوتے ہیں۔ بد اخلاقیوں کا وہ شکار ہوتا ہے اور ایک ایک کرکے ایسے چند افراد ایک منزل میں جمع ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے مکان سے چین و آرام رخصت ہو جاتا ہے پھر اسی طرح سے جب بہت سے گھروں کا یہ حال ہو جائے تو اسکی وجہ سے ملک فتنہ و فساد کا آماجگاہ بن جاتا ہے اور امن و امان اٹھ جاتا ہے۔ پس سب کی اصل نفس ہی کا فتنہ ہوا اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن خلق کی دعا مانگی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:۔

اَللّٰھُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِیْ فَاَحْسِنْ خُلُقِیْ وَاَذْھِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا اَحْیَیْتَنَا یعنی اے اللہ آپ نے میری خلقت یعنی صورت و شکل اچھی بنائی ہے تو میرے اخلاق بھی اچھے بنا دیجئے اور میرے قلبی غصہ کو ختم کر دیجئے اور تاحیات گمراہ کرنے والے فتنوں سے مجھے بچائے رکھئے۔

اور یہ اسلئے کہ جب انسان کے اخلاق درست ہو جائیں گے تو وہ خود بھی فتنہ سے محفوظ رہے گا اور دوسرے لوگ بھی محفوظ رہیں گے اس لئے کہ اخلاق ہی کی عدم درستگی کی وجہ سے دنیا میں فتنہ و فساد ہوتا ہے، امن عامہ ختم ہو جاتا ہے اور لوگوں پر عافیت تنگ ہو جاتی ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود جیسا کہ حضرت حافظ رح کے کلام میں ابھی گذرا۔ جو لوگ مغفل اور احمق ہوتے ہیں ان کے لئے بڑے سے بڑے فتنہ میں بھی کوئی نصیحت اور عبرت نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کے لوگ تو ایسے حالات سے اور خوش ہوتے ہیں اور اسکو اپنی مطلب براری کا ذریعہ بناتے ہیں مگر جس شخص کو ذرا سا بھی ذاتی احساس اور ندامت کا ہوتا ہے اسکے لئے یہ ایام خونِ جگر ہی پینے کا زمانہ ہوتا ہے کیونکہ دنیا سے عافیت ناپید ہو جاتی ہے۔ انتہا یہ کہ آدمی کا وقت بھی اس کے انضباط اور اس کا قلب اس کے اختیار

میں نہیں رہ جاتا۔ اب کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ہمارا ہی قلب اور ہمارے بس میں نہ ہو یعنی ہم چاہتے ہیں کہ یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں نماز پڑھیں، تلاوت کریں، ذکر اللہ کریں مگر سکونِ قلب مفقود۔ نہیں کر سکتے کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ جب فتن کا شیوع "اور عموم" ہو جاتا ہے تو سبھی لوگ کیا چھوٹے اور کیا بڑے کیا عورت وکیا مرد اور کیا عوام وکیا خواص سبھی اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اور اس طرح متاثر" ہو جاتے ہیں کہ اگر اس سے بچنا بھی چاہیں تو نہیں بچ سکتے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

لَاُرِیَ الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُیُوْتِکُمْ مَوَقِعَ الْقَطْرِ وَرُدِیَ الْمَطَرِ اَیْ فِی الْکَثْرَۃِ وَالشُّیُوْعِ وَعَدَمِ التخصیص بِالْاَئِمَّۃِ (مجمع ۔۔۔)

فتنوں کو تمہارے گھروں کے درمیان اس طرح سے گھسا ہوا دیکھ رہا ہوں جیسے بارش کہ بسبب کثرت اور شیوع کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہوتی اسی طرح سے فتنے ایسے عام ہوں گے کہ کوئی گروہ اس سے بچ نہ سکے گا۔

دیکھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ایسے ایسے فتنے آویں گے کہ وہ مانند بارش کے گھروں میں گھس جاویں گے یعنی اس کا اثر سبھی لوگوں پر ہوگا کسی طائفہ" اور گروہ" کی تخصیص نہ ہوگی اور ان فتن سے لوگوں نے اگرچہ حروب صحابہ وتابعین وغیرہ مراد لی ہیں لیکن فتن کچھ انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ وہ بھی مراد ہیں اور ان کے علاوہ قیامت تک جو فتنے وقتاً فوقتاً ہوتے رہیں گے سب مراد ہیں کیونکہ ایک دوسری حدیث میں آئے ہوئے لفظ هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ" وہاں زلزلے اور فتنے ابھاریں گے"، کی تشریح کرتے ہوئے صاحب مجمع لکھتے ہیں کہ

اِشَارَۃٌ اِلٰی وَقْعَۃِ الْجَمَلِ وَصِفِّیْنَ وَظُهُوْرِ الْخَوَارِجِ فِیْ اَرْضِ نَجْدٍ وَالْعِرَاقِ وَکَذَا خُرُوْجِ الدَّجَّالِ وَیَاجُوْجَ یعنی یہاں فتن سے مراد واقعۂ جمل وصفین ہے اور سرزمین نجد وعراق میں خوارج کا فتنہ بھی ہے اسی طرح سے قیامت کے قریب دجال اور یاجوج ماجوج جو نکلیں گے ان کا فتنہ بھی مراد ہے بہرحال روایات سے معلوم ہوا کہ فتنے ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے کیونکہ فتنہ کے لغوی معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں پھر اسکا استعمال اس مکروہ" یعنی ناپسند اور ناگوار چیز" کیلئے ہونے لگا جو ذریعۂ امتحان قرار دیا جائے پھر اسکے استعمال میں اور وسعت ہوئی یہانتک کہ مطلق مکروہات میں استعمال کیا جانے لگا مثلاً گناہ

قتال وکفر وغیرہ اسی بناپر حدیث شریف میں آتا ہے کہ:۔ اَلْمُؤْمِنُ خُلِقَ مُفَتَّنًا اَیْ مُمْتَحَنًا یَمْتَحِنُہُ اللّٰہُ بِالذَّنْبِ ثُمَّ یَتُوْبُ ثُمَّ یَعُوْدُ ثُمَّ یَتُوْبُ ۔ (مجمع البحار ص۵۶)

"یعنی مومن تو خلقی طور پر فتنے" اور آزمائش" میں پڑا ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ معاصی کے ذریعہ اس کا امتحان لیتے رہتے ہیں۔ (چنانچہ کبھی وہ بچ جاتا ہے اور کبھی مبتلا ہو جاتا ہے لیکن جب) مرتکب معصیت ہو جاتا ہے تو پھر توبہ کرتا ہے پھر اگر گناہ صادر ہو جاتا ہے تو پھر توبہ کرتا ہے:" اور یہ فتنہ اس کا دین کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

اسی طرح سے کبھی انسان ایک ایسے شدید فتنے میں پڑ جاتا ہے کہ اس سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں نظر آتی اسکو فتنۂ عمیاء" اندھا فتنہ" کہا جاتا ہے جیساکہ مجمع البحار میں اسکی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ:۔

فتنۃ عمیاء صماء ای لاتری منہا مخرجا اوالمراد بہا صاحبہا ای یقع فیہا علی غیر بصیرۃ فیعمون فیہا ویصمون عن تامل الحق واستماع النصح بل یحاربون عن الجھل و العداوۃ۔ (مجمع البحار ص۵۵)

ایک فتنہ اندھا اور بہرا ہوتا ہے یعنی اس سے کوئی مفر[۵] کی صورت نہیں ہوتی یا مراد فتنے کے اندھے اور بہرے ہونے سے صاحب فتنہ کا اندھا اور بہرا ہونا ہو یعنی وہ اسمیں بے بصیرتی کیساتھ واقع ہو جائے اور اندھا ہونیکی وجہ سے حق کو نہ پہچان سکے اور بہرا ہونیکی وجہ سے کسی ناصح خیر خواہ کی نصیحت پر بھی کان نہ دھرے بلکہ جنگ و جدال محض جہالت اور عداوت کی وجہ سے کرے۔ یہ فتنۂ عمیاء صماء" اندھا بہرا فتنہ"

دیکھئے صاحب مجمع البحار نے فتنۂ عمیاء کا مفہوم یہ بھی لکھا ہے کہ اس فتنہ کا بانی بصیرت پر نہ ہو بلکہ آنکھ کان بند کر کے اسمیں کود پڑا ہو۔ یعنی نہ تو حق ناحق میں غور کرنے کے لئے تیار ہو اور نہ کسی ناصح کا کلام ہی سننے کا روادار ہو بس اسکی جنگ محض عداوت اور جہالت کی بنا پر ہو۔ اب ظاہر ہے کہ جب اس قسم کے فتنے عام ہو جائیں گے تو دنیا سے عافیت ختم ہی ہو جائیگی۔ حالانکہ عافیت شرعاً مطلوب ہے اسلئے اسباب عافیت کا فراہم کرنا بھی ضروری ہے اور فتنہ اسکی بالکل ضد ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ یعنی اے اللہ میں تجھ سے عفو کا یعنی گناہوں کی معافی کا اور عافیت کا یعنی آفات و شدائد سے سلامتی کا سوال کرتا ہوں اپنے دین میں بھی اور دنیا میں بھی

---

۵ بھاگنے، بچنے۔

اپنے اہل وعیال میں بھی اور اپنے مال میں بھی۔ (مشکوٰۃ شریف صد ۲۰۲)

بلاشبہ عافیت بہت بڑی نعمت ہے اور اسکی قدر اسی وقت ہوتی ہے جبکہ عافیت باقی نہ رہ جائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ قدرِ نعمت بعدِ زوال" یعنی راحت ونعمت کی قدر انسان کو اسکے جاتے رہنے کے بعد ہی ہوتی ہے" اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عافیت کی بہت بہت دعا مانگی ہے اور ہر چیز میں اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کی ہے۔ باقی یہ دنیا تو چونکہ دَارُ الْمِحَن" یعنی مشقتوں اور پریشانیوں کی جگہ" ہے اسلئے کسی نہ کسی جہت سے انسان کو پریشانی لاحق ہوتی ہی رہتی ہے۔ کوئی شخص یہاں ہر اعتبار سے راحت میں نہیں ہے اور یہ اسلئے کہ حقیقی عافیت اور کامل چین وسکون کی جگہ تو جنت ہی ہے۔ دنیا کا کوئی آرام ایسا نہیں جس میں رنج وغم کی آمیزش نہ ہو۔

چونکہ راحت کامل کی جگہ جنت ہے اسلئے دنیا میں بھی وہی شخص آرام سے رہتا ہے جو آخرت کے کام میں لگا ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ سے صحیح نسبت حاصل کرنے کی فکر اسکو دامنگیر ہو گئی ہو۔ اور بملہ مالایعنیہ امور" یعنی فضول اور غیر ضروری چیزوں" کو ترک کرکے اللہ تعالیٰ کی یاد کیلئے اپنے کو فارغ کرلے۔ کیونکہ ذکر اللہ کے علاوہ دیگر کلام سے انسان کی قلبی قساوت (سخت دلی) میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:۔ اِنَّ عِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ کَانَ یَقُوْلُ لَا تُکْثِرُوا الْکَلَامَ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰہِ فَتَقْسُوَ قُلُوْبُکُمْ فَاِنَّ الْقَلْبَ الْقَاسِیَ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰہِ وَلٰکِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ذکر اللہ کے علاوہ اور دوسرے کلام کی کثرت نہ کرو۔ اس سے قساوت قلبی "سنگ دلی" پیدا ہوگی۔ اور قلب قاسی" یعنی ایسا دل جس میں سختی ہو" اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہوتا ہے مگر تم اسکو سمجھتے بھی نہیں ہو)

اللہ تعالیٰ قساوت قلبی سے بچائے۔ جب قلب میں یہ چیز پیدا ہو جاتی ہے تو پھر کسی چیز کا اثر انسان قبول ہی نہیں کرتا۔ اور قساوۃ "سخت دلی" کی وجہ سے غباوت" یعنی حماقت، ناسمجھی" بھی اسکے لازم حال ہو جاتی ہے۔

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے اس کا علاج معلوم ہوا کہ ذکر اللہ ہے سکی وجہ سے قلب "قاسی" یعنی سخت" بھی نہیں ہوتا اور اگر قساوت ہوتی ہے تو وہ بھی زائل اور دور ہو جاتی ہے۔ اس لئے جب شدائد اور مصائب کا اثر قلب پر نہ ہو تو سمجھنا چاہئے کہ قلب

کا حال درست نہیں ہے لہٰذا اسکی جانب توجہ کرنی چاہیئے اور مومن کو ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوجانا چاہیئے۔ یہی اس وقت کا شرعی حکم ہے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار — بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

(مجھے مصلحت اسکے اندر نظر آتی ہے کہ احباب تمام کام چھوڑ دیں اور محبوب کی زلف کے خم و پیچ کو ہی اپنا مشغلہ بنا لیں)

تہذیبِ نو (بتصرف)

جو اب حالِ دنیا ہے ناگفتنی ہے — جو اب رنگِ عالم ہے نادیدنی ہے
جو دن رات گھر میں لڑائی ٹھنی ہے — نہ پوچھو سبب اس کا ناگفتنی ہے
یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

بظاہر بنی ہے بباطن ٹھنی ہے — بہ لب دوستی ہے بدل دشمنی ہے
زباں پر ثنا قلب میں بدظنی ہے — پس پشت غیبت ہے طعنہ زنی ہے
یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

صفائی پوشاک و تن دیدنی ہے — مگر روح آلائشوں میں سنی ہے
خمیدہ ہے سر دل میں کبر و منی ہے — شریفانہ صورت ہے سیرت دنی ہے
یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

نہ حق سے غرض کچھ نہ مذہب سے مطلب — اگر ہے تو بس اپنے مطلب سے مطلب
جو تھا اپنا مطلب تو تھا سب سے مطلب — پھری آنکھ پورا ہوا جب سے مطلب
یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

اگر نفع ہوتا ہو اپنا ذرا بھی — تو بس پھر روا کذب بھی ہے دغا بھی
کوئی حرصِ دنیا کی ہے انتہا بھی — چلے بس کریں ہضم ارض و سما بھی
یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

(حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ)

دنیا والوں کے بُرا ماننے کی پرواہ مت کرو

جس کے دل میں تمہارے پردے کا احترام نہیں، جس کے دل میں تمہارے پردے کی وقعت اور عظمت نہیں، وہ اگر تمہارا خیال نہیں کرتا تو تم ان کا خیال کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ اگر ایک بے پردہ عورت، عورتوں کے علیحدہ انتظام میں شامل ہو کر بیٹھ جائے اور مردوں کے سامنے نہ آئے تو اسمیں اس کا کوئی نقصان اور کوئی خرابی نہیں لیکن اگر پردہ دار عورت مردوں کے سامنے چلی جائے اس پر تو قیامت گزر جائے گی۔۔۔ اگر پردہ کا انتظام نہ ہونے کے باوجود تم صرف اس لئے جاتی ہو تاکہ وہ برا نہ مانیں، کہیں ان کو برا نہ لگ جائے، ارے کبھی تم بھی تو برا مانا کرو کہ ہم اس بات پر بُرا مانتے ہیں کہ ہمیں ایسی دعوت میں کیوں بلایا جارہا ہے، ہمارے لئے ایسی دعوتیں کیوں کی جاتی ہیں۔ یاد رکھو! جب تک یہ نہیں کریں گے یہ سیلاب نہیں رکے گا۔

ان مردوں کو باہر نکال دیا جائے

جہاں تقریبات میں بظاہر خواتین کا انتظام علیحدہ بھی ہے مردوں کے لئے علیحدہ شامیانے ہیں اور عورتوں کے لئے علیحدہ لیکن اسمیں بھی یہ ہوتا ہے کہ عورتوں والے حصے میں بھی مردوں کا ایک طوفان ہوتا ہے مرد آرہے ہیں جارہے ہیں، ہنسی مذاق ہورہا ہے، دل لگی ہورہی ہے، فلمیں بن رہی ہیں، یہ سب کچھ وہاں ہورہا ہے اور بظاہر دیکھنے میں الگ انتظام ہے۔ ایسے موقع پر خواتین کھڑے ہو کر کیوں یہ نہیں کہتیں کہ مرد یہاں کیوں آرہے ہیں؟ ہم پردہ نشین خواتین ہیں لہذا ان مردوں کو باہر نکالا جائے۔

دین پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے اور پھر خاموشی

شادی بیاہ میں بہت سے معاملات پر لڑائی جھگڑے ہوجاتے ہیں۔ اس بات پر ناراضگیاں ہوجاتی ہیں کہ ہمارا فلاں جگہ خیال نہیں کیا، ہمارا فلاں جگہ خیال نہیں کیا، اسی پر لڑائی جھگڑے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ تلخیاں پیدا ہوجاتی ہیں، تم اگر پردہ نشین خاتون ہو تو ان چیزوں پر ناراضگی کا اظہار نہ کرو تمہاری زیادہ آؤبھگت نہیں ہوئی تو اس پر ناراضگی کا اظہار نہ کرو۔ لیکن جب تمہارے دین پر ڈاکہ ڈالا جائے تو وہاں تمہارے لئے خاموش رہنا

جائز نہیں کھڑے ہوکر بھری تقریب میں کہہ دو کہ یہ چیز ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے جب تک کچھ مرد اور خواتین اس بات کا تہیہ نہیں کرلیں گے اس وقت تک یاد رکھو حیا کا تحفظ نہیں ہو سکے گا اور یہ سیلاب بڑھتا چلا جائے گا۔

ورنہ عذاب کے لئے تیار ہوجاؤ

بہر حال! ہم لوگ جو کم از کم دین کا نام لیتے ہیں جب تک اس کا عزم اور تہیہ نہیں کرلیں گے اسوقت تک یہ سیلاب نہیں رُکے گا۔ خدا کے لئے اس کا عزم کرلیں ورنہ پھر اللہ کے عذاب کے لئے تیار رہیں۔ کسی کے اندر اگر اس عذاب کے سہارنے کی ہمت ہے تو وہ اس کے لئے تیار ہوجائے یا پھر اس کا عزم کرلیں۔

اپنا ماحول خود بناؤ

ہمارے والد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ بڑے کام کی بات فرمایا کرتے تھے۔ یاد رکھنے کی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ تم کہتے ہو کہ ماحول خراب ہے، معاشرہ خراب ہے ارے! تم اپنا ماحول خود بناؤ تمہارے تعلقات ایسے لوگوں سے ہونے چاہئیں جو ان اصولوں میں تمہارے ہمنوا ہوں جو لوگ ان اصولوں میں تمہارے ہمنوا نہیں ان کا راستہ الگ ہے اور تمہارا راستہ الگ ہے لہٰذا اپنا ایک ایسا حلقۂ احباب تیار کرو جو ایک دوسرے کے ساتھ ان معاملات میں تعاون کے لئے تیار ہو اور ایسے لوگوں سے تعلق کٹاؤ جو ایسے معاملات میں تمہارے راستے میں رکاوٹ ہیں۔

آزادانہ میل جول کے نتائج

بہر حال! عورت کے گھر سے باہر نکلنے سے ایک خرابی تو یہ ہوئی کہ فیملی سسٹم تباہ ہوگیا، اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے دل میں عورت کی کشش رکھی ہے اور عورت کے دل میں مرد کی کشش رکھی ہے، یہ فطری بات ہے آپ اس پر کتنے بھی پردے ڈالیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا جب ان دونوں کے درمیان آزادانہ میل جول ہوگا اور آزادانہ اجتماع ہوگا تو وہ کشش جو انسان کے اندر فطری طور موجود ہے کسی نہ کسی وقت رنگ لاکر گناہ پر آمادہ کرے گی۔ اور جب مرد اور عورت کا آزادانہ میل جول ہوگا اور ہر وقت میل ملاپ ہوگا اور ہر وقت ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو اس کے نتیجے میں وہ یقیناً گناہ کی طرف بڑھیں گے۔ آپ اپنی آنکھوں سے

دیکھ رہے ہیں اور اسی سوسائٹی میں رہتے ہیں یہاں مرد اور عورت کے آزادانہ میل جول کے نتیجے میں کیا ہو رہا ہے۔ یہاں اس وقت اس ملک میں کوئی مرد یا عورت ناجائز طریقے سے اپنی جنسی تسکین کرنا چاہے تو اس کے دروازے چوپٹ کھلے ہیں کوئی قانون ان کو روکنے والا نہیں ہے، کوئی معاشرہ ان کو روکنے والا نہیں ہے، کوئی معاشرتی رکاوٹ ان پر عائد نہیں۔ اس کے باوجود اس ملک میں زنا بالجبر کے واقعات ساری دنیا سے زیادہ ہو رہے ہیں، کل ہی کے اخبار میں میں نے پڑھا کہ اس ملک (امریکہ) میں ہر ۴۶ سیکنڈ پر ایک زنا بالجبر کا واقعہ رونما ہوتا ہے۔ اب بتائیے کہ جس ملک میں رضامندی کے ساتھ جنسی خواہش پوری کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہو اسکے باوجود زنا بالجبر اتنی کثرت سے ہو رہے ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے؟

جنسی خواہش کی تسکین کا راستہ کیا ہے؟

وجہ اسکی یہ ہے کہ انسان اپنی فطری حدود سے باہر نکل گیا ہے، جب تک انسان فطری حدود کے اندر رہ کر جنسی خواہشات کی تسکین کا راستہ اختیار کرے گا اسوقت تک انسان جنسی خواہشات کی تکمیل کے ذریعہ سکون حاصل کرے گا۔ لیکن جب وہ فطری حدود سے آگے بڑھے گا تو پھر وہ جنسی خواہش ایک نہ مٹنے والی بھوک اور نہ بجھنے والی پیاس میں تبدیل ہو جاتی ہے، پھر وہ ایسی بھوک ہے جو کبھی نہیں مٹے گی اور ایسی پیاس ہے جو کبھی نہیں بجھے گی اور اس کے بعد پھر انسان کسی ایک حد پر جا کر قانع نہیں ہوتا، بلکہ وہ مزید کا طلب گار رہے گا۔

اس لئے مرد اور عورت کے آزادانہ میل جول کا وہی نتیجہ ہوگا جو آپ دیکھ رہے ہیں اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ اس حکم سے بغاوت کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا کہ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (کہ اپنے گھروں میں قرار سے رہو) آج یہ حکم چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چل پڑے ہیں۔

ضرورت کے وقت گھر سے باہر جانے کی اجازت

البتہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر عورت بھی ایک انسان ہے اس کو بھی گھر سے باہر جانے کی ضرورت پیش آسکتی ہے اسکے دل میں بھی گھر سے باہر نکلنے کی خواہش ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے ملاقات

کرے۔ اور بعض اوقات اپنی ذاتی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے بھی باہر نکلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات اس کو جائز تفریح کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اسکو ان کاموں کیلئے گھر سے باہر جانے کی اجازت ہونی چاہیئے

خوب سمجھ لیجئے کہ یہ جو حکم ہے کہ گھر میں قرار سے رہو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر میں تالہ لگا کر اس کو اندر بند کر دیا جائے، بلکہ مطلب یہ کہ ضرورت کے وقت وہ گھر سے باہر بھی جا سکتی ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ نے عورت پر کسی زمانے میں بھی روزی کمانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی۔ شادی سے پہلے اسکی مکمل کفالت باپ کے ذمے ہے اور شادی کے بعد اسکی تمام کفالت شوہر کے ذمے ہے۔ لیکن جس عورت کا نہ باپ ہو اور نہ شوہر ہو اور نہ معاشی کفالت کا کوئی ذریعہ موجود ہو تو ظاہر ہے کہ اس کو معاشی ضرورت کیلئے گھر سے باہر جانا پڑے گا اس صورت میں باہر جانے کی اجازت ہے بلکہ جیسا کہ میں نے بتایا جائز تفریح کے لئے بھی گھر سے باہر جانے کی اجازت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ گھر سے باہر بھی لیکر گئے۔

کیا عائشہؓ کی بھی دعوت ہے؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ:

أَعَائِشَةَ مَعِيَ "کیا عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی بھی میرے ساتھ دعوت ہے! نہیں؟" چونکہ وہ زمانہ سادگی اور بے تکلفی کا تھا اور اس وقت ان کے ذہن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلانے کا ارادہ نہیں تھا، اس لئے انھوں نے صاف کہہ دیا کہ یا رسول! میں صرف آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے بھی صاف جواب دے دیا "إِذاً فَلَا" (یعنی اگر عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی دعوت نہیں تو میں بھی نہیں آتا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ صحابی پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے پھر وہی سوال کیا کہ: أَعَائِشَةَ مَعِيَ

(کیا عائشہ" رضی اللہ تعالیٰ عنہا" کی بھی میرے ساتھ دعوت ہے یا نہیں؟) انھوں نے پھر وہی جواب دے دیا کہ یا رسول اللہ! صرف آپ کی دعوت ہے۔ آپ نے پھر انکار فرما دیا کہ پھر میں بھی نہیں جاؤں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد تیسری مرتبہ آکر پھر دعوت دی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا دل چاہتا ہے کہ میری دعوت قبول فرمالیں۔ آپ نے پھر وہی پوچھا کہ "أعَائِشَةَ مَعِيْ؟" (کیا عائشہ "رضی اللہ عنہا" کی بھی میرے ساتھ دعوت ہے؟) اب کی مرتبہ انھوں نے کہا: نَعَمْ! يَا رَسُوْلَ اللهِ! (جی ہاں یا رسول اللہ!) "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی آپ کے ساتھ دعوت ہے" آپ نے فرمایا: اِذاً فَنَعَمْ! (اب میں دعوت قبول کرتا ہوں) (صحیح مسلم، کتاب الاطعمہ، باب ما یفعل الضیف اذا تبعہ غیر من دعاہ صاحب الطعام، حدیث ۲۰۳۷)

آپ کے اصرار کی وجہ روایت میں تو اسکی صراحت نہیں، البتہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا کہ جب کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو آپ ضرور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے جانے کی شرط لگاتے، بلکہ آپ کا معمول یہی تھا کہ جب کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو آپ اس کو قبول فرما لیتے تھے، لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر جو صحابی آپ کی دعوت کر رہے تھے شاید ان کے دل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے کوئی میل اور کدورت ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس کدورت کو دور کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے بار بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے جانے کی شرط لگائی۔

بیوی کو جائز تفریح کی بھی ضرورت ہے یہ دعوت مدینہ طیبہ میں نہیں تھی، بلکہ مدینہ طیبہ سے باہر کچھ فاصلے پر ایک بستی میں یہ دعوت تھی، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر چلے، راستے میں ایک کھلا میدان آیا جس میں کوئی دوسرا شخص موجود نہیں تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ لگائی۔ اب ظاہر ہے کہ دوڑ لگانا ایک جائز تفریح تھی، اس جائز تفریح کا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام فرمایا۔ اس لئے ایک خاتون کو اسکی بھی

ضرورت ہوتی ہے، اس قسم کی تفریح کی اجازت ہے، بشرطیکہ جائز حدود میں ہو بے پردگی کے ساتھ نہ ہو، اور غیر محرموں کے ساتھ نہ ہو۔

(ابوداؤد کتاب الجہاد۔ باب فی السبق علی الرجل، حدیث نمبر ۲۵۷۰ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کا واقعہ اور دوڑنے کا واقعہ علیحدہ علیحدہ ہیں، البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوڑنے کا واقعہ اسی دعوت میں پیش آیا۔ میمن)

زیب و زینت کے ساتھ نکلنا جائز نہیں

اس لئے بوقت ضرورت عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کی بھی شریعت نے اجازت دی، مگر باہر نکلنے کے لئے یہ شرط لگادی کہ حجاب کی پابندی ہونی چاہیئے اور اس طرح علی الاعلان اپنے جسم کی نمائش کرتے ہوئے نہ نکلو۔ اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ: وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى یعنی اگر کبھی نکلنے کی ضرورت ہو تو اس طرح زیب و زینت کے ساتھ نمائش کرتی ہوئی نہ نکلو جیسا کہ جاہلیت کی عورتیں نکلا کرتی تھیں، اور ایسی آرائش اور زیب و زینت کے ساتھ نہ نکلو جس سے لوگوں کی توجہات ان کی طرف مبذول ہوں، بلکہ حجاب کی پابندی کے ساتھ پردہ کرکے نکلو اور جسم ڈھیلے ڈھالے لباس میں چھپا ہوا ہو۔ ہمارے زمانے میں تو برقع کا رواج ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چادریں استعمال ہوتی تھیں، اور وہ چادر سر سے لیکر پاؤں تک پورے جسم کو چھپا لیتی تھیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت تو دی گئی لیکن اسکے باہر نکلنے سے فتنے کا جو اندیشہ ہے اس فتنے کا سدِّباب پردہ کے ذریعہ ہوجائیگا اس لئے حجاب کا حکم عائد کیا گیا۔

کیا پردہ کا حکم صرف ازواج مطہرات کو ہے

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم صرف ازواج مطہرات کے لئے تھا۔ اور یہ حکم ان کے علاوہ دوسری عورتوں کے لئے نہیں ہے۔ اور اسی مندرجہ بالا آیت ہی سے استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت میں خطاب صرف ازواج مطہرات کو کیا جارہا ہے، یہ بات نقلی اور عقلی ہر اعتبار سے غلط ہے،

اس لئے کہ ایک طرف تو اس آیت میں شریعت کے بہت سے احکام دیئے گئے ہیں مثلاً ایک حکم تو یہی ہے کہ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ کہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح خوب زیب و زینت اور آرائش کرکے باہر نہ نکلو، تو کیا یہ حکم صرف ازواج مطہرات کو ہے؟ اور کیا دوسری عورتوں کو اسکی اجازت ہے کہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح زیب و زینت کرکے باہر نکلا کریں؟ ظاہر ہے کہ دوسری عورتوں کو بھی اجازت نہیں، اور آگے ایک حکم یہ دیا کہ "وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ" (نماز قائم کرو) تو کیا نماز قائم کرنے کا حکم صرف ازواج مطہرات کے لئے ہے؟ دوسری عورتوں کو نماز کا حکم نہیں، اور اسکے بعد ایک حکم یہ دیا گیا کہ "وَآتِينَ الزَّكَاةَ" (زکوٰۃ ادا کرو) تو کیا زکوٰۃ دینے کا حکم صرف ازواج مطہرات کو ہے؟ دوسری عورتوں کو نہیں؟ اور آگے فرمایا کہ "وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ" کہ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو، تو کیا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم صرف ازواج مطہرات کو ہے؟ دوسری عورتوں کو نہیں ہے؟ پوری آیت کا سیاق و سباق یہ بتا رہا ہے کہ اس آیت میں جتنے احکام ہیں، وہ سب کے لئے عام ہیں، اگرچہ براہ راست خطاب ازواج مطہرات کو ہے لیکن ان کے واسطے سے پوری امت کو خطاب ہے۔

یہ پاکیزہ خواتین تھیں دوسری بات یہ ہے کہ حجاب اور پردے کا مقصد یہ تھا کہ معاشرے کے اندر بے پردگی کے نتیجے میں جو فتنہ پیدا ہو سکتا ہے اس کا سد باب کیا جائے، اب سوال یہ ہے کہ کیا فتنہ صرف ازواج مطہرات کے باہر نکلنے سے پیدا ہوگا؟

معاذ اللہ! وہ ازواج مطہرات کہ ان جیسی پاکیزہ خواتین اس روئے زمین پر پیدا نہیں ہوئیں، کیا انھیں سے فتنے کا خطرہ تھا؟ کیا دوسری عورتوں کے نکلنے سے فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے؟ جب ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ تم پردہ کے ساتھ نکلو تو دوسری عورتوں کو یہ حکم بطریق اولیٰ دیا جائے گا اس لئے کہ ان سے فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہے۔

پردہ کا حکم تمام خواتین کو ہے اس کے علاوہ دوسری آیت میں پوری امت مسلمہ سے خطاب ہے۔ فرمایا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ

من جلابیبھن ٥ (سورۃ الاحزاب: ۵۹) (اے نبی! اپنی بیویوں سے بھی کہہ دو اور اپنی بیٹیوں سے بھی کہہ دو، اور تمام مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے چہروں پر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں) اس سے زیادہ صاف اور واضح حکم کوئی اور نہیں ہو سکتا "جلابیب" جمع ہے "جلباب" کی، اور "جلباب" اس چادر کو کہا جاتا ہے جو عورت اس طرح پہنتی تھی کہ سر سے پاؤں تک اس کا پورا جسم اس میں چھپا ہوتا تھا، اور پھر قرآن کریم نے صرف چادر پہننے کا حکم نہیں دیا بلکہ لفظ "یدنین" لائے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چادر آگے ڈھلکا لیں تاکہ چہرہ بھی نمایاں نہ ہو اور اس چادر میں چھپ جائے۔

اب اس سے زیادہ واضح اور کیا حکم ہو سکتا ہے۔

حالت احرام میں پردہ کا طریقہ آپ کو معلوم ہے کہ حج کے موقع پر احرام کی حالت میں عورت کے لئے کپڑے کو چہرے پر لگانا جائز نہیں، مرد سر نہیں ڈھک سکتے اور عورتیں چہرہ نہیں ڈھک سکتیں۔ جب حج کا موسم آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو حج کرانے کے لئے تشریف لے گئے، اس وقت یہ مسئلہ پیش آیا کہ ایک طرف تو پردہ کا حکم ہے اور دوسری طرف یہ حکم ہے کہ حالت احرام میں کپڑا منہ پر نہ لگنا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم حج کے سفر پر اونٹ پر بیٹھ کر جا رہی تھیں تو راستے میں جب سامنے کوئی اجنبی نہ ہوتا تو اپنے نقاب الٹے رہنے دیتیں اور ہم نے اپنے ماتھے پر ایک لکڑی لگائے ہوئے تھی، اور جب کوئی قافلہ یا اجنبی مرد سامنے آتا دکھائی دیتا تو ہم اپنا نقاب اس لکڑی پر ڈال دیتیں تاکہ وہ نقاب چہرے پر نہ لگے، اور جو مرد سامنے آئیں ان کا سامنا نہ ہو۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام کی حالت میں بھی ازواج مطہرات نے پردہ کو ترک نہیں فرمایا۔ (ابوداؤد کتاب الحج باب فی المحرمۃ تغطی وجہہا، حدیث نمبر ۱۸۳۳)

ایک خاتون کا پردہ کا اہتمام ابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک خاتون کا بیٹا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گیا ہوا تھا، جنگ کے بعد تمام مسلمان واپس آگئے، لیکن اس کا بیٹا واپس نہیں آیا، اب ظاہر ہے کہ اس وقت اس ماں کی بیتا

کی کیا کیفیت ہو گی اور اس بیتابی کے عالم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پوچھنے کے لئے دوڑیں کہ میرے بیٹے کا کیا بنا؟ اور جا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میرے بیٹے کا کیا ہوا؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ تمہارا بیٹا تو اللہ کے راستے میں شہید ہو گیا۔ اب بیٹے کے مرنے کی اطلاع اس پر بجلی بن کر گری۔ اس اطلاع پر اس نے جس صبر و ضبط سے کام لیا، وہ اپنی جگہ ہے، لیکن اسی عالم میں کسی شخص نے اس خاتون سے پوچھا کہ اے خاتون! تم اتنی پریشانی کے عالم میں اپنے گھر سے نکل کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اس حالت میں بھی تم نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالا ہوا ہے؟ اور اس وقت بھی نقاب ڈالنا نہیں بھولیں؟ جواب میں اس خاتون نے کہا کہ اِنْ اُرْزَأْ اِبْنِیْ لَمْ اُرْزَأْ حَیَائِیْ (میرا بیٹا تو فوت ہوا ہے، لیکن میری حیا تو فوت نہیں ہوئی) یعنی میرے بیٹے کا جنازہ نکلا ہے لیکن میری حیا کا جنازہ تو نہیں نکلا۔ تو اس حالت میں بھی پردہ کا اتنا اہتمام فرمایا۔ (ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فضل قتال الروم علی غیرہم، حدیث ۲۴۸۸)

اہل مغرب کے طعنوں سے مرعوب نہ ہوں

عرض یہ کرنا تھا کہ حجاب کا یہ حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس کی تفصیل بیان فرمائی اور ازواج مطہرات اور صحابیات نے اس حکم پر عمل کر کے دکھایا اب اہل مغرب نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ مسلمانوں نے عورتوں کے ساتھ بڑا ظالمانہ سلوک کیا ہے کہ ان کو گھروں میں بند کر دیا، ان کے چہروں پر نقاب ڈال دی اور ان کو ایک کارٹون بنا دیا، تو کیا مغرب کے اس مذاق اور پروپیگنڈے کے نتیجے میں ہم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام کو چھوڑ دیں؟ یاد رکھو! جب خود ہمارے اپنے دلوں میں یہ ایمان اور اعتماد پیدا نہ ہو کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو طریقہ سیکھا ہے وہی طریقہ برحق ہے، کوئی مذاق اڑاتا ہے تو اڑایا کرے، کوئی طعنے دیتا ہے تو دیا کرے، یہ طعنے تو مسلمان کے گلے کا زیور ہیں۔ انبیاء علیہم السلام جو اس دنیا میں تشریف لائے، کیا انھوں نے کچھ

طعنے سہے ؟ جتنے انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے ان کو یہ طعنے دیئے گئے کہ یہ تو پسماندہ لوگ ہیں یہ دقیانوس اور رجعت پسند ہیں یہ ہمیں زندگی کی راحتوں سے محروم کرنا چاہتے ہیں یہ سارے طعنے انبیاء کو دیئے گئے۔ اور تم جب مومن ہو تو انبیاء کے وارث ہو جس طرح وراثت میں اور چیزیں ملیں گی یہ طعنے بھی ملیں گے کیا ان طعنوں سے گھبرا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کار کو چھوڑ دو گے ؟ اگر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے تو پھر ان طعنوں کو سننے کے لئے کمر کو مضبوط کر کے بیٹھنا ہو گا۔

پھر بھی تیسرے درجے کے شہری رہو گے

اور اگر فرض کرو کہ ان طعنوں کے نتیجے میں ان کے کہنے پر عمل کر لیا پھر بھی تیسرے درجے کے شہری رہو گے، وہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو گھر میں مت بٹھاؤ اور ان کو پردہ نہ کراؤ، حجاب نہ کراؤ۔ اب آپ نے ان کی بات مانتے ہوئے اس پر عمل کر لیا اور عورتوں کو گھر سے باہر نکال دیا، ان کا پردہ بھی اتار دیا دوپٹہ بھی اتار دیا سبھی کچھ کر لیا لیکن کیا انھوں نے یہ مان لیا کہ تم ہمارے ہو؟ اور کیا انھوں نے تمھیں وہی حقوق دے دیئے ؟ کیا تمھیں وہی عزت دے دی ؟ نہیں، بلکہ اب بھی تم رجعت پسند اور دقیانوس ہو اور اب بھی جب تمھارا نام آئے گا تو طعنوں کے ساتھ آئے گا باوجود یہ کہ سر سے لے کر پاؤں تک ہر چیز میں ان کی بات مان لی پھر بھی تم تیسرے درجے کے شہری رہو گے۔

کل ہم ان کا مذاق اڑائینگے

لیکن اس کے برخلاف اگر تم نے ان طعنوں سے ایک مرتبہ صرفِ نظر کر لی اور یہ سوچا کہ یہ لوگ تو طعنے دیا ہی کرینگے اور بُرا کہیں گے لیکن ہمیں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر جانا ہے اور ازواج مطہرات کے راستے پر جانا ہے تو پھر ہزاروں طعنے دیں اور ہمارا مذاق اڑائیں اور ہم پر ہنسیں لیکن ایک دن آئے گا کہ ہم ان پر ہنسیں گے۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا کہ۔

فَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنَ الْکُفَّارِ یَضْحَکُوْنَ عَلَی الْاَرَائِکِ یَنْظُرُوْنَ ٥ (سورۃ المطففین: ۳۴) کفار کے بارے میں فرمایا کہ یہ کفار مسلمانوں کے ساتھ دنیا میں تو یہ معاملہ

کرتے تھے کہ ان کو دیکھ کر ان کی ہنسی مذاق اڑاتے تھے اور جب ان کے پاس سے کوئی مسلمان گزرتا تو یہ لوگ ایک دوسرے کو اشارے کرتے کہ دیکھو مسلمان جارہا ہے لیکن جب آخرت کا مرحلہ آئے گا تو یہ ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے اور صوفوں پر بیٹھ کر ان کو دیکھ رہے ہوں گے انشاء اللہ، یہ دنیا کی زندگی کتنے دن کی ہے؟ یہ کفار کتنے دن ہنسی مذاق اڑائیں گے جس دن آنکھ بند ہوگی اس دن معلوم ہوگا کہ جو لوگ مذاق اڑاتے تھے ان کا انجام کیا ہوا، اور جن کا مذاق اڑایا جاتا تھا ان کا انجام کیا ہوا؟ بجائے اس کے کہ اس ہنسی سے مرعوب ہوکر اپنا راستہ چھوڑ دو۔ اور اپنے طریقے کو خیرآباد کہدو، نجات کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ وہ ہنسیں، مذاق اڑائیں، طعنہ دیں، جو کچھ چاہیں کریں، لیکن ہم اپنا طریقہ چھوڑنے والے نہیں۔

عزت اسلام کو اختیار کرنے میں ہے یاد رکھو! جو شخص اس کام کے لئے ہمت کرکے اپنی کمر باندھ لیتا ہے وہی شخص دنیا سے اپنی عزت بھی کراتا ہے، عزت درحقیقت اسلام کو چھوڑنے میں نہیں، بلکہ اسلام کو اختیار کرنے میں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَعَزَّنَا بِالْاِسْلَامِ (اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ عزت دی ہے وہ اسلام کی بدولت دی ہے۔ اگر ہم اسلام کو چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں عزت کے بجائے ذلت سے ہمکنار کردیں گے۔

داڑھی بھی گئی اور ملازمت بھی نہیں ملی میرے ایک بزرگ نے ایک سچا واقعہ سنایا جو بڑی عبرت کا واقعہ ہے، وہ یہ کہ ان کے ایک دوست لندن میں تھے، اور کسی ملازمت کی تلاش میں تھے، ملازمت کے لئے ایک جگہ انٹرویو دینے کے لئے گئے۔ اس وقت ان کے چہرے پر داڑھی تھی، جو شخص انٹرویو لے رہا تھا اس نے کہا کہ داڑھی کے ساتھ یہاں کام کرنا مشکل ہے۔ اسلئے یہ داڑھی ختم کرنی ہوگی۔ اب یہ بڑے پریشان ہوئے کہ میں اپنی داڑھی ختم کردوں یا نہ کروں، اس وقت تو وہ واپس چلے آئے اور دو تین روز تک دوسری جگہوں پر ملازمت تلاش کرتے رہے اور کشمکش میں مبتلا رہے دوسری ملازمت نہیں مل رہی تھی،

اور بے روزگار اور پریشان بھی تھے آخر میں فیصلہ کر لیا کہ چلو داڑھی کٹوا دیتے ہیں تاکہ ملازمت تو مل جائے۔ چنانچہ داڑھی کٹوا دی اور اسی جگہ ملازمت کیلئے پہنچ گئے۔ جب وہاں پہنچے تو انھوں نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ نے کہا تھا کہ یہ داڑھی کٹوا دو تو تمھیں ملازمت مل جائے گی۔ اس نے پوچھا کہ آپ مسلمان ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! اس نے پھر پوچھا کہ آپ اس داڑھی کو ضروری سمجھتے تھے یا غیر ضروری سمجھتے تھے؟ جواب دیا کہ میں اس کو ضروری سمجھتا تھا اسی وجہ سے رکھی تھی۔ اس نے کہا کہ جب آپ جانتے تھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ کے حکم کے تحت داڑھی رکھی تھی اور اب آپ نے صرف میرے کہنے کی وجہ سے اللہ کے حکم کو چھوڑ دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ کے وفادار نہیں ہیں اور جو شخص اپنے اللہ کا وفادار نہ ہو وہ اپنے افسر کا بھی وفادار نہیں ہو سکتا، لہٰذا اب ہم آپ کو ملازمت پر رکھنے سے معذور ہیں "خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃ" داڑھی بھی گئی اور ملازمت بھی نہ ملی۔

صرف داڑھی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جتنے احکام ہیں ان میں کسی کو یہ سوچ کر چھوڑنا کہ لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے یہ بسا اوقات دنیا و آخرت دونوں کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔

چہرے کا بھی پردہ ہے "حجاب" کے بارے میں اتنی بات ضرور عرض کر دوں کہ "حجاب" میں اصل بات یہ ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک پورا جسم چادر سے یا برقع سے یا کسی ڈھیلے ڈھالے گون سے ڈھکا ہوا ہو اور بال ڈھکے ہوئے ہوں۔ اور چہرے کا حکم یہ ہے کہ اصلاً چہرے کا پردہ ہے، اس لئے چہرے پر بھی نقاب ہونا چاہئے۔ اور یہ آیت جو میں نے ابھی تلاوت کی کہ "یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ" اس آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں خواتین یہ کرتی تھیں کہ چادر اپنے اوپر ڈال کر اس کا ایک پلّہ چہرے پر ڈال لیتی تھیں اور صرف آنکھیں کھلی رہتی تھیں اور باقی چہرہ چادر کے اندر ڈھکا ہوتا تھا، تو "حجاب" کا اصل طریقہ یہ ہے، البتہ چونکہ ضروریات بھی پیش آتی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے چہرے

... حد تک یہ گنجائش دی ہے کہ جہاں چہرہ کھولنے کی شدید ضرورت داعی ہو اسوقت ...رف چہرہ کھولنے اور ہاتھوں کو گٹوں تک کھولنے کی اجازت ہے لیکن یہ بھی ایسے ...نت حالات میں جہاں اسکے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ اور اصل حکم یہی ہے کہ چہرہ سمیت ...ورا جسم ڈھکا ہونا چاہیئے۔

...ردوں کی عقلوں پر پردہ | بہرحال! یہ "حجاب" کے مختصر احکام ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ایک ...ورت کی پاکیزہ اور پارسا زندگی کے لئے حجاب ایک بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ...ردوں کا فرض ہے کہ وہ خواتین کو اس پر آمادہ کریں اور خواتین کا فرض ہے کہ ...وہ اس کی پابندی کریں۔ افسوس اس وقت ہے کہ جب بعض اوقات خواتین "حجاب" ...رنا چاہتی ہیں لیکن مرد راستے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اکبر الہ آبادی مرحوم نے بڑا ...چھا قطعہ کہا ہے کہ

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں — اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
...چھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

آج حقیقت میں مردوں کی عقلوں پر پڑ گیا، وہ پردے کے راستے میں رکاوٹ ...ن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو غلط خیالات سے نجات عطا ...فرمائیں اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے ...کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝

تہذیبِ نو

ہوئی گھر سے اور ستر پوشی سے تنگی — تو پھرنے لگیں عورتیں گویا ننگی
مساوات نے ایسی بیٹی دو، رنگی — ہیں یک رنگ ہندو، مسلماں، فرنگی
یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

(حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ)

مکتوب نمبر ۸۰۷

ایک صاحب کو یہ تحریر بھیجی گئی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ نے اپنی نیت کے متعلق حضرت والا دامت برکاتہم کی خدمت میں تفصیلی خط لکھا ہے جس کے متعلق حضرت والا نے ایک مختصر مگر نہایت جامع اور محقق بات تحریر فرمایا ہے اصلاح آپ کا کام ہے نیت درست فرمائیے اسکی تھوڑی سی توضیح حضرت والا ہی کے ارشاد کے بموجب لکھ رہا ہوں، سنئے! ہم لوگوں میں فسادِ نیت کا مرض عام ہو رہا ہے تصحیح نیت اور خلوص تو بڑی چیز ہے اس کا ارادہ ہی نہیں کرتے نیت ایک فرضی اور خیالی چیز بن کر رہ گئی ہے لیکن مرض کی شدت کی وجہ سے علاج معاف تو نہ ہو جائے گا بلکہ علاج کی ضرورت اور شدید ہو جائیگی مثلاً کوئی شخص اگر معدے کا مریض ہے اور اس کا مرض شدت اختیار کر لیوے تو علاج کی طرف توجہ نہایت ضروری ہو جائے گی اور اس مرض مہلک سے خلاصی علاج ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکے گی کیونکہ کام تو کام کے طریق ہی سے ہوتا ہے۔ اسی طرح فسادِ نیت ایک باطنی مرض ہے اور جب یہ شدت اختیار کر چکا ہے تو اسکا علاج بھی نہایت ضروری ہے اور علاج وہی ہے جو حضرت والا دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا ہے کہ نیت درست فرمائیے اور ہے یہ آپ کا کام اور مشکل بھی ہے مگر شیخِ کامل صاحبِ باطن کا تعلق اور اسکے فیض صحبت سے رفتہ رفتہ یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے اصلاح میں لگے رہنا اور اسکو دل سے ٹھان لینا شرط ہے

مکتوب نمبر ۸۰۸

حال:- باعث تحریر یہ ہے کہ وہ میری اہلیہ مصیبت زدہ پاک دامن خادمت گ شرک وبدعت ورسومات کا مقابلہ کر کے اپنے خاندان میں ذلیل وخوار۔ د میں دشمنوں نے جادو وسحر کیا، دماغ کو مختل کر دیا صبر سے کام لیا پھر تہ سال تک مرض ناصور میں مبتلا ہو کر طرح وبطرح کی تکالیف کا شکار ح

کے جسم میں کیڑے اپنی خوراک پیدا کریں ہمسایہ اور رشتہ دار جن کے پاس گفتگو کرنا پسند نہ کریں۔ دنیا میں نہایت ذلت و حقارت کی زندگی بسر کر کے یکم شعبان یعنی شب سنیچر قریب ۲½ (ڈھائی) بجے دار فانی سے رخصت ہوکر دار بقا کو رحلت فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

تحقیق :۔ اہلیہ کے انتقال سے رنج و ملال ہوا۔ سچ ہے جب کسی سے محبت اور دلی تعلق ہوتا ہے تو اسکی جدائی سے انتہائی قلق و حزن ہوتا ہے۔ کسی طرح سکون و چین نہیں ملتا بس اللہ تعالیٰ ہی صبر و استقلال عطا فرماتے ہیں ورنہ تو بعض دفعہ صبر کرنا آدمی کے بس کا نہیں ہوتا۔ بہر حال ایسے ہی مواقع کے لئے اللہ تعالیٰ نے صبر و تحمل کے لئے فرمایا ہے اور بڑے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ کتاب اللہ و احادیث کو جانتے ہی ہیں مجھے تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اتنا تو آپ سمجھ ہی لیجئے کہ اہلیہ جب ایسی تکالیفِ شاقہ میں مبتلا تھیں تو پھر ان کو دنیا میں جینے کا کیا لطف اور اس زندگی سے کیا آرام تھا ان کے لئے تو بس اپنے اصلی ٹھکانے ہی پہونچ جانا بہتر تھا جب تک خدا کو منظور تھا ان تکالیفِ شدیدہ کو جھیل کر ذخیرہ ثوابِ آخرت کے لئے جمع کر کے اپنے دائمی گھر چلی گئیں۔ اور آپ نے بھی ماشاء اللہ تعالیٰ خوب ہی خوب خدمت کی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا (تمہاری بیوی کا بھی تمہارے اوپر حق ہے) کا کامل امتثال کیا۔ آپ کے لئے یہ خیر ہی خیر تھا۔ اب جب کہ اس سے فرصت ملی تو دوسرے امورِ خیر میں مشغول ہو جائیے اور قصد السبیل سے اپنے حالات کے موافق معمول مقرر کر کے کام شروع کر دیجئے اور مجھے بھی مطلع فرمائیے

مکتوب نمبر ۸۰۹

حال :۔ حضرت والا کا تصور قلب و دماغ پر مستولی رہتا ہے۔

تحقیق :۔ مبارک ہو۔ حال :۔ یہ حالت اضطراراً ہے اختیاری نہیں۔
تحقیق :۔ الحمد للہ یہ اور مفید ہے۔ حال :۔ واقعی "مَنْ جَدَّ وَجَدَ" یہ "رنگ تربیت" اور "طریقۂ خانقاہیت" جس کو آنکھیں ترس گئی تھیں بڑی مدت کے بعد اس پُرآشوب زمانہ میں مشاہدہ ہو جانا اللہ تعالےٰ کی بڑی نعمت ہے۔ تحقیق :۔ بیشک
حال :۔ اس سے استفاضہ نہ کرنا بڑا کفران نعمت ہے۔ تحقیق :۔ سچ کہتے ہو۔
حال :۔ حضرت والا صمیم قلب سے بلا مبالغہ عرض کرنے پر مجبور ہوں "حضرت بڑے ابا صاحب نور اللہ مرقدہ" اور "حضرت امرتسری رحمۃ اللہ علیہ" کے دور تربیت کی یاد ہی تازہ نہیں ہوئی بلکہ "الہ آباد" حاضری پر وہ سب رنگ فراموش ہو گئے نعوذ باللہ۔ اسلئے نہیں کہ وہ کچھ کم تھے بلکہ اس پُرفتن دور حاضرہ میں حضرت والا جیسے "شفیق شیخ کامل" کے تعلق سے جو خوشی حاصل ہوئی ہے اس نے سب فراموش کرا دیا۔
تحقیق :۔ سچ لکھ رہے ہو اور بہت اچھا لکھ رہے ہو۔ حال :۔ مجھ جیسے آلودہ دامن کو حضرت والا نے متوسلین میں شمار فرمالیا، زہے نصیب! دعا فرمائیں۔
تحقیق :۔ دل سے دعا کرتا ہوں۔ حال :۔ اللہ تعالیٰ اسکی برکت سے "حسن خاتمہ" اور "مغفرت" نصیب فرمائیں۔ تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ یہاں واپس آ گیا ہوں مگر قلب و روح حضرت والا کے دربار میں پڑے ہوئے ہیں۔ تحقیق: ماشاء اللہ تعالیٰ
حال :۔ کچھ مجبوریاں ایسی تھیں جس سے واپسی جلدی ہو گئی حضرت والا دعا فرمائیں
تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ جلد موقع عطا فرمائے۔ حال :۔ جلد ہی موقع پر شرف قدمبوسی کا ملے۔ تحقیق :۔ آمین
حال :۔ خصوصی "دعوات صالحہ" اور توجہات کی ہمہ وقت درخواست ہے۔
تحقیق :۔ دل سے دعا کرتا ہوں۔ حال :۔ اللہ تعالیٰ ہر ہر "لمحۂ حیات" احقر کو مرضیات میں مشغول رکھیں اور قبول فرمالیں۔
تحقیق :۔ آمین۔

ایک بزرگ کی حکایت ہے جو قابلِ عبرت ہے گو یہ حکایت خواص سے خطاب کے قابل تھی، مگر مسلمان خواص ہی ہیں اسلئے بیان کرتا ہوں۔

امثالِ عبرت | حکایت یہ ہے کہ ان بزرگ نے ایک دفعہ ذکر اللہ کا ارادہ کیا تو بڑی دیر تک چاہتے رہے کہ زبان سے خدا کا نام لیں مگر زبان پر نہ آیا۔ حیرت کی بات ہے لوگ کہیں گے کہ کیسے ہوسکتا ہے مگر یہ حالات اہل حال پر گذرتے ہیں جن پر گذرتے ہیں وہ جانتے ہیں دوسرے کیا جانیں ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست — حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند

(تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کی حالت کو کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا اور مصیبت کی تلوار چل رہی ہے)

اہل حال کو سخت سے سخت حالات ناقابلِ برداشت پیش آتے ہیں؛ کتنی سخت بات ہے کہ خدا تعالیٰ کا نام بھی زبان پر نہ آیا۔ اس سے جو حالت ان کے دل پر گذری ہوگی وہی جان سکتے ہیں یہ تو بہت بڑی بات ہے سالک کے قلب پر تو ذرا سا میل بھی آتا ہے تو وہ تو جان کھونے کو تیار ہو جاتا ہے ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود — گر ز باغ دل خلالے کم شود

(سالک کے دل پر ہزاروں غم وارد ہوتے ہیں اگر ذرہ بھر بھی اسکی باطنی حالت میں کمی ہوتی ہے)

ان کو سخت حیرت ہوئی کہ ایسا کیوں ہوا۔ بس یاد آگیا کہ ایک دفعہ جوانی میں لاابالی پن سے ایک بےہودہ کلمہ زبان سے نکلا تھا جس سے توبہ نہیں کی گئی آج اس کا وبال پڑا ہے وہ حجاب ہو رہا ہے کہ کلمہ کو زبان پر نہیں آنے دیتا حضرات! یہ دشوار گزار گھاٹیاں حق تعالیٰ کے راستہ میں پیش آتی ہیں جو راستہ طے کرتے ہیں ان سے پوچھو مگر ہم لوگوں نے تو سہل طریقہ اختیار کیا ہے کہ اس راستہ میں قدم نہ رکھو نہ پڑھو نہ قضا ہو۔

اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ حق تعالیٰ جو کسی سے اعمال صالحہ کی توفیق سلب کر لیتے ہیں اسکی بھی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ یوں ہی بلا وجہ بے قاعدہ توفیق سلب (چھین لینا)

نہیں کرتے گو قدرت یہ بھی ہے کہ بلا وجہ بھی سلب کرلیں مگر وہ ایسا کرتے نہیں بلکہ جب کسی سے کوئی نعمت سلب ہوتی ہے اس کا سبب اس شخص کا کوئی عمل اختیاری ہوتا ہے جس کو خدا نے یاد رکھا اور بندہ نے بھلا دیا۔ بندہ نے اسکو معمولی سمجھا اور خدا کے نزدیک وہ بڑی بات تھی اس لئے مواخذہ کے وقت جہل کے سبب یوں گمان کرلیا جاتا ہے کہ بلا وجہ مواخذہ ہوا اس لئے کسی گناہ کو معمولی نہ سمجھنا چاہئے اور نہ کسی سزا کو بلا وجہ سمجھنا چاہئے۔

حضرت جنید بغدادیؒ ایک بار چلے جارہے تھے۔ ایک مرید ساتھ تھا راستہ میں ایک خوبصورت لڑکا عیسائی کا نظر پڑا مرید کی نظر اس پر پڑگئی مرید نوآموز یا ناآموز تھا اس کو نظر بھر کر دیکھا شیطان نے بہکا دیا کہ صنعتِ خدا دیکھ لے اس نے نظر کرلی پھر حضرت جنیدؒ سے کہتا ہے کہ کیا خدا تعالیٰ اس صورت کو بھی دوزخ میں ڈالے گا؟ حضرت جنیدؒ نے کہا کیا تونے اس کو دیکھا ہے؟ اچھا اس کا وبال سامنے آئے گا اس وقت تو بات رفع دفع ہوگئی۔ بیس سال بعد وبال کا ظہور ہوا کہ وہ مرید قرآن بھول گیا۔ ہم لوگوں کی نظر ان باتوں پر کہاں پہنچ سکتی ہے کہ ہم کسی سزا کو بیس سال کے فعل کی طرف کیسے منسوب کریں۔ مگر یہ بات بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ در حقیقت یہ سزائیں کسی عمل کی ہوتی ہیں۔ اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ سزا عمل کی اسی وقت ہی مرتب ہوجائے۔

دیکھئے آموں کے موسم میں آم زیادہ کھائے جائیں تو اس کا اثر کئی مہینے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ پھوڑے پھنسی زیادہ نکلتے ہیں۔ یہاں کوئی نہیں کہتا کہ پھوڑے پھنسی آموں کا اثر نہیں۔ اسی طرح ترتبِ وبال میں دیر ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ گذشتہ عمل کی سزا نہیں۔ یہ حضرت جنیدؒ کی حکایت تو درمیان میں آگئی تھی۔ میں بزرگ کی حکایت بیان کررہا تھا کہ دیر تک ذکر کی توفیق نہیں ہوئی تو ان بزرگ کو یاد آیا کہ جوانی کے زمانہ کا ایک کلمۂ بے ہودہ حجاب ہورہا ہے۔ انھوں نے توبہ کی توفیق ہوگئی۔ تو اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے یا زبان سے ذکر کرتا ہے وہ محض خدا کی نعم

ہے اس پر ناز کیا۔ وہ تو خدا ہی کی رحمت ہے تم نے کیا کیا؟

علم پر ناز | اگر کسی کو علم پر ناز ہو تو سُن لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر تو کسی کو علم عطا نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتے ہیں وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ یعنی اگر ہم چاہیں تو وہ تمام علوم جو آپ کو دیئے ہیں دفعۃً سلب کرلیں۔ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ٥ یعنی پھر کوئی آپ کا کارساز بھی نہیں ہو سکتا، دیکھئے کتنا ہولناک خطاب ہے آپ ڈر ہی تو گئے ہونگے اور تعجب نہیں کہ یاس کی نوبت آجاتی اسواسطے حق تعالیٰ نے یہ جزو بڑھا دیا۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یعنی بس رحمتِ خدا ہی ساتھ دے سکتی ہے اور کوئی ساتھ نہیں دے سکتا (نا امیدی) ان الفاظ کے جوڑنے سے پتہ چلتا ہے اُس حالت کا جو اس آیت کے اترنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گذری ہوگی کہ اتنے لفظ پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ کیونکہ اس سے اتنا معلوم ہوا کہ رحمت دستگیری کر سکتی ہے۔ مگر اس کا وقوع ہوگا یا نہیں۔ اس لفظ سے اس کا اطمینان نہیں ہوتا۔ اس واسطے ایک جملہ اور بڑھا دیا اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا یعنی چونکہ خدا تعالیٰ کا فضل عظیم آپ کے شامل حال ہے اسلئے بالفعل رحمت آپکی دستگیر ہے۔ آپ کسی طرح کا اضطراب نہ کریں بس اس لفظ سے یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اطمینان ہو گیا کہ ایسا واقعہ نہ ہوگا کہ علوم سلب کرلئے جائیں صرف اظہارِ قدرت اور تصحیح عقیدہ کے لئے ایسا فرمایا گیا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ گفتگو ہے "تا بدیگراں چہ رسد" دوسروں کی تو کیا حقیقت ہے" ہم کو ذرا ہوش سنبھالنے کی ضرورت ہے کسی کو علم پر ناز ہے تو حماقت ہے، عمل پر ناز ہے تو حماقت ہے۔ انہیں سے کوئی جز بھی اس درجہ میں مُکتسَب نہیں جس پر ناز کیا جائے۔ جس کو بھی کوئی چیز حاصل ہے (اختیاری) وہ سب عطائے الٰہی ہے اس کو اپنی چیز سمجھنا اور تزکیۂ نفس کرنا کبر ہے اور کبر وہ عیب ہے جو گند در گند ہے۔ اب تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ کبر کس درجہ بُری چیز ہے۔ مگر ہم لوگوں میں بہت کم قلوب اس سے پاک ہوں گے۔ اس حدیث میں اسی کا علاج ہے اس وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا۔ ایک وجہ یہ ہوئی اس کے اختیار کرنے کی۔ دوسرے یہ کہ یہ مرض

عام ہونے کے ساتھ ام الامراض (بیماریوں کی جڑ) بھی ہے اکثر شدید امراض باطنی کی جڑ یہی ہے اور اکثر عیوب کا سلسلہ کبر ہی پر منتہی ہوتا ہے۔ مثلاً غصہ کہ یہ ایک بڑا مرض ہے مگر پیدا ہوتا ہے کبر ہی سے۔ بعض وقت تو اس کا ظہور خود غصہ والے کے منہ سے ہونے لگتا ہے۔ مثلاً بعض بد دماغ آدمی غصہ کے وقت اپنی زبان سے کہنے لگتے ہیں کہ تو نہیں جانتا ہم کون ہیں۔

انسان کی اصلیت ایک بزرگ نے اس کا خوب جواب دیا انھوں نے ایک شخص کو ٹوکا کہ غرور سے نہ چلو۔ وہ غصہ میں آکر کہنے لگا لَاتَدْرِیْ مَنْ اَنَا یعنی جانتا نہیں ہیں کون ہوں۔ اُن بزرگ نے کہا جانتا ہوں اَوَّلُکَ نُطْفَۃٌ مَّذِرَۃٌ وَاٰخِرُکَ جِیْفَۃٌ قَذِرَۃٌ وَاَنْتَ بَیْنَ ذَالِکَ تَحْمِلُ الْعَذِرَۃَ (یعنی پہلے تو تو ایک پلید نطفہ تھا۔ اور انجام کار ایک گندہ مردار ہو جائے گا۔ اور اسکے بیچ میں یہ حالت ہے کہ پیٹ میں نجاست کو لئے پھرتا ہے) واقعی انسان کی حالت تو یہی ہے ہم ظاہر میں کیسے پاک اور صاف ستھرے بنتے ہیں۔ نہاتے ہیں دھوتے ہیں۔ صابون ملتے ہیں عطر لگاتے ہیں اور نفیس مزاج بنتے ہیں میل کچیل سے گھن کرتے ہیں میلے کپڑے تک پہننا گوارا نہیں کرتے مگر حالت یہ ہے کہ جس چیز سے گھبراتے ہیں وہ کافی مقدار میں پیٹ کے اندر ہر وقت بھری رہتی ہے کوئی تول کر دیکھے تو پانچ سیر، تین سیر، دو سیر پائخانہ ہر وقت پیٹ کے اندر ساتھ رہتا ہے۔ جس چیز سے گھنیاتے ہیں وہی لادے پھرتے ہیں۔ صاف ستھری مجلسوں میں جاتے ہیں مگر یہ تبرک ساتھ ہے آدمی ذرا غور کرے تو اس سے تمام ناز جاتا رہے۔ یوں کہیے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ سب کا عیب ڈھک رکھا ہے۔ جس سے ہم صاف ستھرے بنے پھرتے ہیں۔ اگر پیٹ کی نالی میں قوت ماسکہ (روکنے کی قوت) نہ ہوتی جس سے پائخانہ رُکا رہتا ہے اور خاص وقت پر نکلنے کا تقاضا ہوتا ہے۔ اور یہ نالی ہر وقت بہا کرتی یا کم از کم اس راستہ سے اسکی بدبو ہی ہر وقت آیا کرتی تو کوئی پاس بھی نہ بیٹھنے دیتا۔ سب صفائی اور نفاست بھول جاتے۔ چنانچہ جن لوگوں کی یہ قوت ماسکہ کمزور ہو جاتی ہے اور ہر وقت دست بہنے لگتے ہیں تو دیکھ لیجیے ان سے کیسی نفرت کی جاتی ہے مگر حق تعالیٰ نے اپنی شانِ ستاری

سے پیٹ کو ایسا ڈھکا ڈھوں بنایا کہ کسی کو خیال بھی نہیں آتا کہ تمہارے پیٹ میں پاخانہ ہے یا کیا ہے۔ گندہ دہنی ایک مرض ہے۔ اس میں دیکھ لیجئے کہ کوئی پاس بھی نہیں دیتا جس کے نزدیک جائیں وہی نفرت کرتا ہے۔ حق تعالیٰ نے وہ حالت دکھلانے کے لئے اس قسم کے بعض امراض پیدا کر دیئے ہیں تاکہ ان کو دیکھ کر حق تعالیٰ کی رحمت کو یاد کر لیا کریں کہ یہ بھی ممکن تھا کہ غلاظت پیٹ میں اس طرح پُر ہوتی ہے جس کی بو آیا کرتی مگر خدا تعالیٰ نے اسکو چھپا دیا۔

امام کی خصوصیات زمانۂ طالب علمی میں ایک گندہ دہن آدمی میرے ہی پاس جماعت میں کھڑا ہوتا تھا۔ اس بھلے مانس کو بھی کچھ ضد تھی کہ جب کھڑا ہوتا میرے پاس ہی کھڑا ہوتا مجھے سخت ایذا ہوتی جماعت کے خیال سے میں کھڑا رہتا مگر جان پر بنجاتی دیکھئے گندہ دہنی ایسی بُری چیز ہے۔ اگر خدانخواستہ آنتوں میں سے ایسا سوراخ کھلا ہوا ہوتا جس سے بدبو آتی تو کیا حالت ہوتی۔ کیا کرتے۔ اس کو کس طرح بند کرتے۔ کیا اسکے منہ کو ڈورے سے باندھا کرتے۔ غرض اسکے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے۔

یہاں ایک بات درمیان میں یاد آئی جو فقہار نے بیان کی ہے واقعی دو جماعتیں حقیقت شناس ہیں دین کی صوفیہ اور فقہار۔ فقہار نے لکھا ہے کہ جس شخص سے جماعت کو ایذا ہو جیسے کوڑھ کا مریض یا خارش کا مریض یا گندہ دہن وغیرہ اس کو جماعت معاف ہے کیونکہ ایک کی وجہ سے دس کی جماعت جاتی ہے۔ بعض لوگوں کو اس ایذا پر صبر نہ ہوگا تو وہ جماعت سے بیٹھ رہیں گے۔ فقہار نے تکثیر جماعت کو مہتم بالشان (تکلیف) سمجھا ہے اسی تکثیر کی وجہ سے امام کی صفات لکھی ہیں۔ ان سب کی بنار اسی پر ہے کہ جماعت میں تکثیر ہو اور نفرت نہ ہو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر علم وفضل میں چند آدمی برابر ہوں تو ایک وجہ ترجیح خوبصورت ہونا بھی ہے جو ان میں سب سے زیادہ خوبصورت ہو اس کو امام بنایا جائے مگر امرد نہ ہو کیونکہ امرد کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اسکی طرف زیادہ رغبت ہوگی۔ اور ایک وجہ ترجیح کی یہ بھی لکھی ہے

کہ جو نسب میں بڑھا ہوا ہو۔ نسب سے بھی آدمی کی عزت ہوتی ہے اور مقتدیوں کو اسکے پیچھے نماز پڑھنے میں عار نہیں آتی تو اس سے تکثیر ہوگی جماعت کی۔ یہانتک لکھا ہے کہ جس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہو اس کو امام بنایا جائے کیونکہ ایسا آدمی عفیف زیادہ ہوگا اور غیر عفیف سے عفیف کے پیچھے جماعت زیادہ جمع ہوگی۔ اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کی بیوی کو جاکر جھانکا کریں تاکہ اس کا حسین ہونا معلوم ہو بلکہ یہ بات آپسمیں ملنے جلنے والوں کو معلوم رہتی ہے کہ کس کے گھر کی کیا حالت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مقتدیوں کو یہ بات معلوم ہو کہ فلاں شخص کی بیوی حسین ہے تو یہ بھی کسی درجہ میں وجہ ترجیح کی ہو سکتی ہے فقہاء شرعی مذاق نہایت صحیح رکھتے ہیں۔ شریعت کی تاکیدیں جماعت کے متعلق دیکھ کر تکثیر جماعت کی صورتیں تجویز فرمائی ہیں۔ شریعت کو تکثیر جماعت کا خاص اہتمام ہے اس لئے امام کو تطویل قرأت سے منع فرمایا ہے اور تطویل کرنے والے کو فتّانٌ فرمایا ہے تاکہ جماعت میں تقلیل نہ ہو۔ امام کے متعلق ان جملہ احکام کی بنا تکثیر جماعت ہی ملے گی اسی طرح شریعت نے مقتدیوں میں رعایت کی ہے کہ اُن باتوں سے منع کیا ہے جو تکثیر جماعت میں حارج ہوں مثلاً حدیث میں ہے جو شخص لہسن کھاوے وہ مسجد میں نہ آوے کیونکہ اس سے ایذا ہوتی ہے جو مخل فی التکثیر ہے (کثرت مسئلہ غلط انداز ہے)

حاکم کی اطاعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجذوم عورت کو طواف کرتے دیکھا تو فرمایا یَا اَمَةَ اللّٰہِ اقْعُدِیْ فِیْ بَیْتِكِ وَلَا تُؤْذِی النَّاسَ (یعنی اے خدا کی بندی! اپنے گھر بیٹھ اور لوگوں کو تکلیف مت دے) وہ طوعاً کرہاً چلی گئی۔ چندے کے بعد دیکھا گیا کہ پھر آرہی ہے یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت عمرؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کو خبر نہ تھی ایک شخص نے اس سے کہا اِبْتَہِرِیْ فَقَدْ مَاتَ ذَالِكَ الرَّجُلُ (اب دل کھول کر طواف کرلے کیونکہ عمرؓ جنھوں نے منع کیا تھا وفات پا چکے) اُس نے تاسف کیا اور اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا اور کہا میں اب آیندہ طواف نہ کروں گی اگر عمرؓ زندہ (اظہار افسوس)

تو طواف کرتی۔ میں ان کو مُردہ سمجھ کر نہیں آئی تھی بلکہ زندہ سمجھ کر آئی تھی۔ طواف کے شوق نے مجھے مجبور کیا اور میں نے جی میں کہا کہ طواف کروں گی بہت سے بہت یہ کہ سزا ہو جاوے گی۔ عمرؓ ایسا شخص نہ تھا کہ زندگی میں تو اس کا حکم مانا جاوے اور مرنے کے بعد نہ مانا جائے۔ یہ کہہ کر چلی گئی۔ یہ تھی اطاعت حاکم کی اور یہ تھا مسلمانوں کا باہم ارتباط اور تعلق۔ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے حتیٰ کہ ایسے ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ بعض لشکروں کے امیر نے حکم دیا کہ سپاہی آگ میں کود پڑیں اور وہ کودنے کے لئے تیار ہوئے (یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا ہے) اس لشکر میں فقہاء صحابہ بھی تھے۔ انھوں نے اُن کودنے والوں کو پکڑا اس قاعدہ کے موافق لَاطَاعَۃَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ (اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے) اور مجمع مرکب از مجاذیب و سالکین تھا۔ پھر یہ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سالکین مانعین کی تصویب[1] فرمائی۔ غرض وہ بی بی واپس چلی گئی۔

تقریر اس کے متعلق تھی کہ جس شخص کے مسجد میں جانے سے دوسروں کو ایذا ہو اس کو چاہئے کہ نماز گھر میں ادا کرے۔

یہاں سے ایک مسئلہ اور بھی نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص مُفسد ہو جس کے مسجد جانے سے بہت سوں کو تکلیف پہنچتی ہو اگر قابو چلے تو اس کو مسجد میں آنے سے روک دینا جائز ہے۔ کیونکہ جب کہ اتنی ایذا کی وجہ سے کہ منہ میں سے بدبو آنے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے شریعت نے مسجد میں آنے سے روک دیا ہے تو جن سے دینی یا دنیاوی فتنہ کا اندیشہ ہو ان کی مانعت بطریق اولیٰ نکلتی ہے۔

یہ کلام اس پر چلا تھا کہ غصہ کی اصل تکبر ہے۔ چنانچہ بعضوں کی زبان پر غصہ کے وقت یہ بات آجاتی ہے کہ جانتا نہیں کہ ہم کون ہیں؟ اگر پردہ اٹھا دیا جائے تو معلوم ہو ہم کون ہیں اگر یہاں پردہ اٹھا دیں تو ساری مسجد کے آدمی بھاگتے نظر آدیں۔

حکمت اور مصلحت | حق تعالیٰ نے حیات میں بھی پردہ ڈھکا رکھا ہے اور بعد ممات کے

بھی کیسی ستاری کی ہے۔ حکم دیا ہے کہ لاش کو نہلاؤ تاکہ کوئی گندی چیز مرض کی حالت میں لگ لگ گئی ہو جس سے لوگوں کو نفرت ہو تو وہ دُھل جائے اور جنازہ کا لے چلنا ان پر بار نہ ہو۔ اور صاف ستھرے کپڑوں میں لپیٹو اور خوشبو لگاؤ اور خوشبو میں سے بھی کافور کو اختیار کیا جو مانع تعفن (بدبو) بھی ہے ان سب میں یہی حکمت ہے کہ اس سے کسی کو نفرت نہ ہو اور عیوب ڈھکے رہیں۔

ایک مقتول کی لاش کی تشریح (پوسٹ مارٹم) ڈاکٹر نے کی اسکے بعد اسکی تجہیز و تکفین کی گئی میں بھی اسکے غسل و نماز میں شریک تھا۔ واللہ اس قدر تکلیف ہوئی ہے کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ واجب ہونے کی وجہ سے شرکت تو کی مگر دماغ و قلب کی جو حالت تھی اس کو وہی لوگ خوب جانتے ہیں جو اس وقت شریک تھے۔ اگر ایسی حالت ہر مردہ کیساتھ پیش آوے تو عجب نہیں کہ لوگ دفن کرنا بھی چھوڑ دیں اور ویسے ہی چھوڑ کر بھاگ جائیں اور کتے بلی اس کو خراب کرتے پھریں۔ اس مقتول کی حالت دیکھ کر قدر معلوم ہوئی اس حدیث کی جس میں ہے کہ تین چیزوں کو مؤخر نہ کرو ایک چیز ان میں سے جنازہ بھی ہے۔

سبحان اللہ! شریعت کے کیا احکام ہیں ان ہی کی بدولت مسلمانوں کا مردہ کیسی عزت و احترام کے ساتھ جاتا ہے کہ کسی کو ذرا بھی ناگواری نہیں ہوتی اس مقتول کی لاش کا کفن دفن سب کچھ ہوا مگر کس درجہ ناگواری کے ساتھ کہ الامان الامان اس دیر نہ کرنے میں حکمت یہ بھی ہے کہ مقبول کو منزل مقصود پر جلدی پہنچاؤ اور مردود کو اپنی گردنوں سے جلدی پھینکو۔ احکام شرعی میں ایک ایک نہیں سینکڑوں حکمتیں ہیں اہل ظاہر کیلئے بھی حکمتیں ہیں اور اہل باطن کیلئے بھی حکمتیں ہیں۔ ؎

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

(اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل وجان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل وجان کو بو سے تازہ رکھتی ہے)

(۷۶۹) ایک صاحب نے بیعت کی درخواست کی۔ فرمایا کہ یہ تو کوئی ایسی ضروری چیز نہیں۔ اصل چیز تو اتباع اور محبت ہے باقی ہاتھ میں ہاتھ دینا یہ محض طالب کی تسلی کے لئے ہوتا ہے کہ اس کو اطمینان ہو جائے کہ ہاں فلاں شخص کے ساتھ ایک خصوصیت ہوگئی ورنہ نفع میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ نفع میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوگی بلکہ بیعت کرنے سے میرے اوپر ایک بوجھ ہو جاتا ہے۔ میں تو یہ چاہا کرتا ہوں کہ مجھ سے بیعت تو نہ ہوں لیکن مجھ سے دین کی خدمت لیں۔ پھر ان صاحب نے عرض کیا کہ بیعت تو سنت ہے۔ فرمایا کہ سنت ہے مگر مستحب کے درجے میں اور سنت بھی بیعت کی حقیقت ہے نہ کہ صورت یعنی ہاتھ پر ہاتھ رکھنا بیعت کی صورت ہے نہ کہ حقیقت۔ حقیقت ہے "محبت اور اتباع" جس کو محبت ہو اور اتباع کرے اسکو حقیقت بیعت کی حاصل ہے۔ گو صورت بیعت کی حاصل نہ ہو۔

(۷۷۰) ایک صاحب نے عرض کیا کہ مجھے عقائد میں شکوک ہیں فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو اس کا جلد تصفیہ ہو جانا نہایت ضروری ہے ورنہ کوئی عمل مفید نہیں ہو سکتا۔ سب اعمال بیکار جائیں گے۔ لیکن پہلے اسکی تحقیق ہو جانی چاہیئے کہ آیا آپ جس کو شک سمجھ رہے ہیں وہ دراصل شک بھی ہے یا محض وسوسہ ہے۔ کیونکہ شک اور چیز ہے اور وسوسہ اور چیز ہے۔ اور دونوں کا جدا حکم ہے۔ عقائد ضروریہ میں شک کرنا موجب نقصانِ ایمان ہے۔ اور وسوسہ معصیت کے درجہ میں بھی نہیں کیونکہ اس پر کسی قسم کا مواخذہ نہیں۔ پھر دریافت فرمایا کہ آیا آپ کو ان خیالات سے ایذا ہوتی ہے یا نہیں اور قلب کو پریشانی اور خلجان اور دفعیہ کا اہتمام ہوتا ہے یا نہیں۔

ان صاحب نے جواب دیا سخت پریشانی اور خلجان ہوتا ہے۔ فرمایا کہ بس معلوم ہوا کہ محض وسوسہ ہے شک نہیں۔ کیونکہ وسوسہ اور شک کی پہچان یہی ہے کہ وسوسہ میں خلجان اور پریشانی ہوتی ہے اور قلب کو اس سے اذیت ہوتی ہے اور اسکے دفعیہ کے اہتمام کے درپے ہوتا ہے اور اسکو سخت ناگوار اور برا سمجھتا ہے اور شک میں مطلق ایذا نہیں ہوتی۔ قلب کو بالکل سکون ہو جاتا ہے کیا کسی کافر

کو کفر سے متاذی اور متالم دیکھا ہے؟ تاذی اور عدم تاذی دونوں کی علامات شناخت
ہیں آپ کو شک نہیں وسوسہ ہے جس کی طرف سے شریعت مقدسہ نے ہم کو بالکل
مطمئن کر دیا ہے ہرگز پریشان نہ ہونا چاہئے اور واقعی جب وہ کوئی مواخذہ کی چیز
ہی نہیں تو اس سے پریشان ہونا ایک فضول امر ہے البتہ اذیت ضرور ہوتی ہے اور اذیت
بھی کچھ نہیں اگر اسکی طرف سے بالکل بے پروائی اختیار کی جاوے کہ اونہہ اگر آتا ہے
آنے دو۔ اس عدم التفات سے وہ خود دفع ہو جاوے گا۔ لیکن اس عدم التفات
میں بھی قصد دفع کا نہ کرے ورنہ وہ بھی وسوسہ ہی کی طرف التفات ہو جائیگا کیونکہ
جتنا اس کو کوئی دفع کرنا چاہتا ہے اتنا ہی اور لپٹتا ہے۔ بلکہ اپنی طرف سے یہاں تک
آمادہ رہنا چاہئے کہ اگر عمر بھر بھی اس سے چھٹکارا نہو تو بلا سے نہ ہو کیونکہ یہ کوئی نقصان
کی بات نہیں۔ البتہ اذیت ہے سو اگر کوئی مرض عمر بھر کے لئے لگ جاتا ہے تو کیا
اسی میں زندگی نہیں گزارنی پڑتی۔ پھر فرمایا کہ البتہ معصیت خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ وہ
سخت اجتناب کے قابل ہے۔ مثلاً آنکھ کا گناہ کان کا گناہ قلب کا گناہ اور وساوس
گو بذاتہ مُضر اور قابلِ قلق نہیں لیکن ان سے کبھی ان کے منشا یعنی معاصی کا پتہ چلتا
ہے۔ یہ بات البتہ قابلِ قلق ہے اور ان سے اجتناب کی کوشش ضروری ہے پھر
فرمایا کہ آپ اگر دلائل کی فکر میں پڑیں گے تو وساوس کا دونا ہجوم ہوگا اور مرض
بڑھتا ہی جاوے گا بلکہ یوں سمجھئے کہ جو لوگ مجھ سے زیادہ علم اور فہم اور تقویٰ میں
ہیں انھوں نے جب اچھی طرح تحقیقات کرلی تو پھر ہماری تحقیقات کی کیا حاجت ہے؟
بس ایسے لوگوں کی تقلید کرنی کافی ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہماری تحقیق ان کی تحقیق
کے برابر نہیں ہو سکتی۔ پھر کچھ دیر تامل فرما کر استفسار فرمایا کہ آخر یہ مرض آپ کو
پیدا کب سے ہوا۔ عرض کیا کہ بچپن ہی سے یہ مرض ہے جبکہ میں ابتدائی کتابیں پڑھتا
تھا۔ فرمایا کہ آپ نے اس کا اظہار کسی سے کیا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ آپ نے غضب
کیا اور سخت غلطی کی جو اس مرض کو چھپایا۔ میرے نزدیک طب کا پڑھنا آپ کیلئے
بالکل حرام تھا اور اب بھی میں آپ کے لئے طب کے مشغلہ کو ناجائز سمجھتا ہوں کیونکہ اس

میں صحبت اہل باطل کا زیادہ موقع ہے اور وہ آپ کے لئے سخت مُضر ہے۔
اب آپ کو یہ چاہیئے کہ اس مشغلہ کو بالکل ترک کر کے کسی کی جوتیوں کے نیچے خاک ہوجائیے یعنی ؎ پیش مردِ کاملے پامال شو (کسی مردِ کامل "اللہ والے" کے سامنے اپنے کو پامال کر دو "مٹا دو") اور اہل اللہ کی جماعت میں ملے جلے اور ان سے لگے لپٹے رہ کر مزدوری سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ پال کر گزار دیجئے۔ ورنہ ان سے علیٰحدہ اس مشغلہ میں مشغول رہنا تنہا سمندر میں کودنا ہے۔ ان کی صحبت سے ان کے نورانی قلب کا پرتو آپ کے قلب پر پڑے گا جس سے آپ کے قلب میں ایک نورانیت پیدا ہوگی جس کے غلبہ سے ان وساوس کا پتہ بھی نہ رہے گا اور ایک سکونِ محض قلب کو حاصل ہوجائے گا۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو دوسرے درجہ کا علاج صحبتِ بد سے احتراز ہے کیونکہ جس طرح یہ صحیح ہے کہ صحبتِ نیک سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے ویسے ہی یہ بھی صحیح ہے کہ اہلِ ظلمت کی صحبت سے ان کی ظلمت کا عکس قلب میں پڑتا ہے۔ پس رنڈی بھڑوے فساق فجار کے علاج سے قطعاً دست برداری کیجئے اور ایسے لوگوں سے بالکل علیٰحدگی اختیار کیجئے۔ اکثر اوقات خلوت میں گزاریئے اور کچھ وقت خواہ تھوڑا ہی ہو مثلاً آدھ گھنٹہ روز ذکر اللہ میں صرف کیجئے۔ اور بزرگوں کے ملفوظات وکلمات کے مطالعہ کا شغل رکھئے۔

(۱۷۷) فرمایا کہ بیعت کی حقیقت ہے اعتقاد جازم اپنے تعلیم کرنے والے پر یعنی اس کو یہ یقین ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے اور جو مشورہ دے گا وہ میرے لئے نہایت نافع ہوگا۔ غرض اس پر پورا اطمینان ہو اور اپنی رائے کو اسکی تجویز وتشخیص میں مطلق دخل نہ دے۔ باقی بیعت کی صورت یعنی ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اول وہلہ میں خواص کے لئے نافع نہیں۔ عوام کے لئے البتہ اول وہلہ میں بیعت کی صورت بھی نافع ہوتی ہے کیونکہ اس سے ان کے قلب پر ایک عظمت اور شان اس شخص کی طاری ہوجاتی ہے جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اسکے قول کو باوقعت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کیلئے مجبور ہوجاتا ہے۔ خواص کے لئے کچھ مدت کے بعد نافع ہوتی ہے کیونکہ اس کا خاصہ ہے کہ

جانبین میں ایک تعلقِ خاص پیدا ہو جاتا ہے پیر سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارا ہے اور مرید سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں۔ ڈانواں ڈول حالت نہیں رہتی۔

(۷۷۲) ایک صاحب نے کوئی حال باطنی کسی پر ظاہر کر دیا تھا حضرت کو خبر ہو گئی بعد ظہر اتفاقاً وہ حضرت کے پاس ہو کر گذرے تنبیہ کے لہجہ میں چپکے سے فرمایا کہ شرم نہ آئی اپنی بیوی کو غیر کی بغل میں دیتے ہوئے۔ کیا یہ کسی کو گوارا ہو سکتا ہے۔ بعد کو ان ہی صاحب نے بعد عصر کے بغرض عرض حال پرچہ دینا چاہا لیکن حضرت نے نہیں لیا۔ نہایت تندی کے لہجہ میں دیر تک عبدیت پر نہایت مؤثر تقریر فرماتے رہے۔ پھر فرمایا کہ جناب! اب تو آپ کامل ہو گئے ہیں میں کاملین کی اصلاح کرنے کا اہل نہیں اب آپ کسی اور جگہ تشریف لیجائیے۔ پھر حضرت نے ان کا اسباب نکلوا کر باہر رکھوا دیا اور خانقاہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اس پر وہ صاحب دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ حضرت نے فرمایا کہ لوگ کشف کو بڑا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ اسکو قرب میں کچھ دخل نہیں۔ واللہ اگر کسی کو لاکھ کشف ہوں لیکن وجداناً محسوس کریگا کہ میرے قرب میں ذرہ برابر ترقی نہیں ہوئی اور اگر دو چار مرتبہ سبحان اللہ پڑھ کر اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے گا تو صاف محسوس ہوگا کہ کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب بڑھ گیا۔ حضرت نے بالآخر ان صاحب کو خانقاہ سے باہر کر دیا۔ تین چار دن کے بعد سخت پریشانی اور توبہ و استغفار کے بعد معافی کا پرچہ ان صاحب نے بھیجا۔ جس پر حضرت نے تحریر فرمایا کہ اب میرے قلب میں مطلق کدورت آپ کی طرف سے نہیں رہی جو علامت ہے آپکی توبہ مقبول ہونے کی۔ پھر حضرت نے انھیں خانقاہ میں واپس آجانے کی اجازت دی۔ وہ صاحب خود فرماتے تھے کہ مجھ کو ان تین چار دنوں میں بے انتہا منافع حاصل ہوئے۔

(۷۷۳) ایک صاحب نے عرض کیا کہ قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنے میں کیا مصلحت ہے۔ جہاں سے چاہے ثواب پہنچا سکتا ہے فرمایا اس میں تین مصلحتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنے سے علاوہ ایصالِ ثواب کے خود پڑھنے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہاں استحضار موت کا زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے باطنی مصلحت یہ ہے کہ مردہ کو ذکر سے انس

ہوتا ہے خواہ آہستہ آہستہ پڑھا جاوے یا زور سے حق تعالیٰ مُردہ کو آواز پہنچا دیتے ہیں۔ یہ بات اولیاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام مسلمین بھی سنتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد روح میں بہ نسبت حیات کے کسی قدر ایک اطلاق کی شان پیدا ہوجاتی ہے اور اس کا ادراک بڑھ جاتا ہے مگر نہ اتنا کہ کوئی ان کو حاضر ناظر سمجھنے لگے۔ تیسرے یہ بھی ہے کہ ذکر کے انوار جو پھیلتے ہیں اس سے بھی مردہ کو راحت پہنچتی ہے۔

(۷۷۴) فرمایا کہ عبادتِ مالیہ کا ثواب بہ نسبت عبادتِ بدنیہ کے مُردہ کے حق میں زیادہ افضل ہے کیونکہ یہ مسئلہ خود اہل سنت والجماعت میں مختلف فیہ ہے کہ عبادتِ بدنیہ کا ثواب بھی مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف عبادتِ مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے عبادتِ بدنیہ کا نہیں پہونچتا اور اماموں کے نزدیک بھی یہی بات ہے۔ البتہ ہمارے امام بوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں قسم کی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے۔ بہرحال عبادتِ مالیہ کے ثواب کی افضلیت مُردہ کے کے حق میں اس وجہ سے ثابت ہے۔

(۷۷۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے وجدان میں مردوں کو برابر ثواب پہنچتا ہے تقسیم ہو کر نہیں پہنچتا لیکن حضرت مولانا گنگوہیؒ کا گمان غالب اس کے خلاف تھا۔ عرض کیا گیا حضور کا گمان غالب کیا ہے فرمایا کہ میرا گمان یہی ہے کہ کسی گمان کی ضرورت ہی نہیں پھر فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر علیحدہ بھی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو ثواب بخش دیا کرے خواہ زیادہ کی ہمت نہ ہو مثلاً تین بار قُلْ ھُوَاللّٰہ پڑھے یک کلام مجید کا ثواب پہونچ جائے گا۔ پھر اپنا معمول بیان فرمایا کہ میں جو کچھ روزمرہ پڑھتا ہوں اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام انبیاء وصلحاء وعام مسلمین ومسلمات جو مرچکے یا موجود ہیں یا آیندہ پیدا ہوں سب کو بخشدیتا ہوں اور کسی خاص موقعہ پر بھی خاص مردے کے لئے بھی کچھ پڑھ کر علیحدہ بخشدیتا ہوں استفسار پر فرمایا کہ زندوں کو بھی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے۔

(۷۷۶) فرمایا کہ اچھے کپڑے وغیرہ پہننا اگر تحصیل جاہ کے لئے ہے تو ناجائز اور اسراف

میں داخل ہے اور اگر دفع مذلت کے لئے ہے مطلوب شرعی ہے اور اسراف میں داخل نہیں۔ ایک بار فرمایا کہ ایک شخص کے لئے پچاس روپیہ گز کا کپڑا بھی پہننا جائز ہے یعنی جس کو گنجائش ہو اگر نیت ریا و تفاخر کی نہ ہو اور دوسرے کے لئے پانچ آنہ گز کا بھی ناجائز ہے یعنی جس کو گنجائش نہ ہو یا نیت ریا و تفاخر کی ہو۔

(۷۷۷) فرمایا کہ اگر شروع میں کوئی ذرا میری سختی جھیل لے پھر میں اس کا عمر بھر کے لئے خادم ہوں میرا منشا اس سختی سے محض یہ ہے کہ اہتمام اور فکر اخلاق کا قلب میں پیدا ہو جائے پھر دل تو اس سے غلطی کم واقع ہوگی دوسرے اگر کوئی غلطی بھی ہوگی تو چونکہ اس شخص میں اہتمام اور فکر کا ہونا مجھ کو انداز سے معلوم ہو جاتا ہے وہ غلطی پھر اتنی ناگوار بھی نہیں معلوم ہوتی اور بھلا یہ کہاں ممکن ہے کہ کسی سے غلطی نہ ہو۔

(۷۷۸) فرمایا کہ بحمداللہ میں غصہ کی حالت میں بھی ہوش و حواس سے باہر نہیں ہوتا گو ظاہر میں غل شور مچاتا ہوں لیکن کوئی سزا استحقاق سے زیادہ نہیں دیتا نہ مصلحت کے خلاف سختی کرتا ہوں الحمدللہ زیادتی بھی نہیں ہونے پاتی۔ مجھ میں حدت تو ضرور ہے لیکن شدت نہیں۔ جو اپنی اصلاح کے لئے آتا ہے اسکے ساتھ سختی کرنا بعض اوقات ضروری ہوتا ہے کیونکہ عملی تنبیہ کبھی نہیں بھولتی لیکن اگر سختی برداشت نہ کرے تو پھر میں نرم پڑ جاتا ہوں کیونکہ مجھے خواہ مخواہ لڑائی مول لینا تھوڑا ہی ہے جب معلوم ہو گیا کہ اس کو اپنی اصلاح ہی منظور نہیں پھر مجھے سختی کرنے سے کیا حاصل ہے

ع ناز برآں کن کہ خریدار تست (ناز اس پر کرو جو تمہارا خریدار اور چاہنے والا ہو)

(۷۷۹) فرمایا کہ کسی کے سوال پر جو میں جواب دیتا ہوں اور پھر وہ چپ بیٹھا رہتا ہے تو اس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ چاہتا یہ ہوں کہ اگر جواب سمجھ میں نہ آوے تو دوبارہ پوچھا جاوے اور اگر سمجھ میں آ گیا ہو تو کم از کم یہ ضرور کہدیا جاوے کہ ٹھیک ہے خاموش بیٹھے رہنے سے سخت الجھن اور تکلیف ہوتی ہے۔ یہ آداب تکلم کے خلاف ہے

(۷۸۰) فرمایا کہ دسترخوان پر دقیق دقیق باتیں نہیں کرنی چاہئیں بلکہ بہت معمولی معمولی باتیں ہونی چاہئیں ورنہ کھانے کا کچھ لطف ہی نہیں آتا۔ کھانے کے وقت تو کھانے

ہی کی طرف زیادہ توجہ ہونی چاہیئے۔ اگر کوئی ایسی باتیں کرتا ہے تو میں کان بھی نہیں لگاتا۔ یونکہ کھانے کا مزہ جاتا رہتا ہے۔

(۷۸۱) فرمایا کہ اب تو تعلقات سے بہت وحشت ہوتی ہے جی چاہتا ہے کہ مجمع زیادہ نہ ہو اپنے ہم خیال کچھ لوگ ہوں اور یادِ حق میں بقیہ زندگی گذرے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اکثر یہ بہانہ کرکے اٹھ جاتا ہوں کہ گھر ہو آؤں۔ بات یہ ہے کہ مجمع سے جی گھبراتا ہے۔

(۷۸۲) فرمایا کہ رفتہ رفتہ اپنے متعلق جو کام ہیں ان کو کم کرتا جاتا ہوں۔ اکثر فتاوی میں مدرسہ دیوبند اور سہارنپور سے دریافت کرنے کو لکھ دیتا ہوں۔ جی یوں چاہتا ہے کہ میرے بعد کسی کو ایک ساتھ زیادہ رنج نہ ہو۔ اور جب بہت سی خدمات ایک ساتھ منقطع ہوجائیں گی نہایت صدمہ لوگوں کو ہوگا۔ اس لئے اپنے ذمہ جو میں نے کام رکھے ہیں انکو مختلف جماعتوں میں منتشر کر رہا ہوں۔

(۷۸۳) فرمایا کہ طالب کو اپنے شیخ کے سامنے اپنی رائے کو بالکل فنا کردینا چاہیئے دو چیزیں لازمۂ طریق ہیں اتباعِ سنت اور اتباعِ شیخ۔ جب یہ حالت مرید کی نہ ہو کہ اگر شیخ جان بھی مانگے تو بھی دریغ نہ کرے تب تک کچھ لطف بیعت کا نہیں۔

(۷۸۴) فرمایا کہ الحمد للہ میں نے اپنے بزرگوں کے ساتھ کبھی ظاہراً یا باطناً اختلاف نہیں کیا اور نہ طرح ادب ملحوظ رکھا حالانکہ مجھکو سیکڑوں احتمالات سوجھتے تھے لیکن میں نے ہمیشہ یہی سوچا کہ ہم کیا جانیں اور اگر کبھی کوئی بات سمجھ میں نہ بھی آئی تب بھی دل کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ کوئی بات بھی بلا سمجھے نہ رہے۔ سو واقعی طالب تحقیق کو بیشتر تقلید ہی ضروری ہے بعد کو بہ برکت تقلید کے تحقیق کا درجہ بھی حاصل ہوجاتا ہے ترتیب یہی ہے۔ دیکھئے اگر کوئی بچہ اپنے استاد کی تقلید نہ کرے اور پڑھاتے وقت کہے کہ کیا دلیل ہے کہ یہ الف ہے ب نہیں تو بس وہ پڑھ چکا۔

(۷۸۵) فرمایا کہ مجھے اس شخص سے کوئی چیز لینے میں نہایت قلت معلوم ہوتی ہے جس کو خود کوئی نفع نہ پہونچا سکے ہاں جو دینی نفع حاصل کرتا رہے وہ اگر محبت سے کبھی کچھ دے تو کس کو انکار ہے کیونکہ آخر میری گذر ہی اسی پر ہے لیکن یہ شرط ہے کہ

دینے میں بجز محبت کے اور کوئی نیت نہ ہو یہانتک کہ ثواب کی بھی نیت نہ ہونی چاہیئے گو جب حق تعالیٰ کے تعلق کی وجہ سے دیا تو ثواب تو اس کو مل ہی گیا۔
دیکھئے اگر کوئی اپنے باپ یا لڑکے کو کچھ دے تو نیت ثواب کی نہیں ہوتی لیکن ثواب ملتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دے تو اس کو ثواب ملتا ہے حالانکہ بیوی کو کوئی ثواب کی نیت سے نہیں دیتا بلکہ اگر اس کو ثواب کی نیت کی خبر ہوجاوے تو اس کو ناگوار ہو اور وہ انکار کر دے کیا میں خیرات خوری ہوں۔

(۷۸۶) فرمایا جو دین کا پابند نہیں ہوتا اسکی دنیا کی سمجھ بھی خراب ہوجاتی ہے۔ اور جو شخص دیندار ہوتا ہے گو تجربہ دنیا کا نہ ہو لیکن دنیوی امور میں بھی اسکی سمجھ سلیم ہوجاتی ہے حلال روزی میں بھی یہی اثر ہے برخلاف اسکے حرام روزی سے فہم مسخ ہوجاتی ہے۔

(۷۸۷) فرمایا کہ اگر کوئی بے عنوانی ناسمجھی ہی سے کرے لیکن دوسرے کو تو اس سے پریشانی اور تکلیف ہوتی ہی ہے۔ اگر کوئی شخص بلا قصد شکار کے کسی کو چھرہ مار دے تو مجرم نہ سہی لیکن دوسرے کے چوٹ تو آخر لگے ہی گی۔ اور اگر سب جاہلوں کی جہالت پر تحمل ہی کر لیا کریں تو ان کی جہالت کی اصلاح کبھی ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اس طرح سے تو اس کو اپنی جہالت کا علم ہی نہ ہوگا اور ہمیشہ بے تہذیب و بے سلیقہ ہی رہے گا۔

(۷۸۸) فرمایا کہ اگر ثمرات کی بھی تمنا ہو تب بھی ثمرات پر نظر نہ کرنا چاہیئے کیونکہ ثمرات حاصل ہوتے ہیں یکسوئی سے اور جب ثمرات کے ورود کی جانب متوجہ رہا تو یکسوئی کہاں رہی۔ پھر فرمایا کہ ذہین اور ذکی آدمی کو کیفیات وغیرہ نہیں ہوتیں کیونکہ اس کا ذہن ہمیشہ چلتا رہتا ہے اس کو یکسوئی ہوتی ہی نہیں اور بلا یکسوئی کے کوئی کیفیت ہو نہیں سکتی اسی وجہ سے عاقل شخص کو کیفیات بہت کم ہوتی ہیں برخلاف اسکے جن میں عقل کا مادہ کم ہوتا ہے ان کو کشف وغیرہ کیفیات بہت ہوتی ہیں۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃؒ

مُدیر:- احمد مکین

شمارہ ۷ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ مطابق جولائی ۱۹۹۴ء - جلد ۱۷

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ ۶/- سالانہ زرتعاون ساٹھ روپیہ ۶۰/- ششماہی بتیس ۳۲/-

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو روپیہ ۱۰۰/- غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر: صغیر حسن۔ اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الٰہ آباد

ترتیب

گذارش رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپردِ ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ ابھی تک بیشتر احباب نے سالِ رواں ۹۳ء کا زرِ تعاون ارسال نہیں فرمایا ہے۔ اس طرف توجہ فرما کر ادارہ کی اعانت فرمائیے۔

پیش لفظ

تاریخ لاں ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً۔ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْن ۰ اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اس لئے کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ۔

اسلام نام ہے اس مکمل نظام حیات کا جو قرآن و سنت میں بیان ہوا ہے خواہ اس کا تعلق عقائد و عبادات سے ہو یا معاملات و معاشرت سے، حکومت و سیاست سے اس کا تعلق ہو یا تجارت و صنعت وغیرہ سے ۔" احکام اسلام خواہ وہ کسی شعبۂ زندگی سے تعلق ہوں اعضائے ظاہری سے متعلق ہوں یا قلب و باطن سے تعلق ہو جبتک ان تمام احکام کو سچے دل سے قبول نہ کروگے مسلمان کہلانے کے مستحق نہ ہوگے " (معارف القرآن) مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے کسی عمل و فعل کا تابع اور پابند اسی وقت بنا جب اس کا ثبوت قرآن و سنت میں موجود ہو۔ ایسے افعال کا صدور جن کا حکم قرآن و سنت سے ثابت نہیں ہے نری جہالت اور ہوائے نفس اور شیاطین کے نقش قدم کی پیروی ہے ۔ اسلام خواہش نفس اور شیطان کی غلامی سے نجات دلا کر اللہ رب العزت کا فرمانبردار بنانا چاہتا ہے مذہب کا مطالبہ تابعداری ہے نہ کہ تعزیہ داری، فرمانبرداری ہے نہ کہ علم برداری۔ سوئے اتفاق ہے یا دوستوں کا ہاتھ یا پھر سازش لمحات کہیئے کہ امسال محرم کے رسومات کی ادائیگی میں کافی جوش و خروش، دھوم دھام اور چہل پہل تھی ادھر طویل عرصے سے ان خرافات کا بازار سرد پڑا تھا! انتظامیہ کی خواہش کے باوجود عوام نے دلچسپی لینے سے انکار کر دیا تھا مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ امت مرحومہ امسال کس کے شہ پر مات کھا گئی؟ ستم بالائے ستم یہ بھی ہوا کہ کسی صاحب نے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ سے استدلال کر کے تمام جاہلانہ اور مشرکانہ رسومات کو نہ یہ کہ جواز کا خلعت عطا فرمایا بلکہ فعل مستحسن اور امر ضروری قرار دیا۔ ایں چہ بوالعجبیست؟ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ صفا و مروہ اللہ کے شعائر یعنی یادگار دین اور علامت دین میں سے ایک ہیں شعائر جمع ہے شعیرہ کی جسکے معنی علامت کے ہیں۔ شعائر اللہ سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے ۔ دین کی علامت اور شعائر وہی اعمال و افعال بنیں گے جو اللہ کے مقرر کردہ ہیں خود ساختہ رسومات کی پابندی جہالت کی علامت اور مشرکانہ افعال کی نقالی تو ہو سکتی ہے مگر اشعائر اسلامی اور دین کی علامت نہیں بن سکتی جیسا کہ اسی حج و عمرہ کے احکام کے ضمن میں ارشاد فرمایا گیا وَاذْکُرُوْہُ کَمَا ھَدٰکُمْ خدائے تعالیٰ کو یاد کرو (یاد کرنے کے طریقہ میں اپنی رائے کو دخل مت دو بلکہ) اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو (اللہ تعالیٰ) نے بتلا رکھا ہے ۔ (حضرت تھانوی قدس سرہٗ) ذکر اللہ اور عبادات میں آدمی خود مختار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح چاہے یاد کرے اور جس طرح چاہے اسکی عبادت کرے بلکہ ذکر اللہ اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں ان کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اسمیں کمی بیشی یا مقدم و موخر کرنا خواہ اسمیں ذکر اللہ کی کچھ زیادتی بھی ہو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ (معارف القرآن)

شیطان اور فرمایا کہ انسان خطاؤں کا پُتلا ہے۔ بشر کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس میں نیکی کے ساتھ ساتھ غلطیوں، خطاؤں اور گناہوں کی صلاحیت بھی ودیعت کی گئی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا" قسم ہے نفس کی اور اُس کی جس نے اسے قاعدے میں بنایا، اور اس کے دل میں گناہ اور تقویٰ دونوں کی باتیں ڈال دیں"

اس سے معلوم ہوا کہ بشر کو قاعدے کے مطابق ٹھیک بنانے ہی کا ایک حصّہ یہ ہے کہ اس میں گناہ اور تقویٰ دونوں کی صلاحیتیں رکھدی گئی ہیں۔ اگر اس میں صرف نیکی کی صلاحیت رکھی جاتی، گناہ کی نہ رکھی جاتی تو وہ بشر نہ ہوتا فرشتہ بن جاتا۔

دوسری طرف ان دونوں قسم کی صلاحیتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ محرکات بھی پیدا فرمائے۔ نیکی کے محرکات انسان کو عبادت وطاعت، فرمانبرداری اور خیر کے کاموں پر اُبھارتے ہیں۔ اور بدی کے محرکات بدی اور گناہوں کی طرف مائل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہیں اور ان کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ لہٰذا جس طرح نیکی کی صلاحیتوں اور ان کے پیدا کرنے میں حکمت ہے اسی طرح گناہ کی صلاحیتوں اور ان کے محرکات کی تخلیق بھی عین حکمت پر مبنی ہے۔ دونوں میں سے کوئی حکمت سے خالی نہیں۔

بدی کی صلاحیتوں اور اسکے محرکات کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ ان کے بغیر انسان کو "تقویٰ" کا مقامِ بلند حاصل نہیں ہوسکتا۔ جس شخص میں گناہ کی صلاحیت ہی نہ ہو اگر وہ گناہ نہ کرے تو اس میں اس کا کیا کمال ہے؟ جو شخص بھوک پیاس کی ضروریات سے مبرّا ہو اس کا روزہ بے معنیٰ ہے۔ جس شخص میں جنسی خواہش کی صلاحیت ہی نہ ہو۔ اس کے لئے عفت وعصمت نہ کوئی کمال ہے نہ وہ اس کے فضائل کا مستحق ہوسکتا ہے۔ بدی کے ان محرکات کا فائدہ یہ ہے کہ جب انسان ہمت سے کام لیکر ان محرکات پر قابو پاتا ہے اور نیکی کے محرکات کو ان پر غالب کرتا ہے تو اسکی زندگی

میں تقویٰ کی شمع روشن ہوتی ہے۔ اُسے تقویٰ کے فضائل اور اس کے انوار وبرکات حاصل ہوتے ہیں۔ اسی کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است
کہ ازو حمامِ تقویٰ روشن است

(دنیا کی شہوت اور خواہشات کی مثال خس وخاشاک جیسی ہے کہ انہیں سے تقویٰ کا حمام روشن ہوتا ہے)

پھر بدی کے محرکات کی تخلیق کی حکمت یہیں پر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ اس سے بھی آگے انکی ایک اور حکمت ہے جس کی طرف ذہن کم جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان بعض اوقات کوشش کے باوجود بدی اور گناہ کے محرکات کو مغلوب کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ اور اس سے بشری تقاضے کی بنا پر کسی غلطی یا گناہ کا صدور ہوجاتا ہے تو اگر دل میں ایمان ہے اور گناہ کو گناہ سمجھتا ہے تو اُسے ندامتِ قلب، شکستگی اور عاجزی کے ساتھ توبہ واستغفار کی توفیق ہوتی ہے جس کے نتیجے میں اسکے مقامِ عبدیت میں ترقی ہوتی ہے اور انجامِ کار وہ بندگی کا ایک اور زینہ چڑھ جاتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ گناہ کے ساتھ سرکشی اور سینہ زوری نہ ہو بلکہ گناہ کے گناہ ہونے کا احساس ہو اور اس پر ندامت موجود ہو۔

نتیجہ یہ ہے کہ ایسے بندے کو اگر گناہ سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے تو اسے تقویٰ کا مقام حاصل ہوتا ہے اور اسکے درجات بلند ہوتے ہیں۔ اور اگر بشری تقاضے سے کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو چونکہ وہ ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کرتا ہے تو اسکے ذریعے اسکی عبدیت کے مقام میں ترقی ہوتی، لہٰذا دونوں صورتوں میں اس کا فائدہ ہے اور گناہوں کی صلاحیت اور ان کے محرکات کی تخلیق اسکے لئے دونوں صورتوں میں بڑی حکمت پر مبنی ہے۔

بہرکیف! اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر "فجور" اور "تقویٰ" دونوں کی صلاحیتیں عین حکمت سے پیدا فرمائی ہیں۔ فجور کے محرکات میں سب سے بڑا محرک شیطان ہے۔ جس کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے ہوگئی تھی۔ یہ زہر اس لئے پیدا

کیا گیا تھا کہ انسان اس سے بچنے کا اہتمام کر کے "تقویٰ" کا مقام حاصل کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ سے یہ بعید تھا کہ وہ زہر پیدا فرمائیں اور اس کا تریاق نہ بتائیں اور اس تریاق کا عملی تجربہ نہ کرائیں۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیج کر انھیں خلافتِ ارضی کا منصب عطا کرنے سے پہلے جنت ہی میں اس زہر اور اس کے تریاق کا عملی تجربہ بھی کرایا گیا شیطان نے آپ کو بہکایا۔ اس سے آپ نادم اور پریشان ہوئے تو آپ کو استغفار کے وہ کلمات سکھائے گئے جو اس زہر کا تریاق تھے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ "پس آدم (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرمادیا"

یہ کلمات کیا تھے؟ قرآن کریم میں دوسری جگہ بتائے گئے ہیں:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (ان دونوں (آدم و حوا علیہما السلام) نے کہا کہ اے ہمارے پرور... ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے)

یہ تھا اس زہر کا تریاق۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ اور رحمتِ کاملہ سے ح... آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی نظری اور عملی دونوں طرح یہ بتا دیا کہ ... ساتھ یہ زہر بھی دنیا میں بھیجا جا رہا ہے، یہ تمھیں قدم قدم پر ڈسنے کی کوشش کر... اوّل تو رجوع الی اللہ اور ہماری عطا کی ہوئی ہمت سے اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ لیکن اگر کبھی یہ شیطان تمھیں ڈس ہی لے تو فوراً استغفار اور توبہ کا تر... استعمال کرلو۔ اس سے نہ صرف یہ کہ زہر کے اثرات فوراً زائل ہو جائیں گے۔ بَ... مقامِ عبدیت میں ترقی ہوگی۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو شروع ہی سے حضرت آدم علیہ

کو خلافت ارضی کیلئے پیدا فرمایا تھا اور تخلیق سے پہلے ہی فرمایا تھا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً. لیکن تخلیق کے فوراً بعد انھیں زمین پر نہیں بھیجا، گویا خلافت فی الارض کا منصب اس وقت تک عطا نہیں فرمایا جبتک انھیں لغزش کے نتیجے میں استغفار کی تلقین نہیں فرمادی. جب لغزش اور توبہ کے مراحل انہوں نے طے کر لئے تب خلافت فی الارض کی خلعت پہنا کر دنیا میں بھیجا گیا.

لہٰذا توبہ اور استغفار درحقیقت انسان کو عبدیت کے مقام تک پہنچاتے ہیں ان سے نہ صرف گناہ معاف ہوتے ہیں، بلکہ درجات بھی بڑھتے ہیں، اس لئے جب کبھی عملی زندگی میں کوئی لغزش، کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہوجائے تو صاحب ایمان کا کام یہ ہے کہ وہ فوراً توبہ واستغفار کی طرف متوجہ ہو. اور اس طرح اس زہر کا تریاق کرے یہ شر کے محرکات سے بچنے اور ان کے اثرات سے محفوظ رہنے کا انتہائی آسان نسخہ ہے بس عادت ڈالنے کی ضرورت ہے خاص طور پر ہر مسلمان کو چاہئے ہر روز رات کو سونے سے پہلے چند منٹ خاموشی سے بیٹھ کر اپنے دن بھر کے اعمال کا جائزہ لے. ان میں جہاں جہاں غلطی اور لغزش ہو اس پر توبہ واستغفار کرے. پھر دیکھئے کیا سے کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی توفیق کامل مرحمت فرمائیں. آمین ثم آمین.

شیطان کی حدود اختیار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو عین حکمت سے انسان کی آزمائش کے لئے پیدا تو فرمایا ہے. لیکن لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ اُسے اتنی زیادہ طاقت دی گئی ہے کہ جس کا مقابلہ انسان کی طاقت سے باہر ہو. حقیقت اس کے برعکس یہ ہے کہ ایک صاحب ایمان کی قوتِ ایمانی شیطان کی طاقت کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:- اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا (بلاشبہ شیطان کا مکر کمزور ہے)

لہٰذا اس کمزور مکر سے ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہاں اس سے بچنے کے لئے صحیح تدبیر کی ضرورت ہے. اور یہ تدبیر بھی ہمیں قرآن وسنّت ہی نے بتادی ہے سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ شیطان کو شیطان بنانے والی چیز اس کا تکبر، اسکی رعونت اور اسکی سرکشی ہے. لہٰذا اس کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی، شکستگی

فرمائیگی اور خود سپردگی ہی سے کیا جا سکتا ہے جس کا دوسرا نام عبدیت ہے، اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبدیت اختیار کرے گا جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اپنی "انانیت" کو مٹا کر ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ سمجھے گا اور اپنی ہر مشکل میں انہی کو پکارے گا، اس پر شیطان کا کوئی جادو نہیں چل سکتا، خود اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمادیا تھا کہ:-

اِنَّ عِبَادِی لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ (بلاشبہ میرے "بندوں" پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہیں)

لہٰذا جو شخص واقعی اللہ کا بندہ بن جائے گا وہ شیطان کی حدود اختیار سے باہر ہے۔ شیطان خود بھی اس حقیقت کو جانتا ہے۔ چنانچہ اپنی بہکانے پھسلانے کی طاقت کے حوالے سے اس نے بڑی ڈینگیں ماریں اور کہا کہ میں ان سب کو بہکا کر گمراہ کرونگا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ:- اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ "مگر ان میں سے جو تیرے خالص کئے ہوئے بندے ہیں" (انھیں نہ بہکا سکوں گا)

معلوم ہوا کہ شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان مقامِ عبدیت کو اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا سرِ نیاز خم کرکے اُس کے ساتھ عبدیت کے رشتے کو مضبوط بنائے۔ اسی کی طرف رجوع اور انابت کی عادت ڈالے، تو شیطان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

(جاری)

تلافیٔ مافات

فرمایا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اور استغفر اللہ سے شیطان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ شیطان نے ایمان کو نقصان پہنچایا اسکی تلافی لا الٰہ الا اللہ سے ہوگئی ہے پھر اسنے اعمال کو نقصان پہنچایا اس کی تلافی استغفر اللہ سے ہوگئی۔

بزرگوں سے تعلق

فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہمیشہ اپنے بڑوں سے وابستہ رہے اور اپنے کو کبھی مستقل بالذات نہ سمجھے۔ جو اپنے کو مستقل بالذات سمجھتا ہے وہ مستقل بدذات ہوجاتا ہے۔

(افاداتِ عارفیہ)

صلاحِ منزل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد! اس وقت ایک ضروری مضمون بیان کرنا چاہتا ہوں غور سے سنیئے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! جیسا مصیبت میں تم کو صبر اور رضا کا حکم کیا گیا ہے تاکہ وہ مانع عن الآخرۃ نہو (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ یعنی اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ کفر آخرت کی فلاح "وکامیابی" سے کلیۃً مانع ہے اسی طرح مصیبت میں یا نعمت میں مشغول ہو کر خدا کے احکام میں کوتاہی کرنا بھی ایک درجہ میں فلاح آخرت سے مانع ہے۔ پس مصیبت میں تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ کوئی مصیبت بدون خدا کے حکم کے نہیں آتی۔ اور یہ سمجھ کر صبر اور رضا اختیار کرنا چاہیئے اور جو شخص اللہ پر پورا ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے قلب کو صبر اور رضا کی راہ دکھا دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے کہ کس نے صبر اور رضا اختیار کیا اور کس نے نہیں کیا اور ہر ایک کو حسب حکمت جزا اور سزا دیتا ہے، وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر امر میں جس میں مصائب بھی داخل ہیں اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم اطاعت سے اعراض کرو گے تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہونچا دینا ہے بس۔ الغرض جس طرح تم کو مصائب میں صبر کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ آخرت سے مانع نہ ہو) اسی طرح نعمت کے بارے میں تم کو عدم انہماک (بہت زیادہ مشغول نہ ہونے کا) کا حکم کیا جاتا ہے تاکہ وہ بھی آخرت سے مانع

نہ ہو۔ مصیبت کے بارے میں تو اوپر کہا جا چکا۔ اب نعمت کے بارے میں یوں سمجھنا چاہئے کہ تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہارے دین کی دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کردو اور درگذر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالے بخشنے والا اور رحم کرنیوالا ہے۔

صاحب روح المعانی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے شوہروں سے عداوت رکھتی ہیں اور ان کیساتھ دھوکے کا معاملہ کرتی ہیں اسی طرح سے بعض اولاد ایسی ہوتی ہے جو باپ کی پوری دشمن ہوتی ہے جن کی وجہ سے والدین کو مصائب اور ایذا کے تلخ گھونٹ پینے پڑتے ہیں چنانچہ میں نے ایسی عورتوں کو دیکھا ہے جنھوں نے اپنے شوہروں کو قتل کر دیا ہے اور بعضوں نے تو کھانے میں کوئی چیز ملا کر اسکی عقل ہی کو فاسد" اور خراب" کر دیا ہے اور بعض عورتیں ایسی بھی دیکھنے میں آئی ہیں جنھوں نے اپنے شوہر کی عزت کا شیشہ چور چور کرکے رکھ دیا ہے اور ان کی آبرو خاک میں ملا کر رکھ دی۔ اور بعض ایسی ہوئی ہیں جنھوں نے اس کے مال کی تھیلی کو چاک کرکے رکھ دیا۔ اسی طرح سے اولاد۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ فَاحْذَرُوْهُمْ یعنی ان سے احتیاط رکھو اور ان کے شر اور چالبازیوں سے مامون "اور مطمئن" نہ رہو۔ ظاہر ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو صحابہ کو اپنی ازواج و اولاد پر جن کے متعلق یہ شبہ ہوتا ہوگا کہ شاید یہ بھی اسی قبیل کی ہیں کتنا غصہ آیا ہوگا چنانچہ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ الخ ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلام لائے اور ارادہ کیا کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوں لیکن ان کے بال بچوں نے انھیں آنے نہ دیا۔ پھر جب کچھ دنوں کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ دوسرے لوگ علم دین میں کہیں آگے بڑھ گئے ہیں اب انھیں بہت غصہ آیا اور یہ ارادہ کیا کہ انھیں سزا دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ یعنی اگر تم معاف کر

یعنی ان گناہوں کو جو قابلِ معافی ہیں بایں طور کہ امورِ دنیا سے متعلق ہوں یا امور دین ہی سے متعلق ہوں لیکن توبہ سے مقارن (اور متصل) ہوں تو ان کو معاف کردو یعنی ان کو کوئی سزا نہ دو اور درگذر کر جاؤ یعنی ان کو ملامت بھی نہ کرو اور نہ عار دلاؤ اور بخش دو یعنی ان کی ستر پوشی کرو اور اُن کے عیب کو کسی پر ظاہر مت کرو تو یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں صاحب روح المعانی نے کسی کا قول نقل کیا ہے کہ بیوی بچوں کی عداوت یہ ہے کہ وہ انسان کے لئے اسکی طاعات اور ان امور میں جو آخرت میں نافع ہیں روڑا اور رکاوٹ بن جاتے ہیں اور کبھی اسے مجبور کرتے ہیں کہ وہ کسب حرام اور اکتساب آثام کرے اور ان کو آرام پہنچائے (یعنی حرام آمدنی کر کے اپنے اوپر گناہوں کا بوجھ لادے اور ان کے عیش و عشرت کے اسباب مہیا کرے) جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ میری امت میں ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسمیں انسان کی ہلاکت اسکی زوجہ اور اسکی اولاد کے ہاتھوں ہوگی یعنی یہ دونوں اسے فقر پر عار دلائیں گے جس کی بنا پر وہ بری سواری پر (یعنی کسبِ حرام پر) سوار ہوگا اور ہلاک ہوگا یا بعض لوگوں کو بیوی بچوں کی محبت اور شفقت اس بات پر ابھارے گی کہ یہ لوگ میری زندگی میں بھی اور میرے بعد بھی عیش کی زندگی بسر کریں اسلئے وہ محذورات اور ممنوعات کا ارتکاب کرے گا تاکہ وہ لوگ عیش کی زندگی بسر سکیں اور اس طرح ہلاک ہوگا اگرچہ ان کا مطالبہ اس سے مال کا نہ بھی رہا ہو۔ بہرحال بیوی بچوں کی اس قسم کی عداوت کی وجہ سے ایک دین دار کو اگر غصہ آجائے تو کچھ بیجا نہیں اور جتنی بھی تکلیف ہو کم ہے جیسا صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ جس شخص پر تم احسان کرو پھر اس کی جانب سے اگر ایذا رصادر ہو تو وہ نہایت ہی تکلیف دہ ہوتی ہے اور انتقام پر بہت زیادہ ابھارنے والی ہوتی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے بھی انکی سفارش فرمائی اور نہایت مؤکد عنوان" اور پر زور انداز" سے فرمائی اور وہ یہ کہ یہ لوگ تمھارے دشمن بھی ہوسکتے ہیں اور اس خبر دینے سے مقصود یہ ہے کہ تم ان سے ہشیار رہنا غافل نہ ہونا باقی ہمارا یہ مقصد نہیں کہ ہم تمھارے یہاں خانہ جنگی پیدا

کردیں نہیں بلکہ ان سے اگر کوئی خطا اور لغزش ہو جائے تو ان کو معاف کردینا اور درگذر کردینا اور بخش دینا۔ تمھارے اس احسان کا اور اخلاق کا ان پر اچھا اثر پڑے گا اور وہ تمھارے موافق ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے تو اس کی معیشت درست کرنے کے لئے قرآن بھیجا۔ رسول بھیجے اور جملہ آدابِ معاشرت (زندگانی)[۱] تعلیم فرمائے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ چنانچہ اس آیت میں ایک ادب یہ تعلیم فرمایا کہ غصہ کے مواقع پر اصلاح کا تقاضا یہ ہے کہ لین اور نرمی اختیار کیجائے عفو و درگذر سے کام لیا جائے اور تشدد" اور سخت گیری کو" ترک کیا جائے غصہ میں بے اختیار نہ ہوا جائے بلکہ غصہ کو اپنے قابو میں رکھے اور اس کو اپنے اوپر حاکم نہ ہونے دے بلکہ اپنے کو اسکے اوپر حاکم بنائے۔

میں آپ سے کہتا ہوں اور تجربہ کے بعد بصیرت سے کہتا ہوں کہ اصلاح کے باب میں جس قدر مفید نرمی کو پایا اتنا مفید سختی کو نہیں پایا بعض لوگوں کے متعلق سمجھتا تھا کہ ان کو نفع نہ ہوگا اور اسکی اصلاح نہ ہوگی۔ زجر و تنبیہ مواخذہ سب کچھ کرکے دیکھا اور اس کے بعد لین اور نرمی بھی برت کر دیکھا دونوں حالتوں میں زمین و آسمان کا فرق پایا۔ حضرت مولاناؒ سے کوئی کہتا کہ معاف فرما دیجئے تو فرماتے میں سزا تھوڑا ہی دے رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ انھیں معاف کردو تو اس کا یہ مطلب ہے کہ انھیں سزا نہ دو۔ انسان ہیں خطا تو سرزد ہو ہی گئی پس تم معاف کردو اور درگذر کردو اگر تشدد اور سختی" سے کام لوگے تو تمھارا گھر تباہ ہو جائے گا۔

یہ اصلاحِ اولاد کا خدائی طریقہ ہے اب چاہے اس پر عمل کرو یا جو جی چاہے کرو۔ لوگ غصہ جو کرتے ہیں تو جانتے ہو کہ اسکی وجہ کیا ہے۔ غصہ کرنے والے کو غصہ میں ایک لذت آتی ہے بالکل ایسی ہی لذت جیسی مرچوں کے کھانے میں آتی ہے کہ آدمی تکلیف بھی محسوس کرتا ہے اور کھائے بھی جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے گھروں کو کیسا تباہی سے بچا لیا کیوں کہ

---

[۱] یعنی آپس کے تعلقات اور رہنے سہنے کے طور و طریقے

دیکھتا ہوں کہ آج ایک دنیا اس کا شکار ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں کی حرکت سبب ایذا بھی بہت بنتی ہے اللہ تعالیٰ پر تو نفوس کے حالات مخفی نہیں ہیں اس لئے چونکہ خود رحیم و کریم ہیں لہٰذا بندوں کو بھی یہ حکم دیا کہ تمہارے اہل و عیال اگر تمہاری نافرمانی کریں اور تم کو ایذا پہونچائیں تو یہ نہ سمجھنا کہ انھوں نے صرف تمہارا قصور کیا ہے نہیں بلکہ ہماری بھی نافرمانی کی ہے اور ہمارے حکم کے خلاف اقدام کیا ہے اس لئے غصہ تو ہمیں بھی ہے مگر تمہاری ہی مصلحت سے تم سے یہ کہتے ہیں کہ انھیں معاف کردو اور تم سے معافی کی سفارش کرتے ہیں ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی جانب سے یہ سفارش سُن کر مومن تو بالکل پانی ہی پانی ہوجائے گا اور یہ خیال کرکے کہ حق تعالیٰ یہ سفارش فرمارہے ہیں جن کے ہم بھی مجرم ہیں اور ہماری خواہش ان سے یہی ہے کہ وہ ہماری خطا و رغلطیوں کو معاف فرمادیں پس اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اب حق تعالیٰ کے ان ارشادات کے بعد ہمارے سب جذبات ختم اور ان کا حکم سب پر غالب ہے۔ سبحان اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کے عفو و رحمت کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے اور آداب معاشرت کا غایت اعتدال کہ مومن کو مظلوم بھی نہیں ہونے دیا اور ظالم ہونے سے بھی بچالیا اور ایک یہی کیا اس جہاں کا سارا کاروبار عفو و رحمت پر ہی ہے چنانچہ اس قدر موکد" اور پرزور" سفارش کے بعد بات کو ختم اس پر کیا اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والے اور رحم فرمانیوالے ہیں) مطلب یہ کہ کسی محکوم کے ساتھ معاملہ کرنے میں اس کا بھی لحاظ ضروری ہے کہ تم بھی کسی کے محکوم ہو اگر آج یہاں دنیا میں عفو۔ صفح اور مغفرت" یعنی درگذر اور بخشش" کا معاملہ نہیں کروگے تو کل کو وہاں پکڑا جاؤگے کیونکہ جس طرح سے یہ تمہارے مجرم ہیں اسی طرح سے تم بھی کسی کے مجرم ہو لہٰذا سوچ لو کہ وہاں کیا ہوگا۔

حضرت مولانا نے بیان القرآن میں اس آیت کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ اس میں ترغیب ہے عفو کی اور یہ بعض اوقات واجب ہے جبکہ عقوبت" اور سزا" سے احتمال غالب بیباکی کا ہو اور بعض اوقات مندوب مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان

علماء کو کہ ان حضرات نے کتاب وسنت سے مسائل مستنبط فرما کر ہمارے سامنے بیان فرما دیئے۔ دیکھئے! اپنے بال بچوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے اسکے متعلق کوئی تفصیل آپنے شاید ہی سُنی ہو۔ اور سُنا اس لئے نہیں کہ کوئی آپ سے ان سب باتوں کو بیان نہیں کرتا۔ جس کی وجہ سے لوگ افراط وتفریط میں مبتلا ہو جاتے ہیں یعنی یا تو محبت و پیار میں اس حد تک پہونچ جائیں گے کہ انکی کسی بے عنوانی پر کوئی التفات "وتوجہ" نہ کریں گے اور یا غصہ کو اپنے اوپر ایسا مسلط کرلیں گے کہ جس کی وجہ سے اپنے گھر کو بالکل فاسد" اور تباہ" کرلیں گے میں نے خود ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ گھر میں داخل ہوئے نہیں کہ توڑ پھوڑ شروع کر دی۔ کوئی بات مزاج کے خلاف ہوئی اور بس روٹی کی ڈلیا ادھر پھینک دی دال کی ہانڈی اُدھر الٹ دی برتن ادھر اُدھر پھینک دیئے یہ سب کر کرا کے گھر سے باہر۔ اب آپ خود خیال فرمایئے کہ جس گھر کا یہ نقشہ ہو وہاں چین وسکون کہاں۔ ایک صاحب وطن میں مجھ سے کہنے لگے کہ غصہ تو حرام ہے نا۔ میں سمجھ گیا۔ میں نے کہا کہ ہاں حرام ہے۔ لیکن یہ جو رات دن ہم سنتے ہیں کہ تیری ماں اور تیری بہن یہ کیا ہے؟ دیہاتی شخص تھا سمجھ گیا کہا بات سمجھ میں آگئی۔ خود تو یہ لوگ رات دن حرام غصہ میں مبتلا ہیں اور چلے ہیں ہم کو مسئلہ بتانے۔ اگر کوئی شخص خدا کیلئے غصہ کرتا ہے تو یہ سب کے سب اسی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ میں نے ایک دفعہ وطن میں کہا کہ طبیعت نہیں مانتی اس لئے قرآن وحدیث پڑھ دیتے ہیں اگر نہیں مانو گے تو تم سے کچھ نہ کہیں گے اور تمھاری بدحالی کا تماشہ دیکھیں گے چنانچہ دیکھتا ہوں کہ وہی لوگ جو ہم لوگوں کو وعظ کہتے تھے آپس میں خوب گتھم گتھا" اور "گڈ مڈ" ہیں۔

ہر غصہ حرام نہیں ہوتا بلکہ جو غصہ نفس کے لئے ہو وہ حرام ہے اور جو خدا کے لئے ہو اور اپنے نفس پر اسکی اصلاح کیلئے ہو وہ حرام نہیں واجب ہے اس میں شک نہیں کہ اخلاق رذیلہ میں جتنا مضر غصہ ہے اتنا کوئی اور رذیلہ نہیں۔ چنانچہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ آج دنیا میں اسی کی عمل داری" اور حکومت" ہے جس کو دیکھو وہ غصہ کا شکار ہے ذرا ذرا سے بچے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ غصہ کے پتلے ہیں بیٹا باپ پر غصہ کرتا ہے، بیوی شوہر پر

غصہ کرتی ہے، رعایا بادشاہ پر غصہ کرتی ہے غرضیکہ جسے تابع اور ماتحت ہونا چاہئے وہ غصہ کی وجہ سے حاکم بنا ہوا ہے اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ بڑا بننا بہت آسان ہے۔ بس غصہ کرو اور بڑے ہو جاؤ۔

اور یہ جو میں نے کہا کہ غصہ کی عملداری ہے تو اس پر ایک واقعہ سنئے:۔

ایک مولوی صاحب ایک اسٹیشن ماسٹر کے یہاں مہمان ہوئے جب کھانا سامنے آیا تو ان مولوی صاحب نے کہا کہ بھئی چپاتیاں تو بہت نفیس ہیں اس نے ایک کھونٹی پر لٹکے ہوئے ایک کوڑے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مولانا یہ اس کی برکت ہے مولوی صاحب سمجھ تو گئے لیکن اس سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے اس نے کہا کہ میں نے اپنے گھر میں اسی کوڑے سے مار مار کر اسے چپاتی پکانی سکھائی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ مولوی صاحب دسترخوان پر سے کود کر باہر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ تو ظالم شخص ہے میں تیرا کھانا نہیں کھاؤں گا اس نے بہت لجاجت سے درخواست کی کہ آخر کوئی صورت معافی کی ہے انھوں نے کہا کہ ہاں ایک صورت ہے جاؤ بیوی سے معافی مانگو وہ معاف کردے اور تم وعدہ کرو کہ اب اس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ روا نہ رکھو گے تب تمھارا کھانا کھا سکتا ہوں اور میں پھر جب ادھر سے گذروں گا تو تمھارا حال دریافت کرونگا چنانچہ اس نے بیوی سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ اب ایسا نہ کریں گے تب مولوی صاحب نے کھانا کھایا۔ اس عورت نے مولوی صاحب کو کتنی دعائیں دی ہونگی کہ اس کے شوہر کے ظلم اور غصہ کی تھوڑی سی دیر میں اصلاح کردی۔

بہرحال آج لوگوں کی انھیں بداخلاقیوں کی وجہ سے گھر دوزخ کا نمونہ ہو رہا ہے۔ بازار فاسد ہو دفتر اور کچہری فاسد ہو آدمی وہاں ضیق تنگی اور گھٹن محسوس کرے اور گھر درست ہو تو یہیں آکر سکون حاصل کرے لیکن جب یہاں کا بھی یہ حال ہو تو پھر انسان کہاں جائے اور کیا کرے ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے صلاحِ منزل کی تدابیر بیان فرمائیں چنانچہ منجملہ ان کے ایک یہی ترکِ غضب یعنی غصہ کا چھوڑنا" اور گھر والوں کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ کرنا ہے چنانچہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا اَذًى. یعنی کلام جمیل مثلاً سائل کو کوئی اچھی بات کہہ کر واپس کرنا اور مغفرت یعنی اس سے معافی مانگ لینا یہ بہتر ہے اس صدقہ سے یعنی دینے سے کہ جس کے بعد احسان جتانا پایا جائے کیونکہ اس سے بہت ایذا ہوتی ہے اور لوگوں کے اندر یہ چیز بہت ہوتی ہے کہ مال بھی خرچ کرتے ہیں اور ایسی چیز شامل کر دیتے ہیں کہ جو انفاقِ مال کے ثواب کو باطل کر دیتی ہے۔ آج ان چیزوں کے سمجھنے کی ضرورت ہے اور اس کے بیان کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ (وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.)

ملفوظات حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ

فرمایا کہ ایک صاحب نے کہا کہ میرے اندر غصہ بہت ہے مگر غصہ کے بعد ندامت ہوتی ہے میں نے لکھا کہ غصہ کے وقت کیا ہوتا ہے یعنی غصہ کے بعد تو ندامت ہوتی ہے غصہ کے وقت کیوں نہیں سنبھلتے اور کیوں نہیں غور کرتے کہ کدھر بہک رہا ہوں۔ اور میں نے لکھا کہ غصہ کے بعد ندامت! یہ تو غصہ کی دنیوی سزا ہے اور اخروی تو کیا کچھ ہوگی؟ آجکل جتنے جھگڑے ہوتے ہیں سب غصہ ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ جتنی طلاقیں ہوتی ہیں سب غصہ کی وجہ سے۔ بعد میں پچھتاتے ہیں۔

فرمایا اس زمانے میں عوام و خواص سب نے مل کر متفقہ طور پر اخلاق کو پسِ پشت ڈال دیا ہے حتیٰ کہ صوفیوں نے بھی کیونکہ اب تصوف نام رہ گیا ہے صرف کیفیات و احوال کا۔ لیکن یہ بات بھی کتنی عجیب ہے کہ آج ہر شخص کا مطالبہ جو دوسرے شخص سے ہے وہ اخلاق ہی کا ہے ہر ایک دوسرے کے اخلاق کا شاکی ہے اور اپنے اخلاق پر نظر نہیں۔

مکتوب نمبر ۸۱۰

حال :- ہر دو والانامہ جات موصول ہوئے جس سے خیریت معلوم ہوئی اور بحمداللہ بڑا اطمینان ہوا۔ تحقیق :- الحمدللہ۔ حال :- ڈاکٹر صاحب کے جانے بعد سے اہلیہ کی طبیعت اچھی رہی۔ تحقیق :- الحمدللہ۔

حال :- دوا اور پرہیز جاری ہے۔ البتہ کل نو بجے رات کو ہلکی خلش درد کی محسوس ہوئی سفوف مجوزہ کی تین خوراک کھائیں اس کے بعد نیند آگئی۔ نیند میں بھی درد کی کھٹک ۱۲ بجے شب تک محسوس کی اسکے بعد بحمداللہ درد جاتا رہا۔

تحقیق :- الحمدللہ۔ حال :- ان کی صحتِ کاملہ و مستمرہ کے لئے حضرت والا سے دعا کی استدعا ہے۔ تحقیق :- دعا کرتا ہوں۔

حال :- مکرمی حکیم...... صاحب سے ابھی حضرت کا سلام کہا تو خوشی سے اچھل پڑے۔ تحقیق :- الحمدللہ۔ حال :- فرمایا کہ بھائی میں نے حضرت کی کتاب وصیۃ الاحسان، تلاش مرشد اور جنت مرسلۂ مولانا قاری محمد مبین صاحب کئی بار پڑھا اور بار بار زیر مطالعہ ہیں۔ تحقیق :- الحمدللہ۔

حال :- اور مجھے بہت فائدہ ہوا۔ تحقیق :- الحمدللہ۔ حال :- اور حضرت سے ایک گونہ قرب حاصل ہو رہا ہے۔ تحقیق :- الحمدللہ۔

حال :- اور تلاش مرشد کے سلسلہ میں جو دعا اس میں لکھا ہے اسکو مانگ رہا ہوں۔

تحقیق :- الحمدللہ۔ حال :- اور یہ کہ حضرت قبلہ کو ان کے شیخ و مرشدؒ کا کامل ظِل اور پرتو پاتا ہوں۔ تحقیق :- الحمدللہ علیٰ احسانہٖ۔ حال :- حضرت میں شفقت علی الخلق بہت معلوم ہوتی ہے۔ اور نیز یہ کہ زمانۂ حال کے امراض پر پورا عبور اور نظر ہے۔ تحقیق :- الحمدللہ۔ حال :- اور قرآن وحدیث و مثنوی رومیؒ پر بہت عبور اور درک ہے۔ فرماتے تھے کہ لوگ میرے پاس دعا کیلئے آتے ہیں تو حضرت کا نام لے کر کہتا ہوں کہ وہاں جاؤ یہ بھی فرمایا کہ میں انشاءاللہ آج یا کل تک حضرت والا کو عریضہ لکھوں گا اور فرمایا کہ میرے لئے فلاح

کی دعا اور عافیت کی دعا کے لئے لکھ دو۔ **تحقیق**:۔ بہت دل سے دعا کرتا ہوں۔ **حال**:۔ کیونکہ بوڑھا ہو گیا ہوں اور سہار مصائب کے برداشت کی نہیں ہے۔ آخر میں فرمایا کہ حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء بہت دیکھے ہیں لیکن حضرت مولانا چیزے دیگر اند (یعنی دوسرے ہی کچھ ہیں) **تحقیق**:۔ میرے لئے بہت بڑی سعادت ہے کہ صلحاء کے قلوب مجھ سے عقیدت رکھتے ہیں۔ **حال**:۔ حکیم صاحب نے بڑی دیر تک حضور والا کے متعلق گفتگو کی اور حقیر خادم کے جذبۂ محبت کیلئے خوب خوب تازیانہ کا کام کیا۔ حقیر خادم تو اب حضرت والا کی دید ہی سے سب کچھ پا لیتا ہے اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔ کمترین کیلئے عافیت وسکون قلب کی دعا فرمائیں **تحقیق**:۔ دعا کرتا ہوں۔ **حال**:۔ بندۂ حقیر کا دل بھی ناسازگار حالات سے دوچار ہونے کے بعد سے بالکل گل اور پگھل چکا ہے۔ حضرت والا کی نظر اور توجہ کی ضرورت ہے کہ سکون حاصل ہو اور رب العزت کیساتھ حضورِ دوام پیدا ہو جائے دل کو بھی دماغ کو زبان کو بھی۔ اور محبت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کیساتھ پیدا ہو جائے کہ اسکے علاوہ کسی اور سے اتنا تعلق باقی نہ رہ جائے اور اتباع سنت رسولؐ حاصل ہو۔ **تحقیق**:۔ آمین۔
حال:۔ اور قرآن پاک سے مناسبت تام حاصل ہو۔ **تحقیق**:۔ آمین۔

مکتوب نمبر ۸۱۱

عزیزی سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ـــــ میں آپ سے ایک بات دریافت کرتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو مجھ سے اعتقاد حاصل ہو گیا یا کچھ کسر باقی ہے۔ دوسرے یہ کہ طریق سے مناسبت کسقدر ہوئی۔ یہ میں کسی وجہ سے لکھ رہا ہوں آپ کو کسی تہمت کی وجہ سے نہیں لکھ رہا ہوں۔ والسلام (وصی اللہ عفی عنہ)

حال:۔ سیدی وسندی حضرت والا دامت برکاتہم وفیوضہم۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ـــــ گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ

حضرت والا نے عقیدت کاملہ و طریق سے مناسبت کے متعلق دریافت فرمایا ہے جو کہ اس راہ کی بہت ہی اہم اور بنیادی چیز ہے۔

عقیدت کے متعلق تو جرأت کر دوں تو کر سکتا ہوں کہ حضرت والا سے عقیدت ہے اگر حضرت والا سے عقیدت نہ ہوگی تو کس سے ہوگی۔ اور اگر اپنے اندر اتنی قوتِ فکریہ و علمیہ نہیں ہے کہ حضرت والا کے درجات عالیہ کو سمجھ سکوں مگر ذی استعداد و ذی رائے لوگوں اور علماء و فضلاء کے رجوعات سمجھنے کے لئے کافی ہیں

بدفہم سے بدفہم انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ اور عقیدت مند ہو سکتا ہے۔

تحقیق :- یہ بہت سمجھ کی بات لکھی یہی بہت بڑی دلیل ہے ایسے شخص کے حق پر ہونے کی۔ اللہ تمھیں فہم کامل عطا فرمائے۔ آمین۔

حال :- اب رہا طریق سے مناسبت تو نہ تو میری ماں ہی عالمہ اور نہ ہی میرے باپ دادا عالم و فاضل۔ ایک کسان گھر کا رہنے والا اور ان کی بود و باش ہر رگ و پے میں اور گھٹی میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ ذہن و دماغ بھی انھیں لوگوں کا اور ہمت و حوصلہ بھی وہی۔ تحقیق :- یہ حقیقت ہے ہر آدمی ابتدا میں ایسا ہی پیدا ہوا ہے اس کا استحضار لازم ہے اور یہ تواضع بھی ہے کہ اپنی حقیقت پیش نظر رہے میں بھی تو پہلے ایسا ہی تھا کسی کی برکت پہونچی ہے۔ حال :- یہ تو حضرت والا کے طفیل میں اور حضرت والا کی توجہ خاص کی بدولت الف۔ با پہچاننے لگا۔ تحقیق :- الحمدللہ۔

حال :- اور کچھ انسانی زندگی بسر کرنے کا خاکہ ذہن میں آگیا ہے کہ۔

تحقیق :- یہی دریافت کرنا چاہتا تھا الحمدللہ کہ زندگی بسر کرنے کا خاکہ ذہن میں آگیا ہے ذہن خالی نہیں ہے جس نے اتنا دیا ہے اور دے سکتا ہے۔

حال :- اس طرح انسان کو ایک انسان کے ساتھ باہم رہنا سہنا چاہیئے۔

تحقیق :- اخلاق کا اعلیٰ درجہ یہی ہے یعنی انسانیت۔

حال :۔ اور پنجوقتہ نماز کی ادائیگی کا خیال کہ وقت مقررہ پر اچھی طرح ادا کرنا چاہیئے۔ **تحقیق** :۔ اس سے زیادہ اہم دین میں اور کوئی چیز نہیں۔

حال :۔ ہمارے جیسے جاہل و نااہل کیلئے حضرت والا کی توجہ کی برکت سے اسی پر زندگی گزر جائے کافی ہے۔ **تحقیق** :۔ بیشک کافی ہے۔

حال :۔ اور بہت بڑی کامیابی ہے۔ **تحقیق** :۔ بیشک کامیابی ہے۔

حال :۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کی توفیق عطا فرمائیں

تحقیق :۔ آمین۔ دل سے مزید توفیق کی دعا کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۸۱۲

حال :۔ الحمدللہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر اذکار میں لذت اور خوشی ملتی ہے، اللہ والوں کی صحبت پسند ہوتی ہے۔ دنیا اور دنیا داروں سے الجھن محسوس کرتا ہوں۔ ذکر کرنے اور ذکر سننے میں ہی کامیابی سمجھتا ہوں اور زندگی کا ماحصل سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دل سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ وہ زندگی نصیب کردے جو اللہ اور رسولؐ کو بیحد پسند ہے۔

یہاں کا ماحول کچھ ایسا ہے جس سے جی گھبراتا ہے۔ حضرت والا کثرت سے یاد پڑتے ہیں۔ اور حضرت والا کی محبت یاد پڑتی۔ ارادہ رمضان شریف میں حضرت والا سے ملنے کا کر رہا ہوں دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ وہ خوش نصیب گھڑی جلد میسر کردے۔ زیادہ وقت زندگی کا حضرت والا کی صحبت میں گزارنے کا جی چاہتا ہے اور حضرت والا سے کافی مستفیض ہونا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کا موقع نصیب فرما دے۔ مخصوص دعاؤں مین توجہ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ دلی مقصد پورا فرما دے۔ حضرت والا کی صحت وری کیلئے دست بدعا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو بخیر رکھیں جس جگہ مقیم ہوں۔

تحقیق :۔ حالات سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ معرفت عطا فرمائے اور وہ زندگی نصیب ہو جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو پسند ہو۔ ماحول سے نفرت جو پیدا ہوگئی ہے یہ ازبس ضروری ہے ورنہ اس کے ضرر سے آدمی بچ نہیں سکتا۔ رمضان شریف میں آنے کے لئے دعا کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۸۱۳

حال :۔ فی الوقت چونکہ میرے ذمہ کام زیادہ ہے اس لئے دلجمعی سے تو نہیں بلکہ سرسری ہی طور سے صرف دو کتاب دیکھتا ہوں تاہم کتابوں کو جب بھی کھولا ہوں اور نظر کیا ہوں تو تمام خیالات یکسو ہو کر مضمون ہی پر جمع ہو کر رہ گئے ہیں اور بیساختہ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ ہماری ۲۵ سالہ عمر میں بہت سے علماؤں اور چند صوفیاؤں کی مجلس میں شریک ہوا ہوں اور ان کی کتابوں کو دیکھا ہوں لیکن ایسی مقناطیسی مضمون نہ کسی کی کتاب میں پائی نہ کسی کے بیان میں ۔ پس ہم گمراہوں کے اصلاح کے لئے یہ مضمون اور یہ بیان بہت ہی کافی وافی ہے اور جتنی بھی اسکی قدر کی جائے کم ہے اللہ آپ جیسی ہستیوں کو ہم میں دیر تک قائم رکھے اور آپ کے نورانی فیض سے ہماری گناہوں کو جھاڑ دے ۔ آمین۔

تحقیق :۔ آپ نے خوب کتابوں کی قدر کی جَزَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

مکتوب نمبر ۸۱۴

حال :۔ حضرت والا مدظلہ العالی نے جو حدیث مشکوٰۃ شریف سے نقل فرمائی ہے اسکے مصداق وعید کے درجہ میں تو ہم ہی لوگ نظر آتے ہیں، دیکھ کر روح کانپ گئی جسم لرزہ براندام ہوگیا۔ بچپن کی نیت کا پتہ۔ سنِ شعور کی نیت یاد نہیں۔ ملازمت کے دور کو جس لفظ سے خواہ خدمتِ دین یا کسی

اور احسن تعبیر سے تعبیر کریں مگر نتیجہ میں معاملہ اجارہ ہی جیسا اور دنیوی ہو کر نظر آتا ہے اور نفس خواہ کوئی بھی تاویل کرے مگر اِدھر سے اُدھر سے بلکہ ہر ہی طرف سے مرکزِ نگاہ ثواب دنیا ہی نکلتا ہے اور بالکل متأکلین میں سے ہی ہو کر رہ جانا نظر آتا ہے اور وہ بھی نہایت ذلیل قسم کا متأکل۔

تحقیق :- اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ **حال** :- اور حضرت والا! اپنا حال تو اپنے نفس کی فریب کاریوں سے اتنا خراب ہو چکا نظر آتا ہے اور ایسے دلدل میں پھنسا ہوا ملتا ہے کہ خواہ کتنا ہی ہاتھ پیر مارے مگر اس سے نکلنا اپنی بس سے باہر نظر آتا ہے بجز فضل خداوندی اور حضرت اقدس مدظلہٗ العالی کی دعاؤں کے کوئی دوسرا سہارا و وسیلہ نہیں ملتا اور نہ مل سکتا ہے اور نہ ہے ہی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ بہ برکت دعا حضرت والا اپنے فضل و کرم سے متأکلین میں سے نکال کر متوکلین میں داخل فرمالیں۔

تحقیق :- آمین۔ **حال** :- حضرت والا احقر کے لئے دل سے اسکی دعا بھی فرمادی جائے۔ **تحقیق** :- دعا کرتا ہوں۔

حال :- ورنہ خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃَ کے سوا کوئی انجام نہیں۔ حضرت والا مدظلہٗ العالی کے اس ارشاد سے کہ (تم نے جو باتیں لکھی ہیں اس سے خوش ہوا) یہ بات ذہن میں آئی کہ ہماری باتیں خوش کُن ہیں نہ کہ ہم۔

تحقیق :- ہاں ہاں۔ **حال** :- حالانکہ اصل و صحیح چیز تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارا دل و حال ایسا ہو جائے کہ۔ **تحقیق** :- اور کیا۔

حال :- وہ باعثِ مسرت بن جائے کیونکہ باتیں تو منافقین کی بھی خوش کُن ہوتی ہیں۔ حضرت والا! دعا فرمادی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو حضرت والا مدظلہٗ العالی کے لئے قرۃ العین بنادیں۔ آمین۔ **تحقیق** :- آمین۔

یہ تحریر بھی گئی :- ان دنوں حضرت والا مدظلہٗ درس میں اور مجلس میں اکثر یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ہمارا کام کہاں سے بگڑا؟ اس سلسلہ میں فرمایا کہ

بزرگوں کے پاس آنے جانے والے بلکہ ان کے پاس رہنے والے جن سے توقع ہوتی ہے کہ یہ لوگ ان کی بات کو سمجھیں گے اور ان سے کچھ حاصل کریں گے۔ یہی لوگ توجہ نہیں کرتے اور بزرگوں سے کچھ سیکھتے نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جب لوگ کسی سے کچھ سیکھیں گے ہی نہیں تو کام ختم نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ اگر عالم ہوئے تو بس اپنے علم پر قناعت کئے رہتے ہیں اور پھر دوسرے کے بتائے ہوئے پر کان نہیں دھرتے۔ اخلاص بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے جو کام کرتے بھی ہیں وہ بالکل سرسری اور رسمی۔ چنانچہ دیکھتا ہوں کہ جس کام کو یہ لوگ کرتے ہیں اور جس کی روٹی کھاتے ہیں اسکو بھی سمجھتے نہیں۔ اس معاملہ میں بلکہ عوام الناس کو اہل علم سے زیادہ مخلص دیکھ رہا ہوں کہ جو کام ان کے کرنے کا ہے اسکو وہ اخلاص سے کرتے ہیں اور جو کام انکے کرنے کا ہے اس میں یہ مخلص نہیں الا ماشاءاللہ۔

مکتوب نمبر ۸۱۵

حال:۔ الہ آباد سے آنے کے دن سہ پہر کو درس میں جو کچھ حضرت والا نے ارشاد فرمایا تھا اسکی روشنی میں میں نے اپنے باطن کو ٹٹولا۔ **تحقیق**:۔ الحمدللہ

حال:۔ اور اس بات کا جائزہ لیا کہ کہیں میرے اندر نفاق تو نہیں ہے! الحمدللہ میں نے اسی کام کے یقین کو دل کی انتہائی گہرائیوں میں پایا۔ **تحقیق**:۔ کیا پایا

حال:۔ اور اسکی بہت سی باتیں دل کے اندر اترتی ہوئی محسوس کیں۔

تحقیق:۔ وہ کیا ہیں بتاؤ۔ **حال**:۔ حضرت والا! اگر میں ہی تنہا اس چیز کو پورے طور سے سمجھ سکوں اور اپنا لوں تو میں اللہ جل شانہٗ کی جو خصوصی نصرتیں اور تائیدیں اس دین محمدی کے ساتھ وابستہ رہی ہیں ان کا بھروسہ پر پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ **تحقیق**:۔ تائید کا کس کو انکار ہوسکتا ہے مگر یہ کہ ہر شخص مؤید من اللہ ہے یہ البتہ محل تامل ہے۔

حال :۔ کہ اس کو سارے عالم میں عام کرنے میں ذرا بھی کوتاہی نہ کروں گا اور پوری جد وجہد کروں گا۔ **تحقیق** :۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے اور بڑے بول سے بچائے۔

مکتوب نمبر ۱۶۸

حال :۔ الحمد للہ حضرت والا کے دعا و توجہ کے برکات سے بخیریت ہوں۔ **تحقیق** :۔ الحمد للہ۔ **حال** :۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ حضرت والا مع جملہ متعلقین بخیریت و عافیت ہوں گے۔ **تحقیق** :۔ الحمد للہ بخیریت ہوں۔ **حال** :۔ اللہ تعالیٰ سایۂ عاطفت آنمخدوم تا ابد دائم و قائم رکھیں۔ **تحقیق** :۔ آمین۔ **حال** :۔ کہ جن کے تعہدات قلبیہ سے یہ ناکارہ باوجود اپنی ناکارگی کے سکون کی زندگی گذار رہا ہے۔ **تحقیق** : الحمد للہ۔ **حال** :۔ ورنہ مجھ جیسا بلید و سیہ کار اس دور کی بادسموم کے ایک جھونکے میں ہلاک ہو جاتا۔ **تحقیق** :۔ سچ کہتے ہو۔ **حال** :۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت والا کا تصور خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری، یقظہ میں ہو یا منام میں، ضعیف و پژمردہ دل کیلئے قوت بخش اور بڑا ہی کیف آور ہے۔ **تحقیق** :۔ الحمد للہ۔ **حال** :۔ سیدی! اپنے ہی حال سے سمجھ میں آیا کہ ارشاد گرامی حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللهُ (انھیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے) میں رویت کا لفظ بہت عام ہے جو اپنی تمام قسموں کو شامل ہے۔ میرے آقا حضرت والا ہی کا فیض اور حضرت ہی کے توجہ کی برکت ہے کہ ادائیگی معمولات کیساتھ فکر آخرت بھی پیش نظر ہے۔ **تحقیق** :۔ الحمد للہ۔ **حال** :۔ ماہ مبارک عنقریب سایہ ڈالنے والا ہے اکثر اسکا خیال رہتا ہے اور فکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک مہینے کو اس سیہ کار کیلئے بھی سراپا خیر و برکت بنائیں۔ **تحقیق** :۔ آمین۔ **حال** :۔ حضرتا! بڑی ہی لجاجت اور بڑی ہی عاجزی سے دست بستہ درخواست ہے کہ اس ناکارہ کے صلاح و فلاح دارین کے لئے دعا فرمائیں۔ فقط والسلام۔ **تحقیق** : دعا کرتا ہوں۔

مردہ کی تجہیز وتکفین کے جلدی کرنے میں باطنی حکمت تو یہ ہے جو ابھی مذکور ہوئی اور جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بیان فرمایا۔ اور ظاہری حکمت یہ ہے کہ بدبو آنے سے پہلے اس کو ڈھانک دیا جائے اسکے عیب نہ کھلیں۔ اور لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ زندوں کا نفع اور مردہ کا بھی نفع۔

تدابیر نجات | یہاں سے ایک بات اور نکلتی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ساتھ اتنی شفقت ہے کہ اتنی بات بھی گوارا نہیں کہ ہمارے دماغ کو بدبو سے تکلیف پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جسم کو جہنم میں کیسے چھوڑیں گے۔ انشاء اللہ بہت کچھ امید ہے۔ ؎

نماند بعصیاں کسے در گرو　　که دارد چنیں سید پیش رو

(جو شخص ایسا سردار پیش رو رکھتا ہو وہ گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں نہ رہے گا۔)

اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ جہنم میں جانے نہ دیں گے جس سے ہم لوگ تکیہ کر بیٹھیں کہ بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سروں پر موجود ہیں فرشتوں کے ہاتھ سے ہم کو چھڑالیں گے اور عذاب نہ ہونے دیں گے، بلکہ اس کا اثر یہ ہے کہ آپ نے دوزخ میں جانے کے اسباب سے منع فرمایا ہے جیسے بدبو سے بچنے کی تدبیر بتا کر کہ جلدی دفن کرو مردہ کو سڑنے نہیں دیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ آپ حق تعالیٰ سے دعا کر دیتے کہ مسلمانوں کا مردہ سڑا نہ کرے مگر یہ نہیں ہوا، بلکہ تدابیر تعلیم فرمائیں جن کے ذریعہ سے سڑنے سے حفاظت رہے۔ اسی طرح وہ اعمال تعلیم فرمائے جن کے ذریعے دوزخ سے نجات رہے۔ ہر تعلیم سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ ایسی شفقت ہے جیسے باپ کو بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر موقع پر بیٹے کو وہی تدبیریں بتلاتا ہے جو اس کے نزدیک اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں اور ذرا سی بھی تکلیف بیٹے کی نہیں دیکھ سکتا۔ تو گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس نہیں ہیں مگر تدابیر نجات سب بتا گئے ہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت موجود نہیں، حالت حیات ہی کے ساتھ خاص تھی، نہیں بلکہ آپ کی شفقت سب کو عام ہے حاضرین کو بھی غائبین کو بھی۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ابتک ویسی ہی موجود ہیں اور قیامت تک رہینگی۔ یہ تو زندوں کا نفع بیان ہوا تعجیل تجہیز و تکفین میں۔ اور ایک فائدہ کا بھی بیان ہوا کہ اگر مقبول ہے تو جلدی اپنے ٹھکانے پہنچا دیا جائے گا۔ اور مردہ کا ایک نفع اور بھی ہے اور وہ ایک ذرا باریک بات ہے اسکے لئے اوّل ایک مقدمہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن اللہ (باجازت خداوندی) خبر دی ہے کہ مردہ کو ایصال ثواب صدقہ خیرات وغیرہ کا ہوسکتا ہے، اس طرح زندے مردہ کو فائدہ پہنچ سکتے ہیں۔ اور ایک دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ ارادہ ایصال ثواب کا جب ہوتا ہے جب مردہ سے محبت ہو اور مردہ میں تاخیر میں بدبو آجائے گی تو آپ کو اس سے اذیت اور نفرت ہوگی، پھر ہرگز ہرگز اس کے تصور کو بھی جی نہ چاہے گا ایصال ثواب تو کیا۔ تو وہ غریب ایصال ثواب سے محروم رہے گا، اس واسطے حکم دیا گیا کہ نفرت پیدا ہونے سے پہلے ہی دفن کردو بلکہ مسلمانوں کے مُردوں کو خوب دھونی دینی چاہئے۔ خوشبودار کافور بھی مَلا جاتا ہے۔ کافور میں یہ بھی حکمت ہے کہ اس سے کیڑے بھاگتے ہیں اس کا خاص طور پر حکم ہے تاکہ کچھ دیر تک تو حفاظت رہے اور نظروں سے پوشیدہ ہونے کے وقت تک کوئی بات موجب نفرت نہ ہونے پائے۔

غرض سینکڑوں مصلحتیں ہیں جلدی دفن کرنے میں اور سب کی سب واقعی مصلحتیں ہیں۔ لے چلنے میں بھی جلدی کا حکم ہے۔ اور نماز میں بھی جلدی کا حکم ہے دیکھئے حق تعالےٰ نے ہماری کتنی حفاظت کی ہے اور ہمارے عیوب کو کس طرح ڈھانکا ہے اور زندگی میں گندگیوں کو ہمارے جسم میں اس حفاظت سے رکھ ہے کہیں کو پھوٹنے نہیں دیا۔ اگر اتنی حفاظتیں نہ ہوں تو ہم کو اپنی حقیقت نظر آجائے۔ غرض یہ ہے کہ اگر اپنے یہ حالات ہم کو محفوظ رہیں تو کبھی کبر نہ آئے

تفکر کی ضرورت | مصیبت یہ ہے کہ ہم لوگوں کو تفکر (یاد) کی عادت نہیں اگر گاہ گاہ بھی غور کر لیا کریں تو یہ باتیں چھپی ہوئی یا دلیل کی محتاج نہیں ہیں بلکہ از قبیل مشاہدات ہر جو ہر شخص کے نزدیک مسلّم اور مشاہد ہیں۔ ہاں ان کے استحضار کے لئے کچھ نہ کچھ قصد شہ

ہے۔ سو قصد کرنا چاہیئے کہ اس تفکر سے اتنے بڑے مرض کا علاج ہوتا ہے جو ام الامراض ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں۔ نہ اس میں کچھ حرج ہوتا ہے اور اگر اتنا سا کام اختیار و ارادہ سے کرنے میں بھی آپ کو تکلیف ہے تو میں آپ کو ایک مراقبہ بتاؤں جس کا بالاضطرار روزمرہ موقع پیش آتا ہے وہ یہ کہ پیخانہ میں ایک دفعہ ہر شخص کو جانا پڑتا ہے ذرا وہاں کی ہیئت کو خیال کیجئے کہ سب سے علیحدہ اپنے عیوب کو کھولے بیٹھے ہیں۔ ہیئت وہ ہے کہ کسی کے سامنے اس کے ساتھ نہیں آسکتے کام وہ ہے جس کے تصور سے بھی دل گھبراتا ہے گو کرنا ہر شخص کو روز پڑتا ہے۔ ذرا اس ہیئت کو آئینہ سامنے رکھ کر دیکھئے۔ آپ کو خود ہی تعجب ہوگا کہ ہم چیز ہی کیا ہیں جو دوسرے وقت کہتے پھرتے ہیں کہ ہم کو جانتے نہیں ہم کون ہیں۔ آپ یہ ہیں جو اس خاص حالت سے آئینہ کے اندر ہیں۔ پاخانہ میں بیٹھ کر اسکو سوچا کیجئے۔ اور آجکل تو ایک مذاق یہ بھی نکلا ہوا ہے کہ پاخانہ میں بھی بیکار نہیں بیٹھتے اخبار لیجا کر وہاں دیکھتے ہیں، کیونکہ وقت بڑی فرصت کا ہے۔ تو جب وہ وقت بھی بیکار ضائع جانا پسند نہیں تو اسکو اس مراقبہ میں صرف کرنا خلاف وضع کیوں، ہے۔ یہ بھی ایک کام ہے۔ پاخانہ کے وقت اسی کو کر لیا کیجئے۔ ہاں جس کا یہ مذاق ہو کہ خاص خبروں ہی سے دل بہلانا چاہتا ہو تو اور بات ہے۔ اس کو اس مراقبہ کی فرصت کہاں ہوگی۔ یہ لوگ بھی کیا مذاق والے ہیں۔ اخبار بینی کے لئے کیا وقت تجویز کیا ہے کہ اگر کبھی اخبار میں کوئی دلچسپ مضمون نظر پڑ گیا تو دیر سویر کا بھی خیال نہ رہے گا۔ گھنٹوں وہیں قید رہیں اور واقعی ان کی سزا یہی ہے کہ ایسی جگہ میں قید رہیں ورنہ قاعدہ عقلی یہ ہے، اَلضَّرُوْرِیُّ یَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَۃِ (ضروری بقدر ضرورت ہی ضروری ہے) پاخانہ میں تو صرف اتنی دیر بیٹھنا چاہیئے جس میں قضائے حاجت ہو جائے۔ پاخانہ بھی صاف کھل کر جب ہی ہوتا، جب آدمی دوسرے شغل میں نہ لگے۔ اور جب دوسرے شغل میں لگ گیا قضائے حاجت بہ تکلیف اور دیر میں ہوگی۔ یہ دیر اس شغل کی سزا ہے۔ اور میں نے جو مراقبہ تجویز کیا ہے اس میں یہ خرابی نہیں۔ کیونکہ اس میں تو پاخانہ کی حاجت ہی کا

مراقبہ ہے اور اس کے وقت میں امتداد کا بھی احتمال نہیں کیونکہ وہ پاخانہ کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ پاخانہ کی قید پر ایک حکایت یاد آئی ایک عہدہ دار (دوارذی) ریل کے تیسرے درجہ میں سفر کر رہے تھے۔ تیسرے درجے میں معمولی آدمی بیٹھتے ہیں یہ سفید پوش آدمی تھے اس واسطے سب لوگ ان کا لحاظ کرتے تھے انھوں نے بستر کھول کر تمام بنچ کو گھیر لیا اور اس روز مسافر زیادہ تھے بہت لوگ کھڑے کھڑے جا رہے تھے یہ پیر پھیلائے مزے سے لیٹے تھے۔ بعض مسافروں نے خوشامد کی کہ منشی جی ذرا بیٹھ جاؤ۔ انھوں نے ڈانٹ دیا۔ غرض سب کو پریشان کر رکھا تھا۔ خدا کی قدرت ان کو پاخانہ کی ضرورت ہوئی اور وہ ریل کے پاخانہ میں گئے اتفاق سے ایسی صورت ہوئی کہ کواڑ بند کرنے میں چٹخنی باہر سے ایسی بند ہوئی کہ اندر سے کھل نہ سکی۔ اول تو انھوں نے اپنے تکبر کو نبھایا کہ خود کھٹ کھٹ کرتے رہے اور چٹخنی کے ساتھ زور لگاتے رہے مگر کہاں تک۔ جب نہ کھلی تو آخر اندر سے آواز دی اول سخت لہجہ میں کہا کہ ذرا چٹخنی کھول دینا۔ لوگوں نے آپس میں کہا کہ اب بدلہ لینے کا موقع ہے سسرے کو بند پڑا رہنے دو، ذرا دیر بیٹھنے کو جگہ تو ملیگی، جب کسی نے سخت لہجہ سے نہ سنا تو انھوں نے کہا کہ کوئی صاحب چٹخنی تو کھول دیں اس پر بھی کسی نے نہ سُنا تب آپ کا تکبر ٹوٹا اور خوشامد کی۔ غربا رحم دل ہوتے ہیں کسی نے کہا کہ میاں کھول دو بہت دق کر لیا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ یوں نہیں توبہ کرا کے کھولنا جب خوب توبہ کرا لی تب کھول دی۔ اب تو ان کا شیطان اتر گیا اور بستر سمیٹ کر الگ بیٹھ گئے وعدہ کے سچے نکلے۔ یہ قید تو مجبوری کی تھی۔ اور بعضے ہمارے بھائی ایسے ہیں کہ اپنے ہاتھوں پاخانہ کی قید میں بند رہتے ہیں قصداً اخباروں کو لے جاتے ہیں کیا مذاق ہے۔ خیر یہ مذاق تو تقلید بے جا سے حاصل ہوا ہے۔ میں وہ کام بتاتا ہوں جو آپ کے لئے مفید ہو اور اتنے وقت کے لئے شغل بھی ہو جائے وہ یہ کہ پاخانہ میں بیٹھ کر اپنی خوبصورتی اور شان کو ملاحظہ کیجئے یہ مراقبہ آپ کے کام کا ہے۔ جو سامان تکبر کے ہیں وہ وہاں سب ندارد ہوتے ہیں۔ فیشن بھی ختم ہو جاتا ہے

نہ پتلون رہے نہ لنگی وہاں تو ساری ہستی ننگی رہ جاتی ہے۔ آجکل تو لوگ کپڑوں سے بڑے بنتے ہیں اور وہ پاخانہ میں اتری جاتے ہیں۔ اسوقت اپنی ہیئت کو دیکھئے کہ وہ واقعی وہ نقشہ ہے کہ بالقصد اس کا بنانا کبھی بھی کوئی گوارانہ کرے۔ لباس انسان کیلئے زینت ہے وہ اترا ہوا ہے۔ سب سے نکمی اور گندی جگہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ حالت ہے کہ اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہوسکتی۔ اور اگر مجبوری نہ ہوتی تو کوئی بھی اسکو اختیار نہ کرتا پھر ٹانگوں کے درمیان سے جس چیز کا خروج ہو رہا ہے وہ وہ چیز ہے جس کا نام لینے سے بھی گھن آتی ہے جس سے وہ لوگ بھی گھبراتے ہیں جو اٹھاتے ہیں یعنی بھنگی۔ چنانچہ دیکھ لیجئے پاخانہ کے بعد آبدست وہ بھی لیتے ہیں گوہ میں سنا رہنا وہ بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان سب باتوں میں غور کیا کیجئے گو یہ مراقبہ تو بڑا بے ڈھب ہے مگر اخبار دیکھنے سے اچھا ہے کیونکہ وہ کار آمد نہیں اور یہ کار آمد ہے ان سب باتوں کو نظر میں رکھ کر سوچئے کہ کیا میں بڑا ہوں کسی جاہل کا شعر ہے کہ ؎ اللہ جسے کہتے ہیں واللہ میں ہی ہوں۔

ایک حقیقت | مولوی عبدالحق صاحب کانپور میں تھے وہ بڑے ظریف تھے۔ انھوں نے سنا تو فرمایا کہ کوئی پاخانہ میں جاکر اس ننگے کو سلام کرے کہ واہ میاں تم ہی اللہ ہو جو اس خوبصورت حالت سے ہگ رہے ہو۔ واقعی خوب جواب دیا۔ حق تعالیٰ نے نفیِ الوہیتِ مسیح پر اسی مضمون سے استدلال کیا ہے مگر اللہ اکبر قرآن کی کیا بلاغت ہے کہ نہایت پاکیزہ پیرایہ میں اس کو بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں وَکَانَا یَأْکُلَانِ الطَّعَامَ یعنی مسیح اور ان کی والدہ خدا کیسے ہوتے یہ دونوں تو کھانا کھاتے تھے۔ اس میں اول تو یہ بات بتلائی کہ کھانا کھانے والا بھوک سے زیادہ عاجز ہو کر غذا کا محتاج ہوتا ہے اور خدا محتاج اور عاجز نہیں ہوتا۔ دوسرے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کھانا کھانے والے کو بول و براز کی حاجت ہوتی ہے اور بول و براز کا کرنے والا خدا کیا ہوتا خدائی کی شان (بیشاب پاخانہ) کے لائق یہی حرکات ہیں؟ تو دیکھئے حاجت بول و براز کو کیسے لطیف پیرایہ میں اشارۃً ادا فرمایا صراحتاً ذکر نہیں کیا۔

مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک عیسائی کے سامنے یہ مضمون پیش کیا تھا تو اس نے کہا کہ پیشاب پاخانہ کا نام نہ لو۔ حضرت مسیح کے ذکر میں ایسی گندی باتیں لانا بے ادبی ہے۔ مولانا نے کہا پیشاب پاخانہ کا نام بے ادبی ہے تو بول وبراز سہی۔ الفاظ کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جائے گی۔ اس حقیقت کا وجود الوہیت کے منافی ہے غرض پاخانہ میں بیٹھ کر اصلی حالت انسان کی کھل جاتی ہے۔ اسوقت اپنے آپ کو دیکھکر سمجھ جاؤ کہ ہم کیا چیز ہیں۔ جو شخص دن رات میں دو تین مرتبہ نجاست میں آلودہ ہوتا ہے تو وہ کیا بڑا ہو سکتا ہے۔ صفائی ستھرائی بھی جو کچھ نظر آتی ہے وہ بھی حق تعالیٰ کی ایک کارسازی ہے کہ پانی جیسی ایک ایسی چیز پیدا کر دی ہے جس سے گندگی کا ازالہ کر لیا جاتا ہے اگر پانی نہ ہو تو ہر وقت سنے ہی رہیں۔ اس وقت بڑائی معلوم ہو اب تو یہ ہے کہ پاخانہ میں تھوڑی دیر رہنا پڑتا ہے سب سے علیحدہ ہو کر جو کچھ گت بن گئی پھر پانی سے صاف ہو کر آ بیٹھے اگر نجاست دور کرنے کی کوئی ترکیب نہ ہوتی تو بدبو ہر وقت آیا کرتی اس وقت یہ بات خوب پھبتی کہ جانتا نہیں کہ ہم کون ہیں۔ اگرچہ اس زمانہ میں سنا رہنا ہی بعض لوگوں کے نزدیک معیوب نہیں جو لوگ فیشن کے دلدادہ ہیں ان کو دیکھ لیجئے۔

فیشن پرستی فیشن ایک عجیب بلا ہے جو آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے بعض لوگوں کو تو اس میں اتنا شغف ہے کہ دن بھر اور رات بھر ان کو فیشن بنانے سے فرصت نہیں۔ ایک صاحب کو دیکھا کہ دن بھر فیشن ہی بناتے پاخانہ جانے کے کپڑے الگ تھے۔ اور ملاقات کے کپڑے الگ تھے۔ اور گھر میں بیٹھنے کے کپڑے الگ تھے کام پر جانے کے کپڑے الگ تھے۔ ہر وقت کپڑے بدلنے میں رہتے تھے پاخانہ جانے کی وردی عجیب تھی ان کو دیکھ کر مجھے بڑا رحم آتا کہ کس بکھیڑے میں پکڑے ہوئے ہیں ایک واقعہ یہ ہوا کہ جہاں میرا قیام تھا اسکے سامنے ایک ایسے شخص بھی ٹھہرے ہوئے تھے، مجھ سے وہ ان ہی قیود کی وجہ سے کئی دن تک نہ مل سکے۔ میں بیٹھا بیٹھا یہ تماشا

بھا کرتا۔

صاحبو! یہ کیا تہذیب ہے اور یہ کیسی زندگی ہے۔ تقلید نے ایسا اندھا کیوں دیا۔ ہمارے پاس کیا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سب کچھ سکھا دیا سوس ہے کہ اس کو چھوڑ کر ان خرافات میں پڑ گئے۔ یہ لوگ اس قدر تو صاف تھرے بنتے ہیں کہ پاخانہ جانے کے کپڑے تک الگ ہوتے ہیں۔ لیکن انکی صفائی حقیقت سنئے۔ کہ پاخانہ میں سے اخبار وخبار سے پونچھ کر آجاتے ہیں۔ اول تو ں سے صفائی ایسی نہیں ہوتی جیسی ڈھیلے سے ہو سکتی ہے کیونکہ ڈھیلے میں قوت اذبہ ہے اور کاغذ میں یہ بات نہیں۔ ایک تو فیشن کی یہی غلطی لیجئے۔ اگر بجائے کاغذ کے کپڑا ہی اختیار کرتے تب بھی کچھ عقل کی بات تھی، کاغذ کا اختیار کرنا تو صریحاً یوقوفی ہے کیونکہ کاغذ سے نجاست کی صفائی نہیں ہو سکتی پھر طرہ یہ کہ اسکے بعد پانی سے استنجا کرتے نہیں۔ ہاں یہ صفائی بہت ہے کہ نہاتے روزمرہ ہیں۔ اب اس صفائی کی حقیقت دیکھئے اس نہانے سے نہ نہانا اچھا تھا۔ کیوں کہ پہلے تو نجاست ایک ہی جگہ لی ہوئی تھی اب سارا بدن اس میں سن گیا۔ کیونکہ یہ لوگ ٹب میں بیٹھ کر نہاتے ہیں جس میں جسم سے پانی کا انفصال نہیں ہوتا۔ اور مقام استنجا پہلے ہی سے دونوں جگہ سے ناپاک ہے۔ تو ٹب میں بیٹھتے ہی وہ نجاست سارے پانی میں پھیل جاتی ہے جس سے وہ پانی سب ناپاک ہو گیا۔ اسی کو اٹھا کر بدن پر ڈالتے ہیں حتیٰ کہ منہ میں بھی اسی کو لیتے ہیں اور اسی سے کلی کرتے ہیں اس کے تصور سے بھی گھن آتی ہے۔ یہ آجکل کا تمدن اور تہذیب ہے اور اسی کا نام صفائی ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

بے حسی کی انتہا خدا جانے حس کہاں گئی۔ اگر کسی سے یوں کہہ دو کہ تم گوہ موت کھاتے ہو تو وہ لڑ پڑے اور فوجداری ہو جائے مگر کیا یہ گوہ موت کھانا نہیں ہے جب گوہ موت میں ملا ہوا پانی منہ میں چلا گیا؟ نہیں تو گوہ موت کھانا اور کس کو کہتے ہیں۔ افسوس! پاخانہ میں بھی دوسروں کی تقلید کرتے ہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ پوری تقلید بھی نہیں۔ کیونکہ وہ تو ان افعال کے کرنے میں اس بات کے پابند نہیں

کہ دوسروں کی دیکھا دیکھی کوئی کام کرنے لگیں اور تم اس کے پابند ہو، پوری تقلید توجب ہوتی ــــ کہ تم بھی ان کی طرح آزاد ہوتے اور بدون کسی کے دیکھا دیکھی کے ایسا کرتے مگر ان لوگوں نے تو ایسی آنکھیں بند کرکے تقلید کی ہے کہ اس چیز کے کھانے پینے کی نوبت آگئی جس کے نام سے بھی آدمی گھنیاتا ہے۔ نہا کر تولیے سے بدن پونچھتے ہیں اور اسی تولیہ سے کھانے کے بعد منہ پونچھتے ہیں۔

صاحبو! تعجب ہے آپ کو گھن نہیں آتی۔ دیکھنے میں تو صفائی کی یہ حد ہے کہ چینی کے برتنوں میں پاخانہ پھرتے ہیں اور ڈھکا رہتا ہے تاکہ بدبو نہ پھیلے اور بدبو سے نفرت ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ٹب میں نہاتے ہوئے جب نجاست پھیلتی ہے تو عین اس شئے سے آپ کو نفرت نہیں۔ افسوس! حضور کی سنت کو چھوڑ کر کن گندگیوں میں جا پھنسے ذرا ان صفائی کے طریقوں اور طریقۂ سنت کو ملا کر تو دیکھئے اصل یہ ہے کہ سنت سے انحراف کی سزا یہی ہے کہ جس غرض سے انحراف کیا تھا، یعنی صفائی، وہ بھی نصیب نہ ہو بلکہ اس کی ضد یعنی گندگی میں پڑ جائیں۔ بعض خدمت گاروں سے تحقیق ہوا کہ یہ لوگ کاغذ سے استنجا کرتے ہیں جس میں قوت جاذبہ نہیں اس لئے ان کی پتلونوں میں پاخانہ سنا ملتا ہے۔ افسوس! فیشن ایبل لوگ عام طور سے اس میں مبتلا ہیں۔

افسوس! مسلمانوں نے سب چیزیں اپنے یہاں کی چھوڑ دیں اور دوسروں کی اختیار کرلیں اور رہیں مسلمان۔ اگر اسی کا نام اسلام ہے تو یہ وہ اسلام ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (آپ فرما دیجئے کہ افعال بہت بُرے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے اگر تم اب بھی اہل ایمان ہو) کیوں صاحبو! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یہی اسلام تھا (نعوذ باللہ) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی معاشرت تعلیم کی تھی۔ اسلام نے تو اس کی جڑ کاٹ دی تھی اور وہ کبر ہے۔

سے روگردانی۔ سے رہنے سہنے کا طور و طریقہ

(۱۰۱، ۲)

(۷۸۹) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے اگر کوئی ذکر شغل کا نفع ظاہر کرتا تو فرماتے کہ بھائی استعداد تو تمہارے اندر خود موجود تھی میرے ذریعہ سے صرف ظاہر ہو گئی ہے لیکن تم ایسا مت سمجھنا۔ تم یہی سمجھنا کہ مجھ سے تم کو یہ نفع پہونچا ہے ورنہ تمہارے لئے مضر ہوگا۔ یہ شان اہلِ مقام ہی کی ہوتی ہے کہ ہر پہلو پر نظر رہے ورنہ اہلِ حال ایک ہی بات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں دوسرے پہلو پر ان کی نظر نہیں جاتی۔

(۷۹۰) فرمایا کہ جو ذکر و شغل کے لئے آوے اس کو کسی بات سے تعلق نہیں رکھنا چاہئے۔ بس اپنے کام میں مشغول رہے نہ کسی کا پیام پہنچا دے نہ کسی کا سلام شیخ کو پہنچا دے خود بھی کسی اور جانب متوجہ نہ ہو اور نہ شیخ کو متوجہ کرے بلکہ جہاں تک ہو سکے شیخ کو اپنی طرف متوجہ رکھے۔ اگر کسی کا سلام پہنچایا تو گویا اس نے خود اپنے شیخ کو دوسرے کی طرف متوجہ کیا جو اس کی مصلحت کے بھی منافی ہے اور غیرتِ عشق کے بھی خلاف ہے۔

(۷۹۱) نیا مکان حضرت کا بن رہا تھا حافظ صاحب نے جو کہ حضرت کا مکان بنوا رہے تھے آکر دریافت کیا کہ سیڑھی کی ضرورت ہے مدرسہ کی سیڑھی لے لی جاوے فرمایا کہ مکان سے کرایہ لے لیا جاوے۔ مدرسہ کی چیز وقف ہے۔ حافظ صاحب نے عرض کیا کہ مدرسہ کے کام کے لئے بھی تو اور جگہ سے ایسی چیزیں عاریت لے لی جاتی ہیں۔ فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا تبرع ہے ان کو اختیار ہے وہ نہ دیا کریں لیکن مدرسہ کی چیزیں وقف ہیں ان کا اس طرح استعمال ناجائز سمجھتا ہوں۔ حضرت کے یہاں ایسی باتوں کا نہایت درجہ اہتمام ہے۔

(۷۹۲) فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ سوچا کہ وعظ میں مسائلِ فقہیہ کا بیان کرنا علماء کی بالکل عادت نہیں ہے حالانکہ بظاہر ضروری معلوم ہوتا ہے چنانچہ میں نے ایک وعظ میں صرف چار پانچ مسائل ربوٰا کے جو عموماً پیش آتے ہیں بیان کر دیئے۔ بعد کو مختلف لوگوں نے مختلف باتیں ان مسائل کی بابت آکر مجھ سے بیان کیں معلوم ہوا کہ اختلاف ہو گیا۔ اس وقت سمجھ میں آیا کہ علماء نے جو وعظ میں اس کا اہتمام نہیں کیا انہوں نے

اس کی مضرت کو معلوم کر لیا تھا۔ بجز کسی کھلے مسئلہ کے مسائل دقیقہ کا بیان عام مجمع میں خلافِ مصلحت ہے۔ ایسے مسائل کو حدوثِ واقعہ کے وقت بتلا دے تاکہ اسکے اوپر آسانی کے ساتھ منطبق کیا جاسکے۔ برخلاف اس کے جو وعظ میں سوالات فرض کرکے جواب دیئے جائیں گے تو بعد کو وہ سوال تو غائب ہو جائے گا اور جواب میں خواہ مخواہ شبہے پڑیں گے اور لوگ گڑبڑ کریں گے۔ اسی مصلحت کی بنا پر علماء صرف مضامین ترغیب و ترہیب ہی کے وعظ میں بیان فرماتے ہیں۔

(۷۹۳) ایک دیہاتی نے بعد عشا جب حضرت گھر تشریف لے جانے لگے حضرت کا جوتہ اٹھا کر پہننے کے واسطے آگے بڑھ کر رکھدیا۔ حضرت نے فرمایا اوہو آپ نے بڑا بھاری کام کیا دس بیس کوس سے اتنا بھاری اسباب لاد کرلے آئے۔ ارے میاں یہ بھی بھلا کوئی خدمت ہوئی کوئی ایسا کام کیا ہوتا جس سے کچھ آرام تو پہنچتا جوتا کیا میں خود نہیں لاسکتا تھا۔ دوسری شب کو پھر وہی کام کیا اور بجائے معمولی جوتہ کے جیسے کہ گھر کے استعمال کے لئے رکھتے ہیں وہ جوتا رکھدیا جسے حضرت والا صبح کے وقت جنگل کے لئے استعمال فرماتے تھے۔ اس وجہ سے حضرت کو دوبارہ خود تکلیف کرنی پڑی ا خلجان ہوا وہ جدا۔ حضرت نے فرمایا ارے بھائی جس شخص کو کسی کے معمولات کی خبر نہ اس کو اسکی خدمت نہ کرنا چاہئے۔ اب دیکھو تمہاری اس خدمت سے کس قدر زحمت ہو بھلا ایسی خدمت سے کیا فائدہ نکلا اس لئے مجھے اپنے کام خود ہی کرنے میں راحت رہتی ہے کیونکہ جو شخص معمولات سے باخبر نہ ہو وہ خدمت کس طرح کرسکتا ہے لیکن قلوب میں رسوم کچھ ایسی غالب ہوگئی ہیں کہ چھوٹتی ہی نہیں بس انھوں نے دیکھ لیا کہ سب لوگ جوتے اٹھا اٹھا کر رکھتے ہیں لاؤ ہم بھی یہی کریں محض رسم پرستی رہ گئی ہے مجھے شرم آتی ہے کہ ایک شخص محبت سے خدمت کرتا ہے اسے کیا منع کروں لیکن کیا کروں مجھے سخت حرج ہو جاتا ہے اور مجھے ایک منٹ بھی اپنا ضائع ہونا سخت گراں گذرتا ہے۔ جسے سوائے مخدومیت کے اور کچھ نہ کرنا ہو وہ چاہے اس قصہ میں رہے۔

(۷۹۴) ایک صاحب نے کہا کہ حضرت غوث پاکؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ترک

عزیمت ہے اور دعا کرنا رخصت۔ فرمایا کہ کسی غلبۂ حال میں فرمایا ہے یا یہ ان کی رائے ہے کیونکہ وہ اس فن کے مجتہد تھے باقی اکثر کا مذاق اور تحقیق یہی ہے کہ ترکِ دعا سے دعا ہی افضل ہے کیونکہ دعا میں افتقار الی اللہ ہے جو ترکِ دعا میں نہیں ہے۔

(۷۹۵) فرمایا کہ میں تو بعض احوال میں رخصت پر عمل کرنے کو بہ نسبت عزائم پر عمل کرنے کے افضل سمجھتا ہوں کیونکہ جو شخص عزائم پر عمل کرتا ہے اس کو ہمیشہ اپنے عمل پر نظر ہوتی ہے اور جو کچھ عطا ہوتا ہے اس کو بمقابلہ اپنے عمل کے کم سمجھتا ہے۔ اسکے دل میں یہ شکایت پیدا ہوتی ہے کہ دیکھو اتنے دن سے ایسی مشقت زہد وتقویٰ کی اٹھا رہا ہوں اور اتنا عرصہ ذکر و شغل کرتے ہوگیا اور ابتک کچھ نصیب نہیں ہوا یہ کس قدر گندہ خیال ہے۔ برخلاف اسکے جو بعض دفعہ رخصتوں پر عمل رکھتا ہے اسکو اپنے عمل پر نظر نہیں ہو سکتی اس کو جو کچھ بھی عطا ہوتا ہے اس کو بمقابل اپنے عمل کے زیادہ سمجھتا ہے اور درصورت عدمِ ورودِ کیفیات وغیرہ کے بھی اس کو شکایت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں عمل ہی کیا کرتا ہوں جو ثمرات کا مستحق ہوں

بہر حال رخصت پر عمل کرنے والے کی نظر میں ہمیشہ حق تعالیٰ کی عطاؤں کا پلّہ بمقابلہ اس کے اعمال کے بھاری رہتا ہے جس سے اس کو طبعاً حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے یہ کس قدر بڑی نعمت ہے۔

(۷۹۶) فرمایا کہ زہد ترکِ لذات کا نام نہیں ہے بلکہ محض تقلیل لذات زہد کے لئے کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو کہ رات دن اسی کی فکر ہے کہ یہ چیز پکنی چاہیے وہ چیز منگانا چاہیئے غرضیکہ نفیس نفیس کھانوں کپڑوں کی فکر میں رہنا یہ منافی زہد کے ہے۔ ورنہ بلا تکلف و بلا اہتمام خاص کچھ لذّات میسر ہو جاویں تو حق تعالیٰ کی نعمت ہے شکر کرنا چاہیئے۔ بہت کم کھانا بھی زہد نہیں ہے نہ یہ مقصود ہے۔ اس کے کم کھانے سے کوئی خدائے تعالیٰ کے خزانہ میں توفیر نہ ہو جائے گی۔ یہ نہ ہوگا کہ بھائی بڑے خیر خواہِ سرکار ہیں کہ پوری تنخواہ بھی نہیں لیتے (زیادتی) وہاں ان باتوں کی کیا پرواہ ہے لیکن اتنا بھی نہ کھاوے کہ پیٹ میں درد ہو جاوے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کا مذاق تو یہ تھا کہ

نفس کو خوب آرام سے رکھے لیکن اس سے کام بھی لے میرا یہ خیال ہے کہ ؎

مزدور خوشدل کند کار بیش[۵]

(۹۷) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جاہ عند الخلق تو سب کے نزدیک مذموم ہے لیکن عارفین کے نزدیک جاہ عند الخالق کا بھی قصد ناپسند ہے کیونکہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ یہ شخص حق تعالیٰ کے نزدیک کبیر بننا چاہتا ہے تو گویا یہ اپنے نزدیک ایسی شان رکھتا ہے کہ حق تعالیٰ کی نظروں میں باوقعت ہوئے اور میرے ذہن میں اسکی ایک مثال آئی ہے جس سے اس مضمون کی بابت پورا شرح صدر ہوگیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک معشوق فرض کیجئے کہ جو دنیا بھر کے حسینوں سے بڑھ کر حسین وجمیل ہو اور اس کے مقابلہ میں اس کا ایک عاشق تصور کیجئے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بدشکل اور بھونڈی صورت کا نہ ہو۔ اندھا ہو، لنجا ہو، گنجا ہو، ناک بھی پچکی ہو ہونٹ بھی موٹے موٹے، دانت باہر نکلے ہوئے۔ کالا بھجنگ۔ چیچک کے گہرے گہرے داغ چہرہ پر۔ غرض کوئی عیب نہیں جو اس میں موجود نہ ہو۔ اب ایسا شخص اگر عمر بھر اس کا دم بھرتا پھرے کہ کسی طرح اس کا حسین وجمیل معشوق خود اس کے اوپر عاشق ہو جائے تو کیا لوگ اس کو پاگل نہ سمجھیں گے اور کیا اسکی آرزو کو خللِ دماغ نہ بتلائیں گے۔ اس سے بھی بڑھ کر کہیں تفاوت حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کی شان اور ایک بندہ کی شان میں ہے۔

(۹۸) فرمایا کہ آجکل سلامتی عزلت اور یکسوئی میں ہے۔ ایک بزرگ کا کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ عزلت میں بھی یہ نیت نہ ہونی چاہئے کہ میں لوگوں کے شر سے محفوظ رہوں بلکہ یہ نیت ہونی چاہئے کہ میں مثل سانپ بچھو کے ہوں مجھکو الگ ہی رہنا مناسب ہے تاکہ لوگ میرے شر سے محفوظ رہیں۔ اللہ اکبر! اسلاف نے کہاں تک احتیاط عجب وغیرہ سے کی ہے لیکن آجکل ہمارے زمانہ میں ایسے نفوس کہاں ہیں جو عزلت میں یہ نیت کر سکیں کہ ہم دوسروں کو اپنے شر سے بچا دیں۔ ۳۱ میں نے اس میں کچھ ترمیم کی ہے کہ یہ نیت کرے کہ بعض کو اپنے شر سے محفوظ

۵۔ خوشدل مزدور کام زیادہ کرتا ہے۔

ر بعض کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھوں۔

(۷۹۹) فرمایا کہ آدمی دوسرے کی دنیا کے نفع کے پیچھے اپنے دین کا نقصان کر بیٹھتا ہے اور اگر دوسرے کے دین کی حفاظت میں اپنے دین کا اندیشہ ہو تو بھی اپنے دین کی حفاظت مقدم ہے۔ واقعی یہ حماقت ہی نہیں تو کیا ہے کہ دوسرے کے جوتوں کی حفاظت میں اپنی گٹھری اٹھوا دے۔

(۸۰۰) فرمایا کہ خدمت خلق بڑی چیز ہے دوسروں کی راحت کے لئے اپنے اوپر تکلیفیں برداشت کرنا آسان نہیں ہے اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ گھر میں بیچاری اکیلی ہوتی ہیں اور دن دن بھر اکیلی بیٹھی رہتی ہیں لیکن ان اللہ کی بندی میں ایثار اور راحت رسانی خلق کا مادہ اس قدر ہے کہ کبھی کچھ نہیں کہتیں بلکہ کہا کرتی ہیں کہ جس میں تمھیں راحت ہو وہی کرو۔ میری وجہ سے کسی معمول میں فرق نہ ڈالو اسی شفقت وایثار کی بدولت وہ مقروض تک ہوجاتی ہیں گو میں منع ہی کرتا رہتا ہوں کہ اتنی تکلیف اپنے اوپر کیوں برداشت کرتی ہو۔ لیکن میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ ان کی مغفرت انشاء اللہ اسی کی بدولت ہوگی۔

(۸۰۱) ایک صاحب کہیں ملازم تھے وہاں ان سے کسی سے بنتی نہ تھی وہ شکایت کر رہے تھے فرمایا کہ بھائی برتاؤ وہ چیز ہے کہ دشمن دوست ہوجاتے ہیں فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہوجائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے)

یہ تو کلام مجید میں ہے اس میں تو کوئی بول ہی نہیں سکتا۔ انھوں نے شکایت کی کہ مجھکو بُرا ہی کہتے ہیں فرمایا کہ بھائی مجھے بھی تو لوگ وہی کہتے ہیں جب میں ہی بُرا نہیں مانتا تو تم کیوں بُرا مانتے ہو۔ ارے بھائی مخلوق کے بُرا کہنے کا کیا خیال۔ حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف رکھنا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ تم ہو بڑے تیز ہر وقت نیام سے باہر ہی رہتے ہو۔ ادھر کاٹ یا اُدھر کاٹ دیا۔ پھر ہنسکر فرمایا میاں نکاح کرلو سب جوش نکل جائیگا۔

(۸۰۲) فرمایا کہ شقوق فرض کرکے جواب دینا عامی کے لئے سخت مضر ہے کیونکہ اسکو

(۸۱۲) اس کا تذکرہ ہونے لگا کہ رشوت سے توبہ کرے تو معاف کس ط
کرائے فرمایا کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ادا کرے یا معاف کرائے۔ اگر پتہ نہ چل سکے تو ا
چھپوائے کہ میرے ذمہ جن کے حقوق ہوں لے لے یا چھوڑ دے۔ پھر فرمایا کہ بڑا م
قلب ہے جب خوف ہوتا ہے تو سب تدبیریں ادائے حقوق کی سوجھنے لگتی ہے

(۸۱۳) فرمایا کہ طالب کو مطلوب نہیں بنانا چاہیئے اس سے بجائے نفع کے نقد
ہے۔ امر دین میں ایک درجہ تک استغنار چاہیئے۔ ؎

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

(جو آنا چاہے اس سے کہدو آجاؤ۔ جو جانا چاہے اس سے کہدو چلے جاؤ اس دربار میں نہ تو دار و گیر ہے نہ
پہرہ دار اور دربان ہیں)

ہاں بزرگان دین کی ترغیب عموماً دے اور کسی خاص شخص کا نام نہ لے۔ بلکہ متعدد بزرگ
کا نام بتلادے کہ جہاں قلب رجوع ہو۔ اگر اپنے شیخ ہی کی ترغیب دینا ہے تو اس کا
طریق ہے کہ خود اپنی حالت کو درست کرے اور اپنے آپ کو نمونہ بنادے پھر لوگ خو
پوچھیں گے کہ بھائی تم کو کس نے گڑھا ہے کس شخص کا اثر ہے۔ جب کوئی شخص خود ہی
کرے تب اپنے شیخ کا پتہ بتلادیوے باقی از خود ترغیب دینا تو استخواں فروشی ہے

(۸۱۴) ایک بار حضرت خواجہ صاحب سے فرمایا کہ آپ پر شفقت غالب ہے ا
مجھ پر استغناء اپنا اپنا حال ہے جیسا حال حق تعالیٰ نے جس پر غالب کر دیا اس
مغلوبیت کے وقت اسی کے موافق کرنا چاہیئے ایسے حال کے بدلنے کی کوشش نہیں کر
یہ سرکاری وردی ہے اس کا بدلنا جرم ہے فوجی وردی اور ہے، پولیس کی وردی او
ایک کو دوسرے کی وردی بدلنا جرم ہے لیکن جب مغلوبیت نہ ہو تو اصول طریق ک
چھوڑے (یعنی استغناء کو دین کے بارہ میں)

(۸۱۵) فرمایا کہ بجائے سلام کے آداب کہنا یا لکھنا بدعت ہے کیونکہ تغییر ہے مشروع
البتہ بعد سلام کے اس قسم کے ادب کے کلمات لکھنے کا مضائقہ نہیں۔

دین کی حقیقت

تسلیم و رضا

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

دین کی حقیقت

تسلیم و رضا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا

اَمَّا بَعْدُ! عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْسَافَرَ کُتِبَ لَہٗ مِثْلُ مَا کَانَ یَعْمَلُ مُقِیْمًا صَحِیْحًا (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب یکتب للمسافر مثل ما کان یعمل فی الاقامۃ، حدیث نمبر ۲۹۹۶)

بیماری اور سفر میں نیک اعمال کا لکھا جانا

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلۂ صحابہ اور فقہاء صحابہ میں سے ہیں اور ان حضرات میں سے ہیں جنھوں نے دو مرتبہ ہجرت فرمائی۔ ایک مرتبہ حبشہ کی طرف اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ کی طرف، وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کی حالت میں ہوتا ہے تو جو عبادات اور نیک اعمال صحت کی حالت میں یا اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا، جب بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ چھوٹ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ وہ سارے اعمال اسکے نامۂ اعمال میں لکھتے رہتے ہیں۔" باوجودیکہ وہ بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ اعمال نہیں کرپا رہا ہے اس لئے کہ اگر وہ تندرست ہوتا یا اپنے گھر میں ہوتا تو یہ اعمال کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی بڑی تسلی اور نعمت کی بات بتادی کہ بیماری میں معذوری اور مجبوری کی وجہ سے جب معمولات چھوٹ رہے ہیں تو اس پر بہت صدمہ کرنے

کی ضرورت نہیں کہ اگر تندرست ہوتا تو یہ کام کر لیتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو لکھ رہے ہیں۔

نماز کسی حالت میں معاف نہیں لیکن اس کا تعلق صرف نفلی عبادت سے ہے۔ جو عبادات فرض ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے جو "تخفیف و آسانی" کر دی۔ اس تخفیف کے ساتھ ان کو انجام دینا ہی ہے۔ مثلاً نماز ہے۔ انسان کتنا ہی بیمار ہو بستر مرگ پر ہو اور مرنے کے قریب ہو تب بھی نماز ساقط نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آسانی تو فرما دی کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھ لو۔ وضو نہیں کر سکتے تو تیمم کر لو۔ اگر کپڑے پاک کرنا بالکل ممکن نہیں تو اسی حالت میں پڑھ لو لیکن نماز کسی حالت میں معاف نہیں۔ جب تک انسان کے دم میں دم ہے۔ ہاں! اگر کوئی بے ہوش ہو جائے یا غشی طاری ہو جائے اور اسی حالت میں چھ نمازوں کا وقت گزر جائے تو اس وقت نماز معاف ہو جاتی ہے لیکن جب تک ہوش میں ہے اور دم میں دم ہے۔ اسوقت تک نماز معاف نہیں۔

بیماری میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان بیمار ہوا اور اب کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے۔ بیٹھ کر پڑھنے کی قدرت نہیں تو لیٹ کر پڑھ رہا ہے۔ ایسے موقع پر بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ دل تنگ کرتے رہتے ہیں کہ اس حالت میں اب کھڑے ہو کر پڑھنے کا موقع نہیں مل رہا ہے اور بیٹھ کر پڑھنے کا بھی موقع نہیں مل رہا ہے لیٹے لیٹے نماز پڑھ رہا ہوں پتہ نہیں کہ وضو بھی ٹھیک ہو رہا ہے یا نہیں تیمم بھی صحیح ہو رہا ہے یا نہیں۔ ان چیزوں میں پریشان رہتے ہیں۔ حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تسلی کر رہے ہیں کہ جب تم مجبوری کی وجہ سے ان چیزوں کو چھوڑ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے نامۂ اعمال میں لکھ رہے ہیں جو تندرستی کی حالت میں تم کیا کرتے تھے۔

اپنی پسند کو چھوڑ دو ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰى رُخَصُهُ كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰى عَزَائِمُهُ"

(مجمع الزوائد، جلد ۳، صفحہ ۱۶۲)

"یعنی جس طرح عزیمت جو اعلیٰ درجے کا کام ہے اس پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کو پ
ہے۔ اسی طرح مجبوری کی وجہ سے اگر رخصت پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ اسکو بھی پ
کرتے ہیں" لہٰذا اپنی پسند کی فکر نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو جو حالت پسند ہے وہی حالت مطلو
آسانی اختیار کرنا سنت ہے | بعض لوگوں کی طبیعت سخت کوشی کی ہوتی ہے، وہ چاہتے
ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مشقت کا کام کریں بلکہ مشقت ڈھونڈتے ہیں، اس لئے ڈھونڈ
ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں زیادہ ثواب ہے چونکہ بہت سے بزرگوں سے بھی ا
قسم کی باتیں منقول ہیں۔ لہٰذا ان کی شان میں کوئی گستاخی کا کلمہ نہیں کہنا چاہئے لیک
سنت کا طریقہ وہ نہیں۔ سنت کا طریقہ یہ ہے جو حدیث میں منقول ہے کہ

"مَا خُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَمْرَيْنِ قَطُّ اِلَّا اَخَذَ اَيْسَ
هُمَا" (صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر ۶۱۲۶) "جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ اس میں سے آسان تر کو اختیار فرماتے۔"

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آسانی اختیار کرنا۔ معاذ ا
تن آسانی کے لئے تھا؟ اور کیا مشقت اور تکلیف سے بچنے کے لئے یا دنیا وی راحت ا
آرام حاصل کرنے کے لئے تھا؟ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے یہ
یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ تن آسانی اور راحت و آرام حاصل کرنے کے لئے آسا
راستہ اختیار فرماتے تھے۔ لہٰذا اسکی وجہ وہی ہے کہ آسان راستہ اختیار کرنے میں عَ
زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری نہیں ہے۔ بلکہ شکستگی ہے میں تو عاجز بندہ ہوں
ناکارہ ہوں۔ میں تو آسان راستہ اختیار کرتا ہوں۔ یہ بندگی کا اظہار ہے۔ اور اگر مش
راستہ اختیار کیا تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری جتاتا ہے۔

دین "اتباع" کا نام ہے | دین کی ساری بنیاد یہ ہے کہ کسی خاص عمل کا نام دین نہیں۔ کس
خاص شوق کا نام دین نہیں۔ اپنے معمولات پورے کرنے کا نام دین نہیں۔ اپنی عاد
پوری کرنے کا نام دین نہیں۔ دین نام ہے ان کی اتباع کا۔ وہ جیسا کہیں ویسا کرنے
نام دین ہے۔ ان کو جو چیز پسند ہے اس کو اختیار کرنے کا نام دین ہے اور اپنے آپ

ن کے حوالے کر دینے کا نام دین ہے وہ جیسا کرا رہے ہیں وہی بہتر ہے۔ یہ جو صدمہ
رحسرت ہوتی رہتی ہے کہ ہم تو بیمار ہو گئے اس واسطے کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھی
رہی ہے لیٹ کر پڑھ رہے ہیں یہ صدمہ کرنے کی بات نہیں۔ ارے اللہ تعالیٰ کو وہی
سند ہے اور جب یہی پسند ہے تو اس وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ یہ کرو اور ان کو ویسا
ں کرنا پسند ہے اگرچہ اس وقت تم کو زبردستی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا پسند ہے لیکن
نی تجویز کو فنا کر دینے اور اللہ جل جلالہ نے جیسا مقدر کر دیا اس پر راضی رہنے کا نام
ندگی ہے۔ اپنی طرف سے تجویز کرنا کہ یوں ہوتا تو یوں کر لیتا۔ یہ کوئی بندگی نہیں۔

للہ تعالیٰ کے سامنے بہادری مت دکھاؤ

جب اللہ تعالیٰ یہ چاہ رہے ہیں کہ بندہ تھوڑا سا ہائے ہائے کرے تو ہائے ہائے کرو۔ ایک بزرگ دوسرے بزرگ کے پاس عیادت
کے لئے گئے تو دیکھا کہ وہ بزرگ بڑی سخت تکلیف میں ہیں لیکن بجائے کچھ کراہنے
کے "اللہ اللہ" اور "الحمد للہ۔ الحمد للہ" کا ورد کر رہے ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا: بھائی!
تمہارا "الحمد للہ" کرنا بڑا قابل مبارکباد ہے۔ لیکن یہ موقع اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا
ہے کہ "یا اللہ! مجھے عافیت عطا فرما دیجئے" اس وقت میں "الحمد للہ" کہنا، یہ اللہ کے سامنے
بہادری دکھانا ہے کہ اللہ میاں! آپ تو مجھے بیمار کر رہے ہیں۔ لیکن میں اتنا بہادر ہوں کہ
میری زبان پر کبھی آہ نہیں آئے گی۔ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری دکھانا یہ کوئی بندگی
نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے شکستگی دکھانا بندگی ہے۔ وہ جب چاہ رہے ہیں کہ بندہ
تھوڑا سا ہائے ہائے کر کے پکارے تو عاجز اور بے بس بن کر اللہ میاں کو پکارو۔ کیسے پکارو؟
جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے پکارا تھا کہ: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ
(سورۃ الانبیاء: ۸۳) پیغمبر سے زیادہ کون بہادر ہو گا۔ اتنی زبردست بیماری اور اتنی
زبردست تکلیف، لیکن اللہ میاں کو پکار رہے ہیں کہ "مَسَّنِیَ الضُّرُّ" (اے اللہ! مجھے تکلیف
پہنچ گئی ہے) "وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ" لہٰذا وہ جب چاہ رہے ہیں کہ ان کو پکارا جائے
اور آدمی تھوڑا سا کراہے تو پھر کراہنے ہی میں مزہ ہے۔ وہ جیسا کہیں اسی کے کرنے میں
مزہ ہے۔ اللہ میاں کے سامنے اتنا ضبط بھی اچھا نہیں، یہ بھی بندگی کے خلاف ہے۔

[illegible]

انسان کا اعلیٰ ترین مقام | یاد رکھو! انسان کا اعلیٰ ترین مقام، جس سے اونچا اور نہیں ہو سکتا۔ وہ "عبدیت" اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا مقام ہے اللہ تعالیٰ کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے اوصاف بیان فرمائے، فرمایا کہ :

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا وَّدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا (سورۃ الاحزاب: ۴۵، ۴۶) "اے نبی ہم نے بیشک آپ کو اس شان کا بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں۔ اور ڈرانیو اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانیوالے ہیں، اور آپ ایک روشن چراغ ہیں

یعنی ہم نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی اور سراج منیر بنا کر بھیجا۔ دیکھئے ا یں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے اوصاف ذکر فرمائے۔ لیکن معراج کا ذکر آیا اور اپنے پاس بلانے کا ذکر فرمایا، وہاں حضور اقدس صلی اللہ کے لئے "عبد" کا لفظ ذکر کیا۔ فرمایا: "سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ" (س

یعنی "وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو لے گیا" یہاں "شاہد" "مبشر" او منیر" کے الفاظ نہیں لائے بلکہ صرف ایک لفظ "عبد" لائے۔ یہ بتلانے کے لئے کا سب سے اونچا مقام عبدیت کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی، عاجزی کا مقام ہے۔

توڑنا ہے حسن کا پندار کیا؟ | ہمارے بڑے بھائی تھے محمد ذکی کیفی مرحوم۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ شعر بہت اچھے کہا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک بہت اچھا لوگ اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھتے۔ اسی بات کو انھوں نے بڑے خوبصورت پیر کہا ہے۔ کہتے ہیں کہ :۔

اس قدر بھی ضبطِ غم اچھا نہیں
توڑنا ہے حسن کا پندار کیا؟ (کیفیات: ذکی

یہ جو غم کو اتنا ضبط کر رہے ہو کہ منہ سے "آہ" بھی نہ نکلے "کراہ" بھی نہ نکلے تم اس کے پندار کو توڑنا چاہتے۔ جو تمھیں اس غم میں مبتلا کر رہا ہے؟ اس

ڑنا مقصود ہے؟ اس کے آگے بہادری دکھانا چاہتے ہو؟۔ یہ بندہ کا کام نہیں۔ بندہ
کام تو یہ ہے کہ جب اس نے ایک تکلیف دی تو اس تکلیف کا مقتضا یہ ہے کہ اس
ملیف کے ازالے کے لئے اس کو پکارا جائے۔ اگر اس نے غم دیا ہے تو اس غم کا اظہار
رعی حدود میں رہ کر کیا جائے۔ جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ جب
بچے کا انتقال ہوگیا تو فرمایا: اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ" اے ابراہیم!
م تمہاری جدائی پر بڑے غمگین ہیں" (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی صلی اللہ علیہ
سلم: اِنَّا بِكَ لَمَحْزُوْنُوْنَ، حدیث نمبر ۱۳۰۳)

بات یہ ہے کہ جس حالت میں اللہ تعالیٰ رکھتے ہیں وہی حالت پسندیدہ ہے جب
ہ چاہ رہے ہیں کہ لیٹ کر نماز پڑھو تو پھر لیٹ کر ہی نماز پڑھو۔ اس وقت لیٹ کر
ڑھنے ہی میں وہ ثواب اور وہ اجر ہے جو عام حالت میں کھڑے ہو کر پڑھنے میں ہے۔

مضان کا دن لوٹ آئیگا ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ حضرت
ھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات نقل فرماتے تھے کہ ایک شخص رمضان میں بیمار ہوگیا اور بیماری
کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیا۔ اب اس کو غم ہو رہا ہے کہ رمضان کا روزہ چھوٹ گیا۔ حضرتؒ
رماتے ہیں کہ غم کرنے کی کوئی بات نہیں، یہ دیکھو کہ تم روزہ کس کے لئے رکھ رہے ہو؟
گر یہ روزہ اپنی ذات کے لئے رکھ رہے ہو، اپنی خوشی کے لئے اور اپنا شوق پورا کرنے
کے لئے روزہ رکھ رہے ہو تو بیشک اس پر صدمہ کرو کہ بیماری آگئی اور روزہ چھوٹ
یا۔ لیکن اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے روزہ رکھ رہے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ
یماری میں روزہ چھوڑ دو۔ تو مقصود پھر بھی حاصل ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے
لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ (صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم:
لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السفر، حدیث نمبر ۱۹۴۶)" سفر کی حالت میں جب کہ شدید مشقت
ہو۔ اس وقت روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں۔"

لیکن قضا کرنے کے بعد جب عام دنوں میں روزہ رکھوگے تو اس میں وہ تمام انوار
و برکات حاصل ہوں گے جو رمضان کے مہینے میں حاصل ہوتے تھے۔ گویا کہ اس شخص کے

حق میں رمضان کا دن لوٹ آئے گا اور رمضان کے دن روزہ رکھنے میں جو فائدہ حاصل ہوتا وہ فائدہ اس دن قضا کرنے میں حاصل ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر شرعی عذر کی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں۔ مثلاً بیماری ہے سفر ہے۔ یا خواتین کی طبعی مجبوری ہے۔ اسکی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں۔ تو غمگین ہونیکی کوئی بات نہیں۔ اس وقت میں روزہ چھوڑ دینا اور کھانا پینا ہی اللہ کو پسند ہے۔ اور لوگوں کو روزہ رکھ کر جو ثواب مل رہا ہے تمھیں روزہ نہ رکھ کر وہی ثواب مل رہا ہے۔ اور عام لوگوں کو بھوکا رہ کر جو ثواب مل رہا ہے تمھیں کھانا کھا کر مل رہا ہے اور اللہ تعالیٰ وہی انوار و برکات عطا فرما رہے ہیں۔ جو عام روزہ داروں کو عطا فرما رہے ہیں۔ اور پھر جب بعد میں اس روزے کی قضا کرو گے تو قضا کے دن رمضان کی ساری برکتیں اور سارے انوار حاصل ہونگے، گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

(جاری)

جملہ پریشانیوں کا عجیب حکیمانہ علاج

فرمایا کہ میں نے جونپور سے حضرت حکیم الامتؒ کو خط لکھا کہ بیمار ہوں، مقروض ہوں تمام خط پریشانیوں سے بھرا تھا۔ اس خط کا جواب مشفق سے مشفق معالج بھی لکھتا کہ صدمہ ہوا۔ دل سے دعا کرتا ہوں یہ وظیفہ پڑھ لیا کرو مگر ہمارے حضرت حکیم الامتؒ نے ایسا جواب لکھا کہ سبحان اللہ! رُخ بدل دیا۔ حضرتؒ نے لکھا کہ حالات موجودہ میں بدون استحقاق جو نعمتیں آپکو حاصل ہیں آپنے اس خط میں ان میں سے کوئی ذکر نہ کیا اگر وہ بھی سلب ہو جائیں تو کسقدر مصائب کا سامنا ہو اس جواب نے میرا رُخ بدل دیا تمام پریشانیاں سکون سے تبدیل ہوگئیں۔

فرمایا کہ ہر نعمت پر شکر کی عادت ڈالئے اسپر ترقی نعمت کا وعدہ ہے، اور معاصی سے بھی حفاظت رہے گی شکر کی چار صورت ہے:۔ (۱) احساس شکر یعنی دل میں یہ خیال کرنا کہ بدون استحقاق عطا ہوا ہے یہ احساس شکر ہے۔ (۲) زبان سے اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ کہنا۔ (۳) نعمت کا استعمال صحیح ہو مثلاً بینائی کو اچھے کاموں میں لگائے کسی کو حسد کی نظر سے حقارت کی نظر سے شہوت کی نظر سے اگر دیکھا تو یہ ناشکری ہوگی کیونکہ استعمال غلط ہو گیا۔ (۴) نعمت جس واسطہ سے حاصل ہو اس کا بھی شکر ادا کرنا اور زبان سے جزاک اللہ کہنا۔ جو شخص شکر کے یہ چار اعمال کرے گا معاصی سے بھی محفوظ رہے گا۔

(افادات عارفیہ)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر: احمد مکین

شمارہ ۸ صفر المظفر ۱۴۱۵ھ مطابق اگست ۱۹۹۴ء جلد ۱۷

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر: صغیر حسن۔ : اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ

ابھی تک بیشتر احباب نے سال رواں ۹۴ھ کا زرِ تعاون ارسال نہیں فرمایا ہے۔ اس طرف توجہ فرما کر ادارہ کی اعانت فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہتمام فرائض

فرمایا کہ نماز کو درست کرو سارا دین درست ہو جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ :- اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ مَنْ اَقَامَھَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ۔ یعنی نماز دین کا ستون ہے جس نے اُسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اُسے ترک کیا اس نے گویا دین ہی کو منہدم کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ نوافل پڑھو لیکن فرائض کا اہتمام کرو نوافل سے جو قرب حاصل ہوتا ہے تو اسی وقت جبکہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو ورنہ صرف نوافل ادا کر کے اور فرائض میں کوتاہی کر کے کسی نے بھی قرب حاصل نہیں کیا ہے۔

ایک شخص نے مجھے لکھا کہ میری حالت بدل گئی ہے۔ یعنی کچھ اچھی ہو گئی ہے۔ میں نے کہا کہ دیکھ رہا ہوں کہ تم نے فرائض کا اہتمام کر لیا ہے۔ بات یہ ہے کہ فرض نماز انسان کے کل وقت کو گھیر لیتی ہے۔ ظہر پڑھی۔ پھر عصر کا انتظار۔ عصر پڑھی تو مغرب کا انتظار۔ مغرب پڑھی تو عشاء کا انتظار۔ اس طرح سے کچھ وقت نماز میں اور کچھ انتظار میں گذر جاتا ہے اس طور پر گویا سارا وقت ہی عبادت میں گذرتا ہے اور نمازی غافل نہیں ہونے پاتا اور نماز پڑھنے والا گویا دوسروں کو اسلام کی عملی دعوت دیتا ہے اور واعظ قولی دعوت دیتا ہے اور عملی دعوت قولی دعوت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ نماز سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ نمازی آدمی ساری برائیوں سے بچ جاتا ہے۔ یہ بد اخلاقی کا زمانہ ہے اس زمانہ میں کام کرنا بہت مشکل ہے لوگوں کے خطوط آتے ہیں ان کے لکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت پریشان ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ بد آدمی کی اصلاح جتنی نیک صحبت اور دینی ماحول سے ہوتی ہے کسی اور چیز سے نہیں ہوتی۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ انسان خود بخود ٹھیک ہونے لگتا ہے۔

(طریقۂ اصلاح ۔ حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ)

تدبیرِ مغفرت | فرمایا کہ جب خطا ہو جائے فوراً استغفر اللہ کہو۔ تمام زندگی استغفر اللہ کہتے رہو اور معافی مانگتے رہو اور رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ الخ کہتے رہو۔ یہ سرکاری مضمون معافی کا ہے۔ ہماری خطائیں محدود اور ان کی مغفرت غیر محدود۔ استغفار کی طاقت کو معمولی مت سمجھو۔ انشاء اللہ تعالیٰ آخری عمر میں پاک وصاف ہو کر مرو گے جب رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ پڑھو تو یہ تصور کرو کہ غیر محدود مغفرت ورحمت کی ہمارے اوپر بارش ہو گئی اور ہماری سب خطائیں معاف ہو گئیں یہ تریاق ہے گناہ کے زہر کا جب گناہ کا زہر کھایا تو تریاق کھانے میں کیوں دیر کرتے ہو فوراً استغفار کا تریاق کھاؤ یہ ان کا عطا فرمودہ تریاق ہے ان کی طاقت کے سامنے گناہوں کی کیا طاقت ہے۔ استغفار کے بعد اپنی مغفرت کا سو فیصد امیدوار رہنا چاہیئے۔

انعامِ اتباعِ سنت | فرمایا کہ اتباعِ سنت کا اہتمام کرو۔ کیا آپ کے باپ دادا میز کرسی پر کھاتے تھے؟ اب کیا ہو گیا ہے کہ آپ کو فرش پر سنت کے مطابق کھانے میں عار ہے؟ محمد علی جناح کی انگریزی تقریر سے انگریز بھی شرماتے تھے کہ ہم ایسی نہیں بول سکتے مگر آخر میں شیروانی پاجامہ ٹوپی پہنتے تھے اور ہمارے نوجوانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوٹ پتلون ٹائی اور ڈاڑھی صاف؟ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں یا عیسائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب قیامت کے دن حاضری دوگے تو کیا پسند کرتے ہو؟ کہ بابو بن کر کوٹ، ٹائی پتلون، ڈاڑھی مونچھ صاف۔ اس طرح سے پیش ہو کر کہو گے کہ یا رسول اللہ! میں آپ کا امتی ہوں۔ ارے کس منہ سے کہو گے؟ جلدی اصلاح کر لو۔ اور فرمایا کہ کھانے، پینے، سونے جاگنے، استنجا کرنے اور ہر کام میں سنت کا خیال رکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھئے اور ان پر عمل کرنے کے لئے ہماری کتاب "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" کا مطالعہ کرو۔ ایک ایک سنت کو اپناؤ۔ اتباعِ سنت کو معمولی عمل نہ سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کا اتباعِ سنت پر وعدہ ہے یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے، عجیب انعام ہے۔ ہماری اتباعِ سنت ناقص ہو گی مگر اللہ تعالیٰ جب محبت فرمائیں گے تو کامل فرمائیں گے کیونکہ وہ نقص سے پاک ہیں

کوئی کام ناقص نہیں ہو سکتا۔

نگنے کا عجیب مضمون | فرمایا کہ جب دعا مانگتے مانگتے تھک جاؤ تو یوں عرض کرو کہ پ بدون مانگے ہم کو سب دیدیجئے کیونکہ ہم تو تھک گئے اب مانگنے کی طاقت ں۔ جامع کہتا ہے کہ یہ مضمون آب زر سے لکھنے کے قابل ہے

ت روحانی اور ذکر | فرمایا کہ جسمانی غذا نگلنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بدن میں غذا بن کر پہنچ جاتی ہے۔ سفید بالوں کو سفید غذا، کالے بالوں کو غذا۔ اسی طرح ذکر کرنے کے بعد یہ غذائے روحانی اللہ تعالیٰ کے فضل سے روح کو ت دے گی آپ سے کچھ مطلب نہیں جس طرح غذائے جسمانی کھانے کے بعد آپ یہ مطلب نہیں۔

فرمایا کہ ایک صاحب نے لکھا کہ آپ تو شیخ بن گئے اور مسند خلافت پر فائز ئے میں نے ان کو لکھا اور فی البدیہہ یہ شعر موزون ہوگیا۔ ؎

دیکھ کر میرا مذاق خدمت جام و سبو میکدہ والے مجھے پیر مغاں کہنے لگے

مت الہیہ | فرمایا کہ حضرت تھانوی رح نے فرمایا کہ جس نعمت کے اجزائے کثیرہ ہم اپنی حاجت پوری کرتے ہیں اس نعمت کے اجزائے قلیلہ کو ضائع کرتے ہوئے دل لرز جاتا ہے۔

وظیفہ | ایک صاحب نے کہا کہ میرا تبادلہ بہت تکلیف دہ جگہ ہو رہا ہے تو فرمایا ز کے بعد یہ دعا پڑھیں :- رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ قٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا ۝

ت سید سلیمان ندوی کا واقعہ | فرمایا کہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت تھانویؒ سے جب ملاقات کی اور اس وقت میں بھی حاضر تھا تو سید صاحب نے عرض کیا کہ کچھ نصیحت یجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ جیسے فاضل کو کیا نصیحت کروں ؟ لیکن اپنے بزرگوں جو سنا ہے اسی کا تکرار کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تمام تصوف کا حاصل اپنے دینا ہے۔ بس سید صاحب پر گریہ طاری ہوگیا۔ میں نے اسی وقت یہ شعر کہا ؎

بہت چاہا نہ ظاہر ہو کسی پر رازِ ضبطِ غم دو آنسو کہہ گئے لیکن شکستِ دل کا افسانہ
(عارفی)

اسکے بعد یہ اشعار سُنائے۔

نہ چھوڑا شائبہ تک دل میں احساسِ دو عالم کا معاذ اللہ محبت کا یہ اندازِ حریفانہ
خبر کیا تھی بنائیگی محبت ایسا دیوانہ مجھے بننا پڑیگا خود محبت ہی کا افسانہ
(عارفی)

پھر سید صاحب تھانہ بھون گئے تین دن مجلس میں شریک ہوئے تیسرے دن کھڑے ہو کر سہ دری پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے۔ فرمایا تمام عمر جس کو علم سمجھا تھا اب معلوم ہوا کہ سب جہل تھا علم تو ان بڑے میاں کے پاس ہے اور سیّد صاحب نے فرمایا ؎

جانے کس انداز سے تقریر کی پھر نہ پیدا شبہۂ باطل ہوا
آج ہی پایا مزا قرآن میں جیسے قرآں آج ہی نازل ہوا

علماء کی تربیت کیلئے عجیب اور مفید مثال حضرت عارف باللہ نے فرمایا کہ علماء کے علوم کی مثال ایسی ہے جیسے بریانی کے اجزاء سب دیگ میں ہوتے ہیں مگر خوشبودار کھانے کے قابل نہیں۔ دَم کی ضرورت ہے۔ ماہرِ فن آنچ کم کرکے دم دیتا ہے۔ ایک منٹ قبل یہ دیگ کالعدم خاموش بے نام و نشان تھی، دم کے بعد ایک ہی منٹ میں خوشبوئے بریانی نے محلہ بھر میں ہلچل مچادی۔ علماء کے سینوں میں یہ علوم مثل اجزاء بریانی ہیں کسی اہل اللہ کی صحبت سے جب اس کو دم دے دیا جاتا ہے پھر انکے سینوں سے ایسے علوم و معارف بیان ہوتے ہیں کہ علماء ظاہر محو حیرت ہو جاتے ہیں اسی کو حضرت عارف رومیؒ نے فرمایا ؎

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو
(قال کو چھوڑو صاحب حال بنو مگر کیسے بنوگے، کسی شیخ کامل کے قدموں میں اپنے کو مٹادو)

بینی اندر خود علومِ انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا
(پھر دیکھوگے اپنے اندر علومِ انبیاء بدون کتاب موج زن ہونگے)

گر تو سنگ خارہ و مرمر بوئی گر بصاحب دل رسی گوہر شوی
(اگر تم پتھر کی طرح سخت ہو تو اہل دل کی صحبت میں بیٹھو انکی برکت سے موتی ہو جاؤگے یعنی صاحبِ نسبت اللہ والے بن جاؤگے)

تاثیر صحبت اہل دل | اور فرمایا کہ لوہا پارس پتھر کی خداداد خاصیت سے جس طرح سونا بن جاتا ہے اسی طرح اللہ والوں کی صحبت میں منجانب اللہ ایسی خاصیت ہوتی ہے کہ انسان رفتہ رفتہ حقیقی معنوں میں انسان بن جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک بار مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ نے فرمایا کہ اہل اللہ کی صحبت سے کیا ملتا ہے اسکو کیسے سمجھادوں پھر یہ شعر پڑھا ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد　　فی الفور بصورت طلا شد

(لوہا جب پارس پتھر سے متصل ہوتا ہے فوراً سونا بن جاتا ہے)

اب یہ بات کیسے سمجھادوں کہ لوہا سونا کیوں بن جاتا ہے اور کیسے بن جاتا ہے لوہے کو چاہیئے کہ بیٹھ کر تجربہ کرلے۔

پھر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ آگ کے متعلق پانچ سو صفحات پر لکھی ہوئی کتاب پڑھ ڈالیئے گرمی نہیں ملے گی لیکن انگیٹھی کے پاس بیٹھ جائیے تو آگ کی گرمی بھی ملے گی اور آگ کی کتاب بھی سمجھ میں آجائے گی۔

دولتِ عشق | فرمایا کہ دولتِ عشق ہر ایک کو عطا نہیں فرماتے اور یہ شعر پڑھا ؎

سرمد غمِ عشق بوالہوس را نہ دہند　　سوز غم پروانہ مگس را نہ دہند

(اے سرمد اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا غم اہل ہوس حریص دنیا کو نہیں عطا فرماتے اور پروانے کا سوز غم مکھیوں کو نہیں عطا فرماتے)

اور فرمایا کہ حکیم الامت فرمایا کرتے تھے کہ راہِ عشق سے سلوک طے کرنا آسان ہوتا ہے جیسا کہ اس شعر میں فرمایا گیا ہے ؎

صنا رہ قلندر سزد ار بمن نمائی　　کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

(اے محبوب مرشد مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت کا راستہ دکھائیے کہ یہ راستہ مجھے بہت محبوب ہے اور خشک راستہ بدون محبت کے بہت دراز معلوم ہوتا ہے)

پھر فرمایا لیکن راہ عشق سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہم راہ شریعت سے بے پروا ہوجائیں بلکہ عشق سے راہ شریعت پر چلنا آسان ہوجائے گا بدون عشق شریعت پر چلنا

مشکل ہوتا ہے۔

حاصلِ تصوّف فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ تمام سلوک اور تصوف صرف یہ ہے کہ طاعت کے وقت ہمت کر کے طاعت کو بجالائے اور معصیت کے کے وقت ہمت کر کے معصیت سے رُک جائے اس سے تعلق مع اللہ پیدا ہو محفوظ رہتا ہے، ترقی کرتا ہے۔

دورِ حاضر کی ترقی کا مفہوم فرمایا کہ دور حاضر کی ترقی یہ ہے، ایجادات اور اسباب کی فراوانی اور اخلاق سور اور کتوں سے بُرے۔ حسد، بغض، کینہ، جہازوں کا آدمیوں کا اغوار، ڈاکہ، چوری، ہر اشتہار پر اور ہر سائن بورڈ پر عورت کی تصویر عورتوں کا پیٹ کھلا، بازو کھلے اس بے حیائی اور بے شرمی کا نام ترقی و ہے، نوجوان لڑکے نوجوان لڑکی کا مخلوط تعلیم حاصل کرنا، حد ہے اس بیحیا

کثرت مصافحہ سے عُجب کا علاج حضرت عارف باللہؒ نے فرمایا کہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ایک بار لوگوں کے مصافحہ کی کثرت سے نفس عُجب کے آثار محسوس ہوئے تو میں نے مصافحہ کی یہ نیت نفس کی اصلاح کی کہ یا اللہ میں ان لوگوں سے اسلئے مصافحہ کرتا ہوں کہ شاید آپ کے کسی بندہ کے ہاتھ میں میرا ہاتھ آجائے اور وہ سبب میری نجات اور مغفرت کا

عبرتناک واقعہ فرمایا کہ نواب مولوی محسن الملک علیگڈھ کالج کے سکریٹری تھے۔ کالج بنانیکی منظوری کیلئے لارڈ کرزن وائسرائے کے محل میں گئے۔ ساتھ دو بیرسٹر بھی گئے۔ مغرب ہوا۔ تنہا وائسرائے لاج میں نماز پڑھی۔ ان بیرسٹروں نے وائسرائے سے کہا حضور! یہ مولوی دقیانوسی آدمی ہیں آدابِ شاہی سے واقف نہیں۔ ہم لوگ بہت شرمندہ اور معافی کے خواہ کہ انھوں نے یہاں نماز شروع کردی۔ وائسرائے سگریٹ پیتا رہا اور خاموش رہا۔ جب محسن الملک نماز پڑھ کر آئے تو وائسرائے کھڑا ہوگیا اور مولوی صاحب کو کرسی پر بٹھا کر پھر خود بیٹھا اور کہا کہ مو آپ سے دل بہت خوش ہوا۔ وائسرائے لاج کی تاریخ میں پہلی مرتبہ خدا کا نام لیا گیا۔ یہ بیرسٹر مسلمان یا منافق ہیں اگر آپ کی خاطر ملحوظ نہ ہوتی تو انکو کان پکڑ کر نکال دیتا جو خدا کی عبادت سے معافی کر رہے ہیں ہم کو خوش کرنے کے لئے۔

(البلاغ عارفی نمبر)

فرائض اور نوافل میں فرق مراتب

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

شریعت مقدسہ میں جس عمل کا جو درجہ ہے اسی کے مطابق اپنا عقیدہ رکھنا چاہیئے اور عمل میں بھی اسی درجہ کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ جو عمل شریعت میں عظیم ہے اس کو تو چھوٹا سمجھ لیا جائے اور چھوٹے ہی کو بڑا سمجھ لیا جائے۔ اگر ایسا کیا جائیگا تو شریعت کا انتظام ہی درہم برہم ہو جائے گا کوئی چیز اپنی جگہ پر نہ رہ جائیگی اور جب شریعت کی اتباع نہ رہ جائیگی تو پھر مقبولیت ختم ہو جائیگی۔ اس لیے کہ مقبولیت کی راہ منحصر ہے اتباع شریعت میں۔ بغیر ہر امر میں اتباع شرع کے اللہ تعالیٰ تک رسائی ناممکن ہے۔ مثلاً اس زمانہ میں یہ ضلالت "گمراہی" آگئی ہے کہ فرائض میں تقرب اور ثواب (قرب خداوندی کا حصول) کم سمجھتے ہیں اور نوافل میں زیادہ بلکہ ولایت اور بزرگی نوافل ہی میں اعتقاد کرتے ہیں فرائض میں نہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ صلوات خمسہ (نماز پنجگانہ) کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے اس پر دلائل قطعیہ قائم ہیں اور نوافل دلائل ظنیہ سے ثابت ہیں تو دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ جیسے ان کے دلائل میں تفاوت "و فرق" ہے اسی طرح خود فرائض اور نوافل کے درجات میں بھی تفاوت ہے۔ پس ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ فرائض کی فرضیت کے اعتقاد کے ساتھ ساتھ یہ بھی اعتقاد کرے کہ سب سے زیادہ تقرب اور ثواب فرائض ہی میں ہے۔ اور ولایت کے حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے۔ مگر اب اعتقاد اس کے بالکل برعکس ہو گیا ہے عوام تو اکثر اس بدعقیدگی میں مبتلا ہیں کہ نوافل کو اہم سمجھتے ہیں اور خواص ایسی کھلی ہوئی بداعتقادی میں تو کیسے مبتلا ہوتے تاہم اتنا ضرور ہے کہ فرائض کا خاص اہتمام نہیں کرتے عظمت اور وقعت کے استحضار کے ساتھ اُسے ادا

نہیں کرتے۔ یہ لوگ بھی عوام کے عقیدہ سے ضرور متاثر ہیں۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے ا
اقرار بھی کیا کہ واقعی فرائض کا اہتمام بہت ہی کم تھا۔ آپ کے بیان سے اب توجہ
طرف ہوئی۔ ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ جس طرح لوگوں کے مراتب میں فرق ہوتا ہے
درجات مختلف ہوتے ہیں ویسے ہی اعمال شرعیہ میں بھی فرق ہے۔ بعض فرض ہیں
واجب، بعض سنت اور بعض نفل تو یہ سب کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اور میں کہتا ہو
کے مراتب میں جو فرق ہوتا ہے وہ بھی اعمال ہی کے فرق سے ہوتا ہے۔ یعنی جو ج
کا عمل کرتا ہے اسی کے مطابق اس کا درجہ ہوتا ہے اور یہ مصرعہ یہاں خوب ہی چ
ہوتا ہے کہ ع گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

(اگر مراتب اور درجات میں فرق نہ کرو تو زندیق ہو)

ظاہر ہے اور سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے فر
خمسہ ہی کا تحفہ لائے تھے اور جبرئیل علیہ السلام نے کئی مرتبہ تشریف لا کر حضور صلی
علیہ وسلم کو فرض نماز پڑھنے کا طریقہ سکھلایا۔ فرائض ہی کی ادائیگی کے لئے مسـ
کی بنا ہوئی۔ فرائض ہی کے لئے اذان دی جاتی ہے اور اسی کی ادائیگی کے لئے
کا امر (تعمیر) فرمایا گیا ہے تو کیا یہ سب اہتمام شریعت کا یوں ہی ہے۔ اگر فرائض میں عظـ
نہ ہوتی تو اس قدر اس کے اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نز
سب سے اعظم و اعلیٰ عبادات میں نمازِ فرض ہی ہے۔ اب صرف زبان سے تو فرض
کہتے ہیں مگر عقیدہ یہ رکھتے ہیں کہ اس میں تقرب "یعنی قرب و رضائے الٰہی" اس درجہ
جتنا نوافل میں ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ یہ نفاق نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ تو ا
ہے کہ کسی بزرگ کی خدمت میں آمد و رفت رکھیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معتـ
مگر دل سے اس کے معتقد نہ ہوں تو کیا ان بزرگ سے اس کو کچھ نفع ہوگا؟ ان
فیوض و برکات حاصل ہوں گے؟

اسی طرح جب فرائض کے لوگ معتقد ہی نہ رہے تو فرائض کے فیوض و بـ
سے بھی محروم کر دیئے گئے اور نوافل کے معتقد تھے تو اتنی فرصت نہیں کہ اس کو اد

ـہ پانچوں فرض نماز

اس لئے اس کے فیوض سے بھی عاری" اور خالی" رہے۔ غرض نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے۔ اور اگر کوئی فرائض کے علاوہ نوافل و اذکار کرے بھی تو جب اتنی بڑی بدعقیدگی میں مبتلا ہے پھر اللہ تعالیٰ کو کب گوارا ہوگا کہ اس کو فیوض و برکات عطا فرمائیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ نفس نوافل کی جانب زیادہ راغب ہوتا ہے اسکو اس کے ادا کرنے میں زیادہ لذت ملتی ہے۔ اس لئے یہ موقع مزلّۃ الاقدام یعنی پاؤں ڈگمگانے کی جگہ" تھا کہ اسکی طرف زیادہ میلان ہونے کے سبب انسان اس کو اپنی جہالت سے افضل بھی سمجھ لیتا۔ اس منشا کو سمجھ کر ان حضرات نے علم کی روشنی پھیلائی تاکہ جہالت کی تاریکی کافور ہوجائے اور سبیل حق" اور راہ ہدایت" واضح ہوجائے۔ صاحب ترصیع الجواہر لکھتے ہیں کہ:۔

النفس للنوافل امیل من جهة انها تعمل ما تعمل بتفویضها رأیها فلها فی ذلك لذة التفوق الاطلاق وفی الفرائض هی مقهورة تحت حکم التکلیف ومن هنا والله اعلم کانت الفرائض اعظم ثوابا المشقتها علی النفس من حیث انها لاحظ لها فیها (ترصیع الجواہر ص۲۸)	نفس نوافل کی جانب زیادہ مائل ہوتا ہے، اسلئے کہ یہاں جو کچھ وہ کرتا ہے وہ اسی کی جانب منسوب ہوتا ہے اور اسکے کرنے میں وہ خود مختار ہوتا ہے اسکو رائے کی آزادی حاصل ہوتی ہے تو اسکو اس تصرف اور خود مختاری میں ایک گونہ لذت ملتی ہے۔ اور فرائض میں تو وہ تکلیف کی قید و بند میں جکڑا ہوتا ہے (زمان ومکان کیف وکم" وقت، جگہ، کیفیت، مقدار" کا پابند ہوتا ہے) شاید یہی وجہ اسکی ہو (واللہ تعالیٰ اعلم) کہ فرائض کی ادائیگی میں ثواب زیادہ ملتا ہے۔ کیونکہ وہ نفس پر شاق ہوتے ہیں اور وجہ مشقت یہ کہ نفس کیلئے اسکی ادائیگی میں اپنا کوئی حظ و حصہ نہیں ہوتا (چار و ناچار اس کو کرنا ہی پڑتا ہے)

دیکھئے یہاں وجہ بیان فرمادی کہ نفس نوافل کی جانب زیادہ مائل اس وجہ سے ہوتا ہے کہ آزادی سب ہی کو طبعاً پسند ہے اور جس کام کی نسبت اپنی جانب ہو اسکے انجام دینے میں مسرت بھی ہوتی ہے اور نفل کے اندر یہ دونوں باتیں موجود ہیں، کرنے نہ کرنے کی آزادی بھی ہے اور ہماری ہی جانب وہ منسوب بھی ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا فریضہ ناقصین کی نظروں میں حاکم وقت کی

بیگار معلوم ہوتا ہے اور نوافل کا اہتمام اس سے کہیں بڑھ کر کیا جاتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے لیکن صاحب ترصیع نے آگے یہ جو فرمایا کہ فرض میں ثواب زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نفس پر شاق "دشوار" ہوتا ہے اور فرائض میں مشقت زیادہ ہے اپنے بزرگوں کی برکت سے کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ فرائض میں مشقت نہیں ہے مشقت نوافل ہی میں زیادہ ہے پھر بھی نفس اسکی جانب زیادہ مائل جو ہوتا ہے تو یہ اغوائے (رہزنی) شیطان کی وجہ سے کہ وہ اس طرح سے اغواء اور گمراہ" کرکے اسکی نظر میں ایک غیر اہم شئے کو اہم اور اہم کو غیر اہم دکھانا چاہتا ہے اور افضل" اور بہتر" سے ہٹا کر مفضول" اور کمتر" کی جانب اسکی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے۔

فرض کو اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کرکے نفس پر سہل اور آسان فرمادیا جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا) اور عقلی قاعدہ ہے کہ اَلْبَلِيَّةُ اِذَا عَمَّتْ طَابَتْ (مصیبت جب عام ہوجاتی ہے تو خوشگوار بن جاتی ہے) اس لئے فرائض میں مشقت نہیں ہے۔ مشقت نوافل ہی میں ہے۔ کہ تنہا کرنا پڑتا ہے۔ باقی اجر و ثواب" جو اس کا زیادہ ہے تو اسلئے کہ وہ فرض ہے۔ کسی عبادت کو جو فرض ہو، فرض سمجھ کر اور حکم حاکم کے امتثال کی نیت سے ادا کرنا خود ایک مستقل فضل ہے اور موجب ازدیاد اجر" اور باعث زیادتی ثواب" ہے۔ صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ:-

ولاشك ان من قام بالفرائض وترك النوافل افضل ممن قام بالنوافل وترك الفرائض واكثر الناس مبتلون بهذا البلاء ولذا قال بعض العارفين انما حرموا الوصول بتضييع الاصول (مرقات)

اور اسمیں شک نہیں کہ جس نے فرائض کو اچھی طرح ادا کیا لیکن نوافل چھوڑ دیئے تو وہ اس شخص سے کہیں بہتر ہے جس نے نوافل کا تو اہتمام کیا مگر فرائض ترک کردیئے اور اکثر لوگ اسی مرض میں مبتلا ہیں اسی لئے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ لوگ وصول الی اللہ" یعنی خدا تک رسائی" سے اصول کے ضائع کرنے کی وجہ سے محروم ہوئے۔

صاحب رسالہ قشیریہ بھی اس عبادت کو ایک مقام پر اس طرح لائے ہیں فرماتے ہیں کہ

فاول قدم للمرید فی ھذہ الطریقۃ ینبغی ان یکون علی الصدق لیصح لہ البناء علی اصل صحیح فان الشیوخ قالوا انما حرموا الوصول لتضییعھم الاصول۔

اول قدم مرید کا اس طریق میں صدق پر ہونا چاہیئے تاکہ اسکے لئے اصل صحیح پر بنا ر ہوسکے کیونکہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ لوگ وصول سے اسلئے محروم ہوئے کہ انھوں نے اصول کو ضائع کردیا

(قشیریہ ص۱۹۰)

یعنی اول قدم مرید کا اس طریق میں صدق پر ہونا چاہیئے تاکہ بنا اصل صحیح پر ہو کیونکہ شیوخ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ وصول الی اللہ سے محروم رہے ہیں وہ صرف اصول کے ضائع کرنے کی وجہ سے محروم رہے ہیں اور پہلی اصل ان میں سے صدق ہے

اور یہاں صاحب مرقات اسی جملہ کو اقامت صلوۃ مفروضہ "یعنی نماز فرض کی ادائیگی کے اہتمام" اور اسکی ضرورت کی دلیل میں لائے ہیں، اور فرائض کی پابندی کو اصل قرار دے رہے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں وہ اس اصل کو ضائع کر رہے ہیں لہٰذا ان کو وصول سے حرمان لازم ہوگا۔ ان دونوں میں تنافی (تضاد) نہیں ہے۔ صدق باطن کے متعلق ہے۔ اقامت صلوٰۃ "نماز کی پابندی اور اہتمام" ظاہر کے متعلق ہے۔ پس جو صدق کے ساتھ قدم رکھے گا وہ اقامت صلوۃ کو بھی لازم سمجھے گا۔

اس عبارت سے فرائض کی کس قدر افضلیت معلوم ہوئی اور کیسے موقع سے ملا علی قاری اس مقولے کو لائے ہیں اس سے بڑھکر کوئی موقع اس کے استعمال کا ہو ہی نہیں سکتا کہ لوگ وصول الی اللہ سے محروم ہیں تو اصل حرمان اور محرومی" کی وجہ اس کے اصول کا ضائع کرنا ہے ان میں نماز کی فرضیت کا اعتقاد اور اسکی پابندی بھی داخل ہے اور اس اعتقاد اور عمل کے بغیر وصول سے حرمان ہی نصیب ہوگا۔

فرائض سے قرب کی زیادتی پر صریح حدیث قدسی بھی موجود ہے مگر اسکو نہیں دیکھتے جیساکہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ مَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ

إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أُحِبَّهُ الخ
یعنی میرے بندے نے میری جانب تقرب فرائض سے زیادہ کسی شے کے ذریعہ نہیں حاصل کیا۔ اور میرا بندہ بذریعہ نوافل تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہانتک کہ میں اسکو اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔

صاحبِ مرقاۃ فرماتے ہیں کہ:۔

احبھا الی اللہ اداء الفرائض ولذا قال (ما یزال عبدی) ای القائم بقرب الفرائض (یتقرب) ای یطلب زیادۃ القرب (الی بالنوافل) ای بقرب طاعات الزوائد علی الفرائض۔	سب اعمال سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض کی ادائیگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مایزال عبدی فرمایا۔ یعنی ہمیشہ میرا وہ بندہ جو کہ قرب فرائض سے متصف ہوچکا ہوتا ہے نوافل کے ذریعہ زیادتی قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یعنی وہ قرب جو کہ فرض کے قرب پر مزید ہوتا ہے اور علاوہ فرائض کے نوافل سے حاصل ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو درجہ خاص محبوبیت کا حاصل ہوتا ہے وہ محض نوافل سے نہیں ہوتا بلکہ فرائض سے قرب حاصل کرنے کے بعد نوافل سے وہی پہلا قرب مزید ہوجاتا ہے محض نوافل کے قرب سے یہ درجہ جس کا ذکر حدیث میں ہے نہیں مل سکتا۔ حدیث میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا جو ذکر ہے وہ دونوں کے جمع کرنے پر ہے۔ چنانچہ صاحب مرقات فرماتے ہیں لجمعہ بین الفرائض والنوافل (یعنی اسکے فرائض اور نوافل کو جمع کرنیکی وجہ سے) "محبوبیت کا یہ مقام مخصوص عطا ہوتا ہے" اس لئے کہ اصل قرب تو فرائض سے حاصل ہوتا ہے اس پر زیادتی البتہ نوافل سے ہوتی ہے۔ نافلہ "بمعنی زائدہ" کو نافلہ کہتے ہی ہیں اس لئے کہ وہ فرائض پر زائد ہوتے ہیں۔

اب ہم بزرگان دین کی عبارات کو پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ان حضرات کے زمانہ میں بھی یہ بلا تھی کہ فرائض کو کمتر سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان حضرات کو اس کی طرف توجہ کرنی پڑی اور انھوں نے امت کو اس عظیم ضلالت اور گمراہی سے نکالا اور کتابوں میں اس مضمون کو لکھا۔ چنانچہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے اس پر ایک مستقل مقالہ ہی

فتوح الغیب میں لکھا ہے فرماتے ہیں :۔

المقالة الثامنة والاربعون قال رضی اللہ عنہ ینبغی للمومن ان یشتغل اولاً بالفرائض فاذا فرض منہا اشتغل بالسنن ثم یشتغل بالنوافل الفضائل فما لم یفرغ من الفرائض فالاشتغال بالسنن حمق و رعونة فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منہ واھین فمثلہ کمثل رجل یدعوہ الملک الی خدمتہ فلا یاتی الیہ ویقف بخدمة الامیر الذی ھو غلام الملک وخادمہ و تحت یدہ وولایتہ۔

(۴۸ واں مقالہ) فرمایا کہ مومن کیلئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے فرائض کی ادائیگی میں مشغول ہو۔ اور جب اس سے فارغ ہو جائے تو سنن رواتب "یعنی سنن مؤکدہ" کے ساتھ مشغول ہو۔ اور پھر ان کے بعد نوافل اور فضائل میں لگے۔ پس جب تک کہ فرائض سے فارغ نہ ہو سنن میں مشغول ہونا حماقت اور بے عقلی کی بات ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص فرائض سے پہلے سنن اور نوافل میں مشغول ہوگا تو وہ اس سے مقبول ہی نہ ہونگے بلکہ اسکی اہانت کی جائیگی۔ پس اسکی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ اپنی خدمت کیلئے طلب کرے تو وہ بادشاہ کے پاس تو نہ جائے بلکہ بادشاہ کے وزیر کی خدمت کرنے میں لگ جائے جو کہ اس کا غلام اور خادم ہے اور اسی کا ماتحت اور اسی کے زیر نگیں ہے۔

عن علی بن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مثل مصلی النوافل وعلیہ فریضة کمثل حبلی حملت فلما دنا نفاسہا اسقطت فلا ھی ذات حمل ولا ھی ذات ولاد و کذلک المصلی لا یقبل اللہ لہ نافلة

حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نفل نماز پڑھنے والے کی مثال جس کے ذمہ فرائض ہوں اس حاملہ عورت جیسی ہے جس کو ایک عرصہ تک حمل رہا ہوا ور جب اسنے جنا تو سقط "یعنی ناتمام بچہ" جنا ہو کہ نہ تو اب یہ حمل والی ہی کہی جاسکتی ہے اور نہ بچے والی (اسلئے کہ نہ حمل ہی باقی رہا نہ بچہ ہی سالم پیدا ہوا) بس یہی حال اس نمازی کا ہے

حتی یودی الفریضۃ ومثل المصلی	کہ اللہ تعالیٰ اس کے نافلہ کو قبول ہی نہیں فرما
کمثل التاجر لا یحصل لہ ربحہٗ	آنکہ وہ پہلے فریضہ کو ادا نہ کرلے۔ اور مصلی کی تو
حتی یاخذ راس مالہ فکذلک	بس تاجر جیسی ہے کہ حاصل شدہ مال نفع نہیں شـ
المصلی بالنوافل لا یقبل لہ	جاتا تا آنکہ پہلے اس میں سے اپنا راس المال اور
نافلۃ حتی یؤدی الفریضۃ و	سرمایہ" نہ نکال لے۔ یہی حال نفل پڑھنے والے
کذلک من ترک السنۃ و	ہے کہ اسکی کوئی نفل قبول نہ ہوگی یہاں تک کہ و
اشتغل بالنوافل التی لم ترتب	فرض ادا نہ کرلے، اسی طرح سے جس شخص نے سنو
مع الفرائض ولا یؤکد امرھا۔	کیا اور ان نوافل میں مشغول ہوگیا جو فرض کیساتھ مقرر نہیں
(مرقات)	غیر راتبہ ہیں اور جن کا امر تاکیدی بھی نہیں ہے۔

اس کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے خوب خوب شرح فرمائی ہے۔ امام غزالیؒ
الکشف والتبیین میں تحریر فرمایا ہے کہ :۔

وفرقۃ اخریٰ حرصت علی	ایک اور فرقہ ہے جو کہ نوافل پر تو حریص ہے لیکن
النوافل ولم یعظم اعتدادھا	کی عظمت اور اسکی وقعت اسکے قلب میں اتنی نہیں
بالفرائض فتری احدھم یفرح	چاشت (اشراق) تہجد اور ان کے جیسی نوافل اداکر
بصلوٰۃ الضحیٰ وصلوٰۃ اللیل و	خوش ہوتا ہے مگر فرض نماز میں اس کو کوئی لذت
امثال ھٰذہ النوافل ولا یجد	ملتی اور نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کچھ خیر ہی پاتا ہے
لصلوٰۃ الفرض لذۃ ولا خیرا من	کہ نوافل کو اول وقت میں ادا کرنے پر تو حریص ہوتا ہے
اللہ تعالیٰ لشدۃ حرصہ علی المبادرۃ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس کو یاد
بھا فی اول الوقت وینسی قولہ	ہوتا کہ تقرب حاصل کرنے والوں نے کسی چیز سے
صلی اللہ علیہ وسلم ما تقرب	حاصل نہیں کیا جو کہ اللہ تعالیٰ کی فرض کردہ چیز
المتقربون بافضل من اداء ما	کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوئے تقرب سے بڑھ
افترضہ اللہ علیھم وترک الترتیب	اور اچھی چیزوں میں بھی ترتیب کا ترک
بین الخیرات من جملۃ الشرور	قبیح امر ہے۔

(جاری)

:- مکتوب نمبر ۱۷ :-

ل :- طاعت و ذکرالہی اور اپنے وظائف میں پابندی کا ارادہ رہتا ہے، لیکن ایسی آسمانی رکاوٹیں پیش آجاتی ہیں کہ سب گڑبڑ کر دیتی ہیں۔ چند دنوں تک اچھا ہی حال رہتا ہے اور پھر چند دن گڑبڑا جاتی ہے ایسا ہی پے در پے خیر و شر آتے جاتے ہیں، کیا وجہ ہے؟ جس کے لئے انتہائی غم و فکر لاحق ہو جاتے ہیں اور شیطان ملعون بھی بہت دق کرتا ہے۔ ارادہ اور سعی میری طرف سے اور بھروسہ حضرت والا ہی پر ہے۔ ایسا حال نہ ہونے کا طریقہ بتلا دیں۔

تحقیق :- تصوف کی نہایت جامع کتاب "ترصیع الجواہر المکیہ" سے ایک مضمون ملخصاً نقل کرتا ہوں اس کو غور سے پڑھئے، امید ہے کہ اسکو اپنی حالت کے موافق پائیں گے۔ نفس کے کئی مقام ہیں ان میں سے مقامِ ثانی نفس لوامہ ہونے کا ہے، اور لوامہ اس لئے کہتے ہیں کہ نفس لوامہ والا شخص جب مخالفت میں پڑتا ہے تو اس کو اس کا نفس ملامت کرتا ہے۔ اور نفس لوامہ کے صفات میں سے ہوئی، مکر، عجب، ریار، ظلم، غیبت، کذب، غفلت اور حب ریاست وشہرت ہے اور صاحب نفس لوامہ اعمال صالحہ نماز، روزہ وصدقہ وغیرہ بھی کرتا ہے۔ مگر ان اعمال کی وجہ سے عجب، ریار وغیرہ میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس کے لئے مجاہدہ اور اسم ثانی یعنی اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا لازم ہے تاکہ اس سے نجات پا جائے۔ اس مقام میں وساوس و افکار کثیر ہو جاتے ہیں تو چاہیئے کہ اس کو ذکر جہر سے نفی (دور) کرے اور ہر قاطع طریق خواہ جن ہو یا انس اس سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے استعانت طلب کرے۔ (ترصیع الجواہر المکیہ)

چونکہ یہ آپ کے حالت کے موافق تھا لکھا گیا۔ لوگ اپنی حالت کو سمجھتے ہی نہیں اور اگر سمجھتے بھی ہیں تو مجاہدہ پر قادر نہیں اس لئے پریشان رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایک حالت پر رہیں اور یہ حالت ایک حالت پر رہنے دیتی نہیں، یہ تو اس حالت کا بیان ہے۔ علاج اس کا اور ہے جو کتب میں موجود ہے یا شیخ کامل کے پاس ہے۔

مزید بصیرت کے لئے روح المعانی سے اسی کے مناسب مضمون لکھا جاتا ہے سنئے! قولہ تعالیٰ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ آخَرَ سَیِّئًا (جنھوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے کچھ برے) کے تحت معانی باطنیہ کا استنباط فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ حَیْثُ کَانُوْا فِیْ رُتْبَۃِ النَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ الَّتِیْ لَمْ یَصِرْ اِتِّصَالُھَا بِالْقَلْبِ وَتَنَوُّرُھَا بِنُوْرِہٖ مَلَکَۃً لَّھَا۔ الخ یعنی یہ حالت اسی وقت ہوتی ہے جبکہ آدمی نفس لوامہ کے مرتبہ میں ہوتا ہے اور نفس کا اتصال بالقلب اور اس کے نور سے منور ہونا اس کا ملکہ نہیں ہوا ہوتا۔ اسی لئے کبھی اس کا منقاد ہو کر اعمال صالحہ کرنے لگتا ہے اور کبھی اس سے بھاگنے لگتا ہے اور افعال سیئہ کرنے لگتا ہے اور وہ اسی بین بین حالت میں رہتا ہے جبتک کہ اس کا اتصال بالقلب قوی ہو کر ملکہ نہ ہو جائے اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو مخالفات سے نجات پا جاتا ہے

:- مکتوب نمبر ۱۸۵ :-

حال :۔ حضرت عالی منزلت مَدَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا فُیُوْضَہٗ وَبَرَکَاتَہٗ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ دو گرامی نامے ایک کل دوسرا آج موصول ہو کر موجبِ عز و شرف وطمانیت وسکینتِ قلب ہوئے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا بڑا انعام واحسان ہے کہ اس نے حضرت کی ذات بابرکات کو مجھ دور افتادہ ازیں سو راندہ وازاں سو در ماندہ کی جانب ملتفت فرمادیا فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ، رفع غم ودفع ہم کے لئے جو تدبیر تحریر فرمائی ہے لاریب کہ ازالۂ سبب وقمع علت کی وہی واحد تدبیر ہے اس کو مطالعہ کرنے پر اشعار ذیل یاد آگئے ؎

ہر چہ آید بر تو از ظلماتِ غم	آں زبے باکی وگستاخی است ہم
غم چو بینی زود استغفار کن	غم بامرِ خالق آمد کار کن

(غم کی تاریکیوں سے جو کچھ تم کو پیش آتا ہے وہ بے باکی اور گستاخی ہی کی وجہ سے ہے)
(جب بھی غم دیکھو فوراً استغفار میں لگ جاؤ۔ غم تو خالق کے حکم سے آیا ہے اسلئے کام میں لگو اور

(عمل یعنی اصلاح اعمال کرو)

میری مثال اس مریض کی ایسی ہے جو طبیب نہ ہو اور سُنے سُنائے اور کتابوں میں دیکھے ہوئے کچھ نسخے اور چند تدبیریں اس کو معلوم ہو گئی ہوں ان میں سے کسی ایک نسخہ یا تدبیر کو اپنے لئے وثوق کے ساتھ اختیار کرنے میں وہ ہچکچاتا ہے، لیکن جب وہ کسی طبیب حاذق سے رجوع کرتا ہے تو وہ اپنی مہارت اور تجربہ سے اصلح ادویہ اور ابلغ تدبیر کی طرف رہنمائی کر دیتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مداومت و کثرت استغفار سے بہ برکت و توجہ ہمت آنحضرت کبھی غفلت نہ ہوگی مَتَّعَ اللّٰہُ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِیَّانَا بِطُوْلِ بَقَائِکُمْ وَاَفَاضَ عَلَیْھِمْ وَعَلَیْنَا بَرَکَاتِکُمْ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

تحقیق :۔ معظم و محترم حضرت مولانا حکیم صاحب دام مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ بخیریت ہوں۔ والانامہ نے عزت بخشی میں اکثر بلکہ کل اوقات قرآن وسنت کی طرف لوگوں کو دعوت دیا کرتا ہوں اور ان دونوں کی اقتدار واتباع کو واحد تدبیر نجات کی اعتقاد کرتا ہوں، استغفا کی طرف اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعوت دے رہے ہیں۔ نصوص قرآنیہ بکثرت اس کی شاہد ہیں۔ ایک آیت لکھ رہا ہوں: اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْھٰرًا۔ مَا لَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا ۰ (اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا۔ اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا۔ اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔ تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا)

اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان چونکہ کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ (آپ کا خلق قرآن تھا یعنی قرآن کا عملی نمونہ) تھی۔ قرآن شریف کی تفسیر فرماتے ہوئے اور اس پر عمل کرتے ہوئے امت کو اسکی فضیلت کی طرف رہنمائی فرما رہے ہیں۔ اللہ

ورسول کے بعد اب ہم کو کس چیز کی حاجت باقی رہ جاتی ہے۔ اہل اللہ نے ا
پر عمل کرکے مدارج پائے ہیں۔ مَنْ شَاءَ فَلْيُجَرِّبْ۔　　والسلام

:- مکتوب نمبر ۸۱۹ :-

حال :- ایک عریضہ قبل ازاں ارسال خدمت کیا تھا ملاحظہ اقدس سے گزرا ہو
حضور! یہاں سے بیٹھے بیٹھے میں غریب و مسکین اس قدر ہی عرض کرسکتا ہوں
کہ جناب کی عقیدت کی پونجی اور محبت کا متاع میرے پاس بھی ہے اور بس۔ با
امراض قلب اور دلی کثافتیں جو روز اول تھیں اب بھی ہیں۔ میرے ایک ماموں
بزرگ اور خلیفہ مولانا گنگوہی تھے، انھوں نے بہت سمجھایا۔ اس وقت نہ عقل تھی
نہ ہوش، اس کے بعد اللہ کی رحمت نے جناب کے قدموں تک پہنچایا۔ اور آنجنا
نے سمجھانے میں اور بتلانے میں کمی نہ فرمائی، جب بھی ہوش نہ آیا۔ اب جبکہ وقت
بیگاہ شد آمد غروب آفتاب تو دل تڑپتا اور مچلتا ہے مگر اب حضور سے دوری ہے
اور یہاں جھمیلوں میں دور سے کس طرح قلب متوجہ الی اللہ ہو جبکہ قلب کثافت
اور غلاظتوں کا مجموعہ ہے۔ بس نماز روزہ وہ بھی غیر مطمئن ادا ہوتا ہے۔ مگر دل
ایک مرض بھی نہیں جاتا بجز اس کے کہ حضور سے دعا کے لئے عرض کروں اور ا
کروں۔ مجھے تو ہر بات "اللہ اللہ می کنی از بہر ناں" (روٹی یعنی دنیا کے لئے اللہ اللہ کرتے
ہو) نظر آتا ہے نہ نماز خالص نہ تسبیح درست۔

تحقیق :- خط سے حالات معلوم ہوئے۔ اصل بات یہ ہے کہ آجکل علماء اصلا
قلب کو دشوار سمجھ کر اس کی طرف آنا ہی نہیں چاہتے۔ ظاہری چیزیں آسان ہیں
اس لئے اس کو تو اختیار کرلیتے ہیں اور اس لئے بھی کہ نفع عاجل (فوری اور نقد نفع) مطلوب ہے اور
اتنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اس عقیدت و محبت
کا کیا اعتبار کہ امراض اور کثافتیں جیسے پہلے تھیں اب بھی موجود ہیں اور ذرا بھی آخرت
کی طرف توجہ نہیں ہوئی بہت افسوس کی بات ہے۔ کام کرنے والے دور رہ کر بھی کام کر

ہیں۔ آپ کے یہاں سے بھی خطوط آتے ہیں جس سے اندازہ لگتا ہے کہ کام پر لگے ہیں حالات سے خوشی ہوتی ہے۔ کام کرنے سے ہوگا محض اِدھر اُدھر کی باتوں کو لکھ دینے سے تو کام ہونہیں جائے گا

-: مکتوب نمبر ۸۲۰ :-

حال :- مرشد الانام و ملاذ الخواص والعوام حضرت سامی مرتبت عالی منزلت ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
الحمد للہ کہ تادم تحریر بخیریت ہوں اور حضرت کی عافیتِ مزاج کی دعا کرتا ہوں۔

تحقیق :- محترم و مکرم دام مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
الحمد للہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ بعافیت رکھے۔ الحمد للہ آپ کی دعا سے اچھا ہوں۔

حال :- چند روز ہوئے کہ بید کی بنی ہوئی دو کرسیاں جو غایت فضل و کرم سے احقر کو ارسال فرمائی تھیں موصول ہوئی تھیں۔ تحقیق :- آپ کے قبول نے عزت بخشی۔

حال :- اور آج بدست محب مکرم قاری محمد مبین صاحب چند عطیات بابرکات مرسلۂ حضرت سراپا مکرمت پہونچے، میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ ان انعامات و احسانات کا شکر ادا کرسکوں۔ تحقیق :- الفاظ کا اس راہ میں کیا گذر ہے، اس سے محبت کا پتہ چلا، محبت میں آدمی اپنے کو ہمیشہ قاصر ہی پاتا ہے۔

حال :- تو اللہ تبارک و تعالیٰ سے بصمیم قلب دعا کرتا ہوں کہ۔ تحقیق :- خوب جی بھر کیجئے۔

حال :- وہ حضرت کی ذاتِ گرامی صفات کو مجھ ایسے نااہل ناکارہ اور حقیر پر اتنی بزرگانہ شفقت و توجہ اور الطاف کریمانہ مبذول فرمانے پر جزائے خیر اور صلۂ عظیمہ مرحمت فرمائے۔ تحقیق :- آمین۔ حال :- اور عافیت تامہ و کاملہ و دائمہ کے ساتھ سلامت باکرامت رکھے تحقیق :- آمین۔

حال :- ؎ بقیت بقاء الدھر یا کھف اھلہ ؛ وھذا دعاء للبریۃ شامل
(آپ ہمیشہ ہمیش باقی اور زندہ رہیں اے اہل زمانہ کی پناہ گاہ! یہ دعا تمام اہل عالم کیلئے شامل ہے)
[illegible]

حال :۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد رمضان المبارک چند گھنٹوں کے لئے فرصت نکال کر
ہوکر زیارت و قدمبوسی کا شرف حاصل کروں گا۔ تحقیق :۔ زہے عزت و
حال :۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ حسب ارشاد و
کثرتِ استغفار پر عمل رہتا ہے۔ تحقیق :۔ الحمد للہ۔
حال :۔ اور ہر چند کہ اِسْتِغْفَارُنَا يَحْتَاجُ اِلٰى اِسْتِغْفَارٍ كَثِيْرٍ (ہمارا استغفا
استغفار کثیر کا حاجت مند ہے) پیش نظر ہے۔ تحقیق :۔ مبارک ہو۔
حال :۔ تاہم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن حاصل ہے۔
تحقیق :۔ مبارک ہو۔ حال :۔ اور اسکی رحمت کی وسعت پر یقین قلب
کو مطمئن کر دیتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ تحقیق :۔ سبحان اللہ الحمد للہ علیٰ ذ
حال :۔ دعائے خیر کا سائل۔ تحقیق :۔ دل سے دعاء خیر کرتا ہوں۔
حال :۔ افقر العباد الیٰ رحمۃ اللہ الصمد .... غفرلہ اللہ یوم لا ینفع
مال ولا بنون۔ تحقیق :۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔
۱۸ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ

بعض امور مسئولہ

حال :۔ حج کے بعد ۱۹۳۸ء سے درود شریف ایک ہزار بار یومیہ پڑھنے کا معمول
تحقیق :۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ حال :۔ کیا صلوٰۃ کے آخر میں۔
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ پڑھ لیا کروں۔ تحقیق :۔ ضرور ضر
حال :۔ استغفار کے ورد کی کثرت کے لئے کون صیغہ بہتر ہوگا۔
تحقیق :۔ اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ
عَمَلِيْ (اے اللہ آپ کی مغفرت میرے گناہوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور آپ کی ر
میرے نزدیک میرے عمل سے زیادہ باعث امید ہے)
حال :۔ پاس انفاس ہیں۔ تحقیق :۔ حقیقت اسکی استحضار ہے صورت میں
بھی ہو جاتی ہے۔ حال :۔ لا الہ الا اللہ کا التزام کیسا رہیگا۔ تحقیق :۔ اچھا۔

:- اور اسکی آسان صورت کیا رہے گی۔ تحقیق :-کثرت سے ذکر مع الاستحضار
:- ایک زمانہ میں کچھ التزام کیا تھا اور اس سے نفع معلوم ہوا تھا۔
تحقیق :- اب اس سے زیادہ ہوگا اصل چیز تعلق مع اللہ ہے یہ سب اذکار
کے وسائل ہیں اب مقصود بن کر رہ گئے ہیں۔
:- اگرچہ عمر کے تقاضے اور ضعف قویٰ سے برودت و رطوبت کا بہت غلبہ
رہتا ہے لیکن خلقی مزاج گرم و خشک ہے۔ تحقیق :- اسی لئے پاس انفاس
نہیں تجویز کرتا کہ اعتدال نہیں باقی رہے گا۔ حال :- حدت۔ اضطراب، سرعت انفعال
عجلت پسندی۔ شدت تاثر اس قسم کے اوصاف بدء خلقت سے رفیق ہیں۔
تحقیق :- مزاج کے حال سے بہت مطمئن ہوا۔

:- مکتوب نمبر ۸۲۱ :-

:- حضور کی شفقتوں سے بہت مالا مال ہو کر آیا ہوں۔ تحقیق :- الحمد للہ
:- الحمد للہ اپنے اندر تعلق مع اللہ کو قوی سے قوی تر دیکھتا ہوں۔
تحقیق :- الحمد للہ۔ حال :- اور سکون و طمانیت میں بھی معتد بہ اضافہ ہے
تحقیق :- الحمد للہ۔ حال :- حوادث آتے ہیں اور جاتے ہیں الحمد للہ اثر باقی
نہیں رہتا۔ تحقیق :- الحمد للہ۔ حال :- حضرت کا کرم ہے ور نہ
تحقیق :- اللہ تعالیٰ کا فضل ہے

حال :- ع من خراب کجا و صلاح کار کجا

اصل دولت اس سرائے فانی کی تعلق مع اللہ ہے۔ تحقیق :- بیشک۔
:- چونکہ بدون شیخ کامل کی مہربانی اور توجہ کے نہیں مل سکتی ہے اور اس زمانہ
میں تو گویا عنقا ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہزاروں ہزار شکر ہے کہ جناب والا کی
مہربانی اور کرم سے اس ناکارہ کو بھی مل رہی ہے۔ تحقیق :- الحمد للہ
:- بے ساختہ زبان پر یہ شعر آتا ہے تحقیق :- الحمد للہ۔

حال: ۵ جزاک اللہ کہ چشم باز کردی مرا باجانِ جاں ہمراز کردی
(اللہ آپ کا بھلا کرے آپ نے میری آنکھیں کھول دیں، مجھے محبوب دلنواز کا ہمراز کردیا)
دعا فرما دیں کہ۔ **تحقیق**:۔ دعا کرتا ہوں۔

حال:۔ اللہ تعالیٰ اخلاقِ حسنہ کو راسخ کردیں اور رذائل سے پاک وصاف کردیں اور اپنا تعلق مستحکم فرمادیں۔ **تحقیق**:۔ آمین۔ **حال**:۔ حضرت والا کی مسلسل صحبت دراز کی ابھی بہت بہت ضرورت ہے اللہ تعالیٰ غیب سے اس کا سامان بہم فرمادیں اور اس ناکارہ کے اصلاح کی تکمیل فرمادیں، اللہ میاں الہ آباد میں تعیناتی جلد کرادیں۔ **تحقیق**:۔ آمین۔ **حال**:۔ تو دین و دنیا دونوں کا فائدہ ہے، بچوں کی تعلیم و ملازمت کا سلسلہ بھی ہوجاتا اور آخر دور ملازمت میں مکان وغیرہ بھی بنوالیتا اور حج بیت اللہ کرآتا۔ **تحقیق**:۔ بیشک۔ **حال**:۔ حضور کی دعاؤں سے سب کچھ انشاء اللہ ہورہے گا۔ بندہ حقیر انھیں دعاؤں کا سہارا لگائے ہوئے بیٹھا ہوا ہے۔ **تحقیق**:۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

:۔مکتوب نمبر ۸۲۲:۔

حال:۔ حضرت والا دام اللہ برکاتکم العالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
حامل نیاز نامہ جناب مرزا حمید اللہ بیگ صاحب بیرسٹر الہ آباد برادر جناب نصیر اللہ بیگ صاحب جج ہائیکورٹ الہ آباد حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے ہیں ان اصحاب سے میرے تعلقات ہیں اور میرے ایک داماد کے قریبی رشتہ دار ہیں امید ہے کہ حضرت کی توجہ اور لطف وکرم سے اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو منتفع فرمائے گا ۵ برکریماں کارہا دشوار نیست

تحقیق:۔ بشرف ملاحظہ عالیجناب مولانا حکیم صاحب دام مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اب یہ حضرات میرے بھی قریبی ہوگئے اللہ تعالیٰ ان پر لطف وکرم کی نظر فرمائے۔ ۵
برکریماں کارہا دشوار نیست

اس تقلید کی اصل یہی ہے کہ بڑا بننے کے لئے بڑوں کی معاشرہ ہر کام میں اختیار
جاتی ہے بحض ان کی ریس کرتے ہیں حتیٰ کہ بگتے اور موتتے بھی ہیں اُن ہی کی طرح
ہ جیسے وہ بڑے ہیں یہ بھی بڑے کہلائیں اور شریعت اسلامی میں بڑا بننے کی گنجائش
ں نہیں۔ شرعی اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ کبر اور ایمان گویا دو متضاد چیزیں ہیں۔
ب اس تقلیدِ متکبرین کی شریعت نے جڑ ہی کاٹ دی ہے جس پر یہ سب متفرع
ں پھر ہم کو فرداً فرداً ایک ایک فرع پر کلام کرنا بے کار ہے۔ آپ کو معلوم ہوگیا
گا کہ یہ معاشرت کی تبدیلی درحقیقت اسلام سے کس قدر دور ہے۔ اور یہ درحقیقت
ں چیز کا شعبہ ہے جو اسلام اور ایمان کے گویا مقابل ہے یعنی کبر۔ یہ ام الامراض
ما عام ہوا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی گروہ بھی اس سے خالی نہیں گو بعض آحاد (افراد) خالی
ں۔ یہ وہ مرض ہے کہ تمام بڑے چھوٹے امراض اسی کے بچے ہیں۔

مہ اور اسکے مضرات | اسی کبر سے غصہ پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ آدمی کو ہوش نہیں رہتا اور
، مرض جو دل میں ہے زبان پر آجاتا ہے۔ جیسا کہ اس شخص نے کہا تھا کہ جانتا نہیں
ہم کون ہیں ؟

دیکھئے بعض وقت وہ مرض اتنا بڑھ جاتا ہے کہ دل میں سما نہیں سکتا اور اُبل
زبان تک نوبت آجاتی ہے یہ بات اس شخص نے ضرور کبر سے کہی ہوگی۔ کیونکہ ایسے
ص سے کہی جس کو اپنے آپ سے چھوٹا سمجھا۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ غصہ میں ہوش نہیں رہا تھا۔
۔ یہ بات بے ہوشی کے اندر منہ سے نکل گئی۔ کیونکہ اگر وہ مخاطب کو بڑا سمجھتا تو کبھی
بات منہ سے نہ نکلتی۔ مشہور ہے کہ غصہ بہت عقلمند ہے چھوٹے" اور کمزور" پر ہی آتا ہے
ر یہ واقعی بات ہے حضرت! بڑے" اور طاقتور" کی بات پر ناگواری تو ہوسکتی ہے
نہ اس سے کوئی بات اپنے خلاف مزاج دیکھیں۔ مگر جوشِ انتقام جو غضب کی تعریف
ں داخل ہے وہ چھوٹے" اور کمزور" ہی پر آتا ہے بڑے" اور طاقتور" کے مقابلہ میں جو نا
اری ہوتی ہے اس کا نام حزن اور صدمہ ہے۔ باقی غصہ جب آتا ہے اسی پر آتا ہے
ں کو اپنے سے چھوٹا سمجھے اور جب کسی کو اپنے سے کم سمجھا تو اپنے آپ کو اس سے بڑا

سی کا نام کبر ہے۔ غرض غصہ کبر ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ نتائج اس کے یہ ہیں
میں قدرت انتقام ہے تو بلا انتقام لئے دل ٹھنڈا نہیں ہوتا اور اکثر حالتوں میں
جاتا ہے سزا بمقدار عمل پر بس نہیں ہوتی اور اس وقت نفس یہ توجیہ کرتا ہے کہ
تو اسی کا ہے ہم تو برائی کے مقابلہ میں برائی کرتے ہیں اس میں کیا حرج ہے خود
میں موجود ہے جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ (برائی کا بدلہ برائی ہے) حالانکہ یہ محض نفس
ل ہے قرآن میں جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ کے ساتھ مِثْلُهَا (اس کی مثل) کی قید بھی
کہ اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے جتنی زیادتی اس نے کی ہو۔

اب بتلایئے کہ کیا کوئی ایسا مستقل مزاج ہے جو غصہ میں اتنا ہوش رکھے کہ اُس نے
برائی کی ہے اور میں اتنا بدلہ لوں۔ اول تو اسے سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے کہ دوسرے
ف سے زیادتی ہے یا نہیں۔ غصہ کے وقت دوسرے کی بھلائی بھی برائی معلوم ہو
ہے پھر اسکی مقدار کا اندازہ رکھنا گو امکان عقلی کے درجہ میں تو ہے لیکن امکان
سے یقیناً خارج ہے۔ غصہ میں یہ کسی کو ہوش نہیں رہتا کہ کتنی زیادتی ہم پر کی گئی
اور ہم جو سزا دیتے ہیں وہ اس کے برابر ہی ہوگی۔ اور اگر واقعی اسمیں غلطی نہ
ہو اور دوسرے نے واقعی زیادتی کی ہو اور صاحب غضب کو اتنی قدرت
ہو کہ غصہ سے مغلوب نہ ہو جائے اور سزا بقدر عمل پر بس کرنے کی پوری طاقت
ب بھی قرآن شریف کا حکم یہ ہے کہ برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی کے ساتھ لینا جائز ہے
یہ فتویٰ بھی ہمارے ضعف کی وجہ سے ہے۔

ودرگذر | ورنہ عزیمت تو یہ ہے جو اس کے آگے مذکور ہے فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ
عَلَى اللّٰهِ (پس جس نے معاف کر دیا اور درگذر کی پس اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے)
اعلیٰ درجہ اس وقت بھی یہی ہے کہ درگذر کرے اور اس کو مؤکد کیا ہے اِنَّهٗ لَا
يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) سے گویا
دید کر دی کہ بدلہ لو تو اس کا اہتمام کرکے لینا کہ ذرا بھی زیادتی نہ ہونے پائے
انتقام میں زیادتی ہوئی تو تم بھی ظالم ہوگے۔ اور ظالم حق تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے

اس کو سننے کے بعد جس کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت ہے وہ ڈر ہی جائے گا اور رخصت پر عمل کرنے کی اسے جرأت ہی نہ ہوگی کہ ایسا نہ ہو کچھ میری طرف سے زیادتی ہو جائے اور میں محبوب حقیقی کے نظروں سے گر جاؤں۔ بہت مشکل ہے کہ غصہ میں آدمی قابو میں رہے اب سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (برائی اس کی مثل) کی صورت صرف یہی ہے جو اس حکایت میں ہے ایک بزرگ سے ان کے مرید نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ بزرگوں کے شیون (احوال) مختلف ہوتے ہیں۔ میں ان کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ فلاں مسجد میں جاؤ وہاں تین بزرگ مشغول بیٹھے ہیں۔ ایک ایک دھول سب کے مارو اس نے ایسا ہی کیا۔ ایک صاحب کے جو دھول ماری تو وہ اٹھے اور اس کا بھی ہاتھ پکڑ کے ایک دھول اسی طرح ماردی اور زبان سے کچھ نہ کہا اور جاکر بدستور ذکر میں مشغول ہو گئے۔ یہ ہے مِثْلُهَا۔

ایک بات بطور جملہ معترضہ یہ بھی بیان کئے دیتا ہوں کہ یہ ان کا بدلہ لینا اس وجہ سے نہ تھا کہ ان سے ضبط نہ ہوا اور انھوں نے رخصت پر عمل کیا اور عزیمت کو چھوڑ دیا کیونکہ کاملین کو ضبط نفس (نفس کو قابو میں رکھنا) پر کامل قدرت ہوتی ہے اور ان سب حضرات کا کامل ہونا ایک شیخ طریقت کی شہادت سے معلوم ہو چکا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ بعض دفعہ بدلہ لے لینا ہی مصلحت ہوتا ہے کیونکہ بدلہ نہ لینے کی صورت میں دل میں غبار رہ جاتا ہے اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ نہایت ذمیم خُلق (بری خصلت) ہے جس سے اولیاء اللہ بہت ڈرتے ہیں۔ اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ بدلہ نہ لیں تو حق تعالیٰ بدلہ لیتے ہیں اور جب حق تعالیٰ بدلہ لیں گے تو اچھی طرح لیں گے۔ تو وہ حضرات شفقت کرتے ہیں کہ خود بدلہ لے لیتے ہیں اور اس شخص کو خدا تعالیٰ کے غضب سے بچاتے ہیں۔ یہ مصلحت ہے بعض بزرگوں کے بدلہ لے لینے میں جو میں نے بطور جملہ معترضہ بیان کر دی۔ دوسرے بزرگ کے جو دھول ماری تو انھوں نے اس طرف دیکھا بھی نہیں ان کی نظر اس پر تھی کہ ہرچہ از دوست میرسد نیکوست (جو کچھ محبوب کی طرف سے آتا ہے بہتر ہی ہوتا ہے) تیسرے صاحب کے جو دھول ماری تو انھوں نے یہ کیا کہ اٹھ کر اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا اور

سہلانے لگے اور دم کیا کہ بھائی تمھارے ہاتھ میں چوٹ تو نہیں لگی۔ وہ اس شان کے تھے۔ یہ بزرگوں کے شیون ہیں جن میں مثلہا کی صورت وہ ہے جو پہلے صاحب نے کیا ہم جیسوں کے ساتھ یہ بات پیش آوے تو بدون چار پانچ لگائے کب مانیں پھر اگر اپنے برابر کے ساتھ ایسا کیا جائے کہ مثلہا (اسکے برابر) پر اکتفا نہ کی جاوے بلکہ جوش ختم ہونے تک برابر مارے جائیں تب بھی خیر ہے کیونکہ وہ بھی کچھ بدلہ ضرور لے گا تو کچھ اِدھر کی زیادتی رہے گی اور کچھ اُدھر کی۔

بچوں پر ظلم | غضب تو یہ ہے کہ بعض دفعہ چھوٹوں پر بھی بری طرح غصہ کیا جاتا ہے اور وہ بالکل بے بس ہوتے ہیں ان کی طرف سے کچھ بھی بدلہ نہیں ہوسکتا۔ بچوں پر جو ظلم ماں باپ سے یا میاں جی صاحبان سے ہوتا ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔ بعضے ماں باپ ایسے قصائی ہوتے ہیں کہ بچوں کو اس طرح مارتے ہیں جیسے کوئی جانوروں کو مارتا ہے بلکہ جیسے کوئی چھت کوٹتا ہو۔ اور جو کوئی کہے تو کہتے ہیں ہمیں اختیار ہے ہم اسکے باپ ہیں۔ یاد رکھئے باپ ہونے سے ملک رقبہ (ذات کی ملکیت) حاصل نہیں ہوتی ورنہ یہ بھی ہوتا کہ باپ بیٹے کو بیچ لیا کرتا۔ باپ کا رتبہ حق تعالٰے نے بڑا بنایا ہے نہ اس واسطے کہ چھوٹے اسکی ملک ہوں اور اس سے چھوٹوں کو تکلیف پہنچے، بلکہ اس واسطے کہ چھوٹوں کی پرورش کرے اور ان کو آرام دے ہاں کبھی اس آرام دینے ہی کی ضرورت سے سزا اور تادیب کی حاجت بھی پڑتی ہے۔ اس کی اجازت ہے اور اَلضَّرُوْرِیُّ یَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَۃِ۔ (ضروری بقدر ضرورت ہی ضروری ہوتا ہے) کے قاعدہ سے اتنی ہی تادیب کی اجازت ہوسکتی ہے جو پرورش اور تربیت میں معین ہو نہ اتنی جو درجۂ ایلام تک پہنچ جائے اور ماں باپ سے ایسی زیادتی قطع نظر گناہ ہونے کے انسانیت اور (تکلیف) فطرت کے بھی خلاف ہے۔ ماں باپ کو تو حق تعالٰی نے محض رحمت بنایا ہے ان سے ایسی زیادتی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص انسانیت سے بھی خارج ہے اور میاں جی صاحبوں کی تو کچھ پوچھئے ہی نہیں، انھوں نے تو ایک مثل یاد کرلی ہے کہ ہڈی ماں باپ کی اور چمڑی استاد کی۔ نہ معلوم یہ کوئی قرآن کی آیت ہے یا حدیث ہے یا فقہ میں کہیں لکھا ہے اور لطف یہ

ہے کہ بعض دفعہ غصہ تو آتا ہے بیوی پر کیونکہ گھر میں لڑائی ہوئی تھی۔ اب بیوی پر تو کوئی بس چلا نہیں وہ غصہ باہر بچوں پر اترتا ہے۔ یہ تو عیسائیوں کا کفارہ ہو گیا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ میاںجی صاحبان یاد رکھیں کہ قیامت کے دن اس کا بدلہ دینا ہوگا۔ یہاں بچوں کی چمڑی آپ کی ہے وہاں آپ کی چمڑی بچوں کی ہوگی۔ کیا تماشہ ہوگا کہ وہ بچے جو ان کے محکوم تھے علیٰ رؤس الخلائق (سب کے روبرو) ان کو پیٹ رہے ہوں گے۔ قطع نظر اس سے ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ زیادہ مارنا تعلیم کے لئے بھی مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے ایک تو یہ کہ بچے کے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ڈر کے مارے سارا پڑھا لکھا بھی بھول جاتا ہے۔ تیسرے جب بچہ پٹتے پٹتے عادی ہو جاتا ہے تو بے حیا بن جاتا ہے، پھر پٹنے سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اس وقت یہ مرض لاعلاج ہو جاتا ہے اور ساری عمر کے لئے ایک خلقِ ذمیم یعنی بے حیائی اسکی طبیعت میں داخل ہو جاتی ہے۔

الغرض غصہ میں کبھی تو ظلم ہوتا ہے جب کہ انتقام کی قدرت ہو۔ اور جب انتقام کی قدرت نہ ہو تو کینہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں مثلاً حسد پیدا ہوتا ہے پھر اس سے ایذا رسانی کی فکر ہوتی ہے پھر مکر و فریب کی عادت پڑ جاتی ہے یہ امراض ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور یہ سب اولاد ہے اسی ایک مرض کی جس کا نام کبر ہے۔ اب تو آپ کو اسکی برائیاں معلوم ہو گئی ہونگی

تکبر کی صورتیں | سب سے بڑھ کر بڑی بات تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی برائی جابجا بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (اللہ تعالیٰ متکبر اور اترانے والے" فخر کرنے والے" اور "شیخی باز" کو پسند نہیں کرتے) اور اِنَّ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتے ہیں) یہ تین صیغے ہیں مُخْتَالٌ "اترانیوالا" اور فَخُوْرٌ "شیخی باز" اور مُسْتَکْبِرِیْنَ "غرور و تکبر کرنیوالا" اور تینوں کی نسبت لَا یُحِبُّ (نہیں پسند کرتے) کا لفظ ہے کیسا یہ جامع کلام ہے۔ ان تین لفظوں کی شرح یہ ہے کہ کبر کے آثار کبھی تو ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی تہذیب کی وجہ سے دل میں رہتے ہیں تو یہ مستکبر ہیں کیونکہ استکبار کے معنیٰ بڑا سمجھنا اور یہ دل سے ہوتا ہے اسکی نسبت فرماتے

ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ یعنی جن لوگوں کے دل میں تکبر ہے خواہ وہ ظاہر نہ ہو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ بھی مبغوض ہیں اور کبھی تہذیب کم ہوئی تو کبر کا اثر ظاہر بھی ہو جاتا ہے مثلاً کوئی آدمی فیشن بناتا اور طرح طرح کی وضع اختیار کرتا ہے جن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنا چاہتا ہے اسکے متعلق ارشاد ہے لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ ایسا آدمی بعض دفعہ اس دھوکے میں رہتا ہے کہ مجھ میں تکبر نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں نے اسی کا نام تکبر رکھا ہے کہ زبان سے بڑائی کا کلمہ کہا جائے۔ حالانکہ یہ فیشن اور وضع بنانا سب تکبر ہی ہے زبان سے نہ سہی مگر ان کی ہر ہر ادا سے تکبر ٹپکتا ہے۔ بعضوں کی چال تو فیشن میں آکر بالکل ایسی ہو جاتی ہے جیسے لقا کبوتر اپنی دُم کو سنبھال سنبھال کر حرکت کرتا ہے۔ ایسی ہی چال یہ لوگ چلتے ہیں کہ قدم قدم پر دیکھتے جاتے ہیں کہ کہیں سے فیشن تو نہیں بگڑ گیا۔

غرضکہ ان افعال کا کرنے والا گو خود ان کو تکبر نہ سمجھے لیکن واقع میں ہیں سب تکبر ہی۔ اور ان کے تکبر ہونے کو کیسا ہی چھپاوے مگر اہل فہم کو معلوم ہو جاتا ہے یہ سب مختال کے اندر داخل ہیں۔ اور بعضوں کی زبان سے بھی تکبر کے کلمات نکلنے لگتے ہیں، ان کو فخور فرمایا۔ پس مختال تو وہ ہے جس کے دل میں تکبر ہو اور افعال سے بھی ظاہر ہو، مگر اقوال سے ظاہر نہ ہو۔ اور فخور وہ ہے جس کی زبان سے بھی ظاہر ہونے لگے۔ تو تین مرتبے ہوئے ایک مستکبرین، ایک مختال اور ایک فخور تینوں کے واسطے لفظ لَا یُحِبُّ فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ تکبر کا ظہور ہو یا نہ ہو یعنی زبان سے تکبر ہو یا قلب سے یا افعال سے سب کو اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور شیخی باز کو محبوب نہیں رکھتے) اور اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) سے منع فرمادیا۔ ان میں سے ایک درجہ کی بھی اجازت نہیں دی۔

اب یہ سمجھئے کہ اس مقام پر اس پر کسی عذاب کی وعید نہیں بیان فرمائی، صرف

لَا یُحِبُّ (نہیں پسند کرتے ہیں) فرما دیا ہے، سو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ اس آیت میں نہ سہی دوسری آیتوں میں تکبر پر عذاب کی وعید بھی موجود ہے مثلاً اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ (کیا غرور کرنیوالوں کا دوزخ میں ٹھکانا نہیں ہے) دوسرے یہ کہ یہ وعید کیا تھوڑی وعید ہے کہ لَا یُحِبُّ (پسند نہیں کرتے) فرمایا یہ تھوڑی بات ہے کہ حق تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ غور سے دیکھئے تو وعید کی اصل یہی ہے کیوں کہ وعید اسی پر ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔ مرضی کیخلاف ہونا کسی کام کا اور ناپسند ہونا ایک ہی بات تو ہے پس لَا یُحِبُّ اصل ہوگئی وعید کی بلکہ دوسرے لفظوں میں یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ حقتعالیٰ کو دشمنی ہے اس مختال ہے یا فخور ہے کیونکہ محبت گو لغت کے اعتبار سے عداوت کی ضد ہے نقیض نہیں لیکن محاورات میں جس پر اطلاقات قرآنیہ مبنی ہیں وہ عداوت کی نقیض ہے لَا یُحِبُّ میں محبت کی نفی کر کے اس کی نقیض کا اثبات ہے تو یہ کہنا کہاں صحیح رہا کہ اس پر کوئی وعید نہیں آئی کیا عداوت کا اثبات وعید نہیں۔ بلکہ یہ تو وعیدوں کا اصل الاصول ہے، اگر کسی ایک معین عذاب کی وعید ہوتی وہ وعید کا ایک فرد خاص ہوتا۔ اور اس میں تو کسی فردِ عذاب کی خصوصیت نہیں رہی، بلکہ وہ وعید فرمائی جو جڑ ہے تمام وعیدوں کی یعنی عداوت۔ تو اس سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ اسکی جزا میں کسی فردِ عذاب کی خصوصیت نہیں ہر قسم کا عذاب بلکہ بڑے سے بڑا عذاب اس جرم پر ہو سکتا ہے۔

حُب اور بغض رہی یہ بات کہ لَا یُحِبُّ سے اگر عداوت کا ثابت کرنا مقصود ہے تو پھر بجائے لَا یُحِبُّ کے یُبْغِضُ (بغض رکھتے ہیں) کیوں نہ فرمایا تاکہ تصریح ہو جاتی۔ سو اس میں ایک نکتہ ہے جو اسی وقت قلب پر وارد ہوا جو زیادہ تر طالب علموں کے کام کا ہے اور اگر سمجھ میں آجائے تو سب کے کام کا بھی ہے۔ بات یہ ہے کہ افعال کے تین مرتبے ہیں۔ ایک محبوب ایک غیر محبوب گو مبغوض بھی نہ ہو۔ ایک مبغوض یعنی ایک تو کسی کام کا پسند ہونا اور ایک ناپسند ہونا گو ناگوار بھی نہ ہو۔ اور ایک ناگوار ہونا۔ ظاہر ہے کہ تکبر قسم اول کا عمل تو ہے نہیں یعنی محبوب اور پسندیدہ قسمین اخیرین (آخری دونوں قسموں) میں سے کسی ایک قسم کا عمل ہے۔ اور دوسری آیتوں اور نیز حدیثوں پر نظر کرنے کے بغد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قسم اخیر

ہی کا عمل ہے یعنی مبغوض اور ناگوار ہے اس لئے کوئی طالب علم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس جملہ لَایُحِبُّ کے بجائے یُبْغِضُ ہونا چاہئے تھا۔ سو اتنا تو مفسرین نے بھی لکھا ہے کہ بنا بر علی المحاورات مراد لَایُحِبُّ سے یُبْغِضُ ہے مگر یہ کہ اس میں نکتہ کیا ہے سیدھا لفظ یُبْغِضُ ہی کیوں نہ لایا گیا، یہ کہیں نظر سے نہیں گذرا۔ وہ نکتہ اس وقت سمجھ میں آیا جس کو وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو مذاق محبت رکھتا ہو دوسرا کوئی سمجھ نہیں سکتا اور مرتبۂ علم میں کوئی سمجھ بھی لے تو اس کو حظ" اور لطف" نہیں آسکتا، اس کا پورا حظ وہی پا سکتا ہے جس کے دل میں محبت کی آگ لگی ہوئی ہو۔ اس ہلکے لفظ کو اختیار کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ مبغوض ہونا تو بڑی بات ہے۔ عاشق کے لئے تو لَایُحِبُّ کا لفظ بھی مرجانے کی بات ہے۔ ہائے وہ بندہ کیسے زندگی بسر کرتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کو محبت نہیں ہے۔ واللہ مرجانے کی بات ہے۔ دنیا میں آدمی حکام کی اور محبوبین کی نظروں میں محبوب ہونے کے لئے کیا کچھ مصیبتیں اٹھاتا ہے۔

(جاری)

ملفوظ حضرت مصلح الامۃ

منافق کا شیوہ خود غرضی اور احسان فراموشی

صحابہ کرامؓ کا تو یہ حال تھا کہ اپنا سارا مال بلکہ جان تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کر چکے تھے اور پھر بھی خوش تھے۔ اسکے برعکس منافقین کا حال یہ تھا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم انکی مال سے اعانت فرماتے تھے لیکن وہ اپنے خبث باطن کی بنا پر اندر اندر حضورؐ سے ناراض ہی رہتے تھے یہانتک کہ آپ کے قتل کی سازش تک میں شریک ہوتے تھے۔ جُلاس نامی ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار درہم عطا فرمائے اور اسپر مزید دو ہزار کا اضافہ فرمایا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اُسپر قرض تھا حضورؐ نے اسے ادا فرمادیا تھا مگر اس کا حال یہ تھا کہ حضورؐ کے قتل کی سازش میں شریک ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود غرضی اور احسان فراموشی بھی منافق کا شیوہ ہے۔

(وصیۃ الاحسان)

(۸۱۶) فرمایا کہ ہم لوگوں کا ایسا ناپاک نفس ہے کہ بغیر آرام کے ہم کو حق تعالیٰ سے محبت نہیں ہوتی اس لئے ہمیشہ یہ کرنا چاہئے کہ آرام سے رہیں لیکن حرام سے ڈریں۔ اب پیروں نے تو آرام کو چھوڑا یا اور حرام سے نہ بچایا پھر فرمایا کہ میرے یہاں تو وہ آوے جس کو ہر وقت اپنے اوپر آرے چلانے رہوں۔ قدم قدم پر یہ خیال ہو کہ یہ کام جائز ہے یا ناجائز۔

(۸۱۷) فرمایا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ مسجد پر بلا ضرورت چڑھنا بے ادبی ہے۔

(۸۱۸) فرمایا کہ ذکر کی حالت میں نہ تو اپنی طرف سے معلوم کرانے کی فکر کرے اور نہ کسی کے اعتقاد کا اپنے دل میں خیال لاوے۔ اپنا کام خالص اللہ کے واسطے کرتا رہے پھر اگر حق تعالیٰ کسی کے دل میں نیک گمان ڈال دیں تو اس کو بھی نعمت سمجھے اپنی طرف سے اس کا قصد نہ کرے۔

(۸۱۹) فرمایا کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وسوسے قلب ہی کے اندر سے پیدا ہوتے ہیں یہ بات نہیں ہوتی بلکہ ہوتے تو باہر ہی ہیں لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اندر ہیں اور جب قلب میں عقائد حقہ مرکوز ہیں تو ان کے خلاف خود قلب سے کیوں پیدا ہوگا خارج ہی سے آوے گا یعنی بالقاء شیطان۔ جس طرح کسی شیشہ پر مکھی بیٹھی ہو تو ہوتی تو وہ شیشہ کے اوپر ہی ہے لیکن عکس کی وجہ سے دیکھنے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر بیٹھی ہوئی ہے۔

(۸۲۰) فرمایا کہ جو کام آسانی سے ہو سکے اس کو دشواری کے طریقہ سے نہیں کرنا چاہئے۔ حدیث میں ہے مَا خُيِّرَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْاَمْرَيْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَيْسَرَهُمَا (نہیں اختیار دیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں کے درمیان مگر آپ نے انہیں سے سہل تر کو اختیار فرمایا) یہ سلامت طبیعت کی دلیل ہے کہ ہمیشہ آسانی کی طرف جاوے جب دونوں شقیں برابر ہوں یعنی ہر طرح ثواب میں بھی مصلحت میں بھی۔ پھر فرمایا کہ نیہ آسانی کا اختیار کرنا جو مسنون ہے طریق میں ہے مقصود دین نہیں۔ جس مشقت پر شریعت نے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ تو بوجہ مقصود ہونے کے مستثنیٰ ہے جیسا

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو قریب مسجد مکان لینے سے منع فرمایا تھا کیونکہ دور سے آنے میں زیادہ ثواب ہے۔ اور جس پر کوئی ثواب نہیں اور محض مشقت ہی مشقت ہے پھر دشوار شق کو اختیار کرنا لا یعنی اور فضول ہے جیسے کسی نے کہا پانی وضو کا لاؤ وہ جلال آباد سے جا کر لائے حالانکہ حوض سے بھی لا سکتا ہے۔

(۸۲۱) رِیَاءُ الشَّیْخِ خَیْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِ (شیخ کی ریا مرید کے اخلاص سے بہتر ہے) کی بابت فرمایا کہ اس مقدمہ میں اصطلاحی ریا مراد نہیں بلکہ لغوی ریا مراد ہے یعنی کسی کام کے کرنے میں قصد تو مراراتِ خلق (مخلوق کو دکھانے) کا ہے لیکن غرض ارضاء الحق "یعنی حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی" ہے۔

(۸۲۲) فرمایا کہ اپنی غلطی کی تاویل سے مجھے سخت نفرت ہوتی ہے۔ عذر کے ساتھ خطا چاہے پچاس دفعہ کرے وہ اتنا برا نہیں معلوم ہوتا جتنا کہ ایک مرتبہ کی تاویل۔

(۸۲۳) فرمایا کہ دو چیز اہل علم کے واسطے بہت ہی بری ہیں۔ حرص اور کبر یہ ان میں نہیں ہونا چاہیے۔

(۸۲۴) فرمایا کہ میں امراء سے از خود تعلق نہیں پیدا کرتا۔ اگر وہ خود تعلق پیدا کریں تو اعراض بھی نہیں کرتا۔ اگر امراء سے تعلق کی ابتدا کی جاوے تو انکو یوں خیال ہوتا ہے کہ کسی غرض سے ہم سے تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ غریبوں سے اگر شیریں کلامی سے بولئے تو نثار ہونے لگتے ہیں۔

(۸۲۵) فرمایا کہ لالچ ایسی بری چیز ہے کہ سرائے میں ایک صاحب کھانا کھا رہے تھے ایک کتا آکر کھڑا ہو گیا انھوں نے فوراً اٹھ کر جھک کر سلام کیا۔ ان سے پوچھا گیا یہ کیا نامعقول حرکت ہے فرمانے لگے کہ سنا ہے کہ جن کبھی کتوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ کتا نہ ہو بلکہ جن ہو اور ممکن ہے کہ یہ جنوں کا بادشاہ ہو اور سلام سے خوش ہو کر ممکن ہے کہ مجھے بہت سا روپیہ دے جاوے۔ بھلے مانس نے شدتِ حرص سے کتنے احتمالاتِ بعیدہ نکالے۔

(۸۲۶) فرمایا کہ میرا جی گوارا نہیں کرتا کہ ایک مسلمان کا فضول نقصان دو پیسے

کا بھی ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی صاحب نے ایک آنہ کا ٹکٹ جواب کے لئے بھیجا حالانکہ دو پیسے کا ٹکٹ کافی تھا حضرت والا نے سخت تکلیف اٹھا کر اس کے دو ٹکٹ دو پیسے والے لئے اور ایک ٹکٹ کو اندر رکھدیا دوسرا لفافہ کے اوپر لگا یا۔

(۸۲۷) فرمایا کہ اگر اپنے اور دوسروں کے سہولت کے لئے کوئی شخص قوانین مقرر کرلے تو گناہ بھی نہیں مگر تکبر اس کا سبب نہ ہو کچھ مصلحت اور ضرورت اسکا سبب ہے۔

(۸۲۸) فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ ضروری چیز کے لئے کہ نماز ہے سات برس قرار دیئے تو میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ یہی عمر پڑھنے کے لئے بھی مناسب ہے البتہ زبانی تعلیم اور یاد کرا دینا یہ پہلے ہی سے جاری رکھے رہیں چار دن چار مہینے اپنی طرف سے تجویز کرنے کے لوگوں نے اب رسم مقرر کرلی ہے۔

(۸۲۹) فرمایا کہ حرف شناسی کے اعتبار سے جاہل محض بھی ہو لیکن تربیت ہو تو وہ بھی کافی ہے اگر تربیت نہیں ہے تو کتنا ہی بڑا عالم ہے لیکن کچھ بھی نہیں۔ تربیت وہ چیز ہے کہ ایک شخص لکھنؤ کے بادشاہ کا ذکر کرتے تھے کہ ماما گھر سے شیر خوار بچہ لائی جو نہ بول سکتا تھا نہ کچھ سمجھ سکتا تھا۔ جس وقت بادشاہ پر اس کی نظر پڑی فوراً جھک کر سلام کیا۔ بادشاہ نے لینے کے لئے ہاتھ پھیلادیا اس توجہ پر دوبارہ پھر سلام کیا۔ ماما پاس لے آئی بادشاہ نے گود میں لے لیا۔ گود میں آکر پھر سلام کیا۔ پھر گود میں وہی بچوں کی طرح کھیلنا کودنا شروع کردیا۔ دیکھنے والوں کو حیرت تھی کہ ایک شیر خوار بچہ کی یہ حالت۔

(۸۳۰) مثنوی شریف میں ہے کہ اگر بچہ کو ماں کی پستان نہ چھڑائی جاوے تو وہ عمر بھر دودھ ہی پیتا رہے اور اس کا معدہ کبھی اور مقویات کے کھانے کا متحمل نہ ہو سکے۔ اسی طرح شیخ اگر لذات جسمانیہ نہ چھڑا وے تو غذائے روحانی کا بھی تحمل نہ ہو۔ اس پر عرض کیا گیا کہ حضور تو پستان بھی نہیں چھڑواتے یعنی لذات جسمانیہ کو بھی ترک نہیں کراتے بلکہ انہماک کو منع فرماتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ میں پستان کو نہیں چھڑواتا لیکن سپستان چھڑواتا ہوں یعنی سگ پستان مقامی دسپستان دراصل سگ

پستان ہے چونکہ نبوڑ ہے کے موٹے موٹے دانے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے پستانِ سگ اس لئے اس کو سگ پستان کہتے ہیں سگ پستان کا مخفف سپستان کر لیا۔ سپستان میں لزوجت ہوتی ہے اس لئے مثال معاصی سے بہت مناسبت ہے۔

(۸۳۱) فرمایا کہ شیوخ مباحات میں تو تقلیل قلیل چھڑاتے ہیں مگر معاصی میں قلیل قلیل کسی نے نہیں چھڑایا لیکن میں تو وعظ میں یہ کہدیتا ہوں (اللہ تعالیٰ معاف کرے نیت بُری نہیں) کہ ایک گناہ تو وہ ہیں کہ جن کو اگر چھوڑ دیا جائے تو آپ کو کوئی تکلیف نہ پہونچے مثلاً ڈاڑھی منڈانا، ٹخنہ ڈھکنا۔ اگر ان کو چھوڑ دے تو کوئی کام تو نہیں اٹکتا ایسوں کو تو فوراً چھوڑ دینا چاہئے۔ اور بعضے ایسے ہیں کہ جن کے چھوڑنے کے بعد کچھ کلفت و تنگی ہو۔ مثلاً رشوت لینا کہ صاحب بال بچے بہت ہیں اتنی تنخواہ میں گذر ہو نہیں سکتی۔ تو ایسے گناہوں کے بارہ میں تو کہہ دیتا ہوں کہ رفتہ رفتہ ہی چھوڑ دو۔ نیت یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح تو چھوڑ دیں جن سے ایک دم چھوڑنے کی امید نہیں بلکہ اگر ان پر اس کا زور ڈالا جائے تو وہ تمام عمر بھر بھی نہ چھوڑیں۔ اور ایک طریقہ گناہوں کے چھوڑنے کا یہ بتلایا کرتا ہوں کہ مکان میں کیواڑ بند کر کے سوتے وقت روز حق تعالیٰ سے دعا کیا کرو یا اللہ میں بڑا کمبخت ہوں نالائق اور پاجی ہوں غرض خوب سخت سخت الفاظ اپنے لئے استعمال کر کے کہو کہ یا اللہ میری ہمت تو ان کے ترک کے لئے کافی نہیں آپ ہی مدد فرمائیں۔ یہ ترکیب کر کے دیکھو انشاء اللہ ایک ہی دو ہفتہ میں سب گناہ ختم۔ مگر کوئی کرتا ہی نہیں جیسے کوئی سبق یاد نہ کرے اور میاں جی سے کہے کہ تمھیں سبق یاد

(۸۳۲) ایک ذاکر صاحب سے فرمایا کہ ذکر میں سرسری توجہ کافی ہے زیادہ کاوش نہ کرے اس میں تعب اور پریشانی ہوتی ہے اور نفع کم ہوتا ہے جمعیت کو نفع میں بڑا دخل ہے پریشانی نفع کے لئے مزاحم ہے۔

(۸۳۳) فرمایا کہ میری محبت کے لئے کوئی لمبی چوڑی شرطیں نہیں بس صرف یہ ہے کہ جس طرح میں چاہوں اس طرح چلے۔ اور میں کوئی دشوار کام بھی نہیں بتلاتا میں کوئی مجاہدہ بھی نہیں کراتا۔ رات کو جگاتا نہیں۔ کھانا پینا کم نہیں کراتا۔ بس تھوڑا

ساذکر بتلادیتا ہوں اس کو دوام کے ساتھ کرے اور معاصی کو بالکل چھوڑ دے اور عادات کی اصلاح کرے اور عادات کی اصلاح کا بس خلاصہ یہ ہے کہ اس کا خیال رکھے کہ کسی کو اس کے قول یا فعل سے کوئی تکلیف یا الجھن نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص اتنا کرے گا وہ ہرگز محروم نہیں رہ سکتا۔ اب بھلا یہ بھی کوئی مشکل کام ہے ؟

(۸۳۴) فرمایا کہ مسجد کا مسجد ہونا اس پر بھی موقوف ہے کہ اس کا رستہ بھی وقف ہو۔

(۸۳۵) فرمایا کہ جو شخص اپنے اظہار کمالات میں کاوش کرے اور کوشش کرے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مخدوش ہے کیونکہ کامل کو اس قدر کوشش کی کیا ضرورت اسمیں تو استغناء کی شان ہوتی ہے۔

(۸۳۶) فرمایا کہ ایک شیخ بہت ہی کم گو تھے حضرت حاجی صاحب نے ان سے کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں لوگوں کو فیض سے محروم کرتے ہیں۔ خبر بھی ہے شیخ زبان ہوتا ہے اور مرید کان۔ اس پر ان کو تنبہ ہوا پھر کلام فرمانے لگے۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ عارف سے زیادہ گوئی کہاں ہوسکتی ہے کیونکہ اسرار لامتناہی ہیں انکو جتنا بھی بیان کیا جاوے زیادہ گوئی ہو ہی نہیں سکتی بلکہ ہمیشہ کمی ہی رہیگی پس زیادہ گوئی کے عذر سے شیخ کو چپ نہیں رہنا چاہئے۔

(۸۳۷) فرمایا کہ جس آرام کی اجازت دی ہے اس کو ضرور کرنا چاہئے صرف یہ خیال رکھے کہ انہماک نہ ہونے پاوے باقی اپنے اوپر سختی نہ ڈالے مثلاً غلبہ نیند کا ہے سو رہے۔ اس کے خلاف کرنے سے بعضے لوگ مرض میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ بعضے مجنون ہوگئے۔ بعضے مرگئے۔ صحت وحیات کی بڑی حفاظت رکھنی چاہئے یہ وہ چیز ہے کہ پھر کہاں میسر۔

(۸۳۸) فرمایا کہ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ آیا آپ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ آپ بچپن میں انتقال کر جاتے اور جنت یقینی ملتی یا یہ پسند ہے کہ بالغ ہو کر خطرہ

میں پڑے۔ فرمایا کہ بالغ ہو کر خطرہ میں پڑنا پسند ہے۔ اگر بچپن میں انتقال ہو جاتا تو اس وقت معرفت تو حق سبحانہٗ تعالےٰ کی نہ ہوتی۔ اب گو خطرہ میں ہیں لیکن معرفت تو حق تعالیٰ کی نصیب ہوئی آگے جو محبوب کی مرضی ہو۔ پھر فرمایا کہ واقعی زندگی بڑی قدر کی چیز ہے۔ ؎

عمرِ عزیز لائقِ سوز و گداز نیست　　　این رشتہ را مسوز کہ چندین دراز نیست

(عزیز عمر جلانے اور گلانے (برباد کرنے) کے لائق نہیں ہے اس تار زندگی کو جلاؤمت کیونکہ زیادہ دراز نہیں ہے)

اسی واسطے میرے نزدیک صحت کی حفاظت نہایت ضروری چیز ہے چاہے توفیق اعمال نافلہ کی نہ بھی ہو لیکن جب راحت اور آرام میں رہے گا تو محبت تو حق تعالیٰ کے ساتھ پیدا ہوگی اور انسان عبد احسان ہے۔ جب مشاہدہ کریگا کہ مجھے چین یا آرام دیا ضرور کشش پیدا ہوگی۔

(۸۳۹) فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اپنی دعا سے زیادہ اپنے بھائی مسلمان کی دعا اس کے حق میں قبول ہوتی ہے۔ اس لئے دوسروں سے ضرور دعا کرائے۔

(۸۴۰) فرمایا کہ میں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے سُنا ہے کہ ایک بزرگ مشغول بحق بیٹھے ہوئے تھے ایک کتا سامنے سے گذرا اتفاقاً اس پر نظر پڑ گئی۔ ان بزرگ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ اس نگاہ کا اس کتے پر اتنا اثر پڑا کہ جہاں وہ جاتا تھا اور کتے اس کے پیچھے ہو لیتے تھے اور جہاں بیٹھتا تھا سارے کتے حلقہ باندھ کر اس کے اردگرد بیٹھ جاتے تھے ہنسکر فرمایا کہ وہ گویا کتوں کے لئے شیخ بن گیا۔ پھر فرمایا کہ جن کے فیوض جانوروں پر ہوں ان سے انسان کیسے محروم ہو سکتا ہے۔ ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیئے ہاں دُھن ہونی چاہیئے چاہے تھوڑی ہی ہو۔

(۸۴۱) فرمایا کہ تہذیب جدید تعذیب جدید ہے۔ اس تہذیب جدید سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ یہ اسلامی تہذیب نہیں۔

(۸۴۲) فرمایا کہ عوارف میں لکھا ہے کہ اگر باطنی بے ادبی ہوتی ہے تو اسکی سزا ملتی ہے۔ خواہ دیر میں ملے چنانچہ ایک بزرگ کے خادم نے کسی امرد غلام

کو نظر بد سے دیکھ لیا تھا ان کے شیخ نے فرمایا کہ اسکی سزا ملے گی چنانچہ ایک مدت کے بعد اس کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ وہ کلام مجید بھول گئے۔

(۸۴۳) جھنجھانہ کا سفر تھا بہلی کا سفر تھا۔ نماز فجر کے قبل روانہ ہوئے تھے تین میل پر جا کر نماز فجر ادا کی۔ فرمایا کہ نماز فجر باہر چل کر پڑھنے سے وقت میں بہت برکت ہوتی ہے۔ میرا معمول ہے کہ قبل فجر روانہ ہوتا ہوں ٹھنڈا وقت بھی ہوتا ہے۔ ورنہ فجر کے بعد چلنے میں مصافحہ اور ملنے ملانے میں بہت وقت یوں ہی گذر جاتا ہے۔

(۸۴۴) فرمایا کہ درویشی کی حقیقت فقط سہولت طاعت و دوام ذکر ہے نہ کہ بیخودی و محویت۔ کشف و کرامت۔

(۸۴۵) فرمایا کہ نفع میں بیعت کو ذرا دخل نہیں۔ باقی کامیابی یہ حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے جیسا کہ طبیب صرف نسخہ تجویز کر سکتا ہے اس کا استعمال مریض کے اختیار میں ہے اور صحت دینا حق تعالے کے اختیار میں۔ طبیب صحت کی میعاد معین نہیں کر سکتا۔ البتہ اس طریق باطن میں اتنی امید ضرور دلائی جا سکتی ہے کہ مرض ظاہری میں تو کبھی مایوسی تک نوبت پہونچ جاتی ہے لیکن یہاں مایوسی ہرگز نہیں صحت یقینی ہے خواہ مرتے وقت ہی نصیب ہو جائے۔ ویسے حق تعالےٰ کا فضل ہے جلدی ہو جائے باقی اپنی طرف سے اس بات پر آمادہ رہنا چاہئے کہ اگر مرتے وقت تک بھی کامیابی ہو جائے تب بھی راضی ہیں۔

(۸۴۶) فرمایا کہ طالب سے انکسار کرنا یہ خداع ہے نا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص سودا خریدنے جائے اور ہر دوکاندار کہدے کہ میرے یہاں نہیں ہے تو وہ بیچارہ یوں ہی رہا۔ ہاں غیر طالب سے قسم کھا کر بھی کہدے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں اس میں کچھ حرج نہیں۔

(۸۴۷) فرمایا کہ مرید کرنے کو میں نفع نہیں سمجھتا اصل نفع حق بات کا کانوں میں پہونچا دینا ہے۔ مرید کرنا اپنے ذمہ واجب نہیں سمجھتا ہاں تعلیم کرنا ہر مسلمان کا حق ہے اور گو یہ کہنا ہے تو بڑی بات لیکن تحدثا بالنعمہ کہتا ہوں کہ الحمد للہ میں ایک جلسہ

ہی میں خدا تک پہونچا دیتا ہوں۔ راستہ مقصود کا بتلا دینا خدا ہی سے ملا دینا ہے۔

(۸۴۸) فرمایا کہ جب تک پوری مناسبت نہ ہو جائے بیعت نہ کرنا چاہئے۔ جب پوری طرح راہ پر پڑ جائے تب چاہئے۔ مرید ہونے کے بعد پھر بے فکر ہو جاتے ہیں اور مرید ہونے کے لالچ میں تو کسی قدر اپنی اصلاح کی فکر میں مشغول بھی رہتے ہیں تاکہ جلدی مقصود حاصل ہو جائے یہ اکثری ہے۔ اور شیخ مبصر بعض مواقع کو اس سے مستثنیٰ بھی کر سکتا ہے۔

(۸۴۹) فرمایا کہ امراء کو زیادہ شکر کرنا چاہئے کیونکہ ان پر حق تعالےٰ کی بہت نعمتیں ہیں اور ایک نعمت عظیمہ غرباء پر ہے کہ خدا نے موانع سے بچا کر رکھا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ امراء اگر غرباء سے محبت رکھیں تو انشاء اللہ غرباء ہی کے درجات نصیب ہو جائیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی "کا حشر" اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے)

(۸۵۰) فرمایا کہ دوسرے سے جو شخص عداوت کرتا ہے دراصل اپنے ساتھ عداوت کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ دوسرے کا فعل جو ناگوار ہوا تو اکثر خود اپنی کوئی صفت ہوتی ہے مثلاً تکبر جس کی وجہ سے وہ ناگوار ہوتی ہے۔ سبب ناگواری کا دراصل اپنے اندر ہے۔ دوسرے میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔

(۸۵۱) استفسار پر فرمایا کہ قبر پر فاتحہ پڑھنے میں چند سورتیں جن کی خاص فضیلتیں آئی ہیں ان کو پڑھتا ہوں: مثلاً الحمد شریف۔ قل ہو اللہ (اکثر بارہ مرتبہ کیونکہ ایک روایت میں بارہ مرتبہ پڑھنے کی خاص فضیلت آئی ہے) اَلْہٰکُمُ التَّکَاثُرُ۔ اِذَا زُلْزِلَتْ۔ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ سورہ یٰسین۔ سورہ ملک۔ پھر فرمایا کہ قبلہ کی طرف پشت کر کے فاتحہ پڑھنا چاہئے تاکہ مردہ کا مواجہہ ہو۔

(۸۵۲) فرمایا کہ قبر کے نشان کے لئے صرف ایک سادی سل (آمنا سامنا) پتھر کی سرہانے کھڑی کر دے بس اتنی علامت کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دل میں رہتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ بیاری کے اندر جو صدمہ ہو رہا ہے کہ "روزہ" چھوٹ گیا، اس صدمہ سے دل ٹوٹا، دل شکستہ ہوا۔ دل کی اس شکستگی کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو نواز دیتے ہیں چاہے صدموں سے دل ٹوٹے یا غموں سے ٹوٹے یا افکار سے ٹوٹے یا خوفِ خدا سے ٹوٹے یا فکر آخرت سے۔ کسی بھی طرح ہو۔ بس جب دل ٹوٹتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمتوں کا مورد بن جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ، أَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ أَجْلِيْ (میں ان لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوں) اگرچہ محدثین نے حدیث کی حیثیت سے اس کو بے اصل کہا ہے۔ لیکن جو معنیٰ اس میں بیان کئے گئے ہیں وہ صحیح ہیں۔ دل پر یہ چوٹیں جو پڑتی رہتی ہیں اس طرح کہ کبھی کوئی تکلیف آگئی کبھی کوئی صدمہ آگیا، کبھی کوئی پریشانی آگئی، یہ دل کو توڑا جا رہا ہے کیوں توڑا جا رہا ہے؟ اس کو اس لئے توڑا جا رہا ہے کہ اس کو اپنی رحمتوں اور اپنے فضل و کرم کا مورد بنایا جا رہا ہے۔ ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

(اقبالؔ)

یہ دل جتنا ٹوٹے گا اتنا ہی آئینہ ساز یعنی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں عزیز ہوگا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس سرہٗ ایک شعر سنایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے دل کو توڑتے ہیں۔ تو اسکے ذریعہ اس کو بلندیوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ صدمے، یہ افکار، یہ غم جو انسان کو پیش آتے ہیں، یہ مجاہدات اضطراری ہوتے ہیں جس سے انسان کے درجات میں اتنی ترقی ہوتی ہے کہ عام حالات میں اتنی ترقی نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ شعر اکثر سناتے کہ ؎

یہ کہہ کے کاسہ ساز نے پیالہ پٹک دیا
اب اور کچھ بنائینگے اس کو بگاڑ کے

جب یہ دل ٹوٹ ٹوٹ کر بگڑتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات اور اسکی رحمتوں کا مورد بنتا ہے۔ ایک غزل کا شعر حضرت والا سنایا کرتے تھے، فرماتے تھے

بتان ماہ وش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
جسے برباد کرتے ہیں اسی کے دل میں رہتے ہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دل میں تجلی فرماتے ہیں۔ اسلئے ان غموں اور صدموں سے ڈرو نہیں، یہ آنسو جو گر رہے ہیں، یہ دل جو ٹوٹ رہا ہے، یہ آہیں جو نکل رہی ہیں، اگر اللہ جل جلالہٗ پر ایمان ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی تصدیق دل میں ہے تو یہ سب چیزیں تمھیں کہیں سے کہیں پہنچا رہی ہیں۔ ؎

وادیٔ عشق بسے دور و دراز است ولے   طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے
(اقبالؒ)

(وادیٔ عشق کا راستہ بڑا لمبا چوڑا ہے لیکن بعض اوقات سو سال کا فاصلہ ایک آن میں طے ہو جاتا ہے) اس لئے ان صدموں اور غموں اور پریشانیوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

دین تسلیم و رضا کے ماسوا کچھ نہیں

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ بات اتار دے کہ دین اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں، اپنی عادت پوری کرنے کا نام دین نہیں دین اس کا نام ہے کہ جس وقت جو کام کرنے کو کہا جا رہا ہے وہ کریں۔ نہ کسی عمل میں کچھ رکھا ہے، نہ نماز میں کچھ رکھا ہے، نہ روزے میں کچھ رکھا ہے، کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا۔ جو کچھ ہے وہ ان کی رضا میں ہے۔ ؎

عشق تسلیم و رضا کے ما سوا کچھ بھی نہیں
وہ وفا سے خوش نہ ہوں تو پھر وفا کچھ بھی نہیں

(کیفیات۔ ذکی کیفی ۲۰۳)

اللہ تبارک و تعالیٰ جس کام سے خوش ہوں وہی کام کرنے کا ہے۔
اسی کام میں مزہ ہے۔ ؎

نہ تو ہے ہجر ہی اچھا نہ وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

(غالب)

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ بات ہمارے دلوں میں پیوست فرما دے تو دین کو سمجھنے کے راستے کھل جائیں۔

تیمارداری میں معمولات کا چھوٹنا اور یہ جو بتایا کہ بیماری کی حالت میں اگر معمولات چھوٹ جائیں تو اس پر وہی کچھ لکھا جا رہا ہے جو صحت کی حالت میں کرنے سے ملتا۔ علماء کرام نے فرمایا کہ اس میں جس طرح اپنی بیماری داخل ہے، ان لوگوں کی بیماری بھی داخل ہے جن کی تیمارداری اور خدمت انسان کے فرائض میں شامل ہے۔ کسی کے والدین بیمار ہو گئے۔ اب دن رات ان کی خدمت میں لگا ہوا ہے ان کی خدمت میں لگے ہونے کی وجہ سے معمولات چھوٹ گئے۔ اب نہ تلاوت ہو رہی ہے نہ نوافل ہو رہے ہیں نہ ذکر ہے نہ تسبیح ہے سب کچھ چھوٹا جا رہا ہے اور دن رات ماں باپ کی خدمت میں لگا ہوا ہے، اس کا بھی یہی حکم ہے، اگرچہ خود بیمار نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی جو اعمال چھوٹ رہے ہیں وہ اعمال اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھے جا رہے ہیں، کیوں؟

وقت کا تقاضہ دیکھو اس لئے کہ ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ بڑے کام کی بات فرمایا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ بزرگوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے انسان کی زندگی درست کرنے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

فرماتے تھے میاں! ہر وقت کا تقاضہ دیکھو۔ اس وقت کا تقاضہ کیا ہے؟ اس وقت مجھ سے مطالبہ کیا ہے؟ یہ نہ سوچو کہ اس وقت میرا کس کام کو دل چاہ رہا ہے۔ دل چاہنے کی بات نہیں۔ بلکہ یہ دیکھو اس وقت تقاضہ کس کام کا ہے؟ اس تقاضے کو پورا کرو۔ یہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی ہے۔ تم نے تو اپنے ذہن

ں بٹھا رکھا تھا کہ روزانہ تہجد پڑھا کروں گا، روزانہ اتنے پارے تلاوت کیا
وں گا، روزانہ اتنی تسبیحات پڑھا کروں گا۔ اب جب ان کاموں کا وقت آیا
دل چاہ رہا ہے کہ یہ کام میں پورے کروں۔ اور ذہن پر اس کام کا بوجھ ہے۔
ب عین وقت پر گھر میں سے بیمار ہوگئیں۔ اور اس کے نتیجے میں اس کی تیمارداری،
علاج اور دوا دارو میں لگنا پڑا۔ اور اس میں لگنے کی وجہ سے وہ معمول چھوٹنے لگا
س وقت بڑا دل کڑھتا ہے کہ کیا ہوگیا، میرا تو آج کا معمول قضا ہو جائیگا۔ اس
قت تو میں بیٹھ کر تلاوت کرتا۔ ذکر و اذکار کرتا، اب مارا مارا پھر رہا ہوں کہ کبھی
اکٹر کے پاس، کبھی حکیم کے پاس، کبھی دواخانے، یہ میں کس چکر میں پھنس گیا۔ ارے!
لٹد تعالیٰ نے جس چکر میں ڈالا اس وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ کرو، اگر اس وقت
ہ کام چھوڑ کر تلاوت کرنے بیٹھ جاؤ گے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اب وقت
ا تقاضہ یہ ہے کہ یہ کام کرو اب اسی میں وہ ثواب ملے گا جو تلاوت کرنے میں ملتا۔
اسی میں وہ ثواب ملے گا جو تسبیحات میں ملتا۔ یہ ہے اصل دین۔

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالےٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ان حضرات میں سے تھے جن کے قلب پر اللہ تعالیٰ کا بنے کی بات القا فرماتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام دین ہے، اس کا نام دین نہیں کہ فلاں کام کا شوق ہوگیا، لہٰذا اب تو وہی کام کریں گے۔ مثلاً علم دین پڑھنے اور عالم بننے کا شوق ہوگیا۔ اس سے قطع نظر کہ تمہارے لئے عالم بننا جائز بھی ہے یا نہیں؟ گھر میں ماں بیمار پڑی ہے، باپ بیمار پڑا ہے اور گھر میں دوسرا کوئی تیمارداری کرنے والا اور ان کی دیکھ بھال کرنے والا موجود نہیں، لیکن آپ کو شوق ہوگیا کہ عالم بنیں گے۔ چنانچہ ماں باپ کو بیمار چھوڑ کر مدرسہ میں پڑھنے چلے گئے، یہ دین کا کام نہیں ہے، یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے۔ دین کا کام تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ چھوڑ کر ماں کی خدمت کرو، باپ کی خدمت کرو۔

تی بننے کا شوق | یا مثلاً تخصص پڑھنے اور مفتی صاحب بننے کا شوق ہوگیا۔ بہت سے طلبہ مجھ سے کہتے ہیں کہ ہمیں تخصص پڑھنے کا بڑا شوق ہے اور ہم فتویٰ نویسی سیکھنا چاہتے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ آپ کے والدین کا کیا منشا ہے؟ جواب دیا کہ والدین راضی نہیں ہیں۔ اب دیکھئے کہ والدین تو راضی نہیں ہیں اور یہ مفتی صاحب بننا چاہتے ہیں، یہ دین نہیں ہے، یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے

یغ کرنے کا شوق | یا مثلاً تبلیغ کرنے اور چلے میں جانے کا شوق ہوگیا۔ ویسے تو تبلیغ کرنا بڑی فضیلت اور ثواب کا کام ہے، لیکن گھر میں بیوی بیمار پڑی ہے، کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے۔ اور آپ کو چلّہ لگانے کا شوق ہوگیا، یہ دین نہیں ہے یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے۔ اب اس وقت دین کا تقاضہ اور وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس بیمار کی تیمار داری کرو اور اس کا خیال کرو اور اس کا علاج کرو، یہ دنیا نہیں ہے، یہ بھی دین ہے۔

مسجد میں جانے کا شوق | حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجلس میں اس پر یہ مثال دی کہ ایک شخص جنگل اور ویرانے میں اپنی بیوی کیساتھ رہتا ہے۔ اور آس پاس کوئی آبادی بھی نہیں۔ بس میاں بیوی دونوں اکیلے رہتے ہیں۔ اب میاں صاحب کو آبادی کی مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہوگیا۔ اب بیوی کہتی ہے کہ یہ تو جنگل اور ویرانہ ہے۔ اگر تم نماز پڑھنے آبادی کی مسجد میں چلے گئے تو مجھے اس ویرانے میں ڈر لگے گا۔ اور ڈر کے مارے میری جان نکل جائے گی اس لئے بجائے مسجد جانے کے آج تم یہیں نماز پڑھ لو۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ وہ میاں صاحب تو تھے شوقین، چنانچہ شوق میں آکر اپنی بیوی کو وہیں جنگل میں اکیلا چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے۔ فرمایا کہ یہ شوق پورا کرنا ہے۔ یہ دین نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسوقت کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ گھر میں نماز پڑھتا اور اپنی بیوی کی یہ پریشانی دور کرتا۔ یہ اسوقت ہے جب بالکل ویرانہ ہے، کوئی آبادی نہیں ہے، البتہ جہاں آبادی ہو تو وہاں مسجد میں جاکر نماز پڑھنی چاہئے۔ لہٰذا اپنا شوق پورا کرنیکا نام دین نہیں، کسی کو جہاد میں جانے کا شوق، کسی کو تبلیغ میں جانے کا شوق، کسی کو مولوی بننے کا شوق، کسی کو مفتی بننے کا شوق اور اس شوق کو پورا کر [illegible] جو اس پر عائد ہو رہے ہیں۔

اس بات کا کوئی خیال نہیں کہ اس وقت میں ان حقوق کا تقاضہ کیا ہے؟ یہ جو کہا جاتا ہے کہ کسی شیخ سے تعلق قائم کرو، یہ درحقیقت اسی لئے ہے وہ بتاتا ہے کہ اس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ اس وقت تمہیں کونسا کام کرنا چاہیئے؟ اب یہ باتیں جو اس وقت کہہ رہا ہوں، اس کو کوئی آگے اس طرح نقل دے گا کہ وہ مولانا صاحب تو یہ کہہ رہے تھے کہ مفتی بننا بُری بات ہے یا تبلیغ کرنا بُری بات ہے۔ وہ صاحب تو تبلیغ کے مخالف ہیں کہ تبلیغ میں اور چلّے میں نہیں جانا چاہیئے یا جہاد میں نہیں جانا چاہیئے۔ ارے بھائی! یہ سب کام اپنے اپنے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام ہیں۔ یہ دیکھو کہ کس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ تم سے اس وقت کیا مطالبہ ہو رہا ہے؟ اس مطالبے اور تقاضے پر عمل کرو، اپنے دل ودماغ سے ایک راستہ متعین کر لیا اور اس پر چل کھڑے ہوئے، یہ دین نہیں ہے۔ دین یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، وہ اس وقت کس بات کا حکم دے رہے ہیں؟

سہاگن وہ جسے پیا چاہے

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندی زبان کی ایک مثل بہت کثرت سے سنایا کرتے تھے، فرماتے کہ: "سہاگن وہ جسے پیا چاہے"

قصہ یوں ہے کہ ایک لڑکی کو دُلہن بنایا جا رہا تھا اور اس کا سنگھار پٹار کیا جا رہا تھا اب جو کوئی آتا اس کی تعریف کرتا کہ تو بڑی خوبصورت لگ رہی ہے۔ تیرا چہرہ اتنا خوبصورت ہے، تیرا جسم اتنا خوبصورت ہے، تیرا زیور اتنا خوبصورت ہے۔ اسکی ایک ایک چیز کی تعریف کی جا رہی تھی۔ وہ لڑکی ہر ایک کی تعریف سُنتی، لیکن خاموش رہتی اور سُنی اَن سُنی کر دیتی، کسی خوشی کا اظہار نہ کرتی۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ تیری سہیلیاں تیری اتنی تعریفیں کر رہی ہے، تجھے اس سے کوئی خوشی نہیں ہو رہی ہے؟ اس لڑکی نے جواب دیا کہ ان کی تعریف سے کیا خوشی ہو۔ اس لئے کہ یہ جو کچھ تعریفیں کر رہی ہیں وہ ہوا میں اڑ جائیں گی۔ بات جب ہے کہ جس کے لئے مجھے سنوارا جا رہا ہے، وہ تعریف کرے، وہ پسند کر کے کہہ دے کہ ہاں! تو اچھی لگ رہی ہے تب تو فائدہ ہے۔

اور اس کے نتیجے میں میری زندگی سنور جائے گی۔ لیکن اگر یہ عورتیں تو تعریف کر کے چلی گئیں اور جس کے لئے مجھے سنوارا گیا تھا اس نے ناپسند کر دیا تو پھر اس دُلہن بننے اور اس سنگھار پٹار کا کیا فائدہ؟

بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے

یہ قصہ سُنانے کے بعد حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ یہ دیکھو کہ جو کام تم کر رہے ہو، جس کے لئے کر رہے ہو، اس کو پسند ہے یا نہیں؟ لوگوں نے تو تعریف کر دی کہ بڑے مفتی صاحب ہیں، بڑے عالم اور بڑے مولانا صاحب ہیں لوگوں نے تعریف کر دی کہ تبلیغ میں بہت وقت لگاتا ہے اور اللہ کے راستے میں نکلتا ہے۔ کسی کے بارے میں کہہ دیا کہ یہ مجاہد اعظم ہے۔ ارے ان لوگوں کے کہنے سے کیا حاصل! جس کے لئے کر رہے ہو وہ یہ کہہ دے کہ ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے

(ظفر علی خاں)

اس وقت فائدہ ہے۔ لہٰذا جب ہر کام کا مقصد ان کو راضی کرنا ہے تو پھر ہر وقت انسان کو یہ فکر رہنی چاہئے کہ اس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہو رہا ہے؟

اذان کے وقت ذکر چھوڑ دو

اچھے خاصے ذکر اللہ میں مشغول تھے۔ لیکن جیسے ہی اذان کی آواز کان میں پڑی، حکم آگیا کہ ذکر چھوڑ دو۔ اور خاموش ہو کر مؤذن کی آواز سنو اور اس کا جواب دو، اگرچہ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ اذان کے وقت اگر ذکر کرتے رہتے تو کئی تسبیحات اور پڑھ لیتے، مگر ذکر سے روک دیا گیا، جب روک دیا تو اب رک جاؤ۔ اب ذکر میں فائدہ نہیں۔ اب اذان سننے اور اس کا جواب دینے میں فائدہ ہے۔

جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حج بڑی عجیب و غریب عبادت بنائی ہے۔ اگر آپ حج کی عاشقانہ عبادت کو شروع سے آخر تک دیکھیں گے تو یہ نظر آئے گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قدم قدم قاعدوں کے بت توڑے ہیں۔ اب دیکھیں کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ لیکن آٹھ ذی الحجہ کو یہ حکم دیا جاتا ہے

کہ مسجد حرام چھوڑو اور منیٰ میں جا کر پڑاؤ ڈالو۔ وہاں نہ حرم نہ کعبہ اور نہ وہاں پہ کوئی کام نہ وقوف ہے نہ رمی جمرات ہے۔ بس یہ حکم دے دیا کہ ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑو اور منیٰ کے جنگل میں جا کر پانچ نمازیں ادا کرو، یہ سب کیوں ہے؟ اس لئے کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ نہ اس کعبہ میں کچھ رکھا ہے اور نہ حرم میں کچھ رکھا ہے، نہ مسجد حرام میں کچھ رکھا ہے۔ جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے۔ جب ہم نے کہہ دیا مسجد حرام میں جا کر نماز پڑھو، تو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملیگا۔ اور جب ہم نے کہدیا کہ مسجد حرام کو چھوڑو، اب اگر کوئی شخص مسجد حرام میں نماز پڑھے گا تو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تو کیا ملیگا بلکہ الٹا گناہ ہوگا۔

نماز اپنی ذات میں مقصود نہیں

قرآن و سنت میں نماز وقت پر پڑھنے کی بہت تاکید وارد ہے۔ فرمایا کہ: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے) (سورۃ النساء ۱۰۳)

نماز کو وقت کیساتھ پابند کیا گیا ہے۔ وقت گزرنے سے پہلے نماز پڑھ لو۔ مغرب کی نماز کے بارے میں حکم دیدیا کہ تعجیل کرو۔ جتنی جلدی ہو سکے پڑھ لو تاخیر نہ ہو۔ لیکن عرفات کے میدان میں مغرب کی نماز جلدی پڑھوگے تو نماز ہی نہ ہوگی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے وقت عرفات کے میدان سے نکل رہے ہیں۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بار بار فرما رہے ہیں کہ "اَلصَّلٰوةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ" "اَلصَّلٰوةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ" اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ "اَلصَّلٰوةُ اَمَامَكَ" (نماز تمہارے آگے ہے) سبق یہ دیا جا رہا ہے کہ یہ مت سمجھ لینا کہ اس مغرب کے وقت میں کچھ رکھا ہے۔ ارے بھائی! جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے۔ جب ہم نے کہا کہ جلدی پڑھو تو جلدی پڑھنا باعث ثواب تھا۔ اور جب ہم نے کہا کہ مغرب کا یہ وقت گزار دو۔ اور مغرب کی نماز عشاء کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھو، تو اب تمہارے ذمے وہی فرض ہے۔ حج میں قدم قدم پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے قاعدے کے بہت توڑے ہیں عصر کی نماز میں تقدیم کرا دی اور مغرب میں تاخیر کرا دی۔ ہر کام الٹا کرایا جا رہا ہے۔ اور تربیت اس بات کی دی جا رہی ہے، کہ کسی چیز کو اپنی ذات میں مقصود نہ سمجھنا، نہ نماز اپنی ذات میں مقصود ہے نہ روزہ اپنی ذات میں مقصود ہے نہ کوئی اور عبادت اپنی ذات میں مقصود ہے۔ مقصود اللہ جل جلالہ کی اطاعت ہے۔

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مُدیر:- احمد مکین

شمارہ ۹- ربیع الاوّل ۱۴۱۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۴ء- جلد ۱۷

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زرِتعاون ۶۰ ساٹھ روپیہ ششماہی ۳۵ پینتیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان ۱۰۰ سو روپیہ- غیر ممالک ۱۰ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵- بخشی بازار

الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن- :- اسرار کریمی پریس- جانسین گنج الٰہ آباد

ترتیب

گذارش رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور درج کریں!

انتباہ ابھی تک بیشتر احباب نے سال رواں ۱۴۰۳ھ کا زر تعاون ارسال نہیں فرمایا ہے۔ اس طرف توجہ فرما کر ادارہ کی اعانت فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ :- قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (سورۃ الکہف) "کیا میں تمھیں بتاؤں کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جنکا عمل اس دنیا میں اکارت ہوگیا، اور دل میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ بہت اچھا کام کررہے ہیں"۔ ماہ ربیع الاول میں جس ذات بابرکات کا ورود مسعود ہوا، اس ذات ستودہ صفات کے آمد کا مقصد اس دنیا سے شرک اور جہالت کی تاریکیوں کا دور کرنا تھا، سچے دین کی طرف رہنمائی تھی تعلیمات ربانی کا مطیع بنانا تھا، دین و مذہب کے نام پر جو بیہودہ رسمیں انسانیت سوز حرکتیں کفر و شرک کی قباحتیں داخل اور رائج تھیں ان کا مٹانا تھا۔ آپ سے فرمادیا گیا اگر یہ کفر و شرک میں مبتلا، رسم و رواج کے پابند اپنے طریقے کی طرف بلائیں بحث و مباحثہ کریں تو کہدیجئے! أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ "میں اور میرے متبعین صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے طالب ہیں" اللہ کی اطاعت اور بندگی موقوف ہے نبی کریمؐ کی اطاعت پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے ہٹ کر خدا کی رضا کی تلاش خدا کی ناراضگی کا سبب تو ہوگا خوشنودی کا نہیں۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔

مگر افسوس صد افسوس! آج انھیں کے نام لیوا آپؐ کی تعلیمات اور اللہ جل شانہ کی مرضیات سے صرف نظر کرکے آپؐ ہی کے نام پر بے بنیاد اور ناپسندیدہ طریقوں اور رسموں کو رائج کررہے ہیں۔ اور جن اعمال و افعال سے باز رہنے کی تلقین فرمائی انھیں اختیار کرنے اور مرتکب ہونے میں ذرا بھی جھجک نہیں محسوس کرتے، لہو و لعب میں اشتغال، گانا، باجا، فضولیات اور منہیات کو دین میں شامل کرکے اس کا ایک حصہ بنادیا، ان مخترعات و منہیات کے ارتکاب پر بجائے کہ شرمندہ ہوں، توبہ و استغفار کریں، اخبار و اشتہارات میں شائع کرکے ان گناہوں کی تشہیر کرتے ہیں۔ "یوم ولادت کے موقع پر دس کیلو میٹر لمبا جلوس نکالا گیا، پچپن فٹ اونچا عارضی گیٹ بنایا گیا جس پر چالیس ہزار کا صرفہ آیا، سارے شہر کو بجلیوں اور قمقموں سے سجا کر بقعۂ نور بنادیا گیا" وغیرہ وغیرہ۔ کیا یوم ولادت کے موقع پر اس اہتمام جلوس، انتظام قمقمہ، اور اسراف بیجا کا حکم آپؐ نے دیا ہے؟ یا اسکی نظیر خلفائے اربعہ، صحابہؓ و تابعینؒ کے دور مبارک میں کہیں ملتی ہے؟ ائمۂ اربعہ اور محدثین کرام کے یہاں اسکے جواز کا کوئی ثبوت فراہم ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو کیا ان کے دل محبت رسول سے خالی تھے؟ (العیاذ باللہ) نہیں ہرگز نہیں! بلکہ انہوں نے خواہشات و جذبات، اور خاندانی رسم و رواج اور غیروں کے کردار و عمل کی تقلید پر رسول اللہ کے فرمان کو ترجیح دیا اور دین میں نئی بات پیدا کرنے سے احتراز اور اغیار کی مشابہت سے مکمل اجتناب کیا۔ اسلئے انکی زندگی ظاہرداری اور رسوم پرستی سے عاری تھی۔ علمائے حق نے برتھ ڈے اور اپریل فول کے عدم جواز کی

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس سلسلے میں بڑی لطیف بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ شیطان جب اپنے بہکانے کی طاقت کی بنیاد پر اپنے عزائم کا اظہار کر رہا تھا کہ:۔

لَآتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ (میں ان "انسانوں" کے پاس ان کے سامنے سے آؤں گا، ان کے پیچھے سے آؤں گا، ان کے دائیں سے آؤں گا، اور ان کے بائیں سے آؤں گا)

تو اس نے چار سمتیں تو بیان کردیں، لیکن دو سمتوں کا نام نہیں، یعنی اوپر کی اور نیچے کی، معلوم ہوا کہ ان دو سمتوں سے آنے کی اُسے قدرت نہیں دی گئی، لہٰذا اگر کوئی شخص نیچے کی سمت یعنی عبدیت اور فنائیت کو اختیار کرلے اور اپنا تعلق اوپر کی سمت یعنی اللہ تعالیٰ سے جوڑ لے تو شیطان اُس پر کبھی حملہ آور نہیں ہوسکتا۔

تصور عرش پر ہے، وقت سجدہ ہے جبیں میری　　مرا پھر پوچھنا کیا؟ آسماں میرا، زمیں میری

خلاصہ یہ کہ شیطان کو غیر محدود اختیارات کا مالک سمجھنا بالکل غلط ہے، وہ تو آزمائش کا ایک برائے نام ذریعہ ہے جس پر قابو پانے کا طریقہ بھی ہمیں بتادیا گیا ہے کہ مقامِ عبدیت پر آجاؤ، اور یہ مقامِ عبدیت حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت ہو، اپنے ہر معاملے میں اسی سے دعا کرنے کی عادت ڈالی جائے، ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی انہیں سے مانگی جائے۔ اور جب کبھی شیطانی اثرات کا ذرا بھی احساس ہو تو فوراً اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی جائے۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ (پس اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ محسوس ہو تو اللہ کی پناہ طلب کرو)

جب وہ خود فرما رہے ہے کہ ہم سے پناہ طلب کرو، تو کیا وہ طلب کرنیوالے کو شیطان کے سامنے بے یار و مددگار چھوڑ دینگے؟ ناممکن ہے، محالات میں سے ہے کہ پناہ مانگنے والے کو پناہ نہ دی جائے۔ دی جائیگی اور ضرور دی جائیگی اس میں تخلف ممکن نہیں۔

لہٰذا جس شیطان کا حال یہ ہے کہ اسکی ساری طاقت و توانائی اور اسکی ساری فتنہ سامانیاں استعاذے کی ایک پھونک سے اڑ جاتی ہیں تو اندازہ کر لیجئے کہ وہ کس قدر کمزور ہے؟

یہ تو اس کی طاقت اور حدودِ اختیار کا حال ہوا۔ دوسری طرف اگر بالفرض وہ کسی کو بہکانے میں کامیاب ہو جائے، تو اس کے پیدا کئے ہوئے اثرات اتنے کمزور ہیں کہ وہ ایک توبہ و استغفار سے اس طرح ختم ہو جاتے ہیں کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

مرنا اور جینا اللہ کیلئے فرمایا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (آپ کہدیجئے کہ میری نماز میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا)

اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے۔ اور آپؐ کے واسطے سے تمام مسلمانوں کو۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ فضول اور بے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کو یہ منظور معلوم ہوتا ہے کہ جو بندہ یہ بات کہے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی مدد کیجائیگی۔

لہٰذا یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہر روز صبح کو بیدار ہونے کے بعد انسان سچے دل سے یہ کہہ لے کہ "إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" اور دل میں یہ پختہ عزم کر لے کہ دن میں جو کوئی کام کروں گا، اللہ کے لئے کرونگا اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اسکی خوشنودی کا حصول ہوگا اور یہ عزم کر لینا اس لئے مشکل نہیں کہ اس سے زندگی کے کسی ضروری کام میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی، جن کاموں کو دنیا کے کام کہا جاتا ہے، مثلاً کھانا پینا روزی کمانا، بیوی بچوں سے ہنسنا بولنا، رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کرنا، یہ سارے کام اللہ کے لئے ہو سکتے ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ یہ کام غفلت کی حالت میں محض نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے انجام نہ دیئے جائیں، بلکہ انھیں

انجام دیتے وقت نیت یہ ہو کہ یہ تمام حقوق ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہی ہمارے ذمے عائد فرمائے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کرکے دکھایا ہے، لہٰذا ہم یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں انجام دے رہے ہیں، بس یہ نیت کرلی تو یہ سارے کام اللہ کیلئے ہوگئے۔

الحمد للہ مدتِ دراز تک میں نے اپنے شیخ کے فیض سے اس بات کی مشق کی ہے کہ ہر کام اطاعتِ خداوندی اور اتباعِ سنت کی نیت سے کیا جائے، اور مشق کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ اچھا کھانا سامنے آیا، بھوک لگی ہوئی ہے، کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔ لیکن ایک لمحہ کے لئے رُک گیا، کہ ہم یہ کھانا محض نفس کی خواہش پوری کرنے کے لئے نہیں کھائیں گے۔ پھر دوسرے ہی لمحے تصور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کا بھی ہم پر حق رکھا ہے کہ اسکی ضروریات پوری کریں، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی یہ ہے کہ آپ کے سامنے کوئی نعمت آتی تو شکر ادا فرماتے اور اسکی قدر فرماتے تھے۔ لہٰذا اب اطاعت خداوندی اور اتباعِ سنت کی نیت سے کھائیں گے۔

اسی طرح گھر میں داخل ہوئے، گھر میں بچہ ہنستا کھیلتا نظر آیا، اچھا معلوم ہوا، اور بیساختہ دل چاہا کہ کچھ دیر اس کو گود میں لے کر اس سے دل بہلائیں، لیکن ایک لمحے کے لئے رُک گیا کہ محض کی خواہش کی بنا پر بچے سے نہیں کھیلیں گے، پھر دوسرے ہی لمحے تصور کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ بچوں سے پیار فرماتے تھے، انھیں گود میں اٹھالیا کرتے تھے، اس تصور کے بعد اس سنت کی اتباع کی نیت سے بچے کو گود میں اٹھائیں گے۔

اسی طرح عزیز رشتہ دار یا دوست احباب سامنے آئے، دل چاہا کہ ان کے ساتھ کچھ وقت خوش طبعی میں گذارا جائے، مگر ایک لمحے کے لئے رُک گیا کہ یہ کام محض نفسانی خواہش پوری کرنے کے لئے نہیں کرینگے پھر وہی تصور کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عزیزوں رشتہ داروں کے حقوق ادا فرماتے تھے، ان سے بشاشت کے ساتھ ملتے تھے۔ اس تصور کے بعد اتباعِ سنت کی نیت سے ان سے ملیں گے۔

غرض دنیا کا کوئی جائز کام، یہاں تک کہ تفریح اور خوش طبعی بھی، ایسا نہیں ہے کہ جس میں اطاعتِ خداوندی اور اتباع سنت کی نیت نہ کی جا سکتی ہو، بس یہ نیت کرلی تو وہی کام جو بظاہر دنیوی کام تھا، اللہ کے لئے ہوگیا۔

اور اس نیت کا ایک لازمی اثر اور فائدہ یہ ہوگا کہ انسان جب اس کام کو اتباعِ سنت کی نیت سے انجام دینے کا سچا ارادہ کرلیتا ہے تو یہ نیت اُسے حدود کے باہر جانے سے بچائیگی اور کسی مرحلے پر وہ حدود سے باہر نکلنے لگے گا تو دل میں یہ خلش پیدا ہوگی کہ میں نے تو یہ کام اللہ کے لئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لئے شروع کیا تھا، لہٰذا سنت کی حدود سے باہر نہ نکلنا چاہیئے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ انسان اپنی زندگی کا ہر ضروری بلکہ جائز کام بھی اللہ تعالٰی کے لئے کرسکتا ہے تو صبح کو کام شروع کرنے سے پہلے یہ نیت اور عزم کرلیجئے کہ میں جو کام کروں گا اللہ کے لئے کروں گا۔ اس عزم کو بار بار ذہن میں دھرایئے اور پھر دعا کرلیجئے کہ یا اللہ! میں نے اپنی طرف سے تو یہ عزم کرلیا ہے، لیکن میں کیا؟ اور میرا عزم و ارادہ کیا؟ میں انتہائی کمزور ہوں، میرے عزائم اور ارادے ضعیف ہیں، میرا ان پر از خود ثابت قدم رہنا میرے بس سے باہر ہے، آپ اپنے فضل و کرم سے مجھے اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔

بس یہ عزم اور یہ دُعا کرکے اپنے کام میں لگ جایئے اور ہر کام کے وقت اس پر حتی الوسع عمل کرنے کی کوشش کیجئے۔ جب سارا دن گذرنے کے بعد رات کو سونے کے لئے بستر پر جانے لگیں تو دن بھر کے اعمال کا مختصر جائزہ لیجئے کہ صبح جو عزم کیا تھا، اس پر کس حد تک قائم رہ سکے؟ اگر کہیں غلطی نظر آئے تو اس پر توبہ اور استغفار کیجئے۔ کہ یا اللہ! عزم تو کیا تھا لیکن میں اپنی کمزوری کی بنا پر فلاں فلاں معاملات میں اس پر ثابت قدم نہ رہ سکا، فلاں غلطی ہوگئی، فلاں قصور یا فلاں گناہ سرزد ہوگیا، یا اللہ اپنی رحمت سے اسے معاف فرما دیجئے، میں توبہ واستغفار کرتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔ انشاء اللہ وہ غلطی معاف ہوجائیگی۔

اب ایک نازک اور لطیف بات سنئے! کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی تعمیل میں اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ الخ کہا تھا اپنی طرف سے عزم بھی کر لیا تھا اور پھر اللہ تعالیٰ ہی سے مدد بھی مانگ لی تھی کہ یا اللہ! آپ ہی مجھے اس عزم پر ثابت قدم رکھئے۔ اس طرح میں نے اپنے آپ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا تھا، پھر مجھ سے یہ غلطیاں کیوں سرزد ہوئیں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے کیوں نہیں بچایا؟

یہ بڑا نازک سوال ہے۔ اور اسکا جواب بھی بڑا نازک ہے، اور وہ یہ کہ جب انسان اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے اور حتی المقدور ہمت کو بھی کام میں لائے اور ہمت کر کے گناہوں سے بچنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ اسکے باوجود کبھی کوئی غلطی سرزد ہو جائے جس پر ندامت اور توبہ و استغفار کی بھی توفیق ہو جائے تو وہ بھی مشیتِ خداوندی سے ہوئی ہے۔ اس پر مایوس ہونے کے بجائے یہ سوچنا چاہئے کہ جب میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا تھا تو یہ بات ناممکن تھی کہ اللہ تعالیٰ اسکے بعد مجھے بے یار و مددگار چھوڑ دیں۔ تو جو کچھ ہوگیا وہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ غلطی کا صدور بھی مشیت ہی سے ہوا۔ اور جب اس پر استغفار ندامت اور شکستگی کی توفیق ہوگئی تو اسکے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس سلسلے مجموعے کے ذریعہ ندامت، عاجزی، شکستگی، درماندگی اور عبدیت کی نعمتیں عطا فرمائیں جو انسان کو مورد بناتی ہیں اللہ تعالیٰ کی توابیت کا، اسکی غفاریت کا، اسکی رحمانیت کا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تمھیں تمھارے عزم اور دعا کے بعد بے یار و مددگار نہیں چھوڑا بلکہ تمہاری مدد فرمائی۔ اگر مدد نہ ہوتی تو اس ندامت اور توبہ و استغفار کی توفیق نہ ہوتی، جب توفیق عطا فرمادی گئی تو سمجھو کہ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ تک پہنچانے کیلئے ایک دوسرا راستہ اختیار فرمایا گیا ہے، تمہارے ارادوں کو توڑا گیا ہے تاکہ تمھیں اپنی عاجزی کا احساس ہو، تمھاری حقیقت تم پر واضح کیگئی ہے تاکہ تمہارے دل میں ندامت، شکستگی اور عبدیت پیدا ہو، اور یہ شکستگی ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے ؎

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ　　جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

اس شکستگی کے بعد انسان اپنے مقامات قرب میں اور ترقی کر جاتا ہے۔ لہٰذا یہ شکستگی بلاوجہ پیدا نہیں کی گئی ؎

یہ کہہ کے کاسہ ساز نے پیالہ پٹک دیا　　اب اور کچھ بنائیں گے اس کو بگاڑ کے

اور حضرت مولانا شہیدؒ نے بھی اپنے زمانے میں بنظر غائر لوگوں کے حالات کو دیکھا اور ان کو اسی مرض میں مبتلا پایا تو صراط مستقیم میں خوب ہی خوب لکھا ہے فرماتے ہیں کہ

علامت تحقیق ایں معنیٰ در سالک	اس معنیٰ کے سالک نامقبول میں پائے جانیکی علامت
نامقبول این ست کہ آں اہتمامے کہ	یہ ہے کہ جیسا اہتمام کہ (اپنے) مشائخ کے بتلائے ہوئے اوراد
در اداۓ اوراد مشائخ می نماید عشر	میں ظاہر کرتا ہے اس کا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی فرض نماز
عشیر آں در اہتمام اداۓ صلوٰۃ مفروضہ	کی ادائیگی میں نہیں کرتا بلکہ جس وقت کہ شیطان لعین
نمی کند بلکہ ہر گاہ شیطان لعین بر	اس جماعت پر قابو پا لیتا ہے اور اسکو راہ حق سے
ایں جماعت چیرہ دست می شود آنہا	بہت دور ہٹا دیتا ہے تو یہ لوگ نماز جیسے فریضہ کو
را از راہ حق دور تر می برد و نماز را	بھی (بے کار اور) سرکار حاکم وقت کی بیگار شمار
مثل بیگار سرکار حاکم وقت می دانند	کرنے لگتے ہیں۔ اور جو وقت کہ ان کا وضو نماز میں
و ایں قدر وقت را کہ در نماز و وضو	صرف ہوتا ہے اس کو (معاذ اللہ) ضائع گمان
می گذرد رائگاں می انگارند و کار آمدنی	کرتے ہیں۔ اور اپنے کسی کام آنے والا نہیں سمجھتے
خود نمی دانند۔ معاذ اللہ من ذٰلک	(العیاذ باللہ من ذٰلک)

دیکھئے اکابر ہر دور میں نہایت شد و مد کے ساتھ فرض و نفل کے باہمی فرق اور ان میں آپسمیں جو تفاوت ہے اس کو بیان کرتے چلے آئے ہیں اور اگرچہ یہ بحث کتابوں میں بھی درج ہے تاہم مصلحین امت کو اپنے اپنے زمانہ میں عوام کے سامنے اسے بیان بھی کرنا پڑا ہے اس لئے کہ کتابوں سے نفع صرف خواص حاصل کر سکتے تھے اور عامۃ الناس کے سامنے تو جب کوئی مسئلہ بیان ہی کیا جائے گا تب ہی ان کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔

اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ باوجود اس کے کہ ہر عامی بھی اتنا جانتا ہے کہ فرض کا درجہ اتنا بڑھا ہوا ہے اور وہ خدا کا مقرر کردہ حکم ہوتا ہے اور نفل ایسی نہیں ہوتی پھر بھی خدا معلوم لوگوں کو کیا ہو جاتا ہے کہ فرض کی اہمیت ان کے قلوب میں اس درجہ نہیں ہوتی جیسی کہ نفل کی ہوتی ہے یہ شیطان کی رہزنی ہے کہ وہ ایک اہم شئے کو غیر اہم اور غیر اہم کو اہم بنا کر سامنے کر دیتا ہے اور اسکو ایسا مزین کر دیتا ہے کہ بہت لوگ

اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور گمراہ ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ ظاہر بات ہے کہ جب خدا کے فرض کردہ احکام ہی کو آدمی اہم نہ جانے گا اور اس کی عظمت واحترام کو فوت کردے گا اور اس سے ہی بدعقیدہ ہو جائے گا تو گمراہی تو اس کیلئے نقد وقت ہی ہے۔

یہاں سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی ضرورت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ محض کتاب میں حکم موجود ہونا اصلاح کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اس کیلئے ضروری ہے کہ کوئی بتانے والا بھی ہو جو لوگوں کو بتلائے کہ یہ گمراہی ہے اور یہ ہدایت ہے۔ چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کے ورثاء اور نائبین یعنی علماء عاملین اور مشائخ محققین بھی ہمیشہ سے یہی کرتے چلے آئے ہیں کہ امت میں جہاں کسی گوشہ سے گمراہی آتے ہوئے دیکھا تو اسکے زائل کرنے کی پوری سعی فرمائی۔ اسی قبیل سے قرب فرائض اور قرب نوافل کا مسئلہ بھی ہے کہ یوں اپنی جگہ نہایت ہی صاف اور واضح مسئلہ تھا مگر شیطان کی رخنہ اندازی سے گمراہی کا ذریعہ بن گیا ہے۔

شریعت نے بعض چیزوں کو فرض فرمایا تھا اور بعض کو نفل۔ اب کس قدر ضلالت کی بات ہے کہ آدمی فرض کے ساتھ تو نفل کا معاملہ کرے اور نفل کو فرض کرلے اس طریقے سے دین میں کیا کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ یہی مطلب ہے اس ارشاد کا جو کہا گیا ہے کہ اِنَّمَا حُرِمُوا الْوُصُوْلَ بِتَضْيِيْعِهِمِ الْاُصُوْلَ۔ یعنی وصول الی اللہ سے لوگ محروم کئے گئے وہ صرف اس وجہ سے کہ انھوں نے اس کے اصول کو ضائع کر دیا۔ اب اس میں سے کتاب اللہ ایک اصل ہے اور سنت ایک اصل ہے۔ اس طرح ان کا اتباع ایک اصل ہے اور جو لوگ اس کے سچے مطیع ہیں ان کا اتباع بھی ایک اصل ہے . . . . تمام اہل حق کا اجماع ہے کہ فرائض شعائر اللہ یعنی یادگار دین خداوندی ہیں اور یہ علی الاعلان ادا کئے جاتے ہیں بعد ایمان کے انھیں کا درجہ ہے۔ اب نفل کو کوئی اس کے برابر یا اس سے زیادہ سمجھے تو یہ صاف اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ ایسا شخص قطعاً خدا تک کبھی نہیں پہنچ سکتا

ایک بات اور باقی رہ گئی، مشائخِ معتبرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ نسبتِ صوفیہ غنیمت کبریٰ ہے اور اسکی ترغیب ہمارے کلام میں بھی آگئی ہے۔ لہٰذا طالب خدا کو اس سے کسی طرح صبر نہیں ہو سکتا۔ کیا خوب کہا گیا ہے ؎

اَلصَّبْرُ مَحْمُوْدٌ فِی الْمَوَاطِنِ کُلِّهَا　　اِلَّا عَلَیْكَ فَاِنَّهٗ مَذْمُوْمٌ

(یعنی صبر ہر موقع پر محمود ہے بجز آپ سے کہ یہاں مذموم ہے)

اور اللہ تعالیٰ کی طلب جب کسی پر غالب ہوتی ہے تو اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ دو ہی چیزیں اس طلب میں طالب کے لئے تسکین بخش ثابت ہوتی ہیں۔ ایک مشائخ سے شدید تعلق۔ دوسرے ان کے بتلائے ہوئے اوراد سے شدید شغف۔ یہ دونوں امر لوازمِ طلب سے ہیں۔ پس انہماکِ طلب میں ہو سکتا ہے کہ دوسرے ضروری امر سے غفلت اور عدمِ التفات پیش آجائے۔ اس قسم کی بہت سی غلطیاں پیش آجاتی ہیں جنکی تفصیل بہت طویل (بہت توجہ) ہے اس لئے مشائخ کاملین طالبین کو متنبہ کرتے رہتے ہیں تاکہ انکے مقصود میں کسی طرح کا نقصان نہ واقع ہو، مشائخ سے تعلق اور ان کے بتائے ہوئے اوراد عین طریق ہیں ؎

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است　　ہشدار گوش را بہ پیام سروش دار

(عشق کے رستے میں بہت سے شیطانی وساوس پیش آتے ہیں ہوشیار رہو اور کان کو الہام ربانی کی طرف لگائے رکھو)

اب سنئے کہ اس ضلالت کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ان لوگوں نے دیکھا کہ بزرگان دین نسبت مع اللہ کے لئے ذکر اللہ کو بتلاتے ہیں اور قلب سے غفلت کی نفی اور ازالہ کراتے ہیں اور اسکی خود بھی پابندی کرتے ہیں اور سالکین راہ کو بھی اس کا حکم کرتے ہیں تو لوگوں نے سمجھا کہ یہی اصل ہے اور یہی کل طریق ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ان حضرات صوفیہ نے جیسے ذکر اللہ کا اہتمام کیا اس سے کہیں زیادہ فرائض کا اہتمام کیا۔ شریعت کے ہر امر کی اتباع کو ضروری خیال کیا۔ مگر ناقص لوگوں نے ذکر اللہ کو تو لے لیا اور بقیہ چیزوں کو نسیاً منسیاً اور بالکل فراموش کر دیا۔ ذکر اللہ کا انکار نہیں ہے۔ احادیث میں ذکر اللہ کی فضیلت اور اسکے کرنے کی تاکید آئی ہے تو پھر کیسے کوئی انکار کر سکتا

ہے۔ ہاں مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ذکر اللہ کے ساتھ اور چیزیں بھی ضروری ہیں۔ ان کا کرنا بھی لازم ہے۔ چنانچہ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ:-

ان القوم فی مکابدۃ اخلاء خواطرھم ومعالجۃ اخلاقھم ونفی الغفلۃ عن قلوبھم لا فی تکثیر اعمال البر الذی لابد لھم منہ اقامۃ الفرائض والسنن الراتبۃ۔	بیشک قوم صوفیہ کا مجاہدہ صرف یہ ہے کہ اپنے قلب سے وساوس دور کرے۔ اپنے اخلاق رذیلہ کا علاج کرے اور قلب سے غفلت دور کرے۔ یہ نہیں کہ نیک کام کی "تکثیر" اور زیاتی کی فکر" میں پڑ جائے۔ بس جو چیزیں اسکے لئے ضروری ہیں وہ فقط فرائض
فاما الزیادات من الصلوات النافلۃ فاستدامۃ الذکر بالقلب اتم لھم۔	رہی نفل نمازوں کی زیادتی تو قلب سے دواماً ذکر کی جانب متوجہ رہنا یہ اسکے لئے دیگر نوافل وغیرہ سے بڑھ کر ہے۔

دیکھئے اس میں شیخ نے نفی غفلت (یعنی غفلت دور کرنے) اور استدامۃ بالذکر (یعنی دل سے دائمی طور پر ذکر کی جانب متوجہ رہنے) کو فرمایا ہے۔ مگر صرف اسی کو تو فرمایا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ردی وساوس کو دور کرنے اور اصلاح اخلاق کرنے کو بھی فرمایا۔ نیز استدامۃ بالذکر کو جو فرمایا تو فرائض اور سنن مؤکدہ کے بعد۔ اب لوگوں نے کیا کیا کہ اخلاء خواطر اور معالجہ اخلاق" یعنی قلب سے وساوس دور کرنا اور اخلاق رذیلہ کے علاج کو تو چھوڑ دیا بس ذکر کو لے لیا۔

اسی طرح علامہ شعرانی رحمہ نے الیواقیت والجواھر میں شیخ اکبر رحمہ کے کلام کو نقل فرمایا ہے فرماتے ہیں:-

ولا یخفی ان الارث کلہ یرجع الی نوعین معنوی ومحسوس فالمحسوس ھی الاخبار المتعلقۃ بافعالہ صلی اللہ علیہ وسلم واقوالہ واحوالہ و اما المعنوی فھو تطھیر النفس من	اور مخفی نہیں ہے کہ میراث کی دو قسمیں ہیں ایک معنوی دوسرے حسی۔ میراث محسوس (حسی) اخبار منقولہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال۔ اقوال اور احوال سے متعلق ہوں۔ اور میراث، نفوس کو اخلاق دنیۃ (رذیلہ) سے پاک

منذام الاخلاق وتحلیتہا	صاف کرنا۔ اور مکارم اخلاق سے اس کو مزین کرنا نیز
بمکارمہا وکثرۃ ذکراللہ عزوجل	ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت رکھنا حضور
علیٰ کل حال بحضور ومراقبۃ	قلب اور دلی توجہ کے ساتھ

(صلالا ج ۲۷)

یعنی وراثت محسوس وہ اخبار ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال واحوال سے متعلق ہیں یعنی جو حضرات اخبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل ہیں وہ بھی وارث نبیؐ ہیں۔

اور معنوی وراثت یہ ہے کہ اخلاق مذمومہ سے نفس کی تطہیر کرے اور مکارم اخلاق سے تحلیہ کرے اور ہر حال میں حضور ومراقبہ کے ساتھ ذکر اللہ کرے۔

دیکھئے شیخ اکبرؒ بھی ذکر اللہ کو لارہے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ تطہیر نفس کو بھی فرمارہے ہیں۔ تو محض ذکر اللہ سے یہ چیزیں کیسے معاف ہوجائیں گی۔ اور جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال ہیں ان کی اتباع بھی ضروری ہے۔ ان کو وراثت محسوسہ میں لائے ہیں تو یہ سب ضروری ہے۔ ہر ایک کو کرنا ہوگا تب تکمیل ہوگی۔ اگر کسی ایک میں بھی کمی ہوگی تو پھر رخنہ ہے ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے بھی فرمایا ہے کہ اوقات خود را بعد ادائے فرائض وسنن در شغل باطن گزارد[۵]۔ مگر اس سے پہلے شریعت کے احکام کو سیکھنے کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے (قصد السبیل) اور قشیریہ میں بھی یہی ہے فرماتے ہیں:۔

واذا احکم المرید بینہ وبین اللّٰہ تعالیٰ عقدہ فیجب ان یحصل من علم الشریعۃ اما بالتحقیق واما بالسوال عن الائمۃ ما یؤدی بہ فرضہ وان اختلف علیہ فتاوی الفقہاء یاخذ بالاحوط (قشیریہ ص۱۹۸)	مرید جب اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اپنے عقد کو مستحکم کرلے تو اس پر واجب ہے کہ شریعت کا علم سیکھے یا تو واقعی طور سے خود پڑھ کرکے یا جاننے والوں سے دریافت کرکے (یعنی) ان امور کا علم حاصل کرے جن سے فرائض کو ٹھیک ٹھیک ادا کرسکے اور اگر فقہاء کے فتاوی کسی مسئلہ میں (جو اسکو پیش آتا ہے) مختلف ہوں تو ان میں سے احوط کو لے

[۵] اپنے اوقات کو فرائض اور سنن کی ادائیگی کے بعد باطن کی اصلاح اور مشغولی میں صرف کریں

مگر لوگوں نے کیا یہ کہ ایک چیز کو تو لیا اور بہت سی ضروری چیزوں کو چھوڑ دیا حَفِظْتَ شَیْئًا وَغَابَتْ عَنْكَ اَشْیَاءُ (تم نے ایک چیز تو یاد رکھی لیکن بہت سی چیزیں تم سے فراموش ہوگئیں)

بس اس گمراہی اور غلطی کی وجہ سمجھ میں آگئی وہ یہ کہ مشائخ متقدمین اپنی کتابوں میں ذکر اللہ کو لکھتے ہیں اور اس کی تاکید کرتے ہیں تو احمق لوگوں نے بس اسی کو پکڑ لیا اور اس کے علاوہ جس میں نفس کو مارنا پڑتا ہے اور پابند کرنا ہوتا ہے اس کو چھوڑ دیا اور وظائف مشائخ کے ساتھ چمٹ گئے اور فرائض تک کے منکر ہوگئے۔ مشائخ نے تو محض خلوص اور نیک نیتی سے نفی غفلت اور نسبت مع اللہ کے لئے ذکر اللہ بتلایا تھا اور اسکے ساتھ شریعت کی اتباع کراتے تھے مگر بعد میں آکر ان کے منشا کو نہیں سمجھا گیا اور خود اسی کو مستقل اور مقصود" سمجھ لیا گیا۔ شیطان درمیان میں آگیا اور بہت بڑی رہزنی کی کہ شریعت کی ضرورت سے قلب میں انکار پیدا کر دیا اور لائن ہی بالکل بدل دی۔ ہوتے ہوتے بس یہ سلسلہ جوگ ہو کر رہ گیا۔ بس اپنے خودساختہ مجاہدات و ریاضات اور مشائخ کے اوراد کو تکمیل نفس کے لئے کافی سمجھنے لگے۔ اور شریعت کا استحسان" اور اسکے حسن وخوبی کا احساس" قلوب سے نکل گیا۔

جب ان حالات کو سید صاحبؒ اور حضرت مولانا شہیدؒ نے دیکھا تو سمجھا کہ اس طرح سے تو دین اور شریعت ہی بدنام ہو جائے گی اور سنت کا پتہ بھی نہ رہے گا۔ پس سید صاحبؒ میدان میں آئے اور بہت اصلاح کی۔ حضرت شہید علیہ الرحمۃ نے بہت لوگوں کو اس گمراہی اور ضلالت سے نکالا اور شریعت کی عظمت کو دلوں میں جاگزیں کیا کہ شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اس سے کبھی استغنا نہیں ہو سکتا۔ اس کا اہتمام لازم ہے۔

دیکھئے ان حضرات نے تو امت پر اتنا زبردست احسان کیا کہ ان کا رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑ دیا اس لئے کہ جب شریعت سے جوڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی جوڑا۔ شاہراہ ایمان پر لا کر کھڑا کر دیا۔ مگر اب انھیں حضرات کے متعلق کہا جاتا

ہے کہ وہ حضورؐ کو مانتے ہی نہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

بات یہ ہے کہ ان حضرات کو اپنے کو تو منوانا مقصود ہوتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منوانا اور قلب میں ان کی وقعت بٹھلانی منظور ہوتی ہے اور شریعت کی حفاظت مطلوب ہوتی ہے۔ اس لئے علی الاعلان ان ابحاث کو منصۂ د پر لاتے ہیں" اور خوب کھل کر بیان کرتے ہیں" کوئی برا کہے یا بھلا۔ چنانچہ لوگوں نے ں بڑی مخالفتیں کیں مگر کچھ نہ کرسکے۔ بہت سے لوگوں کو مومن بنادیا اور بہت لوگوں نے آپ کو مانا بھی اور جس کو اپنے کو منوانا ہوگا وہ کبھی ایسی باتیں کہہ نہیں سکتا۔ مؤید ن اللہ ہی اتنی جرأت اور ہمت سے مخالف فضا کا مقابلہ کرسکتا ہے۔

چنانچہ دیکھئے حضرت مولانا دہلویؒ نے یہاں تک فرمادیا کہ مشائخ کے اوراد کی ادائگی ں جتنا اہتمام کرتے ہیں فرائض کا اس کے عُشرِ عشیر "سواں حصہ" بھی اہتمام نہیں کرتے۔ یہاں تک لکھ دیا کہ جب شیطان چیرہ دست ہوجاتا ہے تو نماز کو بیگار بلکہ بیکار سمجھنے لگتے ہیں اور وضو ونماز میں جو وقت صرف ہوتا ہے اس کو ضائع سمجھتے ہیں۔ لاحول ولا ۃ الا باللہ۔

بات بھی بڑی تھی اس لئے کہ جن لوگوں کا یہ حال رہا ہوگا کہ فرائض کی ادائیگی کو ضیع وقت سمجھتے رہے ہوں گے۔ ان کا تو اعتقاد وایمان ہی سالم نہ رہا اس لئے وہ توحد تک پہونچ گئے۔ ایسے دور میں ان حضرات نے بڑی محنت کی اور لوگوں کو راستہ پر ے اور بتلایا کہ شریعت کے ترک سے کبھی مقبولیت تک نہیں پہونچ سکتے۔ چنانچہ صراط مستقیم ں اخلاق محمودہ ومذمومہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تطہیر نفس ضروری ہے۔ بدون ں کے محض اوراد سے مقبولیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ لکھتے ہیں کہ :-

ں مناسب حال ابنار روزگار این ت کہ چنانکہ اشغال ومراقبات بنا وصول بمعرفت الٰہی می نمایند ہمچنیں قبہ برائے ایں امور ہم پیش گیرند

پس ابنار زمانہ کے مناسب حال یہ ہے کہ جس طرح سے معرفت حق تک وصول (رسائی) کیلئے اشغال ومراقبات کو اختیار کرتے ہیں اسی طرح سے ان امور کے لئے بھی مراقبہ کرنا چاہئے (یعنی یہ کہ رذائل اخلاق کے ہوتے ہوئے نزول فیض رحمانی اور ورود

وبدون آں وصول رابارگاہ قبولیت غیرممکن انگارند ہر چند بمقام معرفت می رسند لیکن از باب عنایات وراہ قبول نمی رسند بلکہ از باب دیگر آنجا رسیدہ اند کہ پرسش مقبول ونا مقبول آنجا نیست (صراط مستقیم ص۶)

عنایات ربانی سے محرومی ہی رہیگی) اور بدون اس کے بارگاہ قبولیت تک رسائی کو ناممکن سمجھنا چاہئے۔ اور اگرچہ یہ لوگ معرفت کے مقام تک بھی پہنچ جاتے ہیں مگر عنایات الٰہی کے باب سے اور قبولیت کی راہ سے نہیں بلکہ ایک ایسے دروازہ سے پہنچتے ہیں جہاں مقبول وغیر مقبول کی پرسش ہی نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ اوراد ومراقبات سے کچھ معرفت کا حصہ مل جائے مگر قبولیت اور شے ہے اس کے لئے تطہیر اخلاق مذمومہ اور تحلیۂ اخلاق حمیدہ سے کرنا یعنی قلب کو برے اخلاق سے پاک وصاف کرنا اور اچھے اخلاق سے آراستہ اور مزین کرنا ضروری ہوگا، محض اوراد کافی نہیں۔

یہاں حضرت مولانا دہلویؒ نے یہ بتلایا کہ قبولیت کا مقام حاصل کرنے کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہوگا کہ آپ نے کن اخلاق کو مذمومہ" اور بُرا" فرمایا ہے اور کن کو حمیدہ" اور پسندیدہ"۔ بغیر اس کے آپ معلوم نہیں کر سکتے۔ حضورؐ کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع کرنی ہوگی۔ اب اورادِ مشائخ کو تو لوگوں نے لے لیا مگر شریعت چھوڑ دیا۔ پس شریعت ختم تو مقبولیت ختم۔ اور ولایت نام ہے مقبولیت کا۔ جب مقبولیت ختم تو ولایت بھی ختم۔ اب خواہ کچھ بھی کرو جب رشتہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ گیا تو کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔ اسی لئے شریعت کی طرف علماء نے زور دیا۔ اسکے اہتمام کی ترغیب دی اور لوگوں کا رُخ ہی بدل دیا۔ ان حضرات کو اسی کا بہت ملے گا۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بہت بڑا درجہ پایا ہوگا۔ ایسے لوگ مجدّد کہلاتے ہیں یہ تجدید ہی ہے کہ فرائض کی طرف سے جب لوگ بے اعتنائی برت رہے تھے تو اس وقت ان کو توجہ دلائی۔

سنئے! ذکر اللہ میں نفع کا یقین ہے اس سے غفلت دور ہوتی ہے نسبت مع اللہ ہوتی ہے۔ علائق سے قلب صاف ہوتا ہے مگر شریعت کا اہتمام ضروری ہے پہلے تو

شریعت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ اس کو کیا ہے صوفیہ اور مشائخ علماء کو بھی اس پہ لائے ہیں اور ان سے ذکر کرایا ہے کہ آپ شریعت کے عالم تو ہیں اور شریعت کے ظاہری احکام پر آپ کا عمل بھی ہے۔ مگر جب قلب غافل ہے تو حقیقۃً عالم نہیں اسلئے سب کچھ چھڑا کر ان کو ذکر میں لگایا ہے اور یہ نسبت پیدا کرائی ہے۔ غرض ہمارے مشائخ نہایت ہی اعتدال پر تھے جن کو دیکھا کہ ذکر اللہ سے غافل ہیں ان کو ذکر اللہ پر لائے اور جو صرف ذکر اللہ کرتے تھے۔ شریعت کی پابندی نہیں کرتے تھے انکو شریعت کی پابندی کا امر کیا اور اس پر ان کو زجر اور تنبیہ کیا۔ گویا جس فریق میں جو خامی پائی اس کی اصلاح فرمائی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں ہی ضروری ہیں فقط ایک پر اکتفا جائز نہیں جس طرح اہل باطن کیلئے ظاہر کی اصلاح ضروری ہے اسی طرح اہل ظاہر کیلئے باطن کی اصلاح ضروری ہے جو لوگ شریعت پر عمل کو ضروری نہیں سمجھتے انھیں باطنیہ یا حشویہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ فقط ظاہر شریعت پر عمل کو ضروری سمجھتے ہیں ان کو متقشف اور زاہد خشک کہا جاتا ہے اور جو دونوں کے جامع ہیں وہ محقق اور اصلی صوفی ہیں۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ یَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ یَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ جَمَعَ بَیْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ "یعنی جو صوفی ہوا اور فقہ نہ حاصل کی پس بلاشبہ وہ زندیق ہوا" یعنی ٹھیٹ کافر، اسلئے کہ اس میں نہیں ہوتا دین کے برباد کرنے سے "اور جو کوئی فقیہ ہوا اور تصوف حاصل نہ کیا پس بلاشبہ زاہد خشک اور پھیکا پھا کا ملا ہے" اسلئے کہ عالم ظاہر تحصیل نسبت باطن کا محتاج ہے۔ اسی طرح باطنی نسبت والا کتاب و سنت کے حاصل کرنے کا حاجتمند ہے تاکہ جامع النورین اور مجمع البحرین اور یادگار اولیاء سابقین اور وارث الانبیاء والمرسلین ہو جائے۔ "اور جو تصوف اور فقہ کا جامع ہوا پس بلاشبہ محقق ہوا" اور جامع ہوا کمالات ظاہرۃ و باطنیہ کا۔

فرقۂ باطنیہ کی اصلاح کی طرف علماء محققین ہمیشہ متوجہ رہے اور ان کو اسلام اور اہل اسلام

کا ہمیشہ مخالف سمجھا اور لوگوں کو ان کے کید سے آگاہ فرماتے رہے اس طرح اہل اسلام کے کید سے محفوظ رہے اور یہ لوگ زیادہ ضرر نہ پہونچا سکے اور بعضوں کی اصلاح بھی ہوگئی اور جو لوگ کہ زاہد خشک تھے بزرگوں کی توجہ ان کی طرف بھی مبذول رہی۔ بہتوں کو اپنی طرف کھینچ لائے اور وہ باطن پر پورے پورے حال اور سالک ہوئے۔ مثال میں ابن حجرؒ بخاری پیش کئے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تکمیل حضرت شیخ مدینؒ سے کی چنانچہ ان کے ارادت کا واقعہ یہ ہوا کہ انھوں نے ابن فارضؒ کے بعض ابیات کی شرح لکھ کر حضرت شیخ مدینؒ کی خدمت میں برائے تصویب و تقریظ پیش کیا۔ حضرت نے اسکے سرِ ورق پر یہ شعر لکھ کر واپس کر دیا ؎

سَارَتْ مُشَرِّقَةً وَسِرْتُ مُغَرِّباً   شَتَّانَ بَیْنَ مُشَرِّقٍ وَمُغَرِّبٍ

(وہ تو مشرق کی طرف چلی گئی اور میں نے مغرب کی راہ لی۔ اور ظاہر ہے کہ مشرق کے جانے والے اور مغرب کے جانے والے میں کتنا بُعد ہوتا ہے)

اس سے شیخ کا مطلب یہ تھا کہ آپ تو اب تک فن حدیث کی خدمت میں رہیں۔ اس میدان میں قدم ہی نہیں رکھا تو آپ بھلا اسکے نشیب و فراز کو کیا جانیں اور جو شخص کسی بات کو جانتا ہی نہ ہو وہ اسکی کیا شرح کر سکتا ہے؟ یہ ابیات صوفیہ کے احوال سے متعلق ہیں اس لئے اس کی شرح تو کوئی اہل طریق صاحب باطن ہی کر سکتا ہے۔ کتاب میں لکھا ہے فَتَنَبَّهَ لِأَمْرٍ کَانَ عَنْهُ غَافِلاً۔ یعنی علامہ ابن حجرؒ جس چیز سے غافل تھے اس پر ان کو تنبہ ہوا اور بات کی تہہ تک پہونچ گئے۔ طریق طریق کا اذعان و اعتقاد کر کے پھر شیخ مدینؒ کی خدمت میں رہ ہی پڑے اور وہیں پائی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ (الیواقیت ص۱۰ ج۱)

(افادہ) حضرت والا مدظلہ نے اس واقعہ کو سنا کر یہ بھی فرمایا کہ یہ ان کی حدیث کی برکت تھی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کی شرح و توضیح میں ساری عمر گذاری تھی اسلئے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ یہ حدیث کے کلام کا شارح یونہی خالی رہ جائے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب مہیا فرما دیئے

کام بن گیا۔ سچ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتے)

اسی طرح سے شیخ عبادہؒ مالکی بھی انھیں شیخ مدینؒ کی خدمت میں رہنے لگے حالانکہ پہلے ان کے منکر تھے مگر بعد میں حضرت کا اقرار کیا اور معتقد ہو گئے۔ ان کے رجوع کرنے کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے۔ نہایت عبرتناک اور سبق آموز ہے۔ طبقات کبریٰ میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ شیخ عبادہؒ" سادات مالکیہ میں کے ایک ممتاز عالم تھے اور اپنے ہمعصر شیخ مدینؒ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ یوں کہا کرتے تھے کہ یہ طریق جس پر یہ لوگ اپنے کو کہتے ہیں (یعنی تصوف) کیا بلا ہے؟ ہم تو صرف شریعت کو جانتے ہیں اس کے علاوہ سب ڈھکوسلا ہے۔ ان کو شیخ مدینؒ کا انکار تو تھا ہی اس میں مزید اضافہ اس سے ہو گیا کہ شیخ عبادہ کے درس کو چھوڑ چھوڑ کر لوگ شیخ مدینؒ کی مجلس میں آنے لگے۔ سید مدینؒ نے اپنے یہاں منعقد ہونے والی سالانہ محفل مولد میں ایک مرتبہ شیخ عبادہؒ کو بھی مدعو کیا۔ چنانچہ شیخ عبادہ آئے۔ لیکن شیخ مدینؒ نے اپنے اصحاب سے تاکید کر دی تھی کہ جب شیخ عبادہؒ آدیں تو خبردار کوئی شخص اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کرے اور نہ ان کی تعظیم کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو اور نہ مجلس میں ان کے لئے جگہ ہی کشادہ کی جائے۔ چنانچہ جب شیخ عبادہؒ آئے تو آکر خانقاہ کے صحن میں کھڑے ہو گئے اور کسی کو متوجہ نہ پاکر خوب خوب پیچ و تاب کھاتے رہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مارے غصہ کے پاش پاش ہو جائیں گے۔ جب اس حالت پر کچھ دیر گذر گئی تو سید مدینؒ نے سر اٹھایا اور حاضرین سے فرمایا کہ بھائی! شیخ عبادہؒ کے لئے راستہ کشادہ کر دو اور ان سے کہا کہ آیئے آپ یہاں میرے پاس تشریف لایئے۔ جب وہ سید مدینؒ کے پاس آکر بیٹھ گئے تو انھوں نے بیٹھتے ہی فرمایا کہ ایک سوال درپیش ہے (اجازت ہو تو عرض کروں) شیخ عبادہؒ نے فرمایا کہ ضرور ارشاد فرمایئے کہا کہ آیا آپ کے نزدیک مشرکین کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے؟ بالخصوص جبکہ انکی جانب سے کسی قسم کے خوف کا بھی اندیشہ نہ ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں جائز ہے۔

سید مدینؒ نے فرمایا کہ اچھا تو آپ کو خدا کی قسم دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اور کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپ کو یہ فعل کچھ ناگوار خاطر ہوا تھا یا نہیں ؟ شیخ عبادہؒ نے کہا کہ ہاں بیشک ناگوار ہوا تھا۔ اس کے بعد پھر سید مدینؒ نے ان سے دوسرا سوال یہ کیا کہ اچھا یہ بتلایئے کہ اگر آپ سے کوئی شخص یہ کہے کہ میں تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک کہ تم میری ایسی تعظیم نہ کرو جیسی تعظیم اپنی خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے چاہتے ہیں۔ تو یہ آپ کے نزدیک کیسا ہے؟ اور اُس شخص سے آپ کیا فرمائیں گے ؟

شیخ عبادہؒ نے جواب دیا کہ میں اس سے یہ کہوں گا کہ اے شخص تو کافر ہوگیا۔ جا تجدید ایمان کر۔ اس کے بعد کچھ دیر تک اسی طرح باہم سلسلہ کلام جاری رہا۔ (میرا خیال یہ ہے کہ شیخ مدینؒ نے ان مقدمات کو تسلیم کرانے کے بعد انکا انطباق فرمایا ہوگا کہ یہی حال آپ لوگوں کا بھی ہے کہ ہم سے بھی اپنی تعظیم ایسی ہی چاہتے ہیں۔ اور نہ ہونے پر ناگواری ہوتی ہے۔ اسکے متعلق بھی تو حکم لگایئے یہ کیا ہے؟ غرض شیخ عبادہؒ کی سمجھ میں بات آگئی تا آنکہ انھوں نے کھڑے ہو کر اسی بھرے مجمع میں اعلان کیا کہ :-

حضرات ! آپ سب لوگ گواہ رہئے کہ میں آج سیدی مدینؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں اور دین اسلام میں صحیح طور پر داخلہ کا آج میرا یہ پہلا دن ہے اور اول داخلہ ہے پھر تا زیست انکی خدمت میں رہ ہی پڑے حتیٰ کہ وہیں انتقال ہوا اور مقابر فقرا میں مدفون ہوئے ۔

رحمہٗ اللہ تعالیٰ (طبقات کبریٰ صـ۹۳، ج ۲)

دیکھئے اس سے جسطرح شیخ مدینؒ کی کرامت اور اصلاح و تربیت کے معاملہ میں ان کے کمال کا پتہ چلتا ہے اسی طرح سے شیخ عبادہؒ کے بھی کمال خلوص کا اندازہ ہوتا ہے کہ جب ان کو اپنے حال کی معرفت ہوگئی اور بات سمجھ میں آگئی تو فوراً تائب ہوگئے۔ کہاں تو طریق کے منکر اور شیخ مدینؒ پر معترض تھے اور کہاں سب کے سامنے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آج حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہوں۔ سبحان اللہ کسقدر بے نفسی اور تواضع کی بات ہے۔ آخر تھے تو عالم ہی۔ کتاب و سنت کے علم نے انھی کے قلب پر اثر کیا تھا۔ انھیں اخلاص تھا۔ اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت فرمائی۔

(اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ)

افطار میں جلدی کیوں؟ یہ جو حکم دیا گیا کہ افطار میں جلدی کرو اور بلا وجہ افطار میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ابتک تو بھوکا رہنا اور نہ کھانا باعث ثواب تھا۔ پیاسا رہنا باعث ثواب تھا۔ اس کی بڑی فضیلت اور بڑا اجر و ثواب تھا۔ لیکن جب ہم نے کہدیا کہ کھاؤ اب کھانے میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔ اس لئے کہ اب اگر کھانے میں تاخیر کروگے تو اپنی طرف سے روزے میں اضافہ کرنا لازم آئے گا۔

سحری میں تاخیر کیوں؟ سحری میں تاخیر افضل ہے۔ اگر کوئی شخص پہلے سے سحری کھا کر سو جائے تو یہ سنت کے خلاف ہے۔ بلکہ عین وقت پر جب سحری کا وقت ختم ہو رہا ہو اس وقت کھانا افضل ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگر پہلے سے کوئی شخص سحری کھا کر سو گیا۔ تو اس نے اپنی طرف سے روزے کی مقدار میں اضافہ کر دیا۔ وہ اتباع میں نہیں کر رہا ہے بلکہ اپنی طرف سے کر رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ساری بات ان کی اتباع میں ہے۔ ہم ان کے بندے ہیں اور بندے کے معنیٰ یہ ہیں کہ جو کہیں وہ کرو۔

"بندہ" اپنی مرضی کا نہیں ہوتا حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی ایک ہوتا ہے "ملازم" اور "نوکر"، ملازم اور نوکر خاص وقت اور خاص ڈیوٹی کا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ملازم کا کام صرف جھاڑو دینا ہے کوئی دوسرا کام اس کے ذمے نہیں۔ یا ایک ملازم آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے۔ آٹھ گھنٹے کے بعد اس کی چھٹی۔ اور ایک ہوتا ہے "غلام" جو نہ وقت کا ہوتا ہے اور نہ ڈیوٹی کا ہوتا ہے۔ وہ تو حکم کا ہے۔ اگر آقا اس سے کہے کہ تم یہاں قاضی اور جج بن کر بیٹھ جاؤ۔ اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرو۔ تو وہ قاضی بن کر فیصلے کرے گا۔ اور اگر آقا اس سے کہہ دے کہ پاخانہ اٹھاؤ تو وہ پاخانہ اٹھائے گا۔ اس کے لئے نہ وقت کی قید ہے اور نہ کام کی قید، بلکہ آقا جیسا کہہ دے غلام کو ویسا ہی کرنا ہوگا

"غلام" سے آگے بھی ایک درجہ اور ہے۔ وہ ہے "بندہ" وہ غلام سے بھی آگے ہے۔ اس لئے کہ "غلام" کم از کم اپنے آقا کی پرستش تو نہیں کرتا ہے۔ لیکن "بندہ" اپنے آقا کی عبادت اور پرستش بھی کرتا ہے۔ اور "بندہ" اپنی مرضی کا نہیں ہوتا ہے بلکہ اپنے آقا

کی مرضی کا ہوتا ہے۔ وہ جو کہے وہ کرے۔ دین کی روح اور حقیقت یہی ہے۔

بتاؤ؟ یہ کام کیوں کر رہے ہو؟ | میں نے صبح سے شام تک کا ایک نظام بنا رکھا ہے کہ اس وقت تصنیف کرنی ہے، اس وقت درس دینا ہے، اس وقت فلاں کام کرنا ہے۔ تصنیف کے وقت جب تصنیف کرنے بیٹھے، مطالعہ کیا اور ابھی ذہن کو لکھنے کے لئے تیار کیا اور قلم اٹھایا تھا یہ سوچ کر یوں لکھنا چاہئے کہ اتنے میں ایک صاحب آگئے اور آکر "السلام علیکم" کہا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے۔ اب اس وقت بڑا دل کڑھتا ہے کہ یہ خدا کا بندہ ایسے وقت آگیا، بڑی مشکل سے ابھی تو کتابیں دیکھ کر لکھنے کے لئے ذہن بنایا تھا اور یہ صاحب آگئے۔ اور اس کے ساتھ پانچ دس منٹ باتیں کیں۔ اتنے میں جو کچھ ذہن میں آیا تھا۔ وہ سب نکل گیا۔ اب اس کو از سر نو ذہن میں جمع کیا۔ اس طرح صبح سے شام تک یہ دھندہ ہوتا رہتا ہے۔ ایسے وقت میں بڑی کڑھن ہوتی تھی کہ ہم نے سوچا تھا کہ اس وقت میں اتنا کام ہو جائے گا۔ دو تین صفحے لکھ لیں گے۔ لیکن صرف چند سطروں سے زیادہ کام نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب کے درجات بلند فرمائے۔ فرماتے تھے کہ میاں! یہ بتاؤ کہ یہ کام کیوں کر رہے ہو؟ یہ تصنیف، یہ تدریس، یہ فتویٰ کس کے لئے ہے؟ کیا یہ سب اس لئے ہے کہ تمہاری سوانح حیات میں لکھا جائے کہ اتنے ہزار صفحات تصنیف کر گیا اور اتنی بہت سی تصانیف اور کتابیں لکھیں، یا اتنے بہت شاگرد پیدا کر دیئے۔ اگر یہ سب کام اس لئے کر رہے ہو تو بے شک اس پر افسوس کرو کہ اس شخص کی ملاقات کی وجہ سے حرج ہوا۔ اور تعداد میں اتنی کمی ہو گئی جتنے صفحات لکھنے چاہئے تھے اتنے نہ لکھے، جتنے شاگردوں کو پڑھانا چاہئے تھا اتنوں کو نہ پڑھایا، اس پر افسوس کرو۔ لیکن یہ سوچو کہ اس کا حاصل کیا ہے؟ محض لوگوں کی طرف سے تعریف توصیف، شہرت، پھر تو یہ سب کام اکارت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اسکی ایک دھیلہ قیمت نہیں۔ اور اگر مقصود ان کی رضا ہے کہ وہ راضی ہو جائیں، یہ قلم اسلئے چل رہا ہے کہ وہ راضی ہو جائیں۔ اُن کے یہاں یہ عمل مقبول ہو جائے۔ تو جب مقصود ان کی

رضا ہے۔ وہ قلم چلے یا نہ چلے، وہ قلم چلنے سے راضی ہوں تو قلم چلانا بہتر ہے، اگر قلم نہ چلنے سے راضی ہو جائیں تو وہی بہتر ہے بس دیکھو کہ وقت کا تقاضہ کیا ہے۔ تم نے بے شک اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بنایا تھا کہ آج دو صفحے ہو جانے چاہئیں۔ لیکن وقت کا تقاضہ یہ ہوا کہ ایک ضرورت مند آگیا۔ وہ کوئی مسئلہ پوچھ رہا ہے، کوئی اپنی فریاد لے کر آیا ہے۔ اس کا بھی حق ہے اس کا حق ادا کرو۔ اب وہ اس کا حق ادا کرنے میں راضی ہیں۔ اس سے بات کرنے میں، اس کو مسئلہ بتانے میں وہ راضی ہیں۔ تو پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے کہ میرا یہ معمول رہ گیا۔ اب تمہاری تصنیف میں اتنا ثواب نہیں جتنا اس شخص کی حاجت پوری کرنے میں ثواب ہے۔ بس! یہ دیکھو کہ وقت کا تقاضہ کیا ہے؟ جس وقت کا جو تقاضہ ہو اس کے مطابق عمل کرو۔ یہ ہے دین کی فہم اور سمجھ کہ اپنی طرف سے کوئی تجویز نہیں، ہر بات ان کے حوالے ہے۔ وہ جیسا کرا رہے ہیں انسان ویسا کر رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اسی میں راضی ہیں۔ ہر چیز میں یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کس میں ہے اس کے مطابق عمل کرو بیماری ہو تو، سفر ہو تو، حضر ہو تو، صحت ہو تو، ہر حالت میں ان کی رضا کی فکر کرو۔ اس لئے یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ ہم نے جو منصوبے بنائے تھے وہ منصوبے ٹوٹ گئے۔ ارے وہ منصوبے تو تھے ہی ٹوٹنے کے لئے، انسان کیا؟ اور اس کا منصوبہ کیا؟ منصوبہ تو انہیں کا چلتا ہے کسی کا منصوبہ نہیں چلتا۔ جب بیماری آئے گی تو منصوبہ ٹوٹے گا۔ سفر آئے گا تو منصوبہ ٹوٹے گا۔ جب عوارض پیش آئیں گے تو منصوبہ ٹوٹے گا۔ منصوبوں کے پیچھے مت چلو ان کی رضا کو دیکھو۔ انشاء اللہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ ملا۔ کون مسلمان ایسا ہوگا جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور دیدار کی خواہش نہ ہو، خواہش تو کیا؟ تڑپ نہ ہو۔ جب کہ دیدار ہو بھی سکتا ہو۔ آپ کے عہد مبارک میں موجود بھی ہو۔ لیکن سرکار کی طرف سے حکم یہ ہو گیا کہ تمہیں دیدار نہیں کرنا۔ تمہیں اپنی ماں کی خدمت کرنی ہے۔ اب ماں کی خدمت ہو رہی ہے

اور حضور صلی اللہ علیہ کا دیدار چھوڑا جا رہا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کو یہ فرمادیا کہ فائدہ اس میں ہے کہ ہمارا حکم مانو، ہمارا حکم یہ ہے کہ مدینہ نہ جاؤ۔ ہمارا حکم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو۔ حضور کی زیارت نہ کرو۔ بلکہ حضور کی کہی ہوئی بات پر عمل کرو۔ اب ماں کی خدمت کر رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل کیا اور دیدار سے محروم رہے تو جو لوگ دیدار سے بہرہ ور ہوئے تھے جن کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا تھا یعنی صحابہ کرام، وہ آآکر حضرت اویس قرنیؒ سے دعائیں کراتے تھے کہ خدا کے واسطے ہمارے لئے دعا کردو۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ وہاں قرن میں میرا ایک امتی ہے جس نے میرے حکم کی خاطر اور اللہ کی رضا کی خاطر میرے دیدار کو قربان کیا ہے، اے عمر! وہ جب کبھی مدینہ آئیں تو جاکر ان سے اپنے حق میں دعا کرانا، اگر کوئی شوقین ہوتا تو کہتا کہ مجھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق ہے۔ اور یہ دیکھے بغیر کہ میری ماں بیمار ہے اور اس کو میری خدمت کی حاجت ہے، دیدار کے شوق میں چل کھڑا ہوتا، کیوں؟ صرف اپنا شوق پورا کرنے کے لئے۔ لیکن وہ اللہ کے بندے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جو آپ نے فرمایا وہ کرتے ہیں۔ میرا شوق کچھ نہیں۔ میری تجویز کچھ نہیں۔ میری رائے کچھ نہیں۔ بلکہ جو انہوں نے فرمایا وہی برحق ہے، اسی پر عمل کرنا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل۔ باب من فضائل اویس قرنی رضی اللہ عنہ، حدیث ۲۵۴۲)

تمام بدعات کی جڑ یہ ہے

اور یہ ساری بدعتیں جتنی رائج ہیں، ان سب کی جڑ یہاں سے کٹتی ہے۔ اگر یہ فہم دل میں پیدا ہوجائے کہ ہمارا شوق کچھ نہیں، وہ جو حکم دیں اس پر عمل کرنا ہے۔ بدعت کے معنیٰ کیا ہیں؟ بدعت کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم خود راستہ نکالیں کہ اللہ کو راضی کرنے کا کیا راستہ ہے؟ اللہ تعالیٰ سے نہیں پوچھیں گے۔ ہمیں یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی منانا اور میلاد پڑھنا یہ صحیح طریقہ ہے اپنے

دماغ سے یہ راستہ نکالا اور اس پر عمل کرنا شروع کردیا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ اللہ تعالیٰ نے کہا اور نہ صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا۔ بلکہ ہم نے اپنے دماغ سے نکال دیا کہ یہ طریقہ موجب ثواب ہے، کسی کے مرنے کے بعد اس کا تیجہ کرنا اپنے دماغ سے نکال لیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے پوچھے بغیر اس پر چل کھڑا ہوا۔ اسی کام نام بدعت ہے۔ اسی کے بارے میں فرمایا:۔

كُلُّ مُحْدَثٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (ہر نئی چیز" دین میں" بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے) (سنن نسائی، کتاب صلاۃ العیدین، باب کیف الخطبۃ، حدیث ۱۵۶۰)

یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔ اب بظاہر دیکھنے میں تیجہ ایک اچھا عمل ہے کہ بیٹھ کر قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، کھانا پکا کر لوگوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ اس میں کیا حرج ہے؟ اور اس میں کیا گناہ ہیں؟ گناہ اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے پوچھے بغیر کیا ہے۔ اور جو کام بظاہر نیک ہو۔ لیکن ان کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف کیا جائے، وہ اللہ کے ہاں قبول نہیں۔ ؎

میرے محبوب میری ایسی وفا سے توبہ جو ترے دل کی کدورت کا سبب بن جائے

(کیفیات۔ ذکی کیفی ص ۴۵)

یعنی جو چیز بظاہر وفاداری نظر آرہی ہے۔ لیکن حقیقت میں تیرے دل کی کدورت کا سبب بن رہی ہے۔ ایسی وفاداری سے توبہ مانگتا ہوں۔ اور اسی کا نام بدعت ہے۔ جس حال میں اللہ تعالیٰ رکھیں، بس! اسی حال میں خوش رہو۔ اور اس کا تقاضہ پورا کرو۔

اپنا معاملہ اللہ میاں پر چھوڑ دو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی کہ:

چونکہ برمیخت بہ بندد بستہ باش چوں کشاید چابک و برجستہ باش

"وہ اگر تمہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیں تو بندھے پڑے رہو۔ اور جب کھول دیں تو پھر چھلانگیں لگاؤ۔" اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی تلقین فرمارہے ہیں کہ بیماری کی وجہ سے گھبراؤ نہیں، رخصت پر عمل کرنا بھی بڑا ثواب کا کام ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے کہ میرے بندے نے میری دی ہوئی رخصت پر عمل کیا۔ اور اس رخصت کو بھی پورے اہتمام کے ساتھ استعمال کرو۔ اللہ تعالیٰ یہ بات ہمارے دلوں میں اتار دے۔ آمین

شکر کی اہمیت اور اسکا طریقہ اس باب کی آخری حدیث ہے:۔ عَنْ انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیرضی عن العبد ان یاکل الاکلۃ فیحمدہ علیھا او یشرب الشربۃ فیحمدہ علیھا (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب حمد اللہ تعالیٰ بعد الاکل والشرب، حدیث نمبر ۲۷۳۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو بہت پسند کرتے ہیں اور اس سے راضی ہو جاتے ہیں جو بندہ کوئی لقمہ کھاتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اور پانی کا گھونٹ پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر کثرت سے شکر ادا کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

یہ بات بار بار عرض کر چکا ہوں کہ شکر سو عبادتوں کی ایک عبادت ہے۔ اور ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ کہاں کرو گے مجاہدات اور ریاضتیں۔ اور کہاں وہ مشقتیں اٹھاؤ گے جیسی صوفیاء کرام نے اٹھائیں؟ لیکن یہ ایک چٹکلہ اختیار کر لو کہ ہر بات پر شکر ادا کرنے کی عادت ڈال لو۔ کھانا کھاؤ تو شکر، پانی پیو تو شکر، ہوا چلے تو شکر۔ بچہ سامنے آئے اچھا لگے تو شکر، گھر والوں کو دیکھو اور دیکھکر راحت ہو تو شکر ادا کرو۔ شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو اور رٹ لگاؤ "الحمد للہ" اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ، یاد رکھو کہ یہ شکر کی عادت ایسی چیز ہے کہ یہ بہت سارے امراض باطنی کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ یہ تکبر، یہ حسد، یہ عُجب ان سب کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ جو آدمی کثرت سے شکر ادا کرتا ہے وہ عام طور سے تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا۔ یہ بزرگوں کا تجربہ ہے۔ بلکہ اس پر نص وارد ہے۔

شیطان کا بنیادی داؤ — ناشکری پیدا کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو راندۂ درگاہ کیا اور نکال دیا تو کمبخت نے جاتے جاتے کہہ دیا کہ مجھے ساری عمر کی مہلت دے دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو مہلت دے دی۔ اس نے کہا کہ اب میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا۔ اور ان کو گمراہ کرنے کے لئے دائیں طرف سے آؤنگا بائیں طرف سے آؤں گا۔ آگے سے آؤنگا۔ پیچھے سے آؤنگا۔ چاروں طرف سے ان پر حملے کروں گا، اور اُن کو تیرے راستے سے بھٹکاؤں گا۔ اور آخر میں اس نے کہا کہ:۔

وَلَاتَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ (سورۃ الاعراف، ۱۷) یعنی میرے بہکانے کے نتیجے میں آپ اپنے بندوں میں سے اکثر کو ناشکرا پائیں گے۔

شیطانی داؤ کا توڑ — ادائے شکر

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کا جو بنیادی داؤ ہے وہ ہے ناشکری پیدا کرنا۔ اگر ناشکری پیدا ہوگئی تو معلوم نہیں کتنے امراض میں مبتلا ہوگیا، اور اس داؤ کا توڑ شکر کرنا ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروگے اتنا ہی شیطان کے حملوں سے محفوظ رہوگے۔ اس لئے روحانی بیماریوں سے بچنے کا مؤثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے دن رات صبح شام رٹ لگاؤ "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ" اس سے انشاء اللہ شیطان کے حملوں کا سدّباب ہوجائیگا۔

پانی خوب ٹھنڈا پیا کرو

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میاں اشرف علی! جب پانی پیو تو خوب ٹھنڈا پیو، تاکہ روئیں روئیں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر نکلے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ مجھے دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں۔ ان میں سے ایک ٹھنڈا پانی ہے، اور کسی کھانے پینے کی چیز کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی خاص چیز کہیں سے منگوائی جارہی ہے۔ لیکن صرف ٹھنڈا پانی تھا جو سرکار دو عالم کیلئے تین میل کے فاصلے سے آیا کرتا تھا۔ بئر غرس نامی کنواں جو اب بھی مدینہ طیبہ میں موجود ہے، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص طور پر ٹھنڈا پانی منگوایا

جاتا تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب پیاس کی حالت میں ٹھنڈا پانی پیا جائے گا تو روئیں روئیں سے شکر نکلے گا۔

سونے سے پہلے نعمتوں کا استحضار اور ان پر شکر

اور رات کو سونے سے پہلے بیٹھ کر ساری نعمتوں کا استحضار کر لو کہ گھر عافیت کا ہے۔ الحمدللہ۔ بستر آرام دہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ۔ میں عافیت سے ہوں۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔ بچے عافیت سے ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ۔ ایک ایک نعمت کا استحضار کر کے رٹ لگاؤ۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ چیز اپنے نانا سے سیکھی ہے۔ ایک مرتبہ میں ان کے گھر گیا تو رات کو میں نے دیکھا کہ سونے سے پہلے بستر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور بار بار، باربار اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ پڑھ رہے ہیں۔ اور عجیب کیفیت میں یہ عمل کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمانے لگے، بھائی! سارے دن تو معلوم نہیں کس حالت میں رہتا ہوں۔ اور یہ پتہ نہیں لگتا کہ شکر ادا ہو رہا ہے یا نہیں۔ اس وقت بیٹھ کر دن بھر کی ساری نعمتوں کا استحضار کرتا ہوں، اور پھر ہر نعمت پر "اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ" کہتا جاتا ہوں۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ دیکھا تو اسکے بعد الحمدللہ میں نے بھی اسکو اپنے معمول میں شامل کر لیا کہ رات کو سوتے وقت سب نعمتوں کا استحضار کر کے شکر ادا کرتا ہوں۔

شکر ادا کرنے کا آسان طریقہ

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیں۔ آپ نے ہر ہر چیز کے طریقے بتا دیئے ہیں۔ کہاں تک انسان شکر ادا کریگا۔ بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے فرماتے ہیں کہ ایک سانس پر دو شکر واجب ہیں۔ سانس اندر جائے اور باہر نہ آئے تو موت؛ اور اگر سانس باہر آئے پھر اندر نہ جائے تو موت، تو ایک سانس پر دو نعمتیں، اور ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے۔ اس طرح ہر سانس پر دو شکر واجب ہوگئے۔ اس لئے اگر انسان

سانس ہی کی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہے تو کہاں تک کریگا" وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو گن نہ سکو گے) اسلیئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر ادا کرنیکا ایک آسان طریقہ بتادیا اور چند کلمات تلقین فرمادیئے۔ ہر مسلمان کو یاد کرلینے چاہئیں۔ فرمایا کہ:- "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا دَائِمًا مَعَ دَوَامِكَ وَخَالِدًا مَعَ خُلُوْدِكَ وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَا مُنْتَهٰى لَهٗ دُوْنَ مَشِيْئَتِكَ وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَا يُرِيْدُ قَائِلُهٗ اِلَّا رِضَاكَ" (کنز العمال، ج ۲، ص ۲۲۳، حدیث نمبر ۳۸۵۵)

(اے اللہ! آپ کا شکر ہے ایسا شکر کہ جب تک آپ ہیں اس وقت تک وہ شکر جاری رہے۔ اور جس طرح آپ جاوداں ہیں اسی طرح وہ شکر بھی جاوداں رہے۔ اور آپ کی مشیت کے آگے جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔ اور آپکی ایسی حمد کرتا ہوں جس کے کہنے والے کو سوائے آپ کی رضا کے کچھ اور مطلوب نہیں)

اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ زِنَةَ عَرْشِكَ وَمِدَادَ كَلِمَاتِكَ وَعَدَدَ خَلْقِكَ وَرِضَا نَفْسِكَ (ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب التسبیح بالحصیٰ)

فرمایا "میں آپ کا شکر کرتا ہوں، جتنا آپکے عرش کا وزن ہے۔ اور اتنا شکر ادا کرتا ہوں جتنی آپ کے کلمات کی سیاہی ہے"۔ قرآن کریم میں ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے تمام کلمات کو لکھنا چاہے اور ساتوں کے ساتوں سمندر اسکے لئے سیاہی بن جائیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھے جائیں تو سارے سمندر خشک ہوجائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں۔ تو آپکے کلمات لکھنے کیلئے جتنی سیاہی درکار ہوسکتی ہے اسکے بقدر شکر ادا کرتا ہوں۔" اور جتنی آپکی مخلوقات ہیں" یعنی انسان، جانور، درخت، پتھر، جمادات، نباتات سب جتنی مقدار میں ہیں۔" اسکے برابر شکر ادا کرتا ہوں۔" اور آخر میں فرمایا کہ "اتنا شکر ادا کرتا ہوں جس سے آپ راضی ہوجائیں۔"

اب اس سے زیادہ انسان اور کیا کہہ سکتا ہے۔ لہٰذا رات کو سوتے وقت ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور یہ کلمات کہہ لینے چاہئیں: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ مَلِيًّا عِنْدَ طَرْفَةِ كُلِّ عَيْنٍ وَتَنَفُّسِ نَفْسٍ (کنز العمال، ج ۲، ص ۲۲۳، حدیث نمبر ۳۸۵۷) "اے اللہ! آپ کی تعریف اور آپکا شکر ہے ہر آنکھ جھپکنے کے وقت اور ہر سانس لینے کے وقت"۔ بہر حال یہ شکر کے کلمات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے ہیں یاد کرلینے چاہئیں۔ اور رات کو سوتے وقت ان کلمات کو پڑھ لینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

(مکتوب نمبر ۸۲۲)

حال :- حضرت والا ادام اللہ ظلکم و مد فیضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

تحقیق :- جناب عالی دام مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔

حال :- کل شب کو حضرت کا نامۂ عالی مع ہدیۂ مرضیہ روغن گاؤ موصول ہو کر موجب کمال تشکرات ہوا اور صمیم قلب سے احقر نے دعائے خیر کی۔

تحقیق :- عنایت و کرم ہے۔

حال :- فرو ماندم از شکر چندیں کرم ہماں بہ کہ دست دعا گسترم

(آپ کے بیشمار احسانات کے شکر سے تو میں عاجز ہوں اسلئے بہتر یہی ہے کہ بس دعا کیلئے ہاتھ اٹھاؤں)

———— امور مسئولہ کے جوابات سے دل و دماغ روشن ہوئے۔ تحقیق :- مبارک ہو۔ حال :- انشاء اللہ وردِ استغفار کے لئے دعائے مرقومہ کی ہمیشہ کثرت رہیگی۔ تحقیق :- اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

حال :- قبول دعا پر اس سے بڑھ کر کس پر اطمینان ہوگا۔ تحقیق :- بیشک۔

حال :- یہ وہی دعا تو ہے۔ تحقیق :- بیشک۔ حال :- جس کا ذکر حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے:- وَجَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاذُنُوْبَاہُ وَاذُنُوْبَاہُ فَقَالَ قُلْ اَللّٰھُمَّ الخ حضرت جوابات تحریر فرماتے ہیں وہ دل میں اتر جاتی ہے۔

تحقیق :- یہی تو دل ہے جس میں یہ باتیں اتر تی جائیں۔ حال :- ؏ دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

تحقیق :- یہ مناسبت تامہ کی دلیل ہے۔

والسلام بکمال الاحترام

(۲۰ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ)

(مکتوب نمبر ۸۲۳)

حال :- مولانا ..... صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر مولانا صاحب سے حضور کا

سلام و پیام عرض کیا اور ہدیہ پیش کیا۔ ہدیہ سر پر رکھ لیا اور رونے لگے کہ بزرگوں کے کرم سے زندہ ہوں۔ پھر حضرت والا کے طرزِ تربیت کی خصوصیت مختصراً لیکن مؤثر انداز سے پیش کی۔ مولانا بہت خوش ہوئے۔ فرمایا کہ یہ مقام عالی حضرت ہی کا ہے دوسرے کو اس کا حق نہیں کیونکہ اوروں میں نہ اتنی شفقت ہوگی نہ اتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق ہوگا کہ قرآن و حدیث سے اس طرح اخذ کر کے پیش کر سکے۔ فرمایا کہ بھائی میں بھی حضرت مولانا تھانویؒ کے ملفوظات کو ہی مقدم سمجھا کرتا تھا اور قرآن و حدیث تو گاہے گاہے پیش کر دیتا تھا۔ میں تو حضرت والا کو خود چل کر اس طرزِ تربیت اور اس تجدید تربیت پر مبارکباد پیش کروں گا۔ فرمانے لگے کہ حضرت کا رنگ بہت نکھر گیا ہے اب بہت تیز رنگ آگیا ہے ضرورت ہے کہ کوئی شخص مستقلاً حافظ جلیل صاحبؒ کی طرح سے ملفوظات کو ضبط کرتا رہے۔ فرمایا کہ حضرت کے ملفوظات سے مجھے فائدہ ہوا۔ اب چند دنوں سے میں نے بھی اپنے مخالفین کے حق میں دعائے خیر کرنی شروع کر دی ہے۔

الغرض مولانا صاحب کے یہاں میرا جانا کامیاب ہوا۔ یہ بھی حضور کی دعا اور خالص توجہ کا اثر ہے کہ اس قدر ذی علم اور عالم دین کی خدمت میں میں نے حضرت والا کے ارشادات کو پیش کیا اور انھوں نے اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔

مولانا صاحب کو معلوم ہوا کہ حکیم شفاء الملکؒ صاحب الہ آباد کا قصد عید بعد رکھتے ہیں۔ تو انھوں نے فرمایا کہ بھائی مجھے بھی موٹر سے حضرت کی خدمت میں لے چلو۔ مگر میں رات قیام کروں گا کھڑی سواری واپس آؤں گا۔ میں نے عرض کیا کہ حکیم صاحب تو رات میں قیام نہ کریں گے۔ ان سے پوچھکر عرض کرونگا۔

چنانچہ کل ہی بارہ بجے دن میں مولانا صاحب کے یہاں سے حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ سرتاپا اخلاص نظر آئے بڑے خوش بڑے خوش

حضرت والا کے عاشق حضرت والا کے خطوط کو مجتمع کر کے ایک کاپی عمدہ بنالی ہے اس کو بار بار کھولتے تھے اور مجھے سناتے تھے۔ پھر میں نے بھی چند باتیں حضرت کی عرض کیں اُن کا تو کہنا ہی کیا تھا آمَنَّا وَصَدَّقْنَا ہو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ جناب عالی! موٹر حاضر ہے۔ فرمایا کہ بس جمعرات کو چار بجے صبح یہاں سے چلو اور نو بجے دن (صبح) وہاں پہنچ لیں گے اور شام کو ۴ بجے واپسی ہوگی۔ فرمانے لگے تو ہی ذریعہ ہوا اُس بارگاہ میں میری رسائی کا، اللہ تجھے خوش کر دے۔

آج صبح میرے غریب خانہ پر آئے اور دیر تک بیٹھے کچھ نجی باتیں حضرت کے یہاں حاضری کے سلسلے میں دریافت کیں۔ فرمایا کہ اب حضرت کو تار دیدو۔ چنانچہ .... آئے تھے ان کو تار لکھ کر دیدیا ہے۔

اب ۱۱ بجے دن یہ عریضہ ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ مولانا..... صاحب سے کل عید کے دن ملاقات ہوگی تو کہہ دوں گا کہ حکیم صاحب خوش ہوئے آپ کے ارادہ سے کہ سفر میں ساتھ ہوگا۔ البتہ وہ رات میں بوجہ مجبوری قیام کرنے سے قاصر ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ جناب والا کی محض دعا اور توجہ سے یہ خادم حقیر نفس و شیطان کے مکر و فریب سے رہائی پا جائے۔ ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(جو لوگ اپنی نظر توجہ سے خاک کو بھی کیمیا بنا دیتے ہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہماری طرف بھی ایک بار نگاہِ کرم فرمادیں)

دیکھئے! سپاہی بادشاہ کے حکم سے جانبازی کرتے ہیں اور سر کٹواتے ہیں صرف اس امید پر کہ بادشاہ ہم سے خوش رہے کسی نمک حلال نوکر کو جب یہ بات معلوم ہو جائے کہ آقا کو مجھ سے آجکل ہمدردی اور محبت نہیں ہے تو کیا قلق ہوتا ہے. خاص کر اس نوکر کو جس سے آقا کو پہلے محبت رہی ہو اس کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب مجھ سے محبت کچھ کم ہو گئی تو دیکھئے اس پر کیا گذرتی ہے حالانکہ اس سے یہ تھوڑا ہی ثابت ہو گیا ہے کہ مجھ سے آقا کو دشمنی ہو گئی ہے. بلکہ صرف اسی مرتبہ کی نوبت آئی ہے جس کے واسطے لفظ لَا یُحِبُّ بولا جاتا ہے مگر یہی درجہ اسکی پریشانی کے لئے کافی ہے تو ایسے شخص کو اگر آقا کسی فعل سے منع کرنا چاہتا ہے تو ایسا لفظ نہیں اختیار کرنا چاہتا جو یُبْغِضُ کا مرادف ہو۔ بلکہ یہی لفظ انتہائی لفظ ہے کہ ہم کو یہ کام پسند نہیں اور انتہائی اس واسطے کہ اکثر تو ایسے نوکر کے لئے جس سے محبت کا برتاؤ رہا ہو اس لفظ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ کسی لفظ کی بھی ضرورت نہیں صرف آقا کی نظر کا پھرا ہوا ہونا کافی ہوتا ہے اسی سے اس کا دم فنا ہو جاتا ہے۔ یہ واقعات دن رات نظروں میں ہیں۔

دیکھئے! ایک پیش کار ایسا ہو جس سے کلکٹر کو کسی قدر اُنس ہو وہ اگر ایک دن اجلاس میں صرف اتنی بات نئی دیکھے کہ آج کلکٹر صاحب نے اُس سے بات نہیں کی تو سہم کر رہ جاتا ہے اور احباب میں کہتا پھرتا ہے کہ آج صاحب کی نظریں کچھ پھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ خدا خیر کرے معلوم نہیں کیا بات خلاف طبع ہوئی۔ اس صورت میں اگر کلکٹر صاحب زبان سے کہہ دیں کہ ہم کو تمھارا فعل پسند نہیں، پھر تو کیا کہنا مر ہی تو جائے گا۔ اور کبھی بھی اس کام کے پاس نہیں جائے گا۔ اور یہ لفظ کہ ہم کو تمھارا فلاں کام پسند نہیں لَا یُحِبُّ ہی کا تو ترجمہ ہے جو حقیقتِ لغویہ کے اعتبار سے یُبْغِضُ سے کم مرتبہ کا لفظ ہے۔ مگر یہ اتنا اثر کیوں رکھتا ہے؟ بات یہی ہے کہ جس کو تعلق ہے اس کے لئے تو یہی لفظ سب کچھ ہے اور تعلق نہ ہو تو کوئی لفظ بھی مؤثر نہیں۔ یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ باتیں تو بڑے لوگوں کی ہیں جن کے دل میں

خدا تعالیٰ کی محبت ہے ان کے واسطے تو یہ لفظ بیشک ایسا ہی ہے مگر ہم جیسے عوام کو اس لفظ سے کیا اثر ہوسکتا ہے۔

اللہ کی محبت | میں کہتا ہوں کہ بندہ کی غذا خواہ کسی قسم کا بندہ ہو خدا تعالیٰ کی محبت ہے خواہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف لے جائے۔ یعنی حق تعالیٰ کا بندہ کے ساتھ محبت کرنا، خواہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف لے جائے یعنی بندہ کا حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنا دونوں بندہ کی غذائیں ہیں اور ان میں بھی اصل اول ہی ہے اور ثانی اس پر مرتب۔ کیونکہ غور سے معلوم ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ بندہ کا محبت کرنا بعد میں ہے اس کے پہلے یہی درجہ ہے کہ اس کے ساتھ محبت ہوئی دیکھ لیجئے صاف موجود وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (اور تم کچھ نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیں) یہ ثبوت تو آیت سے ہے کہ مشیتِ حق مقدم ہے مشیتِ عبد پر اور مشیتِ عبد میں مشیت محبت بھی داخل ہے وہ بھی موقوف ہوگی مشیتِ حق پر۔ پس اول حق تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ عبد مجھ سے محبت کرے اور حق تعالیٰ کا عبد کیسا اسکی خیر کا ارادہ کرنا یہی محبت ہے حق تعالیٰ کی عبد کیسا۔ میں ایک ثبوت اور دیتا ہوں اس بات کا کہ بندہ کو خدا تعالیٰ سے محبت ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اول حق تعالیٰ کو اسکے ساتھ محبت ہو۔ وہ ثبوت یہ ہے کہ محبت موقوف ہے معرفت پر اور معرفت تامہ خدا تعالیٰ کی ہو نہیں سکتی کیوں کہ نہ خدا کو کسی نے دیکھا نہ خدا کے نمونہ کو۔ کیوں کہ نمونہ ہے ہی نہیں، لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (کوئی شے اس کی مثل نہیں ہے) مگر بایں ہمہ بہت سے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ محبت عبد یا حق کا وجود ضرور ہے۔ ایک ادنیٰ سا نمازی مسلمان لیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ تجھے ایک لاکھ روپیہ دیں گے ذرا ایک وقت کی نماز چھوڑ دے تو ہرگز منظور نہ کرے گا اس سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں لاکھ روپے سے زیادہ ہے ورنہ لاکھ روپیہ کیوں چھوڑتا۔ کوئی شاید یہ کہے کہ صلحاء مسلمین میں تو یہ بات ہے جو نماز و دیگر عبادات کے پابند ہیں۔ لیکن جو نماز ہی نہیں پڑھتے ان کی حالت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو محبتِ حق تعالیٰ کی ہوا بھی نہیں لگی۔ کیوں کہ لاکھ روپے

تو دور ہے وہ تو بلا کسی لالچ کے ہی نماز چھوڑے بیٹھے ہیں۔ میں کہتا ہوں ان میں بھی محبت خدا تعالیٰ کی ایسی ہی ہے جیسے نماز پڑھنے والوں میں صرف ظہور میں فرق ہے ترک نماز کی عادت نے نماز سے غافل بنا دیا، اس لئے نماز کے معاملہ میں تو ان سے محبت کا ظہور نہیں ہوتا مگر اس سے زیادہ کسی دوسرے موقع پر اس کا ظہور ہو جاتا ہے مثلاً دین کے لئے جان دینے کا موقع آن پڑے تو چاہے مسلمان کیسا ہی بے نمازی ۔ فاسق اور فاجر کیوں نہ ہو ہرگز تامل نہ کرے گا۔ وہاں تو لاکھ روپیہ تھے یہاں تو جان کی پرواہ نہیں۔ بلکہ بعض واقعات سے تو اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نماز روزہ کرنے والوں سے زیادہ عام مسلمانوں نے جان بازی کی ہے یہ تو سوچنے ہی میں رہے کہ جان دینا چاہیئے یا نہیں۔ اور انھیں کچھ پرواہ نہیں ہوئی۔ اندھے باؤلے ہو کر کود پڑے۔ نیز ہر شخص کو اپنی اولاد اور بیوی سے کیسی محبت ہوتی ہے لیکن اگر ان میں سے کوئی خدا و رسول کی شان گستاخی کا کلمہ کہہ دے تو فاسق سے فاسق مسلمان کو بھی تاب نہیں رہتی اور وہ اپنی اولاد کی گردن اتارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ غرض ان سب حالات کے دیکھنے سے یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ مسلمان کو حق تعالیٰ کے ساتھ ضرور محبت ہے اور معمولی محبت نہیں بلکہ شدید محبت ہے جو بیوی بچوں سے کہیں زیادہ ہے جس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب کوئی خدا کی شان میں کچھ کہہ دے اس وقت مسلمان کو بچوں کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ سو اتنی محبت بلا دیکھے اور بلا نمونہ دیکھے اور بلا آواز سنے کیوں کر ہوئی۔ یہ تو ظاہر کہ خدا تعالیٰ کو کسی نے دیکھا نہیں اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ نمونہ بھی نہیں دیکھا کیوں کہ خدا تعالیٰ کا نمونہ ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ حق تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ تصور میں بھی نہیں آسکتا جیسا کہ وحی سے بتایا گیا ہے حتیٰ کہ ایک ملحد نے کہا تھا کہ مسلمان جیسا خدا کو مانتے ہیں وہ تو نہ ماننے کے حکم میں ہے کیونکہ جب اس کا کوئی نظیر ہی نہیں تو اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ تصور نظیر ہی پر موقوف ہے اور جس کا تصور نہ ہو سکے اس کا ماننا ہی کیا ہے۔ ہائے وہ اُلو کیا جانے خدا کیا چیز ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جس کی نظیر نہ ہو اس کا وجود بھی نہ مانا جائے آفتاب

کی نظیر کون سی ہے کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ کسی جگہ دوسرا آفتاب بھی ہے یا کسی نے دیکھا ہے یا کسی زمانہ میں ہوا تھا۔ اسی طرح جس بات کو دلیل ثابت کرتی ہے اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ ہم نے دیکھا ہی نہیں اس لئے نہیں مانتے۔ البتہ اگر اسپر اعتراض کرنا ہی ہے تو اس طرح کرو کہ دلیل کے کسی مقدمہ کو باطل کرو۔ اور اگر مقدمات باطل نہ ہوسکیں تو نتیجہ کا ثبوت یقینی ہے۔ خیر اس وقت اس ملحد کا جواب دینا مقصود نہیں۔ اس واسطے کلام کو کیوں طول دیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ مَاخَطَرَ بِبَالِكَ فَهُوَ هَالِكٌ وَاللّٰهُ اَعْلٰى مِنْ ذٰلِكَ۔ (ہر وہ خیال و وسوسہ جو تمہارے دل میں گذرتا ہے فنا ہونے والا ہے اور اللہ تعالےٰ اس سے برتر ہیں) اسی کا ترجمہ یہ ہے:- ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم　　وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

(اے اللہ آپ ہمارے خیال و قیاس، گمان و وہم سے بلند و برتر ہیں اور اس سے بھی جو لوگوں نے بیان کیا ہے اور ہم نے پڑھا اور سُنا ہے)

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر　　ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(دفتر ختم ہوگیا اور عمر آخر کو پہونچی ہم ایسے ہی تیسرے وصف اول کے بیان میں مصروف ہیں)

اور دوسرا ایک شعر ہے ؎

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش　　حسن ایں قصہ عشق ست در دفتر نمی گنجد

(قلم توڑ سیاہی پھینک کاغذ کو جلا اور خاموش رہ۔ اے حسن یہ عشق کا قصہ ہے دفتر میں نہیں سما سکتا)

ایسی شان ہے حق تعالیٰ کی۔ پھر جو چیز خیال میں بھی نہ آئے اس کی محبت کیسے ہو سکتی ہے حتیٰ کہ بعض اہل ظاہر نے تو کہہ دیا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت بالمعنی الحقیقی نہیں ہو سکتی۔ بس ارادۂ طاعت ہی محبت ہے اس لئے مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ ارادۂ عقلی سے عبادت کئے جائیں۔

اس پر امام غزالیؒ بہت خفا ہو کر کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی مثال عنین کی سی ہے جو کہتا ہے کہ عورت میں کچھ لذت نہیں۔ سو جب کہ واقعات اور آثار اس بات کے

شاہد ہیں کہ قلوب میں محبت خداوندی موجود ہے پھر اس کا کیسے انکار کر دیا جائے آخر ہم جو ایک انسان کی نسبت حکم لگا دیتے ہیں کہ اس کو کسی انسان سے یا کسی چیز سے محبت ہے تو یہ حکم کیسے لگا دیتے ہیں کہ محبت ایک قلبی شے ہے اس کے باوجود حکم لگا دینا صرف آثار ہی دیکھ کر تو ہوتا ہے پھر جب محبت خداوندی کے آثار موجود ہیں اور ایسے آثار موجود ہیں جو کسی دوسری چیز کی محبت میں نہیں ہو سکتے تو وجود محبت خداوندی کا حکم لگانا غلط کیسے ہو سکتا ہے اور اگر یہ غلط ہے تو حیوانات اور انسانوں میں باہمی محبت کا حکم لگانا بھی غلط ہے کیونکہ اس کا مبنیٰ بھی آثار ہی ہیں۔ کسی نے دل چیر کر تو دیکھا ہی نہیں۔ اگر دھوپ دیکھ کر کوئی حکم لگائے کہ آفتاب نکل آیا ہے تو اس کی تغلیط کیسے کی جا سکتی ہے یہ تو بداہت بلکہ حس کا انکار ہے۔ اسی طرح محبتِ خداوندی کا وجود اہل اللہ میں تو اس طرح پایا گیا ہے کہ ان میں تو اسکے آثار تھے ہی بعض دفعہ ان سے متعدی ہو کر آس پاس تک کو گھیر لیا ہے۔

اثر محبت حضرت سمنون محب کا قصہ ہے کہ یہ کچھ محبت کا بیان کر رہے تھے کہ ایک چڑیا ان کے قریب آ بیٹھی اور تھوڑی کے بعد ان کی گود میں آ بیٹھی اور تڑپنے لگی اور مر گئی دیکھئے کس درجہ محبت کا اثر ہے۔ اب جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ بتائیں کہ کاہے کا اثر تھا، جس نے جانوروں میں بھی آگ لگا دی وہ انسان میں آگ لگا دے تو کیا بعید ہے۔ غرض اس کا انکار بالکل "مکابرہ" اور زبردستی کی بات" ہے۔ ضرور اس کا وجود ہے اور ہر شخص میں ہے۔ پھر اس کا ایک درجہ تو فطرۃً ہر چیز میں موجود ہے۔ مگر انسان اس کا مکلف ہے کہ اس درجہ کو حاصل کرے جو اسکے اختیار پر رکھا گیا ہے۔ جو لوگ اس سے محروم ہیں کیسے ہی متقی ہوں ان کا تقویٰ ذرا سی بات میں ٹوٹ جاتا ہے بخلاف اہل محبت حضرات کے کہ ان کا تقویٰ بہت مستحکم ہوتا ہے کیوں کہ محبت کے اثر سے اعمال ان کی عادت بن جاتے ہیں پھر عادت سے طبیعتِ ثانیہ اور غذائے روح بن جاتے ہیں۔ اور جن میں یہ نہیں وہ جہاں رہ گئے وہاں رہ گئے محبت کے ساتھ خدا کا راستہ بہت قریب ہے اور بلا اس کے بہت بعید ہے۔ اسی واسطے عراقیؒ کہتے ہیں ؎

صنارہ قلندر سزدار بمن نمائی کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

(مجھ کو تو طریق عشق میں چلایئے نراز بد خشک تو بہت دور دراز کا راستہ ہے۔)

بلا محبت کے بڑے بڑے مجاہدوں سے بھی کبھی تو ایک ضعیف سا اثر ہو جاتا ہے جیسا کہ ادنیٰ درجہ کی محبت والے کو بلا مجاہدہ کے ہوتا ہے اور کبھی اتنا بھی نہیں ہوتا بلکہ ساری عمر اعمال ناقص ہی ادا ہوتے ہیں۔ اسی کی نسبت کہا گیا ہے ؎

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

(جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی تو نے سجدہ ریا کا کرکے مجھ کو بھی خراب کیا)

بہ طواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند تو برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

(خانہ کعبہ کے طواف کیلئے گیا تو حرم نے مجھے راستہ نہ دیا اور کہا کہ تو نے حرم کے باہر ہی کیا کیا، جو خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے)

یہ تو اعمال کی حالت ہے۔ اور احوال کی حالت یہ ہے کہ جن کو محبت نہیں وہ بہت جلد گھبرا اٹھتے ہیں ذرا سا ابتلا ہوا اور قدم اکھڑ گئے۔ اور محبت والے کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کو یہ نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا سر سلامت ہے تاکہ آپ خنجر آزمائی کریں)

کسی کو تکلیف ہوتی ہوگی۔ ان کو تو مصیبت میں بھی لطف آتا ہے یہ محبت ہی کے آثار ہیں۔ اگر تم میں محبت نہ ہو تو اس کا انکار تو مت کرو۔ اہل محبت کے آثار کو دیکھ کر ماننا پڑے گا کہ محبت الٰہی کا وجود ہے ؎

گر نبودے نالۂ نے را ثمر نے جہاں را پُر نہ کردے از شکر

(اگر نالۂ نے کا ثمرہ جو طلب ہے جس سے معرفت پیدا ہوتی ہے نہ ہوتا تو دنیا میں جو ہزاروں عارف بھرے پڑے ہیں کہاں سے آتے)

بندگان خدا محبت والے موجود ہیں اگر ان میں محبت نہیں تو دوسرے انکی صحبت سے کیوں کر اہل محبت ہو جاتے ہیں۔ یہ طاقت محبت ہی میں ہے کہ آس پاس تک کو

لپیٹ لیتی ہے محبت آگ ہے آگ کے اندر جو کوئی جاتا ہے وہ تو جلتا ہی ہے اور جو کوئی آگ کے ارد گرد ہوتا ہے گرم وہ بھی ہو جاتا ہے عقل میں اتنی قوت نہیں واللہ یہ قوت محبت ہی میں ہے۔ چنانچہ ایک اہل دل نے دونوں کو آزما کر کہا ہے ؎

آزمودم عقل دور اندیش را　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(میں نے عقل دور اندیش کو آزما لیا۔ جب اس سے کام نہ چلا پھر ہم دیوانہ بنے)

آزمودم عقل دور اندیش را (۲بار) بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(عقل دور اندیش کو آزمانے کے بعد میں نے دیوانگی اختیار کی ہے)

دیوانہ بنیں گے طعن سہیں گے، مصیبتیں جھیلیں گے مگر محبت وہ چیز ہے کہ کسی کا اثر نہ ہوگا۔ اور یہی کہیں گے ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم　　مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

(اگر ہم مفلس قلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا پرواہ ہے۔ یہی دولت کیا کم ہے کہ محبوب حقیقی کی محبت سے مست ہیں)

دیکھئے ادنیٰ سی بازاری مرد اور عورت یا ایک امرد کی محبت میں آبرو و غیرت سب فنا ہو جاتی ہے نہ مال کی پرواہ رہے نہ جاہ کی جب ایک نام کے عشق میں یہ حالت ہے تو حق تعالیٰ کے عشق میں جو واقعی عشق ہے اور سچا عشق ہے کیا حالت ہونا چاہیے۔ جو کچھ بھی ہو جائے کم ہے کیوں کہ ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

(محبوب حقیقی کا عشق لیلیٰ سے کیا کم ہو، اس کی خاطر گیند بن جانا اولیٰ اور بہتر ہے)

آثار محبت | غرض محبت کے آثار جہاں بھی ہوں وہاں کیسے قائل نہ ہوں کہ محبت کا وجود ہے تو یہ قول صحیح نہیں کہ خدا تعالیٰ کی محبت نہیں ہو سکتی۔ دراصل ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی عظمت پر نظر کر کے یہ کہدیا ہے کیوں کہ ظاہر ہے کہ محبت ایک تعلق کا نام ہے جس کیلئے وجود طرفین اور طرفین میں کچھ باہمی مناسبت کی ضرورت ہے اور بندہ اور خدا میں کیا مناسبت۔ کہاں واجب اور کہاں ممکن۔ غالباً یہ اصل

ہوگئی ہے متکلمین کے انکار کی۔ مگر اس کا حل یہ ہے کہ بندہ بیشک اس قابل نہیں ہے کہ اس کو واجب کے ساتھ ایک طرف میں رکھا جائے لیکن محبت کا امکان اس طرح پر ہے کہ حق تعالےٰ کے ساتھ بندہ کی محبت اس کے فعل سے نہیں بلکہ اُس طرف سے شروع ہوئی حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس کے دل میں میری محبت ہو۔ بس ہوگئی۔ حق تعالیٰ کے ارادہ کے سامنے کوئی چیز ناممکن نہیں اسلئے جس بندہ میں خدا تعالیٰ کی محبت دیکھو سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کو بھی اس کے ساتھ محبت ہے مگر ظہور و خفا کا فرق ہے مولانا فرماتے ہیں۔ سے

عشق معشوقاں نہاں است وستیر عشق عاشق با دو صد طبل ونفیر
(معشوق کا عشق پوشیدہ اور مخفی ہے عاشق کا عشق ظاہر اور آشکارا ہے)
لیک عشق عاشقاں تن زہ کند عشق معشوقاں خوش وفربہ کند
(لیکن عاشقوں عشق دُبلا کرتا ہے۔ اور معشوقوں کا عشق موٹا اور فربہ کرتا ہے)

عاشق کی محبت پتہ دیتی ہے کہ حق تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہے مگر وہاں کوئی انفعالی اثر نہیں کیوں کہ واجب الوجود پر کیا اثر ہوتا اسی واسطے اُس کو ستیر کہا یعنی وجود تو ہے مگر کوئی اثر ظاہر نہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ سے

ہر کہ عاشق دیدش معشوق داں گو بہ نسبت ہست ہم ایں و ہم آں
(جس کو عاشق دیکھو اسکو معشوق سمجھو گو نسبت کے ساتھ یہ بھی ہے اور وہ بھی)

(جاری)

(بقیہ صٓ) علت تشبہ بالغیر اور یہود و نصاریٰ کی رسم ہونا قرار دیا ہے۔ بر تھ ڈے اگرچہ آپ اپنے مومن، متقی باپ یا بیٹے ہی کی کیوں نہ منائیں۔ لیکن یہ فعل شریعت اسلامیہ کی نظر میں نہایت قبیح و شنیع ہوگا۔ حالانکہ یہ فعل عبادت کے عقیدہ اور ثواب کے جذبے سے خالی ہوتا ہے۔ اگر کوئی رسم عبادت کی نیت اور ثواب کے جذبے سے کیجائے تو اسکی قباحت مزید بڑھ جاتی ہے اسکو روکنا، اسکے قبائح بیان کرنا علماء حق کی ذمہ داری ہے نہ یہ کہ علماء ہی سیاسی اغراض اور عوام کی خوشنودی کیلئے قیادت کرنے لگیں۔ فیا للعجب!

"چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

(مدیر)

(۸۵۳) فرمایا کہ جنت میں یہاں کی فطرت نہیں رہے گی۔ اعمال کے اعتبار سے آثار و خواص طبیعت کے ہو جائیں گے۔

(۸۵۴) فرمایا عورتیں قابل تعریف و ترحم ہیں ان میں دو صفت تو ایسی ہیں کہ مردوں سے بھی کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ خدمت گاری اور عفت۔ عفت تو اس درجہ ہے کہ مرد چاہے افعال سے پاک ہوں لیکن وسوسوں سے کوئی بھی شاید خالی نہ ہو۔ اور شریف عورتوں میں سے اگر سو کو لیا دے تو شاید سو کی سو ایسی نکلیں گی کہ وسوسہ تک بھی ان کو عمر بھر نہ آیا ہو اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَلْمُحْصَنَاتُ الْغَافِلَاتُ (پاک دامن اور بے خبر عورتیں)

(۸۵۵) ایک بیمار صاحب نے بار بار اپنی سخت مجبوری نماز سے ظاہر کی کہا کہ کپڑے ناپاک رہتے ہیں۔ فرمایا کچھ حرج نہیں ناپاک کپڑوں ہی سے نماز ہو جاتی ہے اگر پاک کرنے میں زیادہ زحمت مریض کو ہو۔ کہا کہ حرکت بھی نہیں کی جاتی۔ فرمایا کہ اشارہ سے لیٹے لیٹے پڑھو کہا کہ زبان سے الفاظ نہیں نکلتے فرمایا کچھ حرج نہیں دل ہی دل میں کہہ لیا کرو نماز کسی حال میں معاف نہیں (اگر ہوش رہے) اس کی بڑی سخت تاکید ہے۔ یہاں تک کہ اگر سمندر میں ڈوب رہا ہو اور نماز کا وقت آگیا ہو تو نیت باندھ کر ڈوب جاوے۔ لیکن جہاں اس قدر تاکید ہے وہاں سہولت بھی بے انتہا رکھی گئی ہے۔ ان باتوں سے بھی ان مریض صاحب کی تسلی نہ ہوئی اور وہ یہی کہتے رہے کہ نماز ایسی حالت میں کیسے ہو سکتی۔ فرمایا کہ یہ رائے کی خرابی ہے یوں سمجھتے ہیں کہ اس طرح نماز ناقص ہو گی حالانکہ حق تعالیٰ کے حقوق اس قدر ہیں کہ ان کے سامنے ہماری نماز کامل کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر کپڑے پاک صاف ہوں۔ وضو وغیرہ سب باقاعدہ ہوں۔ خشوع و خضوع ہو تو نماز بڑی کامل ہو گی۔ میں کہتا ہوں کہ عظمت حق کے اعتبار سے وہ بھی ناقص ہی ہو گی۔ پھر جب ہر حال میں ناقص ہی ہوئی تو اس طرح پڑھنے سے کیوں جی بھلا نہیں ہوتا۔

(۸۵۶) ایک صاحب نے عرض کیا کہ پہلے حالت اچھی تھی اب بہت خراب

ہوگئی ہے۔ فرمایا کہ میری رائے میں تو جو حالت اچھی سمجھی جاتی تھی وہ بُری تھی۔ کیونکہ اس کو اچھا سمجھنا ہی بُرا تھا۔ اور یہ حالت جس کو آپ خراب سمجھتے ہیں اس پہلی حالت سے اچھی ہے کیونکہ اس کے ساتھ یہ کتنی بڑی دولت ہے کہ اپنے عجز کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

(۸۵۷) فرمایا کہ تعلیم کا فیض زندہ شیخ سے ہوتا ہے اور مردہ شیخ کی قبر سے صرف تقویت نسبت کی ہوتی ہے۔ اور قبر سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یوں تصور کرے کہ اسکے قلب سے فیض میرے قلب میں آرہا ہے مردہ کو خواہ بیٹھا ہوا تصور کرے یا لیٹا ہوا جس میں سہولت ہو۔ جتنی زیادہ یکسوئی ہوگی اتنا زیادہ فائدہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ قبر کی توجہ میں اس قدر کدورت نہیں ہوتی جس قدر کہ توجہ متعارف (یعنی تصرف) میں ہوتی ہے کیونکہ قبر کی توجہ میں انفعال ہوتا ہے اور توجہ متعارف میں فعل ہوتا ہے دوسرے کے اندر اثر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہ دعویٰ کی صورت ہے اس میں زیادہ کدورت ہے ذونوں قسم کی توجہ میں وجداناً فرق محسوس ہوتا ہے۔

(۸۵۸) فرمایا کہ شوخ بچہ میں تکبر نہیں ہوتا۔ تکبر بڑی بُری خصلت ہے۔

(۸۵۹) فرمایا کہ کھانے کی نیت سے ہاتھ دھونا سنّت ہے اور دونوں ہاتھ دھونا سنّت ہے اور رومال وغیرہ سے پوچھنا نہیں چاہئے۔ البتہ بعد کھانے کے جو ہاتھ دھوئے ان کو پونچھے اور قبل کھانے کے صرف ہاتھ دھوئے کلی نہ کرے سنّت یہی ہے۔ البتہ بعد کھانا کھانے کے ہاتھوں کو دھونے کے بعد کلی بھی کرکے منہ کو صاف کرے۔

(۸۶۰) فرمایا کہ مباح امور کے خیالات و وسوسے تاہم غنیمت ہیں اگر ان سے دل خالی ہو جاوے تو پھر معاصی کے خیالات آنے لگتے ہیں۔ یہ مباح خیالات وقایہ یعنی سپر اور بچاؤ ہیں معاصی کے خیالات کے لئے۔ البتہ جب حق تعالیٰ ذکر کا غلبہ نصیب فرمائیں گے تب یہ بھی جاتے رہیں گے۔

(۸۶۱) فرمایا کہ تسلی سے جس قدر سلوک طے ہوتا ہے کسی سے نہیں ہوتا۔ اور اس سے حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ الحمدللہ مجھ کو محبت حق پیدا کرنے کا بہت اہتمام رہتا ہے۔

(۸۶۲) فرمایا کہ فراست جس سے طالب کے امراض باطنی معلوم ہو جاتے ہیں وہ کشف نہیں ہے۔ کشف تو یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص راستہ میں آرہا ہے اس کو یہیں بیٹھے دیکھ لیا اور پھر بعد میں وہ آبھی گیا۔ فراست دل کی گواہی دینے کو کہتے ہیں اسکو الہام کہنا زیادہ مناسب ہے۔ فراست اور عقل باہم مشابہ ہیں عقلاء کو بھی عقل کے ذریعہ سے باتیں معلوم ہو جاتی ہیں لیکن عقل اور فراست میں یہ فرق ہے کہ عقل تو اسباب ظاہری سے استدلال کرتی ہے اور فراست محض وجداناً محسوس کرتی ہے۔

(۸۶۳) فرمایا کہ سچ کہتا ہوں کہ جو دعا دل سے کی کبھی نہیں یاد کہ قبول نہ ہوئی ہو۔ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اگر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی ہے تو اسمیں اپنی ہی کوتاہی ہوتی ہے میں نے تو ہمیشہ تجربہ کیا ہے۔

(۸۶۴) فرمایا کہ چونکہ میں دعا کو معین سمجھتا ہوں تدبیر کا اس لئے جس کو کام میں مشغول دیکھتا ہوں خود بخود جی سے دعا نکلتی ہے ورنہ دو تین مرتبہ کر کے بس فرض سا اتار دیا۔

(۸۶۵) فرمایا کہ گارڈ سے اسٹیشن آنے کے قبل گاڑی ٹھہرانے کے کہنا جائز ہے کیونکہ کمپنی کا اس میں کچھ بھی ضرر نہیں لیکن التجا کرتے شرم معلوم ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ امتیاز کی بات سے طبیعت منقبض ہوتی ہے

(۸۶۶) مجھے حکایات و روایات سے سخت نفرت ہے لوگ خواہ مخواہ اِدھر اُدھر کے قصے بیان کیا کرتے ہیں اور میرا وقت ضائع کرتے ہیں بعض مرتبہ مروت میں کچھ کہتا نہیں۔ کام کی باتوں میں لگنا چاہئے میرے سامنے کوئی جنگ وغیرہ کے حالات چھیڑتا ہے تو میں یہ کہدیتا ہوں کہ بس جناب ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(ہم نے سکندر و دارا کا قصہ پڑھا ہی نہیں۔ اسلئے ہم سے تو بس مہر و وفا یعنی محبت و وفاداری کی حکایت کے سوا کچھ بھی نہ پوچھو)

(۸۶۷) فرمایا کہ جائداد ہے فساد کی جڑ۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر جائداد بیچو تو اس روپیہ سے فوراً دوسری خرید لو۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ اے عائشہ جائداد

مت خرید و تم دنیا دار ہو جاؤ گی۔ ان دونوں حدیثوں کے مجموعہ سے مفہوم ہوا کہ اگر جائداد موجود ہو تو اس کو جدا نہ کرے اور نئی جائداد خریدے نہیں۔

(۸۶۸) ایک صاحب نے رسمی دینے لینے کی بابت عرض کیا کہ اگر یہ بند کر دیا جاوے تو مغائرت پیدا ہو جاوے فرمایا کہ جو رسمی دینا لینا ہوتا ہے اسکے آثار و نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت بڑھتا نہیں بلکہ کم کرتا ہے، جو دیتے ہیں اکثر دباؤ سے دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ملنا جلنا کم ہو جاتا ہے کیونکہ جبتک پاس نہ ہو ملنے کیا جائیں دینا ضروری سمجھتے ہیں اسلئے اسکو موقوف کرنا پڑتا ہے اور اگر دینا ہو تو تقریبات کے موقعہ پر نہ دے وقت ٹال کر دے جب توقع نہ رہے بلا توقع اگر دو روپیہ بھی ملتے ہیں تو بہت خوشی ہوتی ہے اور محبت بڑھتی ہے۔ صمیم قلب سے مسرت ہوتی۔ طبیعت اندر سے کھل جاتی ہے۔ اور اگر رسم کے طور پر دیا تو صرف انتظار کی کلفت رفع ہوئی گویا عذاب سے نجات ہوئی۔ دوزخ سے تو نجات ہوئی لیکن جنت نہیں ملی۔

(۸۶۹) فرمایا کہ اہل علم کو اموال کے باب میں بہت احتیاط چاہئے لینے میں بھی اور دینے میں بھی۔ میرے یہاں تو لینے کے بھی شرائط ہیں کہ ایک معتد بہ مدت تک ملتے جلتے رہنے سے دل خوب مل گئے ہوں اور بے تکلفی ہو گئی ہو۔ ایک دفعہ میں ایک دن کی آمدنی سے زیادہ ہدیہ نہ ہو۔ دو ہدیوں کے درمیان کم از کم ایک ماہ کا فصل ہو اور پابندی کے ساتھ نہ دے۔ خرچ بھی خواہ مخواہ نہیں کرتا بلکہ قریب قریب سال بھر کا خرچ اپنے پاس جمع رکھتا ہوں۔ مہمانوں میں بھی عرف کا پابند نہیں ہوں جن کے ساتھ جیسی خصوصیت ہوئی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا گیا۔ کسی کو گھر پر بلا کر کھلایا۔ کسی کو پیسے بھیجدیئے کہ بازار سے لیکر کھالیں۔ کسی کو کچھ بھی نہیں۔ ظاہر ہے کہ شرائط کی شدت سے آمدنی کم ہو گی پھر اگر خرچ میں وسعت کی جائے تو میری نیت خراب ہونے لگے اور پھر شرائط کی پابندی نہ ہو سکے اب مجھے کسی بڑے سے بڑے ہدیہ کے واپس کر دینے میں وسوسہ بھی نہیں ہوتا جبکہ میرے شرائط کے موافق نہ ہو۔ بس بے دھڑک خلاف شرائط ہدیہ کو واپس کر دیتا ہوں وسوسہ بھی نہیں آتا کیونکہ کیا سال بھر تک کچھ نہ آوے گا۔ اس سے بہت اطمینان رہتا ہے۔

(۸۷۰) فرمایا کہ جس طرح روپیہ کے آنے سے حظ ہوتا ہے اسی طرح مجھے روپیہ زیادہ ہو جانے کی حالت میں خرچ کرنے میں بھی حظ ہوتا ہے۔ اور ضعف قلب کی وجہ سے زیادہ چیزوں کا ملک میں ہونا بھی گراں ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ سفر میں فتوحات سے ایک ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ میں نے پانچسو کی سونے کی چوڑیاں گھر کے لوگوں کو بنوائیں اور پانچسو ان کو نقد دیا۔ اس میں ایک مصلحت تھی وہ یہ کہ میں نے اپنا مکان گھر کے لوگوں کو مہر میں دیدیا ہے۔ ان سے تو ظاہر نہیں کیا لیکن بجائے کرایہ کے میں نے وہ چوڑیاں بنوادیں کیونکہ میں ان کے مکان میں رہتا تھا هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ الخ کی بنا پر۔

(۸۷۱) فرمایا کہ اگر عورت مہر معاف کر دے لیکن پھر بھی ادا کر دے کیونکہ یہ غیرت کی بات ہے کہ بلا ضرورت عورت کا احسان لے۔

(۸۷۲) ذیل میں چند حکایتیں درج کی جاتی ہیں جس میں سے معلوم ہوگا کہ حضرت والا سالکین کی کس قدر تسلی فرماتے ہیں جو بحد معین ہو جاتی ہیں حق تعالیٰ کی محبت وتعلق پیدا کرنے میں۔

(۱) ایک صاحب جن کو حق تعالیٰ نے بڑھاپے میں علم دین کا شوق عطا فرمایا تھا حضرت سے تفسیر جلالین شریفین پڑھتے تھے ایک موقع پر کسی بات کے نہ سمجھنے پر انھوں نے بطور معذرت عرض کیا کہ یہ میری جہالت ہے۔ حضرت نے فوراً کس لطف کے ساتھ ان کی تسلی فرمائی کہ جی نہیں، جہالت کیوں ہوتی یہ حالت ہے (یعنی کیسی اچھی حالت ہے)

(۲) ایک بار حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ صفائی باطنی حضور کی صحبت سے لیکر جاتا ہوں مگر وہاں دنیا میں پہونچ کر پھر سب غت ربود ہو جاتی ہے۔ فوراً فرمایا کہ جی کیا مضائقہ ہے آپ اپنے کپڑے میلے کر ڈالتے ہیں دھوبی انھیں دھو دیتا ہے آپ پھر میلے کر ڈالتے ہیں دھوبی انھیں پھر دھو دیتا ہے۔

(۳) ایک بار جناب خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک تو مریض ہوتا ہے

معمولی زکام کھانسی جاڑا بخار کا۔ اور ایک ہوتا ہے تپ دق کا مریض۔ احقر تپ دق کا مریض ہے۔ اور بہت زیادہ توجہ کا محتاج۔ فرمایا کہ مبارک ہو یہ تو نسبت باطنی ہے کیونکہ نسبت باطنی بھی تپ دق کے مشابہ ہوتی ہے جو گوشت پوست اور ہڈیوں تک سرایت کر جاتی ہے یہی خاصہ تپ دق کا ہے۔

(۴) ایک بار عرض کیا کہ حضرت قلب عجیب ڈانواڈول حالت میں رہتا ہے فرمایا اصلی قلب تو آپ ہی کا ہے کیونکہ قلب تو اسی کو کہتے ہیں جو ایک حالت پر نہ رہے۔ (۵) ایک عریضہ میں لکھا تھا کہ سخت الجھن ہوتی ہے۔ تحریر فرمایا کہ یہ الجھن مقدمہ ہے سلجھن کا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (بیشک ہر تنگی کیساتھ کشادگی ہے اور دشواری کیساتھ آسانی ہے) ؎ چونکہ قبض آید تو در وے بسط بیں (جب قبض کی حالت پیش آئے تو اسمیں بسط ملاحظہ کرو کیونکہ حالت قبض حالت بسط کا مقدمہ)

(۶) ایک صاحب نے اپنی حالت تحریر کی تھی۔ جس میں تلوین کی شکایت درج تھی، کیا بلیغ جواب تحریر فرماتے ہیں کہ مجموعی حالت قابل شکر ہے جس کے سب اجزاء ایک ہی دریائے محبت کی موجیں ہیں جن کی حرکت بھی پُر بہار اور سکون بھی موجب قرار۔ مبارک۔ دل و جان سے دعا کرتا ہوں۔ کام میں لگے رہیئے۔

(۷) ایک شخص کو تحریر فرمایا تھا سب حالات محمود ہیں صرف تلوین کا تمکین سے مبدل ہونا باقی ہے سو انشاء اللہ اسی طرح ہو رہے گا۔ ہانڈی میں کیسے کیسے جوش اٹھتے ہیں اور یہ سب علامات ہیں اس کے قطع منازل کی تکمیل کی طرف پھر آخر میں خود کیسا سکون ہو جاتا ہے یہ اس کی تمکینی حالت ہے ؎ کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور (غم مت کرو کاشانۂ غم کسی نہ کسی روز گلستاں ہو ہی جائے گا) خالی گانا بطورِ خود تنہائی میں جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کچھ مضائقہ نہیں ع کہ نوشید جوشید مستی کنید۔ (پیو جوش میں رہو اور مستی کرو) یہ بھی تحریر تھا اس شخص کے خط میں کہ حضور کے تذکرہ میں میں اپنے باطنی حالات بھی کہہ ڈالتا ہوں جو بحیثیت اظہار اسرار کے مضر ہے اسکی بابت تحریر فرماتے ہیں کہ کسی ناکارہ کے تذکرہ میں اگر اپنا اظہارِ حال ہو جاوے تو چونکہ بقصد نہیں اسلئے مذموم نہیں ؎ کہ عشق و مشک را نتواں نہفتن (عشق اور مشک چھپانے

(۸) ایک بار عدم انضباط اوقات کی شکایت پر تحریر فرمایا کہ حالت موجودہ ہی میں آپ کو کامیابی کی بشارت دیتا ہوں انشاء اللہ آپ ہرگز محروم نہ رہیں گے۔
میرے اس قول کی دلیل یہ ہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش　　تا دم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود　　کہ عنایت با تو صاحب سر بود
کوئے نا امیدی مرو کامیدہاست　　سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

(اس راستہ میں دوا دوش کرتے رہو۔ مرتے دم تک فارغ اور مطمئن ہو کر نہ بیٹھو) (تاکہ موت آنے کے وقت جب آخری سانس نکلے، عنایتِ الٰہی تیری ہمراز ہو جائے۔) (نا امیدی کے کوچہ میں قدم بھی مت رکھو کیونکہ امیدیں ہی امیدیں ہیں۔ اور تاریکی کی طرف رخ بھی نہ کرو

(حاشیہ: [illegible])

(۹) ایک عریضہ کے اخیر میں طوالت عریضہ کی معذرت چاہی تھی تو تحریر فرمایا کہ کہیں طول زلف محبوب بھی کسی کو ناگوار ہوتا ہوا دیکھا ہے۔ (۱۰) مولوی ظفر صاحب کو ایک بار تحریر فرمایا برخوردار اپنی حالت کو نہ دیکھو کرمِ حق کو دیکھو۔ حالت تو کسی کی بھی کامیابی کے لئے کافی نہیں۔ اطمینان رکھو انشاء اللہ کامیابی یقینی ہے۔

(۱۱) حضرت خواجہ صاحب ڈپٹی کلکٹری کے امتحان کی مصیبت میں تھے چونکہ دلچسپی نہ تھی اس لئے کامیابی نہایت دشوار تھی۔ ایک عریضہ میں پریشانی کا اظہار کیا تو فرمایا کہ ہمت نہ ہاریئے دلجمعی کے ساتھ گو ناگوار ہو کوشش کیجئے ؎

حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد ۞ (افسوس کی بات ہے کہ دانا آدمی کا دل پریشان ہو) امتحان تو ضرور پاس کر لینا چاہیئے تاکہ اہلِ دنیا کی نظر میں ذلت نہ ہو۔ اس مردار دنیا کو حاصل کر لینے کے بعد چھوڑنا چاہیئے۔ تارک الدنیا ہونا چاہیئے نہ کہ متروک الدنیا۔

(۱۲) ترک ملازمت کے لئے بہت مرتبہ حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا لیکن کبھی مشورہ نہیں دیا بلکہ اکثر یہ شعر فرمایا ؎

چونکہ بر میخت ببندد بستہ باش　　چوں کشاید چابک و برجستہ باش

(جب تم کو کھونٹے سے باندھ دیں تو بندھے رہو اور جب کھونٹے سے کھول دیں تو تیز رو ہو جاؤ اور

(حاشیہ: [illegible])

اخیر میں تبدیل محکمہ کا مشورہ دیا۔ اکثر فرمایا کہ اگر کوئی شخص ناجائز نوکری میں مبتلا ہو تو اس کو یک لخت ملازمت ترک نہ کر دینا چاہیئے بلکہ کسی اور ذریعۂ معاش کے فکر میں رہے اور جب کوئی حلال ذریعہ میسر آجاوے فوراً چھوڑ دے اس سے پہلے ہرگز ترک نہ کرے۔ کیونکہ ابھی تو ایک ہی بلا میں مبتلا ہے جب کوئی ذریعۂ معاش نہ رہے گا تو سیکڑوں بلاؤں میں مبتلا ہو جاوے گا۔ ؎

این بلا دفعِ بلاہائے بزرگ ؛ (یہ چھوٹی مصیبت بڑی مصیبت کے دفع کا ذریعہ ہے) اگر برابر حلال ذریعہ کی فکر میں رہے گا اور توبہ استغفار کرتا رہے گا تو امید ہے کہ مواخذہ بھی نہ ہوگا۔ (۱۴) ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحب نے چند غزلیات تصنیف کر کے حضرت والا کی خدمت میں ارسال کی تھیں اور اس تصنیف میں تضیع اوقات کی بھی شکایت کی تھی اس پر حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا تھا۔ نثر میں لطف نظم کا پیدا کیا تھا" غزلنامہ جو کشف استعداد فطری کے اعتبار سے ازلنامہ ہے پہنچکر وجد وطرب میں لایا۔ خدا تعالیٰ آپ کے سب مقاصد پورے فرما دے خیر اضاعۃ وقت میں بھی اطاعت بخت کا مسئلہ حل ہوا کہ انسان تقدیر حق کے سامنے عاجز ہے کہ ارادہ تو کیا تھا ضبط اوقات کا اور ہو گیا خبطِ اوقات انشاء اللہ اس مسئلہ کا منکشف ہونا بھی ترقی کا زینہ ہوگا۔ علی سجاد صاحب کا بھی ماشاء اللہ سجادہ رنگین ہونے لگا۔ آشفتہ وآشفتہ کن اشرف علی۔

(۸۷۳) فرمایا کہ ایک نظر تو محبت کی خوردبین ہوتی ہے جس سے چھوٹا ہنر بھی بڑا نظر آتا ہے اسی طرح ایک نظر خوردہ بین ہوتی ہے جس سے چھوٹا عیب بھی بڑا دکھائی دیتا ہے۔

(۸۷۴) فرمایا کہ دوسروں پر ہنسنا نہ چاہیئے اکثر دیکھا ہے جو جس پر ہنسا خود اس عیب یا مصیبت میں مبتلا ہوا۔

(۸۷۵) فرمایا کہ میرے یہاں بے تعلقی کو محاسن میں سے سمجھا جاتا ہے اور اتفاق (یعنی خلط ملط) جرائم میں سے ہے کیونکہ ملنے جلنے میں ہزارہا مفاسد ہیں۔ بس اپنے اپنے کام میں مشغول رہنا چاہیئے۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ [illegible]:- ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۴ء۔ جلد [illegible]

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک ۔ پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳- بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن۔ :- اسرار کریمی پریس۔ جانشین گنج الہ آباد

ترتیب

گذارش رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور رکھیں!

انتباہ ابھی تک بعض احباب نے سال رواں ۱۹۹۳ء کا زرِ تعاون ارسال نہیں فرمایا ہے۔ اس طرف توجہ فرما کر ادارہ کی اعانت فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ:۔ مصلح الامت عارف باللہ حضرت والا قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں :۔

"ترقی کے اسباب میں سب سے بڑا سبب علم ہے۔ اب علم خواہ دنیا کا ہو یا دین کا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن قوموں میں کچھ تھوڑا بہت علم ہے ان کو ترقی اور فلاح سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملا ہے اور جن لوگوں میں علم نہیں ہے وہ پہلے کی طرح اب بھی تنزل اور قعر مذلت ہی میں ہیں۔ اسی کو ہم دوسرے لفظوں میں یہ کہتے ہیں کہ آج سے تیرہ سو برس پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے ہم کو جبری تعلیم کا حکم دیا تھا کیونکہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا یہ نص قطعی ہے۔ اس میں اپنی اور اپنی اولاد اور اپنے متعلقین کی تعلیم کا وجوب نکل رہا ہے۔ آج متمدن قومیں جس نظریہ کے ماتحت لوگوں میں علم عام کرنا چاہتی ہیں (یعنی یہی تاکہ لوگ لڑائی جھگڑے، فتنے فساد سے نکل کر مہذب اور شائستہ ہو جائیں) تو ہماری شریعت میں آج سے بہت پہلے یہ حکم آچکا ہے کیونکہ اس آیت میں جہنم سے بچانے کا حکم ہے اور اسکا ذریعہ تعلیم ہی ہے"۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ آج جو قومیں پستی اور تنزل میں ہیں انکو علم سے کوئی حصہ نہیں ملا ہے لہٰذا وہ اپنے باپ دادا کے اخلاق وعادات اختیار کئے ہوئے ہیں اور یہی آباء واجداد کے رسوم ہی انکی راہ مارے رہتے ہیں۔ اسلئے کہ اصلاح کا ذریعہ تو علم تھا اور یہ لوگ اس سے بالکل کورے ہوتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے یہ کتنا بڑا فضل فرمایا کہ ہمکو تعلیم کا بھی حکم دیا کہ ہم اپنے نفس اور اپنے اہل وعیال کی تعلیم کریں اور ان سب کو درست کریں۔ اور کس قدر کام سہل فرما دیا ہے کہ ہر شخص کو اپنے اہل وعیال کی تعلیم کا مکلف کیا کیونکہ ایک شخص کیلئے صرف اپنے اہل وعیال کی تعلیم کیا دشوار ہے۔ لوگ اس ارشاد پر تو عمل نہیں کرتے اور سب کی تعلیم کیلئے کھڑے ہو گئے ہیں۔ آج مسلمان اسی ایک حکم پر عمل کر کے دیکھیں کہ ساری قوم کی فلاح ہوتی ہے یا نہیں؟ (مجموعہ تالیفات مصلح الامۃؒ حصہ دوم)

حضرت اقدس قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی رمضان المبارک سے ۲۹ر اگست تک بمبئی میں قیام فرما تھے ۳۰ر اگست کو الہ آباد تشریف آوری ہوئی۔ بحمد اللہ مجموعی اعتبار سے صحت بھی بہتر ہے البتہ پیروں میں تکلیف ہے تاہم نماز پنجگانہ کیلئے مسجد تشریف لیجاتے ہیں۔ حضرت والا مدظلہ کے عدم موجودگی کی بنا پر بس یہ محسوس ہوتا تھا بقول ویران ہے میکدہ خم وساغر اداس ہیں آپ کی آمد سے ہر گل پر بہار اور ہر در پر رونق کا سماں ہے متعلقین و واردین کی آمد و رفت سے حرکت و عمل اور ذکر و فکر، تسبیح و تہلیل سے خانقاہ معمور و آباد ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت والا مدظلہ کو صحت وعافیت کاملہ عطا فرمائے اور جملہ متعلقین و متوسلین کو کما حقہٗ افادہ اور استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین)

(مدیر)

"صادقین" کے ساتھی بن جاؤ | فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور صادقین سچے لوگوں" کے ساتھی بن جاؤ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیا ہے اور اسکے حاصل کرنے کا آسان طریقہ بتایا ہے۔ اور وہ یہ کہ جو لوگ "صادقین" ہیں اور سچ مچ تقویٰ کا مقام حاصل کر چکے ہیں ان کی صحبت اختیار کر لو۔ اس سے اشارہ اس طرف فرمادیا کہ "تقویٰ" عادۃً محض نظری طور پر کتابیں پڑھنے پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے "صادقین" کی صحبت اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص "آگ" کی تعریف اور اس کے بارے میں تمام علمی اور تاریخی معلومات مختلف کتابوں سے جمع کر کے اُس پر ایک مقالہ لکھدے تو اس سے آگ کے بارے میں نظری طور پر معلومات تو حاصل ہو جائیں گی، لیکن کیا اس سے آگ کی کوئی تپش محسوس ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ اگر تپش حاصل کرنی ہے تو اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آگ کے پاس بیٹھ جاؤ۔

اسی طرح "تقویٰ" کی تپش محض کتابیں پڑھ کر حاصل نہیں ہوسکتی اس کا بھی واحد طریقہ یہ ہے کہ کسی متقی کے پاس بیٹھنے لگو رفتہ رفتہ اسکے دل کا سوز تمھاری طرف منتقل ہونے لگے گا۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں جتنے بزرگانِ دین ہوئے ہیں انھوں نے ہمیشہ علمِ ظاہر کی تحصیل کے بعد کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کر کے اس سے اپنی اصلاح کرائی ہے۔ بلکہ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ بڑے بڑے علماء علم وفضل کے اعلیٰ مقام تک پہونچنے کے باوجود ایسے لوگوں کے پاس اپنی اصلاح کے لئے گئے ہیں جو اصطلاحی طور پر باقاعدہ عالم بھی نہیں تھے۔

دار العلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ

علم وفضل کا آفتاب و ماہتاب تھا۔ لیکن علم ظاہر کی تحصیل کے بعد ان تینوں نے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کی طرف رجوع کر کے ان سے فیض حاصل کیا

کسی شخص نے غالباً حضرت نانوتوی قدس سرہٗ سے پوچھا تھا کہ حضرت! آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو علوم عطا فرمائے ہیں، وہ بڑے رفیع الشان ہیں، پھر آپ کو حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے جواب دیا کہ ہماری مثال اس شخص کی سی تھی جسے دنیا بھر کی تمام مٹھائیوں کے نام، ان کی تاریخ اور ان کے بنانے کا طریقہ تو معلوم ہو، لیکن اس نے کبھی ان میں سے کوئی مٹھائی کھائی نہ ہو اور حضرت حاجی صاحب کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے تاریخ وغیرہ تو چاہے معلوم نہ ہو، لیکن اس نے وہ ساری مٹھائیاں خود کھائی ہوں، ہم حضرت کے پاس گئے تو انھوں نے مٹھائیوں کے بارے میں نظری معلومات دینے کے بجائے ایک ایک کر کے ہمارے منہ میں رکھدیں، اور ان کے حقیقی علم یعنی ان کے ذائقے سے ہمیں روشناس کیا۔ اب خود سوچ لیجئے کہ اُن کی خدمت میں جانا مفید ہوا یا نہیں؟ اور اگر نہ جاتے تو کیا حالت رہتی؟

غرض تجربہ یہی ہے کہ تنہا حروف ونقوش کا کتابی علم انسان کی اصلاح کیلئے کافی نہیں ہوتا، جبتک کسی مصلح کے ساتھ رابطہ قائم نہ ہو، اور اس سے ہر معاملے میں رہنمائی حاصل نہ کی جائے۔

علمِ ظاہر کا حاصل یہ ہے کہ اس سے ذہانت و فطانت معلومات کی وسعت اور اور استعداد حاصل ہوتی ہے، لیکن علم باطن کا حاصل یہ ہے کہ اس سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہوتی ہے اور یہی محبت ہے جو دین کے راستے کو آسان بنا کر بے غل وغش قطع کرا دیتی ہے، ورنہ نِرا علم جس کے ساتھ تربیتِ باطن نہ ہو، بسا اوقات پندار، عُجب اور تکبر جیسے امراض پیدا کر دیتا ہے جو اور بہت سے رذائل کی بنیاد ہیں اور یہ سب رہزنِ طریق ہیں جو منزل تک پہونچنے میں قدم قدم پر

رکاوٹ بنتے ہیں۔

اس کے علاوہ علم ظاہر سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں کام اچھا ہے اور فلاں کام برا، لیکن جبتک وہ علم محبت کے ساتھ ممزوج نہ ہو، اچھے کاموں پر عمل کرنے اور بُرے کاموں سے رکنے کی ہمت پیدا نہیں ہوتی، یہ محبت ہی ہے جو بڑے بڑے پُرمشقت کاموں کو آسان بنا دیتی ہے۔

دیکھئے! جاڑے کی تاریک رات میں لحاف بستر چھوڑ کر اٹھنا اور ٹھنڈے پا[نی] سے غلاظت کے کپڑے دھونا نفس کو کتنا گراں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ایک ماں ا[پنے] بچے کی خاطر یہ سارے کام خوشی خوشی انجام دے لیتی ہے اس لئے کہ اس کے د[ل] میں بچے کی محبت پیوست ہے۔

اگر اسکے دل میں محبت نہ ہوتی، صرف اتنا معلوم ہوتا کہ یہ کام قابلِ تعر[یف] ہے تو وہ اتنی آسانی سے یہ کام انجام نہ دے سکتی۔

معلوم ہوا کہ کسی کام کی ہمت پیدا کرنے کے لئے بہترین راستہ محبت ہے۔ اسی لئے کہنے والے نے کہا ہے کہ ؎

صنما رہ قلندر سزدار بمن نمائی　　کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

اس شعر میں "رہ قلندر" سے مراد محبت ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ محبت کے بغیر "پارسائی" کا راستہ [پُر مشقت] اور دور دراز کا راستہ معلوم ہوتا ہے۔ مجھے "محبت" عطا فرما دیجئے، تاکہ اس کے ذریعے یہ راستہ آسان ہو جائے۔

اور یہ محبت تجربۃً اہلِ محبت کی صحبت اور رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو[تی] جب انسان اپنے آپ کو کسی مصلح کے حوالے کر دیتا ہے تو وہ رفتہ رفتہ اُس کے دل میں محبت کی آبیاری کر کے اسکے لئے قطعِ راہ کو اتنا آسان بنا دیتا ہے کہ بعض اوقات پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا؟ اور خطرناک سے خطرناک مراحل نہایت آسانی سے طے ہو جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ ہم کچھ رفقاء کے ہمراہ ایک پہاڑی علاقے میں پیدل جا[رہے]

تھے۔ ایک واقف کار کو رہنما بنایا ہوا تھا۔ ایک پہاڑ پر چلتے چلتے اچانک ایک ایسی خطرناک جگہ آئی کہ وہاں پہاڑ ختم ہوگیا تھا اور اس کے کنارے سے نیچے بہت گہری کھائی نظر آرہی تھی۔ پھر دو قدم کے فاصلے سے پھر پہاڑ شروع ہوگیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا پہاڑ بیچ میں سے پھٹا ہوا ہے اور اس شگاف میں نہایت گہری کھائی ہے کہ چلنے والے کو ذرا غفلت ہو تو وہ اس کھائی میں گر پڑے۔ اُس وقت تو ہم اس شگاف کو پھلانگ گئے۔ لیکن جب واپسی اسی راستے سے ہونے لگی تو شام کا جھٹپٹا ہوچکا تھا۔ اور یہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ کہیں اندھیرے میں پاؤں کھائی میں نہ پڑ جائیں۔ ہم نے پہلے سے رفقاء کو ہوشیار کردیا اور رہنما سے بھی کہا کہ اس جگہ سے محتاط ہو کر چلنا چاہئے۔ لیکن رہنما بڑے اطمینان سے ہمیں لیکر چلتا رہا۔ بالآخر ایک جگہ پہنچ کر ہم نے اس سے پوچھا کہ وہ جگہ کب آئیگی؟ رہنما نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ وہ جگہ تو گذر بھی گئی۔ ہم اس رہنما کی مہارت پر بہت متعجب ہوئے کہ اس نے ہمیں اس خطرناک جگہ سے اس طرح گذار دیا کہ پتہ بھی نہیں چل سکا۔

ہم نے اس سے یہ سبق لیا کہ شیخ کامل کی مثال ایسے ہی رہنما کی ہے جو سلوک کی خطرناک گھاٹیوں سے سالک کو اس طرح نکال لیجاتا ہے کہ اُسے پتہ بھی نہیں چلتا۔

ہمت کی ضرورت اور اس کے فوائد

فرمایا کہ دین پر عمل کرنے کی کلید "ہمت" ہے۔ ہمارے حضرت والا (حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ) فرماتے تھے کہ:

"وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جب کبھی کسی طاعت کی ادائیگی میں سُستی ہو تو اُس سُستی کا مقابلہ کرکے اس طاعت کو کرے۔ اور جب کبھی کسی گناہ کا تقاضا ہو، اس تقاضے کا مقابلہ کرکے اُس سے رُکے۔ اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے محفوظ رہتا ہے اور اسی سے ترقی کرتا ہے۔"

اس "سُستی" اور "گناہوں کے تقاضے" کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمت کی ضرورت

ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں اتنی طاقت رکھی ہے کہ وہ بڑے سے بڑے مشکل کام کو ہمت کے ذریعے انجام دے لیتا ہے۔ شروع میں ایک کام انسان کو بہت دشوار، بلکہ بعض اوقات ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر انسان اپنی ہمت کو کام میں لائے تو وہی کام آسان ہو جاتا ہے۔

ہمت پیدا کرنے کے لئے بزرگوں کی صحبت سے کچھ گُر معلوم ہو جاتے ہیں جو ہمت میں قوت پیدا کرتے ہیں۔

مثلاً رات کو گہری نیند سے بیدار ہونا اور آرام دہ بستر کو خیرباد کہنا نفس کو بہت گراں معلوم ہوتا ہے۔ جب نیند کا غلبہ ہو، نیند کی لذت سے جسم سرشار ہو، آرام دہ بستر میسّر ہو، اُس وقت ایک نفلی عبادت کیلئے اس سارے راحت و آرام کو قربان کرنا بہت شاق نظر آتا ہے۔ لیکن انسان اُس وقت تصور کرے کہ اگر اسی حالت میں میرے پاس یہ پیغام پہونچے کہ سربراہ مملکت یا میرا کوئی بڑا افسر دروازے پر موجود ہے اور اُس کا پیغام یہ ہے کہ اگر چاہو تو اس وقت ہم سے مل کر ایک خطیر انعام حاصل کرلو۔ یا میرا کوئی بہت ہی محبوب دوست یا عزیز اچانک اس وقت دروازے پر آکر دستک دینے لگے تو کیا پھر بھی اس کی ملاقات پر نیند کی اس لذت کو ترجیح دوں گا؟

اگر ایک فانی اور بے بس انسان کی ملاقات یا اس سے ایک بے حقیقت انعام ملنے کی توقع پر میں اس نیند کو قربان کر سکتا ہوں تو وہ مالک الملک والملکوت جس کے قبضۂ قدرت میں نفع و ضرر کی ساری کنجیاں ہیں، جب وہ دعوت دے رہے ہیں کہ "ہے کوئی مغفرت مانگنے والا جس کی میں مغفرت کروں"؟ "ہے کوئی رزق مانگنے والا جسے میں رزق دوں"؟ "ہے کوئی مبتلائے مصیبت جس کی مصیبت میں رفع کروں"؟۔ کیا یہ مسلسل اور پیہم پکار ایسی نہیں ہے کہ اس پر نیند کی یہ معمولی لذت قربان کردی جائے؟ یہ تصوّر کرکے دیکھو کہ اس سے کس طرح ہمت پیدا ہوتی ہے؟۔

زبان کی نگہداشت

سنئے! حفظِ لسان "زبان کی حفاظت" کا مسئلہ دین میں نہایت اہم مسئلہ ہے اسکے متعلق شریعت میں بہت سے احکام ہیں جن کو معلوم کرنا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔ شر نے جن مواقع میں نطق کی اجازت دی ہے انھیں مواقع میں کلام کرنا، اور جن مواقع میں سکوت" اور خاموشی" کا امر کیا ہے ان میں ساکت وصامت" اور خاموش رہنا یہ بہت ہی کمال ہے۔ جو شخص اس کے مطابق عمل کرتا ہے اور اپنی زبان کو قابو میں رکھتا ہے وہی مرد کہلانے کا مستحق ہے۔ زیادہ تر فسادات اسی زبان ہی سے ہوتے ہیں۔ آئے دن وطن میں شور رہتا تھا۔ پوچھتا تھا کہ کیا بات ہے تو لوگ بتلاتے تھے کہ فلاں فلاں میں جھگڑا ہو رہا ہے۔

اصل میں بات یہ ہوتی تھی کہ ایک آدمی نے کوئی بات ناگواری کی کسی کو کہی۔ دوسرے نے بھی سخت جواب دیا پھر اس نے بھی کچھ کہا اس طرح پھر شور وغوغا شروع ہو جاتا تھا۔ اگر ایک فریق بھی زبان پر قابو پا جائے تو پھر جھگڑا ہو ہی نہ۔ لیکن یہ لوگ بڑے سے بڑا بوجھ اٹھالیں گے مگر ایک بات کے برداشت کرنے اور اپنی چھوٹی سی زبان کو روکنے پر قادر نہیں۔ اسکے مقابلہ میں بالکل کمزور وضعیف ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے طرح طرح کے فسادات رونما ہوتے ہیں۔ اور یہ لوگ بڑے سے بڑے دنیوی نقصانات اٹھاتے ہیں مگر عقل نہیں آتی کہ سوچ سمجھ کر بات کہیں۔ اور دین کا جو نقصان ہوتا ہے اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ وہ تو آخرت ہی میں معلوم ہوگا۔

صاحب کتاب الاذکار علامہ نوویؒ نے مستقل باب ہی حفظِ لسان کا قائم فرمایا ہے اور سب سے پہلی آیت یہ لائے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار (موجود) ہوتا ہے) اگر وہ نیکی کا کلام ہوا تو داہنے والا

اس کو ضبط تحریر میں لاتا ہے۔ اور بدی کا کام ہوا تو بایاں والا ضبط کر لیتا ہے یہ آیت حفظِ لسان پر ترغیب کے لئے کافی وافی ہے کہ جو کلام بھی آدمی اپنے منہ سے نکالتا ہے سب قلمبند ہوجاتا ہے۔ کس قدر ڈرنے کی بات ہے مگر اب کے لوگ ذرا بھی نہیں ڈرتے۔ اپنے تئیں بہادر بنے ہوئے ہیں۔ جس کو جو بات چاہتے ہیں بے دریغ کہہ ڈالتے ہیں۔ قطعاً یہ فکر نہیں ہوتی کہ آیا یہ کلام ازروئے شرع جائز بھی ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا تو موجب نہیں ہے؟ کسی کی ہمارے کلام سے توہین یا بے حرمتی تو نہیں ہو رہی ہے۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الْمُسْلِمِیْنَ اَفْضَلُ۔ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مسلمانوں میں سب سے افضل مسلمان کون ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ ہے جس کی لسان اور ید "یعنی زبان اور ہاتھ" سے لوگ سالم" اور محفوظ" رہیں۔

دیکھئے! حضور نے ایسے آدمی کو جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ سالم رہیں۔ یعنی لوگوں کو اس کی بات سے ضرر و بے حرمتی نہ ہو افضلِ مسلمین" یعنی سب سے بہتر مسلمان" فرمایا ہے ہاتھ سے سالم رہنے کو کچھ سمجھتے بھی ہیں۔ مگر زبان کے معاملہ میں ذرا بھی احتیاط نہیں کرتے۔ حالانکہ زبان سے بعض دفعہ ایسی تکلیف پہونچتی ہے کہ آدمی بھلانا چاہتا ہے جب بھی نہیں وہ بھولتی ؎

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

(تیر و تلوار کا زخم تو بھر جاتا ہے لیکن زبان سے جو زخم لگتا ہے وہ کبھی نہیں بھرتا)

بھائی میں نے مانا کہ بہادر ہو۔ تو رہو۔ مگر دنیا ہی میں تمہارا زور چل سکتا ہے۔ آخرت میں نامۂ اعمال اور دفتر کھولا جائے گا تو تمہارا ہر ہر قول ولفظ تمہارے سامنے آئے گا پھر بڑی حسرت وندامت ہوگی۔ سنو! یہ بہادری نہیں ہے کہ آدمی دوزخ سے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے نہ ڈرے۔ یہ تو بہت ہی برا حال ہے۔ یہ تو ڈرنے کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارا کچھ بھی زور نہیں چل سکتا۔ ڈرنے کے مقام پر نہ ڈرنا یہ تو عقلمندوں کا

کام نہیں ہے ہمارے سلسلہ کے ایک مولوی صاحب نے جو بہت ہی اچھا لکھنے والے تھے کسی معاملہ میں لکھا کہ "مولوی ایسے بہادر نہیں کہ دوزخ سے نہ ڈریں" بہت ہی عمدہ بات لکھی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ ڈرے، دوزخ سے نہ ڈرے یہ کوئی جرأت و بہادری ہے؟ اگر کوئی اس کو بہادری سمجھتا ہے تو اسکو یہ مبارک ہو ہم ایسی بہادری کے شائق نہیں ہیں۔ حضرت مولانا فرماتے تھے بھائی ہم تو سانپ سے بچھو سے ڈرتے ہیں۔ پھر بڑی چیز یعنی دوزخ وغیرہ سے کیوں نہ ڈریں گے

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ بولنے میں بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کی اس آیت میں غور فرمائیے کہ کس قدر حفاظت لسان کی اہمیت کو بتلا رہی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور یوم آخر (قیامت) پر تو چاہیئے کہ خیر اور بھلائی کی" بات کہے ورنہ خاموش رہے۔ یعنی اگر کوئی دینی یا دنیوی نفع بولنے میں ہو تو بولے ورنہ خاموش رہنا چاہیئے۔ زبان بولنے ہی کے لئے ہے۔ مگر اس کے بارے میں اللہ تعالےٰ کے جو حدود ہیں اس کو بھی تو سمجھنا ہوگا۔ پس اللہ تعالےٰ نے زبان کو ذکر اللہ، تلاوت کلام اللہ اور جائز تکلم کیلئے موضوع فرمایا ہے۔ کذب، بہتان، غیبت، نمیمہ یعنی جھوٹ، الزام تراشی، بدگوئی، چغلی" ان سب باتوں سے نہی "ممانعت" فرمائی ہے، لہٰذا زبان کو ان سے باز رکھنا ہوگا۔ اور جو باتیں ضروری ہیں وہاں تو زبان سے نطق" اور بولنا" واجب ہوگا۔ جیسے قرأت قرآن و امر بالمعروف" یعنی اچھی باتوں کا حکم کرنا اور سکھانا" وشہادت" گواہی" وغیرہ یہاں سکوت جائز ہی نہیں۔ اسی طرح جہاں سکوت سے ضرر ہوگا وہاں بھی بولنا ضروری ہے ورنہ گنہگار ہوگا

بہرحال ہر بات کے مواقع ہیں۔ نطق" اور بولنے" کے بھی مواقع ہیں اور سکوت" خاموشی" کے بھی۔ ان مواقع کا لحاظ کرکے لسان کو کام میں لانا چاہیئے۔ مثال سے اس کو سمجھ لیجئے چمچے کی وضع فیرینی دہی وغیرہ کھانے کے لئے ہے۔ اگر کوئی بدذوق اس سے پاخانہ اٹھائے تو کتنا غلط مصرف ہوگا اور کتنا قبیح" اور برا" فعل ہوگا۔ اسی طرح جب زبان موضوع

موضوع: بنایا ہوا

ہے تلاوت کلام اللہ، ذکر اللہ اور جائز کلام کے لئے۔ پس اس سے اگر کوئی جھوٹ بولے۔ غیبت اور نمیمہ کرے تو یہ غلیظ ہی اٹھانے کے مشابہ ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس سے بھی برا ہے اس لئے کہ چمچہ تو پانی سے دھوکر پاک بھی کر سکتے ہیں۔ مگر زبان کی نجاست کو دھونے کے لئے کونسا پانی لاؤ گے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ زبان کا مرض عام ہوگیا ہے کثرت سے لوگ اس میں مبتلا ہیں۔

خاص طور سے نیک لوگوں کی غیبت کو تو اپنا وظیفہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ نیک لوگ جو نماز، روزہ کرتے ہیں یہ بھی ان باتوں سے احتراز نہیں کرتے۔ تھوڑی سی عبادت کرتے ہیں کچھ تلاوت کر لیتے ہیں۔ مگر اس کے بعد پھر یہ لوگ بھی آکر غیبت شکایت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور ہزاروں "فسق" اور "گناہ" کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْمُغْتَابُ فَاسِقٌ (غیبت یعنی پیٹھ پیچھے برائی کرنیوالا فاسق اور بدکردار ہے) تو پھر اس کو کیوں نہیں سنتے۔ اس کو دین سے خارج کیوں کر دیا۔ نمیمہ "چغلی" کے بارہ میں سخت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ نمام "چغلخور" مفسد ہوتا ہے اور اس کو بھی قرآن نے فاسق قرار دیا ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر ایک نہیں سنتے۔ اور تعجب آپ لوگوں سے ہے کہ آتے بھی ہیں پھر بھی کان نہیں دھرتے۔ حضرت حافظؒ فرماتے ہیں ؎

ریا حلال شمارند وجام بادہ حرام　　　زہے شریعت وملت زہے طریقت وکیش

(یہ لوگ ریاونمود کو توحلال سمجھتے ہیں اور جام وشراب کو حرام کہتے ہیں کیا خوب دین وشریعت ہے اور کیا ہی عجیب طریقت وخصلت ہے)

صوم وصلوٰۃ "نماز وروزہ" کی فرضیت کیلئے اور زنا وسرقہ "بدکاری اور چوری" کی حرمت کے لئے جیسے نصوص ہیں ویسے ہی نمیمہ اور غیبت یعنی بدگوئی کی حرمت کے لئے بھی نصوص ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہی فرمائی ہے۔ پس جیسے سرقہ وغیرہ حرام ہیں ویسے ہی غیبت ونمیمہ وغیرہ بھی حرام ہیں۔ آپ کے خارج کر دینے سے یہ خارج نہیں ہو جائیں گے۔ آپ یہاں اس کی حرمت کو نہ مانیں مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر سخت عذاب ہوگا۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:-

عن ابن عباسؓ قال ان رسول اللهِ صلی الله علیه وسلم مر بقبرین فقال اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ بَلٰى انه كَبِيْرٌ، اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گذر ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور (انکے زعم کے مطابق) وہ کسی بڑی بات پر عذاب نہیں دیئے جا رہے ہیں مگر ہاں اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کبیرہ اور بڑی ہی بات ہے۔ ان میں کا ایک تو چغل خوری کرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے بچتا نہیں تھا۔

دیکھئے کس قدر وعید ہے کہ چغلی کرنے کی وجہ سے عذاب قبر میں مبتلا ہو گیا (اعاذنا اللہ منہ) اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طویل حدیث مروی ہے اس کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تمام کے ہلاک (یعنی اصل) کو نہ بتلا دوں؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ (ضرور ارشاد فرمائیے) تو حضور نے اپنی زبان مبارک کو پکڑا۔ پھر فرمایا تم اسکو اپنے اوپر روکو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم سے ان باتوں پر بھی مواخذہ ہو گا جن کا ہم تکلم کرتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہاری ماں تم پر روئے جہنم میں لوگوں کو اوندھا نہیں گرائیں گی مگر ان کی زبانوں کی کھیتیاں" زبان گویا ایک ہنسیا ہے جس سے بہت سی گناہ کی کھیتی آدمی جمع کر لیتا ہے جس کی وجہ سے جہنم میں چلا جاوے گا۔" ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ اس سے زبان کی حفاظت کی کس قدر اہمیت وعظمت معلوم ہوتی ہے۔ اس قسم کی احادیث جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کی وجہ سے سخت سے سخت عذاب ہو گا، کثیر ہیں۔ مگر جو دو تین حدیث بیان کی گئیں مومن کو اس سے تحذیر" اور ڈرانے" کے لئے کافی ہیں۔ مجھ کو ایک دوسرا مضمون بیان کرنا ہے اس لئے ان تمام آیات و احادیث کو نقل نہیں کرتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ غیبت، نمیمہ پر کسی دوسرے محل میں تفصیل سے کلام کروں گا۔

اب سنئے حفظ لسان ہی کے باب میں علامہ نوویؒ نے سلف صالحین کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں، اس میں سے ایک یہ ہے کہ:-

بلغنا ان قیس ابن ساعدة	ہم کو یہ بات پہونچی ہے کہ قسؒ ابن ساعدہ اور اکثمؒ ابن صیفی
ا اکثم ابن صیفی اجتمعا فقال	دونوں جمع ہوئے۔ ان میں سے کسی ایک نے اپنی ساتھی سے فرمایا
حدھما لصاحبہ کم وجدت	کہ بنی آدم میں کتنے عیوب آپ نے پائے. تو دوسرے
ن ابن آدم من العیوب ؟	نے جواباً فرمایا کہ وہ احصاء "شمار" میں نہیں آسکتے،
فقال ھی اکثر من ان تحصی	اور میں نے جنکو شمار کیا ہے وہ آٹھ ہزار عیب
الذی احصیہ ثمانیۃ آلاف	ہیں۔ اور ایک خصلت ایسی پائی ہے کہ اگر آپ اس
عیب و وجدت خصلۃ ان	پر عامل ہوجائیں تو وہ جملہ عیوب کو ڈھانک لیگی
ستعلتھا سترت العیوب	کہا وہ کون سی خصلت ہے ؟
لھا قال ماھی ؟ قال حفظ	فرمایا حفظ اللسان" یعنی زبان کی حفاظت وصیانت"
اللسان ۔	

اس سے حفظ لسان کی کس قدر فضیلت معلوم ہوئی۔

آگے علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

رو ینا عن الاستاذ ابی القاسمؒ	استاذ ابو القاسمؒ قشیری سے ان کے مشہور رسالہ قشیریہ
لقشیریؒ فی رسالتہ المشہورۃ	میں منقول ہے کہ فرمایا سکوت سلامتی ہے اور یہی اصل
قال الصمت سلامۃ وھو	ہے اور سکوت اسکے وقت میں رجال" یعنی جواں مرد
لاصل والسکوت فی وقتہ	لوگوں" کی صفت ہے۔ جیسے کہ نطق اشرف خصال
صفۃ الرجال کما ان النطق	" یعنی نہایت عمدہ خصلت وعادت" ہے۔ اور فرمایا
ن موضعہ اشرف الخصال	کہ میں نے استاذ ابوعلیؒ دقاق کو فرماتے ہوئے سنا
قال سمعت الاستاذ اباعلی	کہ جو شخص حق بات کہنے سے سکوت اختیار کرے
لدقاق رضی اللہ عنہ یقول	" اور زبان بند کرلے" وہ گونگا
من سکت عن الحق فھو	شیطان ہے۔
شیطان اخرس ۔	

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ نطق جیسے بہترین خصلت ہے ویسے ہی سکوت بھی

نہایت عمدہ صفت ہے مگر شرط یہ ہے کہ موقع سے ہو۔ آج کل کے لوگ بس کلام ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور سب سے بڑا کمال سمجھتے ہیں۔ جو شخص خوب بولتا ہے اسکو یہ جاہل عوام الناس پاس کر دیتے ہیں اور اسکو قابلیت کی سند دیدیتے ہیں۔ علماء کو سند دینے والے اب جاہل لوگ ہو گئے ہیں جس کو چاہیں گھٹا دیں اور جس کو چاہیں بڑھا دیں۔ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ دہلی میں ایک جلسہ تھا علماء بیان فرما رہے تھے ایک عالم نے ایک خاص موضوع پر کچھ دیر بیان کیا جب ختم کرنے کا وقت آیا جاہلوں نے سمجھا کہ اب مضمون ختم ہو گیا اس لئے بس کرنا چاہتے ہیں تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ مولوی صاحب کا کوئلہ پانی ختم ہو رہا ہے۔ توبہ توبہ کیسی قدر بری بات ہے کہ وعظ میں بھی شریک ہیں پھر ان واعظین کی نسبت یہ رائے۔ تو پھر وعظوں میں شریک ہی کیوں ہوتے ہو؟ اپنے گھر بیٹھو۔ اگر ان لوگوں سے کہہ دیا جائے کہ بیان کرو تو پانچ دس منٹ بھی نہیں بیان کر سکتے۔ ایک آدمی برابر مسجد میں کچھ کہا کرتا تھا ایک مرتبہ میں نے دھکا دے کر آگے کر دیا کہ چلو نماز پڑھاؤ تو ایسا کانپنے لگا جیسے سردی میں کانپا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ روزانہ پانچ وقت پڑھاتے ہیں مگر نہیں کانپتے تم ایک ہی وقت میں کانپنے لگے۔

اور ان علماء سے کہتا ہوں کہ یہ سب جاہل ہیں یہ تمہاری بات تو سمجھتے نہیں ان سے ڈرتے کیوں ہو۔ مگر ان کے قلوب پر یہ بات چھائی ہوئی ہے کہ یہ سامعین جا کر ہمارے متعلق رائے زنی کریں گے اس لئے مرعوب ہو جاتے ہیں اور دب کر بیان کرتے ہیں۔ شریعت کی پوری ترجمانی نہیں کرتے۔ جیسی تقریر عوام الناس پسند کرتے ہیں ویسی ہی مشق کرتے ہیں۔ یہ لوگ عوام الناس سے ڈرنے لگے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ متعدد مقامات پر فرماتے ہیں لَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (لوگوں سے مت ڈرو مجھ سے ڈرو) اگر اللہ تعالیٰ سے ڈر کر وعظ کہا جائے تو بہت فائدہ ہو اور یہ عوام الناس بھی مان جائیں مگر ڈر ڈر کر کام بگاڑ دیا ہے۔ عوام الناس جری ہو گئے۔ علماء کے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں اسی وجہ سے ہدایت نہیں ہو رہی ہے کہ وعظ میں اللہ رسول

کے احکام کو معلوم کرنے اور اللہ رسول کی خوشنودی کے لئے جاتے ہی نہیں محض نکتہ چینی اور امتحان کی غرض سے جاتے ہیں تو کیا نفع ہوگا۔ وعظ نصیحت سب کچھ ہو رہا ہے مگر فساد نیت سے کوئی نفع مرتب نہیں ہو رہا ہے، خوب سمجھ لو۔

اب سنئے! امام قشیریؒ نے جو یہ فرمایا کہ سکوت صفت رجال ہے جیسے نطق اپنے محل میں اشرف خصال ہے۔ یہ بہت ہی عمدہ بات فرمائی تو ان کے مواقع اور محال کو آپ جانتے ہی ہیں کہ غیبت۔ نمیمہ۔ کذب۔ بہتان یہ سب منہی عنہ اور حرام ہیں ان سے سکوت ضروری ہے اسی طرح لایعنی باتوں سے احتراز بھی لازم ہے۔ تکلم کے بھی مواقع ہیں۔ تعلیم تربیت امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ الغرض جس بات میں دینی یا دنیوی نفع ہو بولنا ضروری ہے، جیسے کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے مکہ مکرمہ میں کچھ لوگوں نے آکر کہا کہ ہمارے شیخ بولتے ہی نہیں تو ان شیخ صاحب سے ملاقات کے وقت سر پکڑ کر فرمایا کہ بولئے پیر کو زبان ہونا چاہئے اور مرید کو کان۔

کتنی عمدہ بات ارشاد فرمائی گویا ایک قاعدہ کلیہ بتلا دیا کہ شیخ ایسے مقام ومحل میں ہے کہ اس کے لئے تکلم ضروری ہے اور مرید ایسے محل وموضع میں ہے کہ اسکے لئے سکوت لازم ہے۔ شیخ کے لئے تکلم اس لئے ضروری ہے کہ اگر وہ نہ بولے گا تو مریدین کو اصول طریق کیسے معلوم ہوں گے۔ احکام شرع سے کیسے واقف ہوں گے۔ جاہل کے جاہل رہ جائینگے۔ مناطقہ نے لکھا ہے کہ افادہ واستفادہ کیلئے دلالت لفظیہ وضعیہ سب سے اعلیٰ ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی دلالت نہیں۔ ہاں مرید کو اثنائے سلوک میں اسلئے روکا جاتا ہے کہ اسکی یکسوئی میں خلل واقع ہوگا۔ توجہ میں انتشار ہو جائے گا اور اس لئے بھی کہ ابھی محقق نہیں ہے اس حالت میں جب تکلم کرے گا تو بے سمجھے ہی بولے گا اسی وجہ سے حضرت تھانویؒ کے یہاں یہ قاعدہ تھا کہ ابتدا میں کوئی مکاتبت ومخاطبت نہ کرے اسلئے کہ اگر بولنے کی اجازت ہوتی تو بے سمجھی کی باتوں سے خود بھی طالب (خط وکتابت وگفتگو) پریشان ہوتا اور حضرت مولانا کو بھی پریشانی ہوتی۔ اس لئے بالکل تکلم سے منع فرماتے تھے تاکہ کچھ دنوں باتوں کو سن لے جب مناسبت جانبین سے ہو جائیگی تو پھر لحاظ ورعایت سے کلام کریگا پھر کسی کو اذیت نہ ہوگی۔

معاملات کی صفائی اور تنازعات

ہمارے معاشرے میں آپس کے جھگڑوں اور تنازعات کا سیلاب امڈا ہوا ہے اس کا تھوڑا سا اندازہ عدالت میں دائر ہونے والے مقدمات سے ضرور ہوسکتا ہے لیکن یہ اندازہ یقیناً ناکافی اور حقیقت سے بہت کم ہوگا کیونکہ بیشتر تنازعات وہ ہیں جن کے عدالت تک پہونچنے کی نوبت ہی نہیں آتی عدالت سے رجوع کرنے میں وقت اور پیسے کا جو بے تحاشا صرفہ ہوتا ہے، اسکی وجہ سے بہت سے لوگ عدالت سے رجوع نہیں کر پاتے اسکے بجائے فریقین میں سے ہر ایک اپنی اپنی بساط کی حد تک دوسرے کو زک پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور اس طرح عداوت کی آگ بھڑکتے بھڑکتے کئی کئی پشتوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

اس تنازعات کی تہہ میں اگر دیکھا جائے تو وہی زر اور زمین کے معروف اسباب کارفرما نظر آتے ہیں روپیہ پیسہ اور زمین جائداد کا جھگڑا بڑے بڑے پرانے تعلقات کو دیکھتے دیکھتے بھسم کر ڈالتا ہے اور اس کی وجہ سے بڑی بڑی مثالی دوستیاں آن کی آن میں دشمنیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

اس صورت حال کے بہت سے اسباب ہیں لیکن ایک بہت بڑا سبب "معاملات" کو صاف نہ رکھنا ہے ہمارے دین کی ایک انتہائی زرّیں تعلیم یہ ہے کہ:

"آپس میں رہو بھائیوں کی طرح، لیکن لین دین کے معاملات اجنبیوں کی طرح کرو"

مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ ایسا کرو جیسے ایک بھائی کو دوسرے کے ساتھ کرنا چاہیئے اس میں ایثار، مروت، رواداری، تحمل

اور اپنائیت کا مظاہرہ کرو لیکن جب روپے پیسے کے لین دین جائداد و معاملات اور شرکت و حصہ داری کا مسئلہ آجائے تو بہتر تعلقات کی حالت میں بھی انھیں اس طرح انجام دو جیسے دو اجنبی شخص انھیں انجام دیتے ہیں یعنی معاملے کی ہر بات صاف ہونی چاہیئے کوئی بات ابہام میں رہے اور نہ معاملے کی حقیقت میں کوئی اشتباہ باقی رہے۔

اگر محبت، اتفاق اور خوشگوار تعلقات کی حالت میں دین کی اس گرانقدر تعلیم پر عمل کر لیا جائے تو بعد میں پیدا ہونے والے بہت سے فتنوں اور جھگڑوں کا سدِ باب ہوجاتا ہے لیکن ہمارے معاشرے میں اس اہم اصول کو جس طرح نظر انداز کیا جارہا ہے، اس کے چند مظاہر یہ ہیں :-

(۱) بسا اوقات ایک کاروبار میں کئی بھائی یا باپ بیٹے مشترکہ طور پر ایک ساتھ کام کرتے ہیں اور کسی حساب وکتاب کے بغیر سب لوگ مشترکہ کاروبار سے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرتے رہتے ہیں نہ یہ بات طے ہوتی ہے کہ کاروبار میں کس کی کیا حیثیت ہے؟ آیا وہ کاروبار میں تنخواہ پر کام کر رہے ہیں؟ یا کاروبار کے حصہ دار ہیں؟ تنخواہ ہے تو کتنی؟ اور حصہ ہے تو کس قدر؟ بس ہر شخص اپنی خواہش یا ضرورت کے مطابق کاروبار کی آمدنی استعمال کرتا رہتا ہے۔ اور اگر کبھی کوئی شخص یہ تجویز پیش کرے کہ کاروبار میں حصے یا تنخواہ وغیرہ متعین کرلینی چاہیئے تو اُسے محبت اور اتفاق کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

لیکن یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اس طرح کے کاروبار کا انجام اکثر وبیشتر یہ ہوتا ہے کہ دل ہی دل میں ایک دوسرے کے خلاف رنجشیں پرورش پاتی رہتی ہیں بالخصوص جب حصہ داروں کے یہاں شادیاں ہوجاتی ہیں تو ہر شخص یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ دوسرے نے کاروبار سے زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے اور مجھ پر ظلم ہوا ہے اگرچہ ظاہری سطح پر باہم رو رعایت کا وہی انداز باقی نظر آتا ہے لیکن اندر ہی اندر رنجشوں کا لاوا پکتا رہتا ہے اور بالآخر جب یہ رنجشیں بدگمانیوں سے مل کر پہاڑ بن جاتی ہیں تو یہ آتش فشاں

پھٹ پڑتا ہے اور محبت و اتفاق کے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں زبانی تو تکار سے لے کر لڑائی جھگڑے اور مقدمہ بازی تک کسی کام سے دریغ نہیں ہوتا، بھائی بھائی کی بول چال بند ہو جاتی ہے۔ ایک بھائی دوسرے کی صورت دیکھنے کا روادار نہیں رہتا، جس کے قابو میں کاروبار کا جتنا حصہ آتا ہے وہ اس پر قابض ہو کر عدل و انصاف کا بے دریغ خون کرتا ہے اور پھر اپنی نجی مجلسوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی اور بدگمانی کا وہ طوفان کھڑا ہوتا ہے کہ الامان! پھر چونکہ سالہا سال تک مشترک کاروبار کا نہ کوئی اصول طے شدہ تھا نہ کوئی حساب و کتاب رکھا گیا اس لئے اگر اختلافات پیش آنے کی صورت میں افہام و تفہیم سے کام لینے کی کوشش کی بھی جاتی ہے تو معاملات کی ڈور الجھ کر اتنی پیچیدہ ہو چکی ہوتی ہے کہ منصفانہ تصفیہ کے لئے اس کا سرا پکڑنا مشکل ہو جاتا ہے ہر شخص واقعات کو اپنے مفاد کی عینک سے دیکھتا ہے اور مصالحت کا ایسا فارمولا وضع کرنا بھی سخت مشکل ہو جاتا ہے جو تمام متعلقہ فریقوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ یہ سارا فساد اکثر و بیشتر اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ کاروبار کے آغاز میں یا اس میں مختلف افراد کی شمولیت کے وقت معاملہ کو معاملے کی طرح طے نہیں کیا جاتا اگر شروع ہی سے یہ بات واضح ہو کہ کس شخص کی کیا حیثیت ہے اور کس کے کیا حقوق و فرائض ہیں؟ اور یہ ساری باتیں تحریری شکل میں محفوظ ہوں تو بہت سے جھگڑوں اور بعد میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کا شروع ہی میں سدّباب ہو جائے۔

قرآن کریم میں جو آیت سب سے طویل آیت ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب تم کوئی اُدھار کا معاملہ کرو تو اُسے لکھ لیا کرو جب معمولی رقم اُدھار دینے پر یہ تاکید ہے تو کاروبار کے پیچیدہ معاملات کو تحریر میں لانے کی اہمیت کتنی زیادہ ہوگی؟

یہ حکم اسی لئے دیا گیا ہے تاکہ بعد میں تنازعات اور اختلافات پیدا نہ ہوں۔ اور اگر ہوں تو انھیں حق و انصاف کے مطابق نمٹانا آسان ہو۔ لہٰذا اگر کسی کاروبار

میں ایک سے زیادہ افراد کام کر رہے ہیں تو پہلے ہی قدم پر ان میں سے ہر شخص کی حیثیت کا تعین ضروری ہے یہاں تک کہ اگر باپ کے کاروبار میں کوئی بیٹا شامل ہوا ہے تو اس کے بارے میں بھی پہلے ہی دن سے یہ طے ہونا ضروری ہے کہ وہ تنخواہ پر کام کرے گا؟ یا کاروبار میں باقاعدہ حصہ دار ہوگا؟ یا محض اپنے باپ کی مدد کرے گا؟ پہلی صورت میں اسکی تنخواہ متعین ہونی چاہیئے اور یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ وہ کاروبار کی ملکیت میں حصہ دار نہیں ہے۔ اور دوسری صورت میں اگر اسے کاروبار کی ملکیت میں حصہ دار بنانا ہے تو شرعاً اسکی پہلی شرط تو یہ ہے کہ اس کی طرف سے کاروبار میں کچھ سرمایہ ضرور شامل ہونا چاہیئے (جس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باپ اسے کچھ نقد رقم ہبہ کر دے اور وہ اس رقم سے کاروبار کا ایک متعین فیصد حصہ خرید لے) دوسرے یہ بات تحریری طور پر ایک معاہدۂ شرکت کی شکل میں محفوظ کر لینی چاہیئے اور اس معاہدے میں یہ بھی صراحت ہونا ضروری ہے کہ نفع میں کتنا فیصد کس کا ہوگا؟ تاکہ بعد میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو۔

اگر کسی ایک حصہ دار کو کاروبار میں کام زیادہ کرنا پڑتا ہو تو یہ بات بھی طے ہونی چاہیئے کہ آیا وہ یہ زیادہ کام رضاکارانہ طور پر کرے گا یا اس زیادہ کام کا کوئی معاوضہ اسے دیا جائے گا اگر کوئی معاوضہ دیا جائے گا تو وہ نفع کے فیصد حصے میں اضافہ کرکے دیا جائے گا یا متعین تنخواہ کی صورت میں؟ غرض ہر فریق کے حقوق و فرائض اتنے واضح ہونے ضروری ہیں کہ ان میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

اگر بالفرض کسی کاروبار میں ابتک ان باتوں پر عمل نہیں کیا گیا تو جتنی جلد ہو سکے ان امور کو طے کر لینا ضروری ہے اور اس معاملے میں کسی شرم، مروت اور طعن و تشنیع کو آڑے نہ آنے دینا چاہیئے معاملات کی اس صفائی کو محبت و اخوت اور اتحاد و اتفاق کے خلاف سمجھنا بہت بڑا دھوکہ ہے بلکہ درحقیقت محبت اور اتفاق کی پائیداری ان امور پر منحصر ہے ورنہ آگے چل کر یہ سطحی محبت دلوں میں عداوت کو جنم دے سکتی ہے اور اسی لئے اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ "رہو بھائیوں کی طرح، لیکن معاملات اجنبیوں کی طرح کرو"

(۲) اسی طرح ہمارے معاشرے میں بالخصوص متوسط آمدنی والے طبقے میں اپنے ملکیتی مکان کا حصول ایک بڑا مسئلہ ہے اور عموماً کسی مکان کی تعمیر یا اس کی خریداری خاندان کے کئی افراد مل کر کرتے ہیں۔ اگر باپ نے کوئی مکان بنانا شروع کیا ہے تو بیٹے بھی اپنے اپنے بساط کے مطابق اس میں اپنی رقمیں لگاتے ہیں لیکن عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ یہ رقمیں کچھ سوچے سمجھے بغیر اور بسا اوقات کوئی حساب رکھے بغیر لگا دی جاتی ہیں یعنی یہ بات طے نہیں ہوتی کہ بیٹا جو رقم مکان کی تعمیر کے لئے دے رہا ہے، آیا یہ باپ کی خدمت میں ہدیہ ہے؟ یا قرض ہے؟ یا وہ مکان کی ملکیت میں حصہ دار بننے کے لئے یہ رقم خرچ کر رہا ہے؟ پہلی صورت میں نہ وہ مکان کی ملکیت کا حصہ دار ہوگا نہ باپ سے یہ رقم کسی وقت واپس لینے کا حق دار ہوگا دوسری صورت میں مکان تو تنہا باپ کی ملکیت ہوگا لیکن دی ہوئی رقم اس کے ذمے قرض سمجھی جائے گی۔ تیسری صورت میں اپنی لگائی ہوئی رقم کے بقدر وہ مکان کی ملکیت میں بھی شریک ہوگا اور مکان کی قیمت بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے حصے کی مالیت میں بھی اضافہ ہوگا۔

غرض ہر صورت کے تقاضے اور نتائج مختلف ہیں لیکن چونکہ رقم لگاتے وقت ان تینوں میں سے کوئی صورت طے نہیں ہوتی، نہ رقموں کا پورا حساب رکھا جاتا ہے اس لئے آگے چل کر جب مکان کی قیمت بڑھتی ہے تو آپس میں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اور خاص طور پر باپ کے انتقال کے بعد جب ترکے کی تقسیم کا مرحلہ آتا ہے تو یہ اختلاف ایک لاینحل مسئلے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے بھائیوں میں چھوٹ چھٹاؤ کی نوبت آجاتی ہے اور لڑائی جھگڑوں سے خاندان کا خاندان متأثر ہوتا ہے۔

اگر اسلامی احکام پر عمل کرتے ہوئے تعمیر کے شروع ہی میں یہ ساری باتیں طے کر لی جائیں اور انھیں تحریری طور پر قلمبند کر لیا جائے تو اس خاندانی فساد کا راستہ بند ہو جائے۔

(۳) جب خاندان کے کسی بڑے کا انتقال ہوتا ہے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ جلد از جلد اس کا ترکہ اس کے شرعی وارثوں کے درمیان تقسیم کیا جائے لیکن ہمارے معاشرے میں شریعت کے اس حکم سے شدید غفلت برتی جاتی ہے بعض اوقات تو جس کے جو ہاتھ لگتا ہے، لے اڑتا ہے اور حلال و حرام ہی کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کے پیشِ نظر بد دیانتی نہیں ہوتی لیکن ناواقفیت یا لا پرواہی کی وجہ سے میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ اور اگر مرحوم نے کوئی کاروبار چھوڑا ہے تو اس پر وہی بیٹا کام کرتا رہتا ہے جو مرحوم کی زندگی میں کرتا تھا لیکن یہ طے نہیں کیا جاتا کہ اب کاروبار کی ملکیت کس تناسب سے ہوگی؟ شرعی ورثاء کے حصوں کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟ کام کرنے والے کو اس کی خدمات کا معاوضہ کس طرح ادا کیا جائے گا؟ ترکے میں کونسی چیز کس کے حصے میں آئے گی؟ بلکہ اگر کوئی شخص ترکے کی تقسیم کی طرف توجہ دلائے بھی تو اسکی تجویز کو ایک معیوب تجویز سمجھا جاتا ہے کہ ابھی مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا کہ لوگوں کو بٹوارے کی فکر پڑ گئی ہے

حالانکہ یہ بٹوارہ شریعت کا حکم بھی ہے، معاملات کی صفائی کا تقاضا بھی اور اسے نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ایک عرصہ گزرنے کے بعد ورثاء کو اپنے اپنے حقوق کا خیال آتا ہے، رنجشیں پیدا ہوتی ہیں۔ ترکے کی اشیاء کی قیمتوں میں زمین و آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے اور چونکہ کوئی بات پہلے سے طے شدہ نہیں ہوتی اس لئے اب معاملات الجھ جاتے ہیں ان کے مناسب تصفیہ میں سخت مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں اور ان سب باتوں کا نتیجہ لڑائی جھگڑے کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

اگر شریعت کے حکم کے مطابق وقت پر ترکے کی تقسیم عمل میں آجائے اور باہمی رضامندی اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ تمام ضروری باتیں طے پا جائیں تو آئندہ تنازعات پیدا ہونے کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے اور باہمی محبت و اخوت کو فروغ ملتا ہے یہ تو میں نے صرف تین سادہ سی مثالیں پیش کی ہیں ورنہ اگر معاشرے میں پھیلے ہوئے جھگڑوں کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ معاملات کو صاف نہ

رکھنا ہمارے معاشرے کا ایک ایسا روگ بن چکا ہے جس نے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا رکھی ہے معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ . . . صاف ستھرا ہونا چاہیئے اسکی شرائط واضح اور غیر مبہم ہونی چاہیئں اور اس سلسلے میں کوئی شرم وحیا اور لحاظ و مروت آڑے نہیں آنی چاہیئے۔ جب ایک مرتبہ معاملے کی شرائط اس طرح طے پا جائیں تو اس کے بعد باہمی برتاؤ میں جو شخص جس سے جتنا حسن سلوک کر سکے بہتر ہی بہتر ہے اور یہی مطلب ہے اس ارشاد کا کہ "رہو بھائیوں کی طرح اور معاملات اجنبیوں کی طرح کرو"۔

ملفوظات حضرت مصلح الامت قدس سرہ العزیز

خانگی نزاعات کا اصلی سبب میں بار بار کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ آج مسلمانوں میں جو نزاع موجود ہے اس کا سبب اصلی یہ ہے کہ ایکدوسرے پر نظر ہے دوسروں سے توقعات قائم کیجاتی ہیں اور جب وہ پوری نہیں ہوتیں تو اسکی مخالفت کی جاتی ہے جس کا انجام نزاع" اور لڑائی جھگڑا" ہوتا ہے۔ جب غیر اللہ پر نظر رکھی جائیگی تو اس کا یہی انجام ہوگا۔ آج ہر گھر میں یہ مرض گھسا ہوا ہے باپ کی نظر بیٹے کی کمائی پر ہے، بھائی کی نظر بھائی کی آمدنی پر ہے اسی کی وجہ سے آپس میں جھگڑے ہیں اور گھر گھر فساد ہے اور تماشا یہ ہے کہ دل میں تو دوسرے کی اور اس کے مال کی پروا اور خیال موجود ہے اور اچھی طرح موجود ہے مگر جب ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑے ہوتے ہیں تو زور زور سے ہر ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ ہمیں تمھاری کچھ پروا نہیں اور ہم تم کو کچھ نہیں سمجھتے۔

میں کہتا ہوں ارے ظالم اسی سمجھنے اور پرواہی نے تو یہ سارا قصہ مچا رکھا ہے اور تو اسی کی نفی کر رہا ہے اسی کو نفاق کہتے ہیں نفاق اور کیا ہے یہی کہ باطن میں کچھ ہو اور ظاہر میں کچھ اور۔ یہ ہے جڑ موجودہ سارے خانگی فتنوں اور خانہ جنگیوں کی۔

بدمعاملگی سے نجات کی سبیل نوجوانوں کو معاملات اور اخلاق کی درستی کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے اور اسکی نگرانی رکھنا چاہیئے آج سب سے اہم چیز معاملات کی اصلاح ہے

کیونکہ سارے جھگڑے اسی فساد (بدمعاملگی) سے پیدا ہو رہے ہیں لیکن معاملات سے بھی اہم اخلاق کی اصلاح ہے اس لئے کہ اخلاق کی اصلاح کی صورت میں بدمعاملگی کی نوبت ہی نہ آئے گی کیونکہ بداخلاقی ہی کی فرع بدمعاملگی ہے (جب اصل ہی موجود نہ ہوگی تو فرع کا تحقق کیونکر ہوگا)

بداخلاق شخص ہمیشہ پریشان رہتا ہے جو لوگ اپنے اخلاق کا اہتمام نہیں کرتے ہمیشہ پریشان رہتے ہیں اور اخلاق کی اصلاح کرنے والا دنیا میں بھی چین سے رہتا ہے اور آخرت میں بھی آرام سے رہے گا بھائی اچھی چیز کا اثر اپنے اوپر بھی اچھا پڑتا ہے اور دوسروں پر بھی۔ یہ نہیں کہ اچھے اخلاق سے جنت ہی ملتی ہے بلکہ یہاں بھی آرام سے رہتا ہے۔ اچھے اخلاق والے کا لوگ پتہ لگا ہی لیتے ہیں۔ اچھے اخلاق کا تو برا اثر ہو ہی نہیں سکتا۔ آج کل جو نزاعات بڑھ رہے ہیں یہ نفس کی وجہ سے ہے۔ پہلے لوگ اختلاف میں سخت سے سخت کہہ جاتے تھے مگر نفس کے لئے نہیں ہوتا تھا اس لئے برا نہیں معلوم ہوتا تھا اور اب نرم بھی کہیں تو چونکہ نفس کیلئے ہوتا ہے برا معلوم ہوتا ہے،

اب میں مولویوں سے کہا کرتا ہوں کہ یہ اخلاق آپکے اب کے بگڑے نہیں ہیں بلکہ طالبعلمی کے زمانے کے بگڑے ہوئے ہیں۔ اب تو خانقاہوں میں رہنے والوں کو بھی اخلاق کی درستی اور حسن معاشرت کا اہتمام نہیں لوگ خانقاہوں میں رہتے ہیں تہجد پڑھتے ہیں وظیفہ پڑھتے ہیں مگر اخلاق خراب اسکی اصلاح کی فکر ہی نہیں۔ یہاں میرے پاس تھوڑی دیر آکر بیٹھ جانے سے کیا ہوتا ہے اگر اپنے اخلاق کی اصلاح کی فکر کریں اور آپس میں صبر و برداشت سے کام لیکر رواداری کا برتاؤ کریں تو بہت جلد اصلاح ہو جائے۔ اسیطرح اگر گھروں میں ایکدوسرے کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے صبر سے کام لے تو وہ صبر و ضبط کیوجہ سے خود تو سدھر ہی جائیگا علاوہ اسکے دوسرے لوگ بھی اسکے صبر و تحمل کو دیکھکر صبر اختیار کرینگے اور اسطرح دوسرونکی بھی اصلاح ہوتی رہیگی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ مومن جو لوگوں سے مخالطت (میل جول) کر کے ان کے برتاؤ پر صبر و برداشت سے کام لے اس سے بڑھ کر ہے جو لوگوں سے میل جول نہیں کرتا اور صبر نہیں کرتا اگرچہ جائز یہ بھی ہے کہ مخالطت نہ کرے لیکن بہتر وہی ہے جو مخالطت کر کے صبر و برداشت سے کام لے۔

عارفین کے ان اقوال سے تائید ہوگئی ہے کہ بندہ کی محبت درحقیقت خداتعالیٰ کی محبت ہے اور خدا تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے اہل اللہ جو مظہر شانِ خداوندی ہیں ان کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اگر تمھیں ان سے محبت ہے تو وہ درحقیقت ان کی طرف سے محبت ہے ورنہ کیا مجال تھی کہ تم ان کے پاس بھی کھٹک سکتے اگر ان کو تم سے تعلق نہ ہوتا تو قیامت تک تمھیں ان سے تعلق نہ ہوتا بلکہ نفرت ہوتی ع

نفرتِ فرعون میداں از کلیم (فرعون کا نفرت کرنا کلیم اللہ کی طرف سے سمجھتے رہو) "یعنی فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا نفرت تھی خود حضرت کلیم علیہ السلام کو اس سے نفرت تھی" اگر وہ کشش کرتے تو فرعون کو مجالِ انکار نہ تھی۔ باقی ان کا کشش نہ کرنا یہ حکمتِ الٰہیہ پر مبنی ہے۔

ایک بزرگ سے ان کے مرید نے اپنی محبت کا اظہار کیا فرمایا تمھیں کیا محبت ہوتی ہم کو ہی تم سے محبت ہے اگر ہم اپنی توجہ ہٹالیں تو کبھی ہمارے پاس نہیں آسکتے چنانچہ مرید کی تنبیہ کے لئے انھوں نے ایک بار توجہ ہٹالی۔ کئی مہینے تک پاس آنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ حالانکہ تھا اسی شہر میں۔ پھر توجہ کی آموجود ہوا، فرمایا دیکھا بھئی! یہ ہے تمھاری محبت کی حقیقت۔ اس پر ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ جب ثابت ہوا کہ تمھاری محبت دراصل ان مقبولین ہی کی محبت کا ثمرہ ہے جو تمھارے ساتھ ہے تو اس میں ایک اور بڑی بشارت ہے وہ یہ کہ معلوم ہوا کہ آپ ان کے دل میں رہتے ہیں اور ان کے دل تجلی گاہِ حق ہیں تو تمھاری حالت کچھ بھی ہو، مگر انشاء اللہ انوار تجلی سے محروم نہ رہوگے۔ اس واسطے کوشش کرو کہ کسی کے دل میں جگہ کرلو اور اس بات کا کہ محبت انھیں کی طرف سے ہوتی ہے ان کے برتاؤ سے پتہ چلتا ہے اتنی محبت مرید کی طرف سے نہیں ہوتی جتنی ان کی طرف سے ہوتی ہے اہل اللہ اپنے "منتسبین" "متعلقین" پر گویا فدا ہوتے ہیں ہمارے حضرت نے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر اب میں تھانہ بھون جاؤں تو کہاں ٹھہروں پھر خود ہی فرمایا کہ اشرف علی کے ہاں ٹھہروں۔ دیکھئے کسی عزیز قریب کا نام نہیں لیا۔ لیا تو ایک خادم ہی کا نام لیا۔ یہ شفقت ہوتی ہے بزرگوں کی خدام پر۔ ایک مرتبہ حضرت نے میری اہلیہ کو ایک کپڑا

بطور تبرک دیا۔ اس پر ایک خادمہ نے عرض کیا کہ فلانی آپ کی رشتہ دار پوتی ہے اسکے لئے بھی دیجئے فرمایا ہم کسی بیٹی پوتی کو نہیں جانتے ہمارے پوتے وہی ہیں جن کو اللہ کیلئے ہم سے تعلق ہے اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ اولاد اور رشتہ داروں سے اُن کو تعلق نہیں ہوتا۔ ان کو تعلق سب سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ان کے رشتہ داروں سے بدسلوکی کرے تو اول جوش انھیں کو ہوگا کیونکہ ادائے حقوق ضروری ہے اور اہل اللہ سے بہتر کوئی ادائے حقوق نہیں کرسکتا کیونکہ یہ حقوق کو شریعت کے موافق ادا کرتے ہیں اور شریعت سے بہتر کوئی حقوق کو نہیں جان سکتا اور وہ جوش بجا ہوتا ہے کیونکہ کسی شخص کے رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی وہی شخص کرسکتا ہے جس کو اس شخص کے ساتھ محبت نہ ہو رشتہ دار تو بڑی چیز ہیں ادنیٰ تعلق جس چیز کو محبوب کے ساتھ ہوتا ہے محب کے نزدیک وہ بھی محبوب ہوتی ہے۔ دیکھئے! سگِ لیلیٰ کے ساتھ مجنوں نے کیا برتاؤ کیا۔ اس کو گود میں اٹھالیا۔ کسی نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے تو وہ کہتا ہے ؎

پاسبان کوچۂ لیلےٰ است ایں (یہ لیلےٰ کے کوچہ کا چوکیدار ہے)

محبت ایسی ہی چیز ہے۔ یہ وجہ ہے اہل اللہ کے اس غصہ کے بجا ہونے کی۔ حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیٹے کے ساتھ بعض خلفائے شیخ نے بدسلوکی کی تو شیخ کا بڑے غصہ کا خط ان کے پاس گیا۔ ان کا غصہ دراصل ان رشتہ داروں کی طرف داری سے نہیں ہوتا، بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مدعیٔ محبت کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا اس تصنع "بناوٹ" سے وہ بھڑک اٹھتے ہیں۔ تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل اللہ کو اولاد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان کو ہم سے بھی زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے وطن میں ایک معلمہ کے پاس ایک لڑکی پڑھنے آئی۔ وہ لڑکی سید کی تھی۔ تو اس معلمہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور کہا ہماری بچی آئی ہے اس پر اچھی طرح توجہ رکھنا۔ دیکھئے کتنے بعید رشتہ کا یہ خیال ہے۔

غرض اہل اللہ کو عزیز واقارب سے بھی محبت ہوتی ہے اور منتسبین سے بھی ہوتی ہے اور انھیں کی محبت کا عکس منتسبین کی محبت میں دکھائی دیتا ہے۔ ان کے ساتھ

تمہاری محبت دراصل ان کی محبت تمہارے ساتھ ہے تو گو اس وجہ سے کوئی ظاہر پرست محبت کا انکار کر دے کہ کہاں بندہ اور کہاں خدا، بندہ کا کیا منہ ہے کہ خدا سے تعلق جوڑے لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ تعلق بندہ نے نہیں جوڑا بلکہ خدا تعالیٰ نے جوڑا ہے تو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

غرض خدا کی محبت کا وجود قلوب میں ہے اور ضرور ہے اور خدا کی محبت تو بندہ کی غذا ہے خواہ محبت کو مصدر معروف کہو یا مجہول کہو کوئی صورت بھی ہو محبت خدا بندہ کی حیات روحانی کے لئے شرط ہے جیسے غذا حیاتِ بدنی کے لئے شرط ہے بے غذا کے زندگی نہیں رہ سکتی۔ جب محبت بندہ کی غذا ٹھہری تو اسکی ضد یعنی بغض تو بڑی چیز ہے بلکہ عدمِ محبت بھی مرنے کے لئے کافی ہے جیسے مرنے کے لئے یہی ضروری نہیں کہ زہر کھا لیا جائے بلکہ غذا کا بند کر دینا کافی ہے تو جس چیز کے لئے یہ کہا جاوے کہ یہ محبت کی ضد یعنی بغض پیدا کرنیوالی ہے وہ تو سب سے بدتر چیز ہوگی۔ وہ چیز کبر ہے یہ حق تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے۔

تواضع إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) میں اسی کو بیان فرمایا گیا ہے لَا يُحِبُّ بمعنی يُبْغِضُ ہے اور نکتہ اس میں وہ ہے جو بیان ہوا کہ اپنی محبوبیت اور بندہ کی محبت پر نظر کر کے يُبْغِضُ کی ضرورت ہی نہیں لَا يُحِبُّ ہی کو کافی قرار دیا گیا۔

خلاصہ یہ کہ کبر مبغوض ہے اور بدترین چیز ہے جب یہ ایسا ہے تو اس کا مقابل بہترین اشیاء اور حق تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوگا۔ اور وہ تواضع ہے تواضع فی نفسہ (بذاتِ خود) بھی محبوب ہے اور اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ تواضع کبر کا علاج ہے اور کبر کا علاج ضروری ہے کیونکہ یہ بدترین مرض اور ام الامراض ہے اور یہ مرض عام ہے تو بیان تواضع کا اختیار کرنا مفید عام مضمون ہوا۔ اس واسطے اس حدیث کو اختیار کیا گیا ہے حاصل یہ کہ کبر کا علاج تواضع ہے اب ضروری ہے کہ تواضع کے معنی بیان کئے جائیں۔

تواضع کی حقیقت میں مختصراً اس کی حقیقت بیان کر کے ختم کرتا ہوں۔ تواضع کی حقیقت عوام

جہلاء میں تو یہ ہے کہ مہمان کی خاطر کی جائے۔ پان پتا اس کے سامنے رکھا جائے۔ کھانا کھلایا جائے۔ نرم زبان سے بولا جائے۔ اس کے لئے دوسرا لفظ خاطر کرنا ہے۔ کہتے ہیں فلاں آدمی بڑی خاطر کا آدمی ہے اسی کو ذرا پڑھے لکھے مگر جاہل ہی یوں کہہ دیتے ہیں کہ فلانے کے یہاں مہمان کی بڑی تواضع ہوتی ہے۔ بہرحال یہ معنیٰ تو عرفی ہیں۔ اور حقیقی معنیٰ سے یہ معمولی لیاقت کے لوگ بھی واقف نہیں حتیٰ کہ نئے لوگوں میں جو اعلیٰ درجہ کے نئے تعلیم یافتہ ہیں بی اے اور ایم اے والے وہ بھی اس حقیقی معنیٰ سے بے خبر ہیں بلکہ وہ تو لفظ بھی صحیح نہیں بولتے۔ کیوں کہ اردو زبان کی شائستگی فارسی سے پیدا ہوتی ہے جس سے یہ لوگ بے بہرہ ہیں۔ بلکہ اردو کا املا تک ان کا غلط ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک تعلیم یافتہ سب جج نے ایک فریق کے اظہار قلمبند کرنے میں اعتراض ذ سے لکھا تھا۔ اس فریق نے دیکھ کر اعتراض کیا کہ اعتراض ذ سے نہیں ہے۔ کہا ہاں غلطی ہوئی ظ سے ہے تو یہ لوگ الفاظ تک غلط بولتے۔ تواضع کو توازے بولتے ہیں۔ غرض اسکے صحیح معنیٰ سے یہ لوگ سب کے سب ناآشنا ہیں۔ جن میں بعضے تو ایسے ہیں کہ لفظ سے بھی ناآشنا ہیں اور بعضے لفظ جانتے ہیں مگر معنیٰ سے ناآشنا ہیں اچھی طرح جان لیجئے کہ تواضع لفظ عربی ہے۔ اور جن معنوں میں عوام نے استعمال کیا ہے اُن معنوں میں تو عربی زبان میں یہ لفظ کہیں آیا ہی نہیں۔ اس پر ایک قصہ یاد آگیا۔

ایک دیہاتی لڑکا تھا اس نے ایک استاد سے کریما شروع کی جب یہ شعر آیا

دلا گر تواضع کنی اختیار شود خلقِ دنیا ترا دوستدار

(یعنی اے اگر تواضع اختیار کرے گا تو تمام مخلوق تیری دوست بن جائیگی)

استاد نے پوچھا جانتے ہو تواضع کس کو کہتے ہیں۔ کہا اجی ہاں یہی پان پتہ دیدینا یہ تو ایک گنوار کی بات ہے۔ پڑھے لکھوں کے نزدیک جو معنیٰ ہیں وہ بھی اسی کے قریب قریب ہیں صرف لفظ دوسرے ہیں ان کے نزدیک تواضع کے معنیٰ ہیں نرمی سے بولنا جھک جھک کر سلام کرنا، جھوٹی باتیں بنانا۔ حقیقت سے دونوں دور ہیں۔

صاحبو! اس کے معنیٰ حقیقت میں اپنے آپ کو پست سمجھنا ہیں۔ نہ پست بنانا، یہ

جھک جھک کر سلام کرنا اور باتیں بنانا بتکلف پست بنانا ہے۔ یعنی بناوٹ ہے نہ حقیقت بلکہ حقیقت میں تو آج کل کی تواضع تکبر ہے جو تواضع کی ضد ہے اور اس سے تعجب نہ کیجئے کیوں کہ میں ایک امتحان بتاتا ہوں جس کسی کو آپ بہت متواضع دیکھیں جو بار بار جھک جھک کر سلام کرتے ہوں اور بہت ہی منکسر النفس ہوں اور ہر شخص سے آپ اور جناب سے بات کرتے ہوں اور اپنے آپ کو یہ کہتے کہ میں کس قابل ہوں۔ میں تو محض نالائق ہوں تو جس وقت وہ یہ کہیں کہ میں نالائق ہوں اس وقت آپ ذرا کہہ دیجئے ہاں صاحب واقعی آپ تو نالائق ہیں۔ پھر دیکھئے وہ کتنا ناچتے ہیں۔ اور امید تو یہ ہے کہ ساری عمر کے لئے دشمن ہو جائیں گے۔ اگر یہ بناوٹ نہ تھی اور جھوٹ نہیں تھا اور وہ دل سے یہ الفاظ کہتے تھے تو یہ غضب اور کینہ کیوں ہوا؟ معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو نالائق صرف اس واسطے کہا جاتا ہے تاکہ دوسرا ان کی زیادہ تعریف کرے کہ فلانے بڑے متواضع ہیں۔ اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ تو صورت تو تواضع کی ہے مگر حقیقت میں بڑا بننا اور تکبر کرنا مقصود ہے جو تواضع کی ضد ہے۔ اور جو واقعی متواضع ہیں وہ ایسے تصنع کے الفاظ کبھی نہیں کہتے اس لئے ان کی نسبت اکثر لوگ یہی کہتے ہیں کہ ان میں تواضع اور اخلاق نہیں ہیں کسی کو منہ ہی نہیں لگاتے۔

صاحبو! ان میں بناوٹ نہیں، سچے اخلاق ہیں جھوٹے نہیں ان کا تو حکیمانہ قول یہ ہے کہ اگر کوئی منہ پر تعریف کرے تو اس تعریف سے نہ انکار کرو۔ نہ اس کو منع کرو کیونکہ اس سے اور زیادہ تعریف کرے گا اور دوسرے دیکھنے والے بھی تمہارے معتقد ہو جائیں گے۔ بلکہ خاموش ہو رہو وہ اپنا سا منہ لے کر خود خاموش ہو جائیگا۔ اور سب سمجھیں گے یہ بالکل بے حس آدمی ہے جو تعریف سے کچھ بھی خوشی ظاہر نہیں کرتا۔ بت بن کر بیٹھ گیا۔ پھر آئندہ نہ کوئی تعریف کرے گا۔ نہ عقیدت مند ہو گا۔ یہ ہے حقیقی تواضع۔

آجکل کا دستور آجکل ایک اور طریقہ نکلا ہوا ہے پہلے لوگ تو جب کوئی ان کی تعریف کرتا تھا انکسار کے الفاظ کہتے تھے کہ جناب میں اس قابل کہاں ہوں آپ بناتے

رہیں۔ من آنم کہ من دانم یہ اگرچہ بناوٹ ہی تھی مگر خیر صورت تو تواضع کی تھی۔ اور اب طریقہ نکلا ہے کہ اپنی تعریف کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ میں اس عنایت کا نہایت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ کو ان القاب سے نوازا۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے ہی الفاظ سے مجھے یاد کیا کیجیے۔ اور میں اس قابل ہوں۔ اس میں صورت بھی تواضع کی نہیں رہی کھلا ہوا تکبر ہے۔

غرض تکبر کھلا ہوا ہو یا ڈھکا ہو چھپتا نہیں ہے۔ برتاؤ سے حال معلوم ہی ہو جاتا ہے پھر جیسا واقع میں ہوتا ہے ویسا ہی حکم کیا جائے گا۔ اگر واقعی دل میں بڑا بننا چاہتے ہو تو چاہے نالائق بنو یا خاکسار بنو تکبر ہی کا حکم ہوگا۔ اور اگر دل میں پستی اور انکسار ہے تو خواہ کوئی لفظ بھی زبان سے نہ کہو اور مدح سنکر متکبرین کی طرح خاموش ہی بیٹھے رہو۔ تب بھی تکبر نہیں تواضع ہی ہے۔

ہمارے ایک بزرگ استاد تھے ان کی عادت تھی کہ جب کوئی ان کی تعریف منہ پر کرتا تو خاموش محض ہو جاتے اس سے ناواقف دیکھنے والا یوں سمجھتا کہ یہ اپنے آپ کو اس تعریف کا اہل سمجھتے ہیں اور یہ تکبر ہے مگر دوسرے وقت ان کی یہ حالت تھی کہ دیوبند کے قریب (انبیا) ایک گاؤں ہے اس میں آموں کی دعوت ہوئی۔ داعی نے سواری تک نہیں بھیجی۔ یہ بزرگ مع رفقاء کے پیدل چلے گئے جب وہاں سے آم کھا کر چلنے لگے تب بھی بلانے والے نے سواری کو نہ پوچھا پیدل ہی چلے۔ چلتے وقت گھر والوں کے واسطے اس نے آم دیدیئے۔ ظاہر ہے کہ مولانا کو اوروں سے زیادہ حصہ دیا ہوگا۔ مولانا نے اپنا حصہ لنگی میں باندھ لیا۔ مولانا دہلی میں شہزادوں کی گودوں میں پلے ہوئے تھے اور بہت نازک بدن تھے۔ بوجھ لے چلنے کی عادت کہاں۔ اس گٹھری کو کبھی اس ہاتھ میں لیتے اور کبھی اُس ہاتھ میں لیتے۔ بمشکل دیوبند کے قریب پہنچے۔ جب بازار کے قریب پہنچے تو تھک کر اس گٹھری کو سر پر رکھ لیا تو بڑا آرام معلوم ہوا تو فرماتے ہیں کہ میاں پہلے سے یہ ترکیب سمجھ میں نہ آئی بڑے آرام سے آتے سر پر گٹھری رکھے ہوئے چلے جاتے ہیں اور دونوں طرف سے سلام ہوتے جاتے ہیں اور مصافحے ہوتے جاتے ہیں

اور مولانا بے تکلف چلے جاتے ہیں۔ مدرسہ تک اسی طرح چلے گئے راستہ میں معتقدین نے لینا بھی چاہا مگر کسی کو نہیں دیا۔ ہشاش بشاش ذرا طبیعت پر بار نہیں تھا۔ لوگ عموماً وضع کی پابندی کو اچھا سمجھتے ہیں اور اس کو ضروری کہتے ہیں: اور یہ کہتے ہیں کوئی عادت تا وقتیکہ خلاف شرع نہ ہو گناہ کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اکثر اوضاع کی بناء ترفع" اور تکبر" پر ہے البتہ اگر کسی میں ترفع نہ ہو اور اس میں یہ بات پیدا ہوگئی ہو جو مولانا میں تھی کہ کسی وقت اپنی وضع کے خلاف کام کرنے پر نفس کو ذرا رکاوٹ نہ ہو تو وہ شخص متکبر نہیں اور اسکے عادات بھی بُری نہیں، ورنہ پابندِ وضع یقیناً متکبر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سب پانچ پانچ سیر بوجھ ہی لادو۔ مگر کچھ تو کرو اخلاق کی اصلاح کی طرف کسی کو توجہ نہیں۔

صحبتِ بزرگاں ہماری طرف ایک بزرگ مولانا مظفر حسین صاحب تھے وہ اپنے معمولات کے بہت پابند تھے تہجد سفر میں بھی قضا نہ کرتے تھے اُس وقت ریل نہ تھی لوگ بہلیوں میں سفر کیا کرتے تھے۔ مولانا اس میں تہجد پڑھتے تھے۔ مگر کبھی اس ضرورت کے لئے بہلی کو ٹھہرایا نہیں کیوں کہ اس سے دوسرے رفقاء کا حرج ہوتا یا کم از کم گاڑی بان کا تو حرج ہوتا ہی۔ اور عارفین کسی کی کُلفت کو کبھی گوارا نہیں کرتے۔ بس یہ کرتے کہ گاڑی سے آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے۔ جب گاڑی نزدیک آتی آگے بڑھ جاتے پھر دو رکعت پڑھ لیتے اسی طرح تہجد ختم کرتے۔ بھلا آج تو کوئی شیخ صاحب کرکے دکھادیں اور تو سفر میں تہجد ہی کون پڑھتا ہے۔ اور کسی کو شوق ہوا تو بس بہلوان کم بخت کی مصیبت ہے کہ گھنٹہ بھر تک گاڑی کو روکے کھڑا رہے۔ تہجد اور راحت رسانیِ مخلوق دونوں کو جمع کرکے دکھاؤ۔

ان ہی مولانا مظفر حسین صاحب ہی کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ مولانا دہلی سے کرایہ کی ایک بہلی میں چلے گاڑی بان سے دیہاتیوں کی طرح باتیں کرتے رہے تاکہ وہ مانوس ہو کیوں کہ رفیقِ سفر کو مانوس کرنا بھی حقِ رفاقت ہے پھر اس سے باتوں باتوں میں معلوم ہوگیا کہ یہ بہلی رنڈی کی ہے مولانا کو بڑی وحشت ہوئی۔ کیوں کہ آپ بڑے متقی

تھے۔ ان کا تقویٰ مشہور ہے وہ ایسی گاڑی میں کیوں کر سوار ہو سکتے تھے جو حرام کمائی سے تیار کی گئی ہو۔ مگر کمال یہ ہے کہ آپ نے اترنے میں جلدی نہیں کی۔ سنتے ہی فوراً نہیں اتر پڑے اس خیال سے کہ گاڑی بان کی دل شکنی نہ ہو تھوڑی دور جا کر پیشاب کے بہانے سے اترے پھر اس سے کہا کہ اب تو پیدل چلنے کو جی چاہتا ہے۔ گاڑی بان سمجھ گیا اور عرض کیا کہ میں سمجھ گیا ہوں۔ اب بہتر ہے کہ مجھ کو رخصت فرمائیے۔ فرمایا یہ نہیں ہو سکتا میرے کرایہ کے سبب ممکن ہے کہ کوئی کرایہ لوٹ گیا ہو تو یہ خسارہ مجھ کو گوارا نہیں۔ اسی طرح کاندھلہ تک بہلی لائے اور خود پیادہ تشریف لائے۔ یہاں پہنچ کر پورا کرایہ دے کر رخصت کیا۔ یہ کمال یہ باتیں بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہیں۔

حضرت! صحبت میں رہ کر دین آتا ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ کتابوں سے دین نہیں آتا۔ ضابطہ کا دین تو کتاب سے آسکتا ہے مگر حقیقی دین بلا کسی کی جوتیاں سیدھی کئے بلکہ بلا جوتیاں کھائے نہیں آسکتا۔ دین کسی کی خوشامد نہیں کرتا۔ دین ان ہی نخروں سے آتا ہے۔ اب جس کا جی چاہے لے اور جس کا جی چاہے نہ لے۔ اکبر ایک اچھے شاعر تھے ان کا کلام حکیمانہ ہوتا ہے ان کا مصرعہ ہے۔ ؎

ع دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہ بات بالکل سچ ہے اہل اللہ میں ایک کمال یہ ہوتا ہے کہ تقویٰ کے ساتھ کسی کی دل شکنی نہیں کرتے ان سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی ہاں اگر کوئی اصلاح کی استدعا کرے تو اس کی ضرورت سے تنبیہ اور پوری سیاست (گوشمالی، تنبیہ، سزا دینا) کرتے ہیں کیوں کہ بلا اسکے اصلاح نہیں ہو سکتی یہ ایسا ہے جیسے فصّاد زخم کا علاج کرتا ہے کہ جہاں چیرنے کی ضرورت ہے اگر وہاں وہ رحم کرے تو باعثِ ضرر ہے۔ اور ایسے رحم کی صورت میں فصّاد کو رحم دل نہ کہا جائے گا۔ بلکہ ظالم کہیں گے۔ اسلئے جہاں اصلاح میں سیاست کی ضرورت ہو وہاں اہل اللہ پوری سیاست کرتے ہیں مگر سیاست میں بھی امکان بھر نرمی کا پہلو نہیں چھوڑتے۔

(جاری)

(۸۷۶) فرمایا کہ دیوبند میں طالب علمی کے زمانہ میں مجھ پر ایک مرتبہ خوف غالب ہوا۔ بعد مغرب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! کوئی ایسی بات فرما دیجئے جس سے اطمینان ہو جائے کہ ہاں خاتمہ ٹھیک ہو جائے گا۔ فوراً فرمایا کہ ہیں! کفر کی درخواست کرتے ہو بالکل مامون ہو جانا کفر ہے۔

(۸۷۷) فرمایا کہ آجکل اکثر لحاظ سے کام نکالا جاتا ہے میں اسکو پسند نہیں کرتا بلکہ جو میرا لحاظ کرتا ہے اس سے مجھے اور بھی شرم آتی ہے کہ اس کے اوپر اپنی وجاہت کا دباؤ ڈال کر کام نکالوں اور میں ایسی جگہ جہاں مجھ کو وجاہت کے اثر کا ذرا گمان ہو کچھ نہیں کہتا کہ دباؤ نہ پڑے اور جگہ تو وجاہت حاجات کے پیش کرنے کے لئے باعث ہوتی ہے اور میرے لئے وجاہت سخت مانع ہوتی ہے اکثر بالکل چپ ہو جاتا ہوں۔

(۸۷۸) فرمایا کہ وجد و گریہ اکثر ضعف قلب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ کوئی ایسی قابل اعتبار چیز نہیں کہ اسکی فکر میں رہے۔

(۸۷۹) حضرت والا شرکت تقریبات سے گو رسوم سے خالی ہوں اجتناب فرماتے ہیں۔ اول تو یہ کہ پھر سب یہی خواہش کرنے لگیں اور ترجیح کی کوئی وجہ ہوگی اتنی فرصت بھلا کہاں۔ دوسرے یہ کہ پیشتر سے تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس طریقہ سے تقریب ہوگی گو وعدہ یہی ہو کہ کوئی رسم نہ ہوگی کیونکہ بہت سی ایسی باتیں گھروں کے اندر ہو جاتی ہیں جن کو معمولی سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ دراصل رسمیں ہی ہوتی ہیں لہٰذا دیکھنے والوں کو سند ہوگی کہ حضرت مولانا خود بھی شریک تھے۔

(۸۸۰) فرمایا کہ جس کے سر پر کوئی بڑا ہو اس سے پوچھکر سب باتیں کرنی چاہئیں۔ یہ تاکید لڑکوں کو رکھنی چاہئے۔ حضرت اس کا بیحد انتظام رکھتے ہیں۔ مدرسہ کے لڑکوں کو آپس میں بات چیت کرنے ہنسنے بولنے کی سخت ممانعت ہے۔ کچھ دنوں ایک صاحب کو اسی بات کے لئے تنخواہ پر ملازم رکھا تھا کہ وہ جہاں کسی لڑکے کو

سی سے ہنستا ہوتا دیکھیں فوراً لکھ لیں۔

(۸۸۱) فرمایا کہ میں نے نہ کسی کی خدمت کی نہ کسی سے خدمت لی۔ بزرگوں ن بھی خدمت نہیں کی یہ اپنی اپنی عادت ہے مجھ کو عادت ہی نہیں ہوئی۔ ہاں ایسوں سے خدمت لے لیتا ہوں جن کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ہم خدمت کر رہے ہیں نہ اسکو مان خصوصیت کا ہو نہ دوسروں کو کہ بھائی یہ مقرب ہے۔

(۸۸۲) فرمایا کہ جس سے عقیدت ہو اس سے سوال و جواب کی نوبت نہ آنے دینا چاہیئے۔ بلکہ اس کی رائے و مشورہ کے سامنے اپنی رائے کو فنا کر دینا چاہیئے بزرگوں کے سامنے ردّ و کد کرنا بالکل خلاف ادب ہے۔

(۸۸۳) فرمایا کہ نشست و برخاست سب میں اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کسی کو تکلیف یا تنگی تو نہیں ہوتی۔ گول بات ہرگز نہیں کہنی چاہیئے۔ سوال کو خوب سمجھ کر پورا اور صاف جواب دینا چاہیئے تاکہ دوسرے کو بار بار نہ پوچھنا پڑے۔ ایک بار فرمایا کہ اپنے کھانے کا بار ہرگز دوسرے پر نہ ڈالے۔

(۸۸۴) فرمایا کہ جب گفتگو میں یا اور کسی کام میں کوئی مشغول ہو تو آنے والے کو چپکے بیٹھ جانا چاہیئے یہ نہیں کہ بیچ میں سلام کرلے لٹھ سا آکر مار دیا مصافحہ کرنے لگے بدتہذیبی کی بات ہے اور ایذا کا سبب ہے۔

(۸۸۵) بعد عصر ایک صاحب نے کے ہاتھ میں پرچہ دینا چاہا اور سامنے پیش کر کے اس انتظار میں لئے بیٹھے رہے کہ حضرت خود اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ فرمایا کیا ہاتھ میں دینا فرض ہے اور کوئی طریقہ دینے کا نہیں۔ کچھ دیر کے بعد انھوں نے زمین پر رکھ دیا۔ فرمایا غنیمت ہے عقل تو آئی۔

(۸۸۶) فرمایا کہ کندھے پر رومال ڈال کر نماز نہ پڑھنا چاہیئے کہ یہ ہیئت خارج من الصلوٰۃ کی ہے۔

(۸۸۷) فرمایا کہ اہل اللہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ کون بڑا ہے کون چھوٹا ہے بے ادبی ہے خدا کو معلوم ہے کہ اس کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے سب

سے حسن عقیدت رکھنا چاہیئے۔

(۸۸۸) فرمایا کہ ہر کام کے لئے اوقات مقرر ہیں۔ خلاف اوقات کوئی کام لیتا ہے تو سخت کلفت ہوتی ہے۔ جلوت کا وقت ظہر کے بعد سے مغرب تک ہے یہی وقت کچھ پوچھنے یا چھپنے یا کہنے سننے کا ہے۔ دوسرے اوقات میں کوئی تحریری پرچہ بھی پیش کرنا گراں ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے اوقات ایسے گھرے ہوئے اور بندھے ہوئے ہیں کہ اگر پانچ منٹ کا بھی حرج ہو جاتا ہے تو دن بھر کے کاموں کا سلسلہ بگڑ جاتا ہے۔

(۸۸۹) فرمایا کہ مرید کو شیخ کے قلب کا انقباض مانع فیض ہو جاتا ہے اسلئے مرید کو اپنے شیخ سے طالب علمی کی حیثیت سے پڑھنا نہ چاہیئے۔ ہاں بلا کتاب کے بیٹھ جانا۔ تقریر سننا اور سوالات نہ کرنا اس کا مضائقہ نہیں۔

(۸۹۰) فرمایا کہ جو کام خالص اللہ کے لئے کیا جاتا ہے بلا قصد شہرت وغیرہ کے اس کی حق تعالےٰ شہرت فرما ہی دیتے ہیں۔

(۸۹۱) فرمایا کہ کشش و میلان کا بالکلیہ زائل ہو جانا تو عادۃً ممتنع اور محال" ہے البتہ تدبیر سے اس میں ایسا ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے کہ مقاومت (مقابلہ) صعب" دشوار" نہیں رہتی اور وہ تدبیر صرف امر واحد میں منحصر ہے کہ علاً اس کشش کے مقتضا کی مخالفت کی جاوے۔ گو کلفت ہو اسکو برداشت کیا جاوے۔ اسی سے کسی کو جلدی کسی کو دیر میں علیٰ اختلاف الطبائع اس کشش میں ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے اور کف" یعنی باز رہنے" کے لئے ہمیشہ قصد و ہمت کی ضرورت رہتی ہے مگر اس ضعف کے سبب اس قصد میں بسہولت کامیابی ہو جاتی ہے اور اس سے زیادہ توقع رکھنا اُمنیۂ محضہ" یعنی نری آرزو" ہے اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْخَوَارِقِ" ہاں بطور خرق عادت ہو جائے تو اور بات ہے" اس اصل سے تمام فطریاتیں کام لینے سے پریشانی ہباءً منثورا" یعنی نیست و نابود" ہو جاتی ہے تبصر و تشکر" یعنی سمجھو اور شکر ادا کرو"

(۸۹۲) فرمایا کہ امور طبعیہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو کسی عمل سے ناشی نہ ہوں بلکہ قسری "یعنی جبری اور غیر اختیاری" ہوں وہ تو نہ محمود ہیں نہ مذموم اور ایک قسم امور طبعیہ کی یہ ہے کہ فطری نہ ہوں بلکہ کسی عمل سے پیدا ہوئے ہوں تو ان کے اندر یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ کسی عمل محمود سے پیدا ہوئے ہوں تب تو محمود ہوں گے اور کسی عمل مذموم سے پیدا ہوں تو مذموم ہوں گے۔

چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ "یعنی اگر نیک کام کر کے تجھ کو مسرت ہو اور گناہ کر کے تیرا جی برا ہو تو تو مومن ہے۔" تو اب یہاں مسرت جو ہے وہ ایک طبعی ہے مگر چونکہ یہ ایک عمل صالح سے پیدا ہوئی تھی اس لئے اس کو علامت ایمان کی فرمایا گیا اور جو چیز محمود نہ ہو وہ ایمان کی علامت نہیں بن سکتی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ محمود ہے اور گو یہ امر فی نفسہ" اپنی ذات میں" طبعی نہیں۔ مگر حال لازم ہو جانے سے مثل امر طبعی کے ہو جاتا ہے اور یہ خدائے تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اس مسرت کو امر طبعی بنا دیا۔ اسی طرح اگر کسی کو قبض ہو تو اگر کسی گناہ کے سبب ہوا تو وہ مذموم اور اسکے علاج کی ضرورت ہے اور اگر اس کا سبب کوئی گناہ نہ ہو تو اس کی کچھ فکر نہ کرے کیونکہ وہ مذموم نہیں۔

(۸۹۳) فرمایا کہ جیسے طبیعت کو آزاد چھوڑ دینا مضر ہے۔ اسی طرح زیادہ مقید کرنے سے بھی تنگ ہو جاتی ہے بس نماز میں اتنی توجہ کافی ہے جیسے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو اور سرسری طور پر سوچ کر پڑھتا ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ پھر اگر اس کے ساتھ بھی وساوس آویں ذرا مضر نہیں۔

(۸۹۴) فرمایا استخارہ ایسے معاملہ میں ہوتا ہے جس میں احتمال نفع و ضرر دونوں کا ہو اور جو عادۃً یا شرعاً یقیناً ضرر ہو اس میں استخارہ نہیں جیسے کوئی نماز پڑھنے کے لئے استخارہ کرنے لگے یا دونوں وقت کھانا کھانے کیلئے استخارہ کرنے لگے یا چوری کرنے کے لئے یا اپاہج عورت سے نکاح کرنے کے لئے استخارہ کرنے

لگے۔ استخارہ ایک دعا ہے کہ اے اللہ اگر یہ معاملہ میرے لئے خیر ہو تو میرے قلب کو متوجہ کر دے ورنہ میرے دل کو ہٹا دے اور جو میرے لئے خیر ہو اس کو تجویز کر دے۔ سو اس کے بعد اگر اس کی طرف قلب متوجہ ہو تو اس کے اختیار کرنے کو ظناً خیر سمجھنا چاہیئے خواہ کامیابی کی صورت میں خواہ ناکامیابی کی صورت میں۔ اور ناکامیابی کا خیر ہونا باعتبار اس کے آثار خیر کے ہے خواہ دنیا میں کہ اس کا نعم البدل ملے خواہ آخرت میں کہ صبر کا اجر ملے۔ اور استخارہ نہ کرنے میں مجموعی طور پر اس خیر کا وعدہ نہیں خواہ کلاً یا بعضاً عطا ہی ہو جائے۔ بس استخارہ کا فائدہ تسلّی ہے کہ ہم کو ضرور خیر عطا ہوگی۔ اور استخارہ اور عدم استخارہ کے ان آثار میں وجہ فرق یہ ہے کہ استخارہ کے بعد اگر وہ مؤثر ہوا تو قلب میں ایسی چیز نہ آوے گی جس میں بے احتیاطی ہو اور بدون استخارہ کے ایسی چیز آنے کا بھی احتمال ہے کہ ذرا غور سے اس کا مضر ہونا معلوم ہو سکتا تھا مگر اس نے غور نہیں کیا اور بے احتیاطی سے اسکو اختیار کر لیا تو اپنے ہاتھوں جب مضرت کو اختیار کیا جاوے اس میں وعدہ خیر کا نہیں

پس سمجھنا چاہیئے کہ استخارہ میں کامیابی کا وعدہ نہیں بلکہ حصول خیر کا وعدہ ہے خواہ خیر ظاہری ہو یا خیر باطنی۔

(۸۹۵) فرمایا کہ اوراق قرآن کہنہ جو ناقابلِ تلاوت ہو جائیں ان کو پاک پارچہ میں باندھ کر قبرستان کے اندر کسی محفوظ جگہ میں دفن کر دینا مناسب ہے۔ اوراق کی تمزیق (چیرنا پھاڑنا) خلاف ادب و احترام ہے۔

(۸۹۶) فرمایا کہ میں کسی صاحب حال شخص کو اس کے حال کے اقتضا پر عمل کرنے سے خواہ وہ حال ناقص ہی کیوں نہ ہو نہیں روکتا، البتہ اگر صاحب حال خود چاہے تو اس کی اصلاح یا تعدیل کر دیتا ہوں ورنہ اسکے حال پر چھوڑ تا ہوں، اور اس حال کی قدر کرتا ہوں اور قدر کرنی چاہیئے اور چیخنے کو جی چاہے خوب چیخے، اگر ہنسنے کو جی چاہے خوب ہنسے۔ جو حال وارد ہو اس کو اس وقت روکنا نہ چاہیئے۔

(۸۹۷) فرمایا کہ جن اعمال کے ہم مکلف ہیں سب امور طبعیہ ہی کے مقتضا ہیں بشرطیکہ طبیعت سلیم ہو۔ اب چاہے کوئی اقتضائے طبعی ہی کی وجہ سے وہ عمل کرے اجر ہوگا البتہ نیت و اختیار شرط ہے۔

(۸۹۸) ایک مولوی صاحب نے اس شعر کا مطلب دریافت کیا ؎

صحبت نیکاں اگر یک ساعتست   بہتر از صد سالہ زہد وطاعتست

(نیک لوگوں اور اللہ والوں کی صحبت اگر ایک گھڑی کیلئے بھی میسر آجائے تو سو سال کے زہد وعبادت سے کہیں بہتر ہے)

فرمایا کہ میں جو سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ کامل کی صحبت میں بعض اوقات کوئی گر ہاتھ آجاتا ہے یا کوئی حالت ایسی قلب میں پیدا ہوجاتی ہے جو ساری عمر کیلئے مفتاح سعادت بن جاتی ہے ہر وقت یا ہر ساعت مراد نہیں بلکہ وہی وقت اور وہی ساعت مراد ہے جس میں ایسی حالت پیدا ہوجائے۔ عرض کیا تو کیا ہر صحبت اس درجہ مفید نہ ہوگی۔ فرمایا کہ ہے تو یہی مگر کس کو علم ہے کہ وہ کون ساعت ہے جس میں یہ حالت میسر ہوگی۔ ہر صحبت میں اس کا احتمال ہے اس لئے ہر صحبت کا اہتمام چاہئے۔ اس سے ہر صحبت کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہے۔ اور اس حالت کو صد سالہ طاعت کے قائم مقام بتلانے کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ اگر کسی شخص کے پاس اشرفیاں گنی ہوں تو بظاہر تو اس کے پاس امتعہ (اسباب میں) سے ایک چیز بھی نہیں ہے لیکن اگر ذرا "تعمق" اور "غور" کی نظر سے دیکھا جائے تو ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے۔ اسی طرح اگر وہ کیفیت اس کے اندر پیدا ہوگئی تو بظاہر تو خاص طاعات میں سے کوئی بھی چیز اس کے پاس نہیں مگر حکماً ہر چیز ہے۔ بس مراد اعمال پر قدرت ہونا ہے اسی سے سب کام اس کے بن جائیں گے اور اصل چیز وہی کام ہے جن کی یہ مفتاح صحبت میں نصیب ہوگئی اگر وہ اعمال نہ کئے تو نری مفتاح کس مصرف کی۔

اسی لئے یہ کہتا ہوں کہ بدون اعمال نہ کچھ اعتبار ہے اقوال کا نہ احوال کا نہ کیفیات کا۔ اسی لئے ان چیزوں میں سے کسی چیز میں بھی حظ نہ ہونا چاہئے اگر اعتبار کے قابل کوئی چیز ہے تو وہ اعمال ہیں اور اعمال بلا توفیق حق کے مشکل

اور توفیق عادۃً موقوف ہے صحبتِ کامل پر ؏

قال را بگذار مرد حال شو
پیشِ مردے کاملے پامال شو

(بکواس کو چھوڑ دو صاحبِ حال آدمی بنو۔ اور کسی مرد کامل اللہ والے کے سامنے اپنے کو پامال کردو اور مٹادو)

(۸۹۹) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! شیطان کو جس قدر تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے دشمنی ہوگی اتنی تنہا حضرت سے ہوگی کیونکہ حضرت اسکے مکر و فریب سے اللہ کی مخلوق کو آگاہ فرماتے رہتے ہیں وہ اُس پر جلتا بُھنتا ہوگا۔ فرمایا کہ ممکن ہے مگر ساتھ ہی وہ مجھ کو نفع بھی بہت پہونچاتا ہے اس طرح سے کہ وہ لوگوں بہکاتا ہے تو وہ مجھ کو ناحق گالیاں دیتے ہیں میں اس پر صبر کرتا ہوں اللہ میرے گناہ معاف فرماتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے۔

(۹۰۰) فرمایا شیخ سے عقیدت اس قدر مطلوب نہیں عظمت اسقدر مطلوب نہیں جس قدر محبت کی ضرورت ہے۔

(۹۰۱) فرمایا کہ کبھی چھوٹوں کو وہ بات نصیب ہوجاتی ہے کہ بڑوں کو کبھی وہ بات خواب میں بھی نہ آئی ہوگی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو بڑے بڑے ہی نہ رہتے کیونکہ نفس مدح "تعریف" سُن سُن کر فرعون ہوجاتا۔ اور اب یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح ہماری ضرورت چھوٹوں کو ہے اسی طرح ہمیں ضرورت ان کی ہے۔ چنانچہ ہمارے حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں آنے والوں کی زیارت کو اپنے لئے ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں۔

(۹۰۲) فرمایا کہ ایک انسان ہے جو عالم ہے۔ محدّث ہے۔ مفسّر ہے۔ فقیہ ہے حافظ ہے۔ قاری ہے۔ نیک ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے میں مقبول ہوں ممکن ہے کہ وہاں مردود ہو۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک عورت ہے جو خوبصورت بھی ہے۔ لباس فاخرہ پہنے ہے۔ زیور سے آراستہ بھی ہے۔ سنگار کئے ہوئے ہے اور اس آرائش و زیبائش کی بنا پر سمجھتی ہے کہ میرا خاوند مجھے چاہتا ہے مگر ساتھ ہی گندہ ذہنی میں مبتلا ہے۔ اسلئے خاوند اس کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں۔ اور ایک عورت ہے سانولی کپڑے بھی میلے کچیلے۔ زیور بھی اسکے پاس نہیں مگر اسکی کوئی ادا خاوند کو پسند ہے وہ اسکو

محبوب رکھتا ہے۔ دل سے چاہتا ہے۔ تو جس طرح گندہ دہن عورت اپنے خاوند کی نظر میں مقبول ہونے کے غلط گمان میں مبتلا ہے یہی حالت کمالات کی بنا پر ہمارے گمان کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ ظاہری کمالات دلیل مقبولیت کی نہیں ممکن ہے ہمارے اندر کوئی ایسی باطنی خرابی ہو جو میاں کو ناپسند ہو۔

(۹۰۳) فرمایا کہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے درمیان جو شرائط طے ہوئے تھے وہ مناسبت و عدم مناسبت کے امتحان ہی کے لئے تو طے ہوئے تھے چنانچہ عدم مناسبت جب ثابت ہوئی علیحدگی ہو گئی۔ اسی طرح شیخ اگر کسی مرید کو گو وہ معصیت کا مرتکب نہ ہو بوجہ عدم مناسبت علیحدہ کر دے تو جائز ہے۔

(۹۰۴) فرمایا کہ جس طرح میں دوسروں کی اصلاح کے طریق سوچتا رہتا ہوں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اپنی اصلاح کے طریق بھی سوچتا رہتا ہوں۔ مسلمان کو تو مرتے دم تک اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہنا چاہیئے اس پر بھی اگر نجات ہو جائے تو سب کچھ ہے۔ اس سے آگے ہم کیا حوصلہ اور ہمت کر سکتے ہیں۔ باقی فضائل و مدارج تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ ہم کو جنتیوں کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جائے یہی بڑی دولت ہے۔

(۹۰۵) فرمایا کہ جب میں دوسروں کے لئے کوئی تجویز کرتا ہوں تو اپنے سے بے فکر ہو کر نہیں کرتا۔ بلکہ عین تجویز کے وقت برابر اس کا خیال رکھتا ہوں کہ مجھ سے کوئی زیادتی اس تجویز میں نہ ہو جائے اور اس شخص پر ذرا تنگی نہ ہو۔ اس پر مجھکو سخت کہا جاتا ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اجتہادی غلطی ہو جائے۔ مگر جب قصد نہیں، نیت نہیں تو امید عفو ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۹۰۶) فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے پوچھا کہ میرا جی تنہائی کو بہت چاہتا ہے لیکن اس میں لوگوں کی دل شکنی کا خیال ہوتا ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ اپنی مصلحت دیکھ لو اور کسی کا خیال نہ کرو سب کو جھاڑو بھی مارو۔ اور یہ اس طرح سے فرمایا کہ گویا خود پر بھی گذری ہو۔

(جاری)

(مکتوب نمبر ۸۲۴)

حال :۔ بندہ اور جملہ احباب خیریت سے پہونچ گئے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ راستہ میں .... کے اسٹیشن پر بھی مفتی صاحب وغیرہ بخیریت پہنچکر اتر گئے۔
تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ بچے گھر کے لوگ اور سب احباب بفضلہ تعالیٰ خیریت اور راحت سے ہیں۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ آج شنبہ کو یہاں پر عید الفطر ہوئی۔ تحقیق :۔ خوب۔
حال :۔ عیدگاہِ شہر میں بندہ نے حسب معمول قدیم نماز پڑھائی۔
تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ اور ایک عجیب واقعہ عیدگاہ ہی میں پیش آیا۔ نماز کے قبل لوگوں کے کہنے سے بندہ نے چند کلمات متعلقہ نماز عید کہے۔ اور جماعت .... والوں نے غالباً اس گمان پر کہ وہ شاید امسال امامت نہ کریں عیدگاہ میں لاؤڈ اسپیکر لگالیا تھا، بندہ نے اسکے متعلق کچھ باتیں خوب صاف صاف کہیں۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ اور خیرخواہانہ و خلوص سے جو سمجھ میں آیا حدت لئے ہوئے کہدیا۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ نماز اور خطبہ سے فراغت کے بعد ایک نوعمر جوان جن کی داڑھی مونچھ صاف تھی، بندہ کے پاس آکر کہنے لگے کہ آپ کا حضرت فتحپوری صاحبؒ سے تعلق ہے ؟ بندہ نے ادباً اور مجملاً ایسا لفظ کہا کہ وہ صاف طور پر سمجھ نہ سکے۔ حاجی .... صاحب قریب ہی تھے ان سے بھی جاکر پوچھا! انھوں نے بتادیا کہ حضرت مولانا فتحپوری مدظلہٗ سے ان کا تعلق ہے۔ پھر وہ صاحب دوبارہ بندہ کے پاس آئے اور معانقہ کیا۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ اور بے حد رونے لگے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ اور دیر تک معانقہ کی حالت میں مصروفِ گریہ و بکا رہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ جب سکون ہوا تو کہا کہ بندہ کا مکان بھی فتح پور کے پاس ہرداس پور میں ہے۔ کثرت بھیڑ کی وجہ سے بندہ ان سے اور کچھ پوچھ نہ سکا اور وہ چلے

گئے۔ اس کے بعد حاجی صاحب بندہ سے کہنے لگے کہ یہ نوجوان صاحب میرے پاس آکر خود بخود کہنے لگے کہ یہ امام صاحب اس طرح سے کلام اور وعظ کہہ رہے تھے کہ جیسے حضرت مولانا فتح پوری فرماتے ہیں ان کے کلام اور طرز ادا سے میں سمجھ گیا کہ انہی کے آدمی ہیں اور ان سے ان کا تعلق ہے۔ اس کے بعد بہت ہی خلوص اور محبت سے روتے ہوئے ملے۔ **تحقیق**:۔ الحمد للہ۔

حال:۔ یہ سب برکات اور رحمتیں حضرت کے ادنیٰ خادم اور حقیر غلام اور رجال پر ہیں۔ **تحقیق**:۔ الحمد للہ۔ **حال**:۔ تو جو حضرات صلاحیتوں اور استعداد والے ہیں ان کو کیا کچھ ظاہری و باطنی انعامات و اکرامات عطا فرمائے جاتے ہوں گے۔ **تحقیق**:۔ ہونا تو یہی چاہیئے۔

حال:۔ حضرت سے التماس ہے کہ دعا فرمائیں۔ **تحقیق**: دعا کرتا ہوں۔

حال:۔ کہ ہر وقت چوکس اور چوکنّے رہیں اور خلوص و استقامت کے ساتھ جلوت و خلوت اور حضور و غیبت ہر حالت میں کام میں لگے رہیں۔

تحقیق:۔ آمین۔ **حال**:۔ تا آنکہ اسی پر خاتمہ بالخیر نصیب ہو۔

تحقیق:۔ آمین۔ **حال**:۔ اور حضرت کے طفیل سے حق سبحانہ وتعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور نسبت پیدا ہو کر ان کی رضا سے نواز دیا جائے۔ **تحقیق**:۔ آمین۔ **حال**:۔ گھر میں کی حالت اللہ تعالیٰ کے فضل سے پہلے سے بہت بہتر ہے۔ **تحقیق**:۔ الحمد للہ۔

حال:۔ یہ سب حضرت کی توجہات اور الطاف کی برکت ہے خدا کرے کہ روز بروز ان کی اور بندہ کی اور سب بچوں کی حالت ظاہری و باطنی درست ہوتی رہے۔ **تحقیق**:۔ آمین۔ **حال**:۔ اور جملہ بد اخلاقیوں اور شرور و فتن سے حفاظت رہے۔ **تحقیق**:۔ آمین۔

حال:۔ اور عافیت اور فلاح دارین نصیب ہو۔ فقط والسلام۔

تحقیق:۔ آمین

(مکتوب نمبر ۸۲۵)

حال :- اس بار ۲۲ رمضان تا ۲۸ رمضان تک کا قیام جناب..... صاحب قبلہ کے وسیلہ سے نصیب ہوا اور حضور کی زیارت نصیب ہوئی جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوں۔ ایسا محسوس ہوا کہ اگر ایسا ماحول برابر ملتا رہے تو شاید مجھے بھی راہ مستقیم مل جائے گو الہ آباد کے تبادلہ میں بہت ہی کو دقت ہوگی۔ نیز چالیس روپیہ ماہوار کا مالی نقصان ہے جو حالات حاضرہ میں بہت زیادہ ہے لیکن الہ آباد پہونچے بغیر حضور کی زیارت و نصائح سے محرومی ہوگی جس میں چالیس کروڑ روپیہ یومیہ سے زائد کا نقصان ہے۔ پس جو بھی تکلیف ہو بہتر یہی ہے کہ میرا تبادلہ الہ آباد کا ہو جائے۔ زندگی کا قیام نہیں اور میرے رذائل کی انتہا نہیں۔ اس کا حل سوائے حضور کی صحبت کے اور کچھ نہیں۔ پس اسکے لئے دعا فرمائیے کہ میرا تبادلہ جلد از جلد الہ آباد کا ہو جائے۔ مالی مشکلات کا اللہ مالک ہے جو اس مشکل کا حل نکالے گا وہی اس مشکل کا حل بھی نکالے گا۔ **تحقیق** :- انشاء اللہ تعالیٰ۔

حال :- جناب والا کے کلام سے الہ آباد میں یہ بات دل نشیں ہوئی کہ۔
تحقیق :- مبارک ہو یہی دل نشینی ایمان ہے ایمان کامل کے یہ لوازم سے ہے۔ حال :- ہر طرح کی مثالی انسانی کامیابی کا مکمل مظہر جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ **تحقیق** :- لَاشَکَّ فیہ۔

حال :- پس کامیابی تلاش کرنے والے کو حضور کا ہی اتباع کرنا چاہئے۔
تحقیق :- بیشک۔ حال :- جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا اتباع ہے۔ کامیابی کے اس کے سوا اور کوئی معنیٰ نہیں۔ **تحقیق** :- بیشک۔

حال :- جو جتنا ہی اتباع رسول کر لیجائے اُتنا ہی کامیاب ہے۔ **تحقیق** :- بیشک۔

حال :- پس زندگی کا موضوع و مطمح نظر مل گیا۔ **تحقیق** ؎

اب نہ ڈھونڈینگے ہرگز پتہ مل گیا　　جب نبی مل گیا تو خدا مل گیا

حال :- اگر میرا یہ خیال درست ہو تو حضور والا سے استدعا ہے کہ مجھے ایسی کتابوں کا نام تحریر فرمادیں جن کو پڑھ کر اتباع شریعت وسنت کی سکے یعنی یہ معلوم ہو کہ روزانہ زندگی میں اخلاق۔ معاشرت۔ معاملات۔ عبادات کس طرح ادا کئے جائیں۔ کسی دقیق مسئلہ پر تو فقہی حکم مفتی سے معلوم کیا جائے گا۔ لیکن روزمرہ کی زندگی میں اُسوہ رسول پاک کی حاجت ہے کہ اُس پر عمل پیرا ہوا جائے اس کے لئے حضور سے التجا ہے۔

تحقیق :- غور فرمائیے آیت شریفہ میں فَاتَّبِعُوْنِیْ سے پہلے اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ ہے اور فَاتَّبِعُوْنِیْ اسی پر مرتب ہے۔ لہٰذا ترتیب سلوک کی یہ ٹھہری کہ پہلے تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ کا مصداق بنے اسکے بعد فَاتَّبِعُوْنِیْ کا مطالبہ ہوگا

(مکتوب نمبر ۸۲۶)

حال :- حضرت والا کی توجہات کی برکت سے فکرِ فردا فکرِ امروز پر غالب ہے۔

تحقیق :- مبارک ہو۔ حال :- ہر کام کے متعلق دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں آخرت کا حصہ کہاں تک ہے جن مشاغل میں ہم محصور ہیں ان سے رہائی کی کوئی صورت بظاہر نظر نہیں آتی اس لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ قلب خاشع اور حُسن نیت اور خلوص کا کچھ حصہ عطا فرمائیں۔ تحقیق :- آمین۔ حال :- تاکہ ہر کام میں انھیں کی رضا پیش نظر ہو۔ اور محبت وعداوت، اخذ و ترک اسی طرح جملہ افعال و تروک سب انھیں کے لئے ہوں، کام میں لگا ہوا ہوں۔ تحقیق :- الحمد للہ

حال :- دعا فرمائیں۔ تحقیق :- دعا کرتا ہوں۔ حال :- اللہ تعالیٰ اتباع سنت کی توفیق بخشیں۔ تحقیق :- آمین۔ محبت وعداوت، اخذ و ترک سب انھیں کے لئے، یہی سنت رسول ہے۔

حال :- اور ہمیشہ مرضیات کی توفیق بخشیں۔ تحقیق :- آمین۔ سب سنن کا مقصود مرضی الٰہی ہے۔ حال :- اور امور غیر مرضیہ سے بچائے رکھیں۔

تحقیق : امور غیر مرضیہ ہوائے نفسانیہ ہیں سنن نبویہ نہیں اس لئے ان کا ترک واجب ہے۔ حال :۔ دیگر آنکہ احقر نے جیسا کہ حضرت والا سے عرض کیا تھا کہ منیر احمد سلمہٗ کی اہلیہ کو بغرض علاج لکھنؤ لے جانے کا خیال ہے چنانچہ ہم لوگ لکھنؤ پہونچے۔ اتفاق سے اتوار کا دن تھا اس لئے اس ڈاکٹر کو نہ دکھلا سکے جس کا علاج سید حسین صاحب کے گھر میں کا ہو رہا ہے کیونکہ وہ اتوار کو مریض نہیں دیکھتا۔ پہلے سے ہم لوگوں کا خیال تھا کہ ڈاکٹر کو دکھلا کر اس کے بعد شفاء الملک حکیم شمس الدین صاحب سے بھی تشخیص کرائینگے۔ اب صورت ایسی پیش آئی کہ صرف حکیم صاحب موصوف ہی کی طرف رجوع کیا گیا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں ہم لوگ پہونچے۔ ساڑھے گیارہ بجے دن کا وقت تھا مطب مریضوں سے بھرا ہوا تھا حکیم صاحب یہ معلوم کر کے کہ ہم نو واردین جونپور سے حاضر ہوئے ہیں اور حضرت والا دامت برکاتہم سے تعلق رکھتے ہیں ہمہ تن ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تحقیق :۔ خوب۔

حال :۔ حضرت والا کی خدمت سے واپسی کے بعد دوسرا ہی دن تھا کہ ہم حاضر ہوئے تھے حکیم صاحب نے اپنے سفر الہ آباد کی حاضری اور حضرت والا کے اخلاق و الطاف و اکرام ضیف کا ایک والہانہ انداز میں بیان شروع کیا۔ کہنے لگے کہ بہتر سال کا میں ہوا ایسی ہستی نہیں دیکھا۔ تحقیق ؎

ادائے حق محبت عنایتے است ز دوست　　وگرنہ عاشق مسکین بہیچ خرسند است

(حق محبت کی ادائیگی دوست کی عنایت و کرم ہے۔ ورنہ عاشق بیچارہ تو ادنیٰ سی توجہ سے بھی خوش ہے)

حال :۔ کچھ دیر کے بعد پھر مریضوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ہمارے نمبر پر مریضہ کو دیکھا۔ ہم لوگ اسی دن شام کو واپس ہو گئے اور دوا کا استعمال شروع ہے حضرت والا سے دست بستہ درخواست ہے کہ مریضہ کے صحت کی دعا فرمائیں۔
تحقیق :۔ دل سے دعائے صحت کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۲)

حال :۔ بندہ آنجناب کی خدمت سے جدا ہو کر بعافیت گورکھپور پہنچا۔
تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ اور اپنے کام پر لگ گیا۔ تحقیق :۔ الحمدللہ
حال :۔ الحمدللہ اپنے اندر جو سخت قسم کی کمی تھی وہ اس مرتبہ معلوم ہوئی۔
تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ وہ ذکر ہے وہ بھی کوئی مخصوص وقت
شب ہی نہیں بلکہ جب بھی موقع ہو خواہ دن ہو خواہ رات البتہ توجہ سے
پورا کریں۔ تحقیق :۔ اور کیا۔ حال :۔ یا جس قدر ممکن ہو زیادہ سے
زیادہ کر لیا کریں۔ تحقیق :۔ بیشک۔ حال :۔ اب بندہ زیادہ سے
زیادہ ذکر میں مشغول ہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ کبھی جہری کبھی سری، فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ
حال :۔ کوئی شئے قلب پر مثل خون کے چڑھی ہو وہ چھوٹ رہی ہے۔
تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ اور قلب میں ذات پاک سے لگاؤ
ہو رہا ہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ ہر وقت بلا تکلف
ہر موقع پر لفظ اللہ خود بخود جاری ہو جاتا ہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ
حال :۔ کبھی بہت خوف ہونے لگتا ہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ کبھی اس طرح گریہ طاری ہوتا ہے جس کو پھوٹ پھوٹ کر رونا کہتے
ہیں۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ یہ جی چاہتا ہے مالک کو کہیں
پاؤں کہ لپٹ جاؤں۔ تحقیق :۔ یہی محبت ہے۔
حال :۔ حضرت والا دعا فرمائیں۔ تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔
حال :۔ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔ تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ اللہ
ایمان پر قائم رکھ کر خاتمہ بالخیر فرمائیں۔ تحقیق :۔ آمین۔
حال :۔ اللہ تعالیٰ آنجناب والا کو باصحت قائم دائم رکھیں۔ تحقیق :۔ آمین

حال :۔ ہم جیسوں کو صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ **تحقیق** :۔ آمین۔
حال :۔ نصر الدین اور ان کی والدہ علیل ہیں ان کی صحت کیلئے دعا فرمائیں۔
تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔ حال :۔ اور بندہ پھر جلد حاضر خدمت ہو جائے۔
تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ رات حضرت والا سے خواب میں ملاقات ہوئی۔ بہت عمدہ چیز فیرینی کی طرح تھی حضرت نے عنایت فرمایا۔
تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ اس میں سے کوئی دوسرا لے رہا تھا آنجناب نے بہت اسکو ڈانٹا پوری مجھ کو دلوادیا۔ **تحقیق** :۔ مبارک ہو۔
حال :۔ حضرت کا بہت احسان ہے جو اس بندہ گندہ کو عنایت فرمایا فجزاکم اللہ تعالیٰ۔ **تحقیق** :۔ مبارک ہو۔

(مکتوب نمبر ۸۲۸)

حال :۔ حضور والا کی عظمت اور محبت دونوں دل میں جاگزیں ہے۔
تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ کبھی معلوم ہوتا ہے کہ عظمت زیادہ ہے کبھی محبت زیادہ ہے۔ اس طرح دونوں اُنس و احترام باہم جمع ہیں کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کون چیز سوا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ اور سب کچھ حضور ہی کی عنایت اور توجہ و شفقت سے حاصل ہوا ہے جس کے لئے زبان میں یارائے شکر نہیں۔ البتہ دل اللہ تعالیٰ کی شکرگذاری کرتا ہے کہ انھوں نے حضور کے در تک پہنچا دیا اور اپنی معرفت کا سہل ترین اور آسان راستہ حضرت کے ذریعہ عطا کیا اور وہ اتباع رسولؐ ہے جس میں سے اعظم ترین شق اخلاق نبوی صلعم کا قال و عمل میں ڈھونڈھنا اور حاصل کرنا ہے۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ مجھ جیسے بے علم اور کوتاہ عمل کے لئے حضور صلعم کے اخلاق کے ان دونوں اجزاء یعنی قال اور عمل کا پانا محال نہیں تو سخت مشکل تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا کرم ہی کرم ہے کہ حضرت جیسی ہستی کا کفش بردار بنا دیا کہ حقیقتاً حضرت کے جوتے کے نیچے کے تلوے کی

خاک اپنی آنکھوں کا طوطیائے چشم بناتا ہوں اور اس خاک کی برکت سے حضور صلعم کے اقوال و اعمال کی جھلک جناب والا کے اندر دیکھتا ہوں۔

تحقیق:۔ الحمدللہ۔ **حال**:۔ اور اس پر تو نبویؐ کا عکس اپنے دل میں اتارنے کی کوشش کرتا ہوں اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ ریزہ اس اخلاق کا اس ناکارہ بندہ کو عطا کر دیں۔ **تحقیق**:۔ آمین۔

حال:۔ حضرت کی دعا اور توجہ کا اس سلسلہ میں محتاج ہوں کہ باقی ماندہ زندگی اتباع رسولؐ میں بسر کر سکوں شاید اس اتباع کی برکت سے شائبہ اخلاص کا دل میں پیدا ہو جائے اور محشر میں نجات و سرخروئی ہوئے۔

تحقیق:۔ آمین۔ **حال**:۔ جناب مولانا.... صاحب کی کل زیارت کی اور حضرت کا سلام پہونچایا اور پھر عرض کیا کہ کچھ باتیں حضرت کے یہاں کی لکھ کر لایا کرتا ہوں حضرت والا کو موقع نہیں کہ اُس کو دکھلا کر اس کی تصویب کی جائے لہٰذا آپ اُس کو سُن لیا کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضرت شیخ کے منشاء کو صحیح طور سے اخذ کر کے ضبط تحریر میں لایا ہوں مولانا صاحب اس بات سے خوش ہوئے فرمایا کہ میں تو حضرت کا خادم ہوں جیسے تم ہو۔ لاؤ سُن لوں گا۔ چنانچہ وہی ملفوظ جو کہ تفہیمات الٰہیہ سے حضرت نے درباره پنج ضروری خصائل شیخ ہم خدام کو سنایا تھا، مولانا صاحب کو سنایا۔ ابھی چار ہی باتیں سنائی تھیں یعنی (۱) تعلیم علوم دینیہ (۲) امر بالمعروف ونہی عن المنکر برفق وسہولت نہ بعنف وتندی (۳) شفقت علی السویۃ بر جاہل وعالم (۴) قطع طمع کہ مولانا صاحب اُچھل پڑے فرمایا کہ یہ تو میرے کام کی بات تم لے آئے لاؤ اس کو نوٹ کر لوں۔ چنانچہ انھوں نے تفہیمات کا حوالہ مع صفحہ کے نوٹ فرمالیا۔ فرمانے لگے آج کل میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ زیادہ تر حضرت ہی (یعنی جناب والا) کے افاضات و استفادات ہیں، اس میں اس کو شامل کر لوں گا۔

(باقی آئندہ)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مُدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱۱- جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ مطابق نومبر ۱۹۹۴ء - جلد ۱۷

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زرِ تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی بتیس روپے

سالانہ بدل اشتراک : پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر- صغیر حسن۔ - اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

1

ترتیب

اطلاع رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ ۱۴۰۲ تک بعض احباب نے سال رواں ۱۴۰۲ھ کا زرِ تعاون ارسال نہیں فرمایا ہے۔ اس طرف توجہ فرما کر ادارہ کی اعانت فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اللہ کی مشیت کے سامنے کسی کی قوت و شوکت، سلطنت کی وسعت و سطوت، تدبیر و اسباب کی ساری انسانی منصوبہ بندیاں خزاں کے پتوں کی طرح بکھر کر رہ جاتی ہیں اور انسان کو اپنی حیثیت اپنے اقتدار کا تھوڑی دیر میں پتہ چل جاتا ہے، قدرت زبان حال سے اعلان کرتی ہے وَمَا تَشَاۤءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَاۤءَ اللّٰہُ رب کائنات جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

ابھی ماضیٔ قریب میں ہمارا شہر کے اندر زلزلہ نے وہ تباہی مچائی کہ سرکشوں اور ظالموں کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، آبادیاں الٹ دی گئیں، بستیاں تباہ و تاراج ہو گئیں، مکانات ویران و سنسان ہو کر جنگلی چوہوں کا مسکن بن گئے۔ تادم تحریر وقتاً فوقتاً زمینوں کے اندر سے خوفناک آوازوں کا تسلسل اطراف و جوانب کے مکینوں کی نیندیں حرام کئے ہوئے ہے کل تک جو خانۂ خدا کی تباہی و بربادی کا اعلان سینہ ٹھونک کر کرتے ہوئے دندناتے پھر رہے تھے آج فنا کے گھاٹ اتر کر عبرت و موعظت کا فسانہ بن کر رہ گئے۔ سچ ہے اور خدا کا اعلان سچ ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا اُولٰۤئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَاۤ اِلَّا خَاۤئِفِیْنَ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ (اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں انکا ذکر کئے جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران ہونے میں کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت ہو کر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا ان لوگوں کی دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور انکو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی۔

اس نازک گھڑی، قدرت کے خطرناک الارم پہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ برادران وطن کی آنکھیں

کھلتیں، ارباب اقتدار عصبیت کی سیاہ عینک اتار کر دیکھتے، حالات کا جائزہ لیتے تو انھیں سمجھ میں آتا کہ قانون ونظم کے نام پر ظلم وستم درندگی و حیا سوز غیر انسانی حرکتوں کا وہ عمل ظہور میں آیا ہے جسکا تصور شاید ہی کبھی بنی نوع انسان کو آیا ہو۔ اور اسکے قدرتی نتائج اسی طرح کے سنگین اور عبرت انگیز ہوتے ہیں مگر ظلم و کفر کا نشہ ہی ایسا ہے کہ ظلم وستم کے اندھیروں میں اگر حقانیت کا نور تنبہ و بیداری کے لئے چمکتا بھی ہے تو غافلوں کی بصیرت و بصارت اسے دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر و عاجز ہی رہتی ہے فَلَمَّآ اَضَاءَتْ مَاحَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ۔ پھر جب روشن کردیا ہو اس آگ نے اس شخص کے گرد اگرد کی سب چیزوں کو ایسی حالت میں سلب کرلیا ہو اللہ تعالیٰ نے انکی روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو انکو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں۔

دوسری جانب ہم مسلمانوں کو سبق لینا تھا کہ مساجد تباہ و برباد کی گئیں، عصمت برسر عام لٹی، مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو یکساں طور پر ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا، یہ سب کیونکر ہوا؟ اور ایسا کب ہوتا ہے؟ ہوتا تو یہ کہ دینی حمیت اسلامی غیرت جاگ اٹھتی، "ماڈرن" ہونے سے زیادہ مسلمان ہونے کا جذبہ غالب آجاتا، اللہ کے حضور رجوع ہوتے، گناہوں، بداعمالیوں سے توبہ و استغفار کرتے مساجد آباد ہوتیں، روتے آنسو بہاتے، اپنے رب کی خوشنودی میں پیشانیاں رگڑتے اور یہ عمل عارضی نہ ہوتا۔ عمل کا یہ جذبہ، ایمان و ایقان کی روح ایک سچا اور پکا مومن بنا دیتی۔ اس قسم کا قدرتی تغیر اسی لئے پیدا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے اندر صالح انقلاب پیدا کریں۔ اصلاح کا جذبہ عمل تک پہنچکر بندۂ مومن کو اللہ کے قریب کردے۔ مگر ہائے افسوس یہ سب کچھ نہ ہوا آنکھیں بند کی بند رہیں۔ نہ غیروں کی آنکھیں کھلیں نہ اپنوں نے واقعات و حقائق سے عبرت پکڑی ہی۔ بیدار کی لہر اٹھی اور پانی کے بلبلے کی طرح ساکت و فنا۔

بالآخر غفلت و بے حسی پر ضرب کاری کے لئے آسمانی قہر وبار و بیماری کی شکل میں نمودار ہوا، آج ہر طرف طاعون کا زور و شور ہے، ہندوستان اسکی فضا اور باشندوں سے پوری دنیا خوف زدہ ہے گذشتہ ماہ ستمبر میں ہمارا شہر کے زلزلہ زدہ خطہ سے یہ وبا شروع ہوئی اور چشم زدن میں سورت اور اس کے اضلاع قہر خداوندی کی گرفت میں آگئے، بے شمار اموات ہو چکیں، دہلی بھی زد میں آچکا اور یوپی کے کئی شہروں میں اسکے پھیلنے کی اطلاع ہے۔ اور ہر طبی دنیا میں تحقیق و تفتیش کا بازار گرم ہے۔ ڈاکٹروں سائنسدانوں کی عقل حیران ہے کہ طاعون سے آزاد اس ملک میں یہ وبا کیسے ہوئی اور کہاں سے آئی؟ ان سادہ لوحوں کی نظر اسباب و ظواہر ہی پر ٹکی ہے یا احساس جرم تو کچھ کے ضرور لگتا ہے اور نگاہ کردہ گناہوں کے سیاہ نقطہ پر پہنچتی ہے مگر سچ کی کڑوی گولی نگل کر حقیقت کا اعتراف کرنا اگر اتنا آسان ہوتا تو ماضی کے کتنے صفحات روشن ہوتے اور حال کتنا تابناک ہوتا۔

ان عبرت انگیز حالات کے باوجود اگر آنکھیں کھلتی نہیں ہیں اور غفلت کا پردہ حسب حال پڑا رہتا ہے تو تعجب و حیرانی کی بات نہیں بلکہ بعض وقت ایسے حالات میں انکار حق سرکشی، تمرد میں اضافہ ہی ہو جاتا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ اللہ نے (کفر و شرک پر ڈٹے رہنے سے) ان کے قلوب، سماعت و بصارت پر (احساس حق سے) پردہ ڈالدیا ہے۔

تعجب تو اس پر ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی نظر بھی "ٹیڑا سائکلین" اور "گیمکسین" ہی پر ہے۔ معدہ کے اندر حفظان صحت کی گولیاں چلی جائیں اور سڑکوں پر جراثیم کش پاؤڈر چھڑک دیا جائے تو گویا صحت و زندگی کا ابدی سرٹیفکٹ ہاتھ آگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حالات و انقلابات کا جائزہ لیا جائے تو ادہر ایک عرصہ سے پے در پے آفات، مصائب و حوادث چلے آرہے

ہیں مگر یہ کونسا ایمان ہے اور کیسا جذبۂ مسلمانی کہ نہ تو کتاب و سنت سے رغبت میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی آیات و بیناتِ انقلابات دیکھکر توبہ و انابت کی توفیق ہوتی ہے ۔ اللہ رب العزت کا یہ تہدیدی بیان ہمارے احوال سے کتنا مطابق ہے أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ۔ اور کیا انکو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں پھر بھی باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں ۔

یہاں یہ نکتہ بھی ذہن میں ملحوظ رہے کہ کسی بستی و قوم پر جب اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو پھر یہ عذاب عمومی شکل اختیار کرلیتا ہے ۔ استحقاق عذاب کے بعد پھر صالح و غیر صالح بندوں کی تمیز باقی نہیں رہتی ہے ۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ ۔ (کیا ہم صالحین کی موجودگی میں ہلاک ہوجائیں گے) ارشاد فرمایا نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ (بخاری کتاب الانبیاء) (ہاں؛ جب برائی و خباثت عام ہوجائے)۔ لہذا اپنے آپ کو ہر قسم کے تصرفات و مواخذۂ خداوندی سے مامون و محفوظ سمجھکر اخبارات و رسائل میں اسکا تذکرہ، برائے تذکرہ و اضافۂ معلومات پڑھا جائے تصویریں دیکھی جائیں، جگہ جگہ اس کے چرچے ہوں، تبصرہ آرائی ہو، ایک مسلمان اور اللہ و یوم آخرت پر یقین رکھنے والے کو زیب نہیں دیتا، مومن تو آسمانی آفات، قدرتی تغیرات کو دیکھکر لرز اٹھتا ہے اور دل و زبان دعا و استعاذہ میں مصروف ہوجاتی ہے کہ یہ جائے عبرت ہے تماشا نہیں ہے ۔ ہم و شما کی حیثیت ہی کیا ہے اس امت کے سردار رحمت للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر جب بھی کبھی روح فرسا حالات کا انکشاف ہوا یا قدرتی تغیر کے مظاہر و آثار نمودار ہوئے ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تبصرہ و تذکرہ کے بجائے دعا و استعاذہ میں مصروف و مشغول ہوئی ۔

طاعون اور اسکا سبب طب اور سائنس کی نگاہ میں جو کچھ بھی ہو، موجودہ ڈاکٹر و اطباء جو بھی دوائیں تجویز کریں، علاوہ ازیں دفاعی اسباب و حفاظتی تدابیر اختیار کی جائیں گی مگر بایں ہمہ اسکے باطنی اسباب اور اخلاقی جراثیم پر بھی نظر رکھنی ہوگی جو اس وباکا حقیقی سرچشمہ ہیں اور جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی روشنی میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ طاعون بیک وقت عذاب الٰہی بھی ہے اور رحمت و شہادت بھی۔ کافروں کے حق میں عذاب الٰہی اور آیۃ الرجز ہے اور مسلمانوں کے لئے جام شہادت و رحمت ہے۔ ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آیۃ الرجز، بقیۃ عذاب والرجز سے یاد فرمایا ہے۔ پچھلی پُرقوت قومیں و سلطنتیں اسکی زد میں آکر صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ علامہ ابن خلدون نے آٹھویں صدی صدی کے وسط میں مہلک طاعون کی ہلاکت خیزیوں کا ذکر جس انداز سے کیا ہے اس سے طاعون کی عذابی نوعیت کا اندازہ اچھی طرح لگایا جا سکتا ہے "حتی کہ آبادی کے مشرق و مغرب میں آٹھویں صدی کے وسط میں مہلک طاعون پھوٹ پڑا جس نے قوموں کی قومیں تباہ کر دیں اور بہت سے خاندانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور آبادی کے محاسن و کمالات روند ڈالے اور انھیں صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا، حکومتوں پر یہ آسمانی آفت ان کے بڑھاپے میں ٹوٹی جبکہ وہ اپنی عمر کی انتہا کو پہونچ چکی تھیں اس نے انکے سائے سمیٹ لئے، انکی کمر توڑ دی انکا اقتدار کمزور کر دیا، انکے پاس مال نہیں رہا اور قلاش کنگال ہو گئے۔ طاعون نے لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر آبادیاں اجاڑ دیں اور شہر سنسان ہو گئے، کارخانے اجڑ گئے، راستے اور راستوں کے نشانات مٹ گئے، مکانات مکینوں سے خالی قبیلوں اور مملکتوں میں کمزوری پیدا ہو گئی اور رہنے والے بدل گئے۔ مشرق میں بھی مغرب کیطرح اپنی آبادی کی مقدار میں پھلوٹ پڑی گویا جب زبان مشیت نے عالم کو فنا کرنے اور سمیٹنے کا اعلان کیا تو فوراً دنیا نے اس اعلان کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

اور اللہ ہی زمین کا اور زمین والوں کا وارث ہے"(مقدمہ ابن خلدون ترجمہ ص۲۰۳)

تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس طرح کے واقعات بکثرت ملیں گے۔ معذب، معتوب قوموں کی سرکشی، ظلم و سفاکی کا تذکرہ بھی ہے، خدائی دارو گیر اور بطش شدید کی عبرتناک داستان بھی مگر ان سے عبرت اور سبق آموزی کے لئے سینہ میں دھڑکتا ہوا دل اور دیدۂ بینا چاہیئے۔ خدا کرے زلزلہ کی حالیہ عبرت انگیز داستان اور طاعون کی مسموم فضا ہمارے لئے غفلت سے تیقظ و بیداری کا ایک پیغام ثابت ہو اور خدا نہ کرے کہ ہم مسلمان کلام الٰہی کے ان معرضین و منکرین کے مصداق ٹھہریں جنکے متعلق ارشاد ہے وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ اس زمین و آسمان میں بہت سی نشانیاں نازل ہوتی ہیں مگر لوگ اس سے اعراض کر کے گذر جاتے ہیں۔

طاعون کا دوسرا پہلو رحمت و شہادت کا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لسان مبارک سے اللہ رب العزت کے فضل و کرم کا یہ اعلان کہ (یہ عذاب تھا مگر اللہ نے مومنین کے لئے رحمت بنا دیا ہے) امت مسلمہ کے لئے باعث طمانینت و سکینت ہے۔ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ "رحمت" ہونے کا ذکر اپنے مخصوص انداز میں یوں فرماتے ہیں" حدیث میں آیا ہے کہ طاعون سابق امتوں کے حق میں عذاب ہوتا تھا اور امت محمدیہ کے لئے شہادت ہے حق یہ ہے جو لوگ اس وبا میں مرتے ہیں متوجہ بحق ہو کر مرتے ہیں، حرص ہوتی ہے کہ کوئی اس میں ان وبا میں مرنے والوں سے ملحق ہو جائے اور سامان سفر دنیا سے آخرت کی طرف جانے کے لئے باندھ لے یہ وبا، اس امت کے لئے ظاہر میں غضب ہے لیکن حقیقت و باطن میں رحمت ہے" (تجلیات ربانی جلد دوم ص۱۶۲)

یہ جذبۂ رحمت و شہادت کی کارفرمائیاں تھیں جسکا ذکر حدیث کے ذخیروں میں ملتا ہے۔ یہاں چند ایک کا ذکر مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ کی زبانی سنتے ہوئے چلئے:

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جب طاعون میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو اپنے بعد شام کی حکومت کے لئے نامزد فرمایا اس زمانے میں طاعون انتہائی تیز رفتاری سے پھیل رہا تھا اس موقع پر حضرت معاذؓ نے لوگوں کو سنایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم لوگ شام کیطرف ہجرت کرو گے وہ تمھارے ہاتھ پر فتح بھی ہوگا اور وہاں ایک ایسی بیماری ظاہر ہوگی جو پھوڑے یا گلٹی کی طرح ہوگی اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت بخشیں گے اور تمھارے اعمال کا تزکیہ فرمائیں گے، اسکے بعد حضرت معاذؓ نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! اگر معاذ نے واقعۃً یہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو اسے اور اسکے گھروالوں کو بھی اس فضیلت سے حصۂ وافر عطا فرما چنانچہ طاعون انکے گھر میں بھی داخل ہوگیا حضرت معاذؓ کے گھر کا کوئی فرد اس سے نہیں بچا حضرت معاذؓ کو طاعون کی گلٹی شہادت کی انگلی میں نکلی آپ اسے دیکھکر فرماتے اگر کوئی اسکے بدلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی دے تو وہ مجھے پسند نہیں (بحوالہ مجمع الزوائد ۳۱۱/۲) بہرکیف انکی دعا قبول ہوئی اور اسی طاعون میں (۱۸ھ) آپ نے وفات پائی جبکہ آپ کی عمر ۳۳۔۳۴ سال سے زیادہ نہ تھی۔

اسی طاعون میں جام شہادت نوش فرمانے والے امین امت ابو عبیدہ بن جراحؓ بھی ہیں اسکا تذکرہ بھی کیا جانا ضروری ہے مختلف عوامل پر روشنی کے علاوہ ایمان میں تازگی اور شگفتگی کا باعث بھی ہوگا، جب اردن اور شام میں وہ تاریخی طاعون پھیلا جس میں ہزاروں افراد لقمۂ اجل بنے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے :۔ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ قَدْ عَرَضَتْ لِي إِلَيْكَ حَاجَةٌ أُرِيْدُ أَنْ أُشَافِهَكَ بِهَا فَعَزَمْتُ عَلَيْكَ إِذَا نَظَرْتَ فِي كِتَابِي هٰذَا أَنْ لَا تَضَعَهُ مِنْ يَدِكَ حَتّٰى تُقْبِلَ إِلَيَّ۔ سلام کے بعد مجھے ایک ضرورت پیش آگئی ہے جس کے بارے میں آپ سے زبانی بات کرنا چاہتا ہوں لہٰذا میں پوری تاکید

کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ آپ جونہی میرا خط دیکھیں تو اسے اپنے ہاتھ سے رکھتے ہی فوراً میری طرف روانہ ہو جائیں "

حضرت ابو عبیدہؓ اطاعت امیر کے ساری زندگی پابند رہے لیکن اس خط کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ حضرت عمرؓ کی یہ شدید ضرورت صرف یہ ہے کہ مجھے اس طاعون زدہ علاقہ سے نکالنا چاہتے ہیں چنانچہ یہ خط پڑھکر انھوں نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا عَرَفْتُ حَاجَةَ اَمِيرِالْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهٗ يُرِيْدُ اَنْ يَسْتَبْقِيَ مَنْ لَيْسَ بِبَاقٍ میں امیرالمومنین کی ضرورت سمجھ گیا وہ ایک ایسے شخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں ہے۔ یہ کہکر حضرت عمرؓ کو یہ جواب لکھا " امیرالمومنین آپ نے مجھے جس ضرورت کے لئے بلایا ہے وہ مجھے معلوم ہے لیکن میں مسلمانوں کے ایسے لشکر میں بیٹھا ہوں جس کے لئے میں اپنے دل میں اعراض کا کوئی جذبہ نہیں پاتا لہٰذا میں ان لوگوں کو چھوڑ کر اس وقت تک آنا نہیں چاہتا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور انکے بارے میں اپنی تقدیر کا حتمی فیصلہ نہیں فرمادیتا لہٰذا امیرالمومنین مجھے اپنے اس تاکیدی حکم سے معاف فرما دیجئے اور اپنے لشکر ہی میں رہنے دیجئے " ۔ حضرت عمرؓ نے خط پڑھا تو آنکھوں میں آنسو آگئے جو لوگ پاس بیٹھے تھے وہ جانتے تھے کہ خط شام سے آیا ہے حضرت عمرؓ کو آبدیدہ دیکھکر انھوں نے پوچھا کیا ابو عبیدہؓ کی وفات ہوگئی؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہوئی تو نہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہونے والی ہے۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ نے دوسرا خط لکھا، سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّكَ اَنْزَلْتَ النَّاسَ اَرْضًا عَمِيْقَةً فَارْفَعْهُمْ اِلٰى اَرْضٍ مُرْتَفِعَةٍ نَزِهَةٍ "سلام کے بعد آپ نے لوگوں کو ایسی زمین میں رکھا ہوا ہے جو نشیب میں ہے آپ انھیں کسی بلند جگہ پر لیجائیے جہاں کی آب و ہوا صاف ستھری ہو" حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ خط حضرت ابو عبیدہؓ کو ملا تو انھوں نے مجھے بلا کر کہا کہ یہ خط امیرالمومنین کا آیا ہے اب آپ ایسی جگہ تلاش کیجئے جہاں لیجا کر لشکر کو ٹھہرایا جاسکے میں جگہ کی تلاش میں نکلنے کے لئے پہلے گھر پہنچا تو دیکھا کہ میری اہلیہ طاعون میں مبتلا ہو چکی ہیں میں نے واپس آکر ابو عبیدہؓ کو بتایا اس پر انھوں نے خود تلاش میں جانے کا ارادہ کیا اور اپنے اونٹ پر کجاوہ کسوایا ابھی آپ نے

ابھی رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ آپ پر بھی طاعون کا حملہ ہوگیا اور اسی طاعون کے مرض میں آپ نے وفات پائی، رضی اللہ عنہ وارضاہ (جہانِ دیدہ ص۱۹۰تا۱۹۹)

بہرا سے خدا ان واقعات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا نہ جائے در اصل یہ ان نفوسِ قدسیہ کی حقائق پر مبنی داستان ہے جنکی نظروں میں دنیا و مافیہا اتنی بے ثبات و پامال تھی اور انکے پاکیزہ قلوب میں آخرت کا یقین اتنا مستحضر تھا کہ خدا کے قرب کا ذریعہ وہ ڈھونڈھتے رہتے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شہادت کی بشارتِ عظمیٰ سن لینے کے بعد انکے مبارک دل و دماغ میں ادنیٰ درجہ کا تردد نہ رہا کہ دیارِ طاعون میں گرفتار ہو کر مرنا موت و ہلاکت نہیں صرف شہادت ہے اور اسی شہادت و سرخروئی کے لیے وطن، خویش و اقارب کو خیرباد کہہ کر شام کی سرزمین میں جلوہ افروز تھے بجز دنیا اور اسکے بکھیڑوں میں الجھے ہوئے ہم انسانوں کا غریب تصور، مادیت میں ڈوبی عقل انکے اعمال و احوال و جذبوں کا ادراک ہی نہیں کرسکتی سہ

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

طاعون ہی کے سلسلے میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کے مابین ہونے والی گفتگو دلچسپی سے خالی نہیں ہے جسے امام بخاریؒ نے ایک تفصیلی واقعہ میں درج کیا ہے، پوری حدیث تو نہیں تاہم اخیر کا وہ جز جس سے قضا و قدر کے نازک مسئلہ نیز طاعون کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ کی وضاحت ہوتی ہے نظروں میں آنا ہی چاہئے در اصل اسلامی تاریخ میں طاعون عمواس بڑی شہرت کا حامل ہے۔ ۱۸ھ میں اس وبار نے بڑی شدت اختیار کرلی شام میں پچیس ہزار مسلمان اس مرض کا شکار ہو کر جاں بحق ہوئے ان میں بہت سے صحابہ بھی تھے ان میں جلیل القدر صحابیوں کے نام یہ ہیں ابوعبیدة بن الجراحؓ، معاذ بن جبلؓ، یزید بن ابوسفیانؓ، حارث بن ہشامؓ، سہیل بن عمرؓ، عتبہ بن سہیلؓ۔ سیدنا عمرؓ کو جب طاعون کی شدت کا علم ہوا تو شام کی جانب تدبیر و انتظام کی غرض سے روانہ ہوئے جب مقام سرغ پر پہنچے تو ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے حالات سے باخبر کیا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے

صلاح ومشورہ کے بعد امیرالمومنین نے وہاں سے مدینہ منورہ لوٹنے کا فیصلہ کیا۔ ابوعبیدۃ بن الجراح اس رائے سے متفق نہیں تھے اسکا تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ سے مروی روایت میں اس طرح ملتا ہے قَالَ اُدْعُ لِیْ مَنْ کَانَ ھٰھُنَا مِنْ مَشْیَخَۃِ قُرَیْشٍ مِنْ مُھَاجَرَۃِ الْفَتْحِ فدعوتھم فَلَمْ یَخْتَلِفْ مِنھُمْ عَلَیہ رَجُلَانِ فَقَالُوا نَرٰی اَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاس وَلَا تُقْدِمَھم علیٰ ھٰذا الوباء فنادی عمرؓ فی الناس اِنِّی مُصَبِّحٌ عَلیٰ ظَھْرٍ فاصبحوا علیه. قَالَ ابوعبیدۃ اَفِرَارًا مِنْ قَدَرِاللہ فقال عمرؓ لَوْغَیْرُكَ قَالَھَا یا ابا عبیدۃ نعم نَفِرُّ مِنْ قَدَرِاللہ الیٰ قدر اللہ، اَرأیت لوکان لك اِبِلٌ ھبطت وادِیًا لہ عُدْوَتَانِ احدھما خِصْبَۃٌ والاخریٰ جَدِبَۃٌ أَلیس اِن رَعیتَ الخصبۃ رَعیتھا بِقَدَرِاللہ وَاِنْ رعیت الْجَدِبَۃَ رَعیتَھا بِقَدَرِاللہ، قال فجاء عبدالرحمٰن بن عوفؓ وکان مُتَغَیِّبًا فی بعض حاجتہٖ فقال اِنَّ عندی فی ھٰذا عِلمًا سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اِذا سَمِعْتُم بہ بارضٍ فلاتَقْدِموا علیه واذا وَقَعَ بارضٍ وانتم بِھَا فلا تخرجوا فرارًا منہ، قال فحمد اللہ عمرؓ ثم انصرف۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مہاجرینِ فتح کو بلاؤ میں نے انکو بلایا ان سب نے بلا اختلاف کہا کہ (امیرالمومنین) آپ ان سب لوگوں کو لیکر لوٹ جائیے انھیں اس وبا میں نہ ڈالئے۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ میں لوٹ کر جا رہا ہوں تم لوگ بھی چلو۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھکر، کہا اے عمرؓ کیا تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے جوابدیا ابوعبیدۃ کاش یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی، ہیں اللہ کی تقدیر سے بھاگتا تو ہوں مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی کی جانب ہوں۔ یہ تو بتاؤ اگر تم اونٹ کو کسی ایسی وادی میں لیکر جاؤ جس کے دو کنارے ہوں ایک سرسبز و شاداب ہے اور دوسرا خشک و بنجر ہے کیا ایسا نہیں ہے کہ اگر اونٹ کو شاداب حصہ میں چرایا تو اللہ کی تقدیر سے چرایا اور اگر خشک وادی میں چرایا تو یہ بھی تقدیر الٰہی سے ہے؟ عبداللہ

بن عباسؓ کہتے ہیں کہ اسی دوران عبدالرحمٰن بن عوفؓ آگئے جو بعض ضرورت کی بنا پر موجود نہیں تھے انھوں نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں مجھے علم ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب تم کسی زمین میں طاعون کی خبر سن لو تو وہاں مت جاؤ اور تمھاری موجودگی میں جب کسی زمین میں واقع ہو جائے تو وہاں سے بھاگ کر مت جاؤ۔ یہ سنکر (حضرت عمرؓ نے اللہ کا شکرادا کیا اور لوٹ گئے (بخاری ۲۲ ص ۸۵۳)

اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث صحیح سندوں کے ساتھ منقول ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ طاعون عذاب کی نشانی ہے اللہ تعالےٰ بعض بندوں کو اس میں مبتلا فرما دیتے ہیں جب تمھیں اسکا علم ہو جائے تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی زمین پر پھیل جائے جہاں پر تم ہو وہاں سے راہِ فرار اختیار نہ کرو (مسلم عن اسامہ بن زید۔ بحوالہ جامع الصغیر صحیح جلد۱ ص۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون میری امت کے لئے شہادت ہے اور تمھارے دشمن جنوں کا کچوکہ لگانا ہے، اونٹ کی گلٹی کی طرح بغلوں اور بُن ران میں گلٹی نمودار ہوتی ہے، جو اس میں مرگیا وہ شہید ہے اور جو اس میں ٹھہرا رہا وہ اللہ کے راستے میں سرحد کی حفاظت کرنے والے کی طرح ہے اور جس نے (طاعون زدہ جگہ سے راہ فرار اختیار کی وہ (جہاد میں) میدانِ کارزار سے بھاگنے والے کی طرح ہے (طبرانی فی الاوسط و ابونعیم فی فوائد ابی بکر بن خلاد بحوالہ جامع الصغیر صحیح ج ۴ ص۱۸)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون ایک عذاب ہے اللہ رب العزت جس پر چاہتے ہیں اسکو بھیجتے ہیں اور بلاشبہ اللہ نے مومنین کے لئے اسکو رحمت بنا دیا ہے لہذا جو کوئی جہاں طاعون واقع ہو وہیں صبر کے ساتھ طالب اجر ہو کر مقیم رہے اس علم و یقین کے ساتھ کہ اللہ نے اسکے لئے جو مقدر کر رکھا ہے وہ ہو کر رہے گا اسکے لئے شہید کا اجر ہوگا۔

(مسند احمد بن حنبل - بخاری بحوالہ جامع الصغیر ج ۴ ص ۱۵۱)

حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ طاعون ایک بقیہ عذاب ہے جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت پر بھیجا گیا تھا جب کسی زمین میں پھیلے تو وہاں سے بھاگو نہیں اور جب کسی ایسی جگہ واقع ہو جہاں تم موجود نہ ہو تو وہاں قدم نہ رکھو۔

(بخاری، مسلم، ترمذی بحوالہ جامع الصغیر صحیح ج ۴ ص ۱۰۱)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امت کی موت طعن و طاعون سے ہوگی لوگوں نے دریافت کیا اللہ کے رسول طعن (یعنی جہاد میں زخم وجراحت) تو ہم جانتے ہیں طاعون کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تمھارے دشمن جنوں کا کچوکہ لگانا ہے اور ان دونوں میں شہادت ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۱۱)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں اس وبا کے نزول کا سبب بھی بتایا گیا ہے۔ آپؐ نے مہاجرین سے خطاب کرکے فرمایا لم تظهر الفاحشة في قوم قط، حتى يعلنوا بها، الا فشا فيهم الطاعون والاوجاع التي لم تكن مضت في اسلافهم الذين مضوا (ابن ماجہ عن ابن عمرؓ) کسی قوم میں بدکاری (زنا)، علانیہ کی جانے لگے تو اس قوم میں طاعون اور ایسے ایسے امراض پھیلتے ہیں جن سے پچھلی قومیں محفوظ تھیں۔

اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بیماری یا تکلیف ایک عذاب ہے جس کے ذریعہ تم سے پہلی قوموں کو عذاب دیا گیا پھر یہ زمین میں باقی رہ گیا کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی لوٹ کر آجاتا ہے ...الخ

(مسلم جلد ۲ ص ۲۲۹)

حضرت عمرؓ کے مذکورہ عمل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی روشنی میں اسلامی نظریہ اور موقف واضح ہو جاتا ہے وہ یہ کہ طاعون عذاب الٰہی ہے۔ اسکا تعلق ارواح خبیثہ سے بھی ہے، البتہ اس امت کے حق میں رحمت و شہادت ہے۔

جب کسی شہر و بستی میں آ جائے تو مجدد الملۃ مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں " طاعون کی جگہ سے دوسرے شہر یہ سمجھ کر بھاگ کر جانا کہ ہم بھاگ جانے سے بچ جائینگے منع ہے جو اسی جگہ صبر سے قائم رہے اسکو شہادت کا درجہ ملتا ہے " جہاں تک فرار کی ممانعت کا سوال ہے اسکے پس پردہ قضا و قدر کی مصالح کے علاوہ اس وبار کی روک تھام کے لئے ایک موثر تدبیر و تجویز کا نسخہ بھی پوشیدہ ہے، رہا ایسی جگہوں پر جانا تو علامہ ابن دقیق العید کے قول کے مطابق یہ یک گونہ اپنے کو بلا و مصیبت میں ڈالنا ہے پھر ممکن ہے وہ اس پر صبر نہ کر سکے نیز اس میں ایک طرح صبر و توکل کے مقام کا دعویٰ بھی ہے لہٰذا اغرار نفس سے بچنے کے لئے آپؐ نے بندش فرمادی ۔ واللہ اعلم ۔

طاعون کے رحمت و شہادت کے ذکر سے یہ غلط فہمی بھی نہونی چاہیئے کہ ابتلاء طاعون کی خواہش و تمنا کی جانے لگے، جہاد کی فضیلت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے مگر آپؐ نے فرمایا کہ لَا تَتَمَنَّوا لِقَاءَ العَدُوِّ وَ اسْئَلُوا اللهَ العَافِيَةَ دشمن سے قتال کی تمنا نہ کرو اللہ سے عافیت طلب کرتے رہو ۔ لہٰذا خدانخواستہ جب ایسی افتاد آہی جائے تو ہراساں و خوف زدہ ہونے کے بجائے علاج و معالجہ کے ساتھ، قضا و قدر پر راضی رہکر صبر و استقامت و احتساب کے ساتھ نامساعد حالات کا مقابلہ کیا جائے اگر موت مقدر ہے تو شہادت ہے اور زندہ رہ گئے جب بھی شہادت کا اجر عظیم انشاء اللہ آخرت میں درج ہو جائے گا ۔

ایک قابل ذکر مسئلہ ایسے مریضوں کے ساتھ تیمارداری کا بھی ہے پوری توجہ ہمدردی کے ساتھ تیمارداری کی جائیگی انھیں بے یار و مددگار موت و زیست کے عالم میں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنا اسلامی اصول و آداب کے منافی و بدترین سنگدلی و قساوت ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ ان دنوں صدقات و خیرات میں اضافہ ہونا چاہیئے ارشاد نبوی ہے کہ اِنَّ الصدقة تدفع البلاء[1] اور دعا و مناجات و استغفار کی کثرت بھی لازم ہے کہ آپؐ کا ارشاد ہے لَا يَرُدُّ القضاء اِلَّا الدعاء[2] ۔ اللہ رب العزت ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

---

[1] صدقہ بلا کو دفع کر دیتا ہے　[2] اگر کوئی شے قضا کو ٹال سکتی ہے تو وہ دعا ہے ۔

ہمارے ایک نہایت بے تکلف دوست تھے وہ ہندوستان کے ایک شہر میں ڈپٹی کمشنر بن گئے، کچھ دنوں کے بعد میں اس شہر میں گیا، صبح سویرے انکے مکان پر پہنچا اور اطلاع کرائی ان سے جو بے تکلفی تھی اس کے پیش نظر توقع یہ تھی وہ ہمارا نام سنتے ہی مسرت کے عالم میں فوراً چلے آئیں گے اور بیساختہ آکر لپٹ جائیں گے لیکن خلاف توقع اطلاع کرانے کے بعد ہم دیر تک انتظار کرتے رہے اور وہ باہر نہیں آئے، تھوڑی دیر کے بعد ہمارے دل میں یہ گمانی پیدا ہونے لگی کہ شاید ڈپٹی کمشنر بننے کے بعد انکے دماغ میں کچھ بڑائی پیدا ہوگئی ہے جو ابتک باہر نہیں نکلے، اگر واقعی ایسا ہے تو یہ صاحب ملنے کے لائق نہیں رہے لیکن ابھی کچھ ہی دیر گذری تھی کہ اچانک وہ ہنستے مسکراتے سامنے آگئے اور اسی والہانہ انداز میں ہم سے لپٹ گئے ہم نے اتنی دیر ہونے کی بنا پر ان سے کہا کہ اب ہم تم سے نہیں ملیں گے اتنی دیر کیوں لگائی؟ انھوں نے ہم سے کہا کہ ذرا دیر بیٹھو تو سہی، ہم نے کہا کہ "ہم نہیں بیٹھیں گے جب تک تم ہمیں دیر کی وجہ نہ بتاؤ"

اس پر انھوں نے کہا کہ جب تمھارے آنے کی اطلاع ملی تو میں اس وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا دل تو بیساختہ یہ چاہا کہ فوراً تم سے آکر ملوں لیکن پھر میں نے سوچا کہ سارے دن میں یہ چند لمحات حضوری کے ملتے ہیں اس وقت اس نعمت حضوری کو چھوڑ کر جانا خلاف ادب بھی ہے اور دوسرے یہ لمحات نکل گئے تو سارے دن کی دوا دوش میں پھر شاید یہ میسر نہ آسکیں اس لئے میں خواہش کو دباکر بیٹھا رہا اور تلاوت پوری کر کے باہر نکلا۔

ہمیں انکی یہ بات بیحد پسند آئی، واقعۃً جو لمحات رجوع الی اللہ کے نصیب ہو جائیں بہت بڑی دولت ہیں سہ

پس از سی سال ایں معنیٰ محقق شد بہ خاقانی که یکدم با خدا بودن به از ملک سلیمانی

(خاقانی کو تیس برس کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ خدا کے ساتھ ایک لمحہ مشغول رہنا سلطنت سلیمانی سے کہیں بہتر ہے)

(جاری)

سبحان اللہ! اہل اللہ کے اصول کس قدر مصالح پر مبنی ہوتے ہیں، نہیں دیکھتے کہ بچہ بہت دنوں تک سنتا رہتا ہے اسکے بعد تکلم کرتا ہے اور جو سنتا نہیں وہ بولنے پر بھی قادر نہیں ہوتا مخلوق میں سماع (سننا) تکلم (بولنا) پر مقدم ہوتا ہے۔ گونگے تکلم پر اسی وجہ سے قادر نہیں ہوتے کہ وہ بہرے ہوتے ہیں۔

پس جب مرید ریاضت سے نکل جائے فہم پیدا ہو جائے، محقق ہو جائے اور طالبین اس سے استفاضہ (فیض حاصل کرنا) کے لئے آنے لگیں تو پھر ایسے شخص کو مُہرِ خاموشی توڑنی ہوگی اور اپنے کلام سے لوگوں کو تعلیم کرنی ہوگی، احکام طرق کو بتلانا ہوگا، اب ایسا شخص ذمہ دار ہوگیا اگر کوتاہی کرے گا تو باز پرس ہوگی۔

ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ نے مجلس میں یہ شعر پڑھا ؎

بنمائی رخ کہ خلقے والہ شوند وحیراں   بکشائے لب کہ نالہ از مرد و زن برآید

(اپنے رخ زیبا سے ذرا پردہ اٹھائیے تاکہ لوگ حیران وشیدا ہوں اور لب کھولئے کہ مرد و عورت نالہ و فریاد کریں)

تو خواجہ صاحبؒ فرمانے لگے کہ یہ شعر آپ ہی کے لئے پڑھا ہے (حضرت مولانا دامت برکاتہم نے یہ سنکر شرماکر نہایت ہی تواضع اور انکسار کا جملہ اپنے متعلق فرمایا۔ از ناقل)

بہرحال شیخ داعی الی اللہ ہے اسکا مقام بولنے کا ہے اور مرید مقام ارادت میں ہے اسکا کام سننے کا ہے، دونوں کو اپنے وظیفوں کو پورا کرنا چاہیئے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ "ہر مریدے کہ پیشِ پیر چون و چرا کند و شاگردے کہ پیشِ استاذ چوں و چرا نکند ہر دو را بچراگاہ باید فرستاد" جو مرید کہ شیخ کے سامنے چون و چرا یعنی کیوں اور کیسے کرے اور جو شاگرد کہ استاذ کے سامنے چوں و چرا نہ کرے دونوں کو چراگاہ بھیجدینا چاہیئے ــ پہلے جزء کا مطلب تو وہی ہے جو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا یعنی کلام شیخ کو کرنا چاہیئے مرید کو کان اسکی باتوں کی طرف لگانا چاہیئے۔ اگر کلام کرے گا تو کبھی بھی کچھ سیکھ نہیں سکتا ہمیشہ غیر محقق ہی رہ جائے گا۔

اور دوسرے جزء کا یہ مطلب ہے کہ شاگرد کو جب سبق سمجھ میں نہ آئے

تو استاذ سے دریافت کرلینا چاہئے اس وجہ سے کہ اگر نہ خود سمجھے اور نہ عار کی وجہ سے ساتھیوں سے پوچھے اور استاذ سے بھی حیار کی وجہ سے نہ پوچھے تو پھر علم آنے کی کیا صورت ہے؟ تو اسکو حیار وکبر کو ترک کرکے استاذ سے سوال کرنا چاہئے اسلئے کہ شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ جہالت سے شفار سوال ہی سے ہوسکتی ہے اور جب سوال کرنے میں کبر وحیار کرے گا تو اسکو کبھی علم نہیں آسکتا۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں حیار کرنے والا اور متکبر علم نہیں سیکھ سکتا۔

اور میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ یہ حیار محمود نہیں ہے مذموم ہے اور اسکا منشار کبر ہی ہے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ متعلمین کو سوال کرنے کی اجازت ہے خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کئے ہیں اور حضور نے جواب بخوشی مرحمت فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں بہت سے سوالات کو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ آپ سے انفال یعنی غنیمتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ "یہ لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں" اسی طرح يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی نسبت دریافت کرتے ہیں اسی طرح اور بھی متعدد جگہ سوالات کو نقل فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً سوال کی ممانعت نہیں ہے مگر آداب کی رعایت لازم ہے۔ ایسے سوالات جو ضروری ہوں جیسے شاگرد استاذ سے کرسکتا ہے ایسے ہی مرید بھی شیخ سے کرسکتا ہے اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلم و استاذ بھی تھے اور پیر و مرشد بھی تھے، ان سب کے باوجود بھی صحابہؓ نے سوال کیا مگر ہاں جیسے صحابہ سوال کرتے تھے انھیں آداب کی اب بھی رعایت کرنی ہوگی، تعنتؔ اور تکبر کے طور پر کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ چون وچرا کرنے کی اجازت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے

ؔ: عیب جوئی، بحث چھیڑ کرنا۔ دق کرنا۔

کہ جیسے جی چاہے استاذ کے سامنے بکواس کرے۔ استاذ کا مرتبہ بھی کم نہیں ہے وہ قرآن و حدیث کی تعلیم کرتا ہے اس کے معانی و مطالب بیان کرتا ہے تو اسکی بے ادبی کیسے جائز ہوسکتی ہے کہ استاذ کو عاجز کرنے اور اسکو لاجواب کرنے کیلئے سوالات و اشکالات کئے جائیں۔

قرآن پاک ہی میں بعض سوالات سے ممانعت آئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ أَشْیَاءَ الآیۃ (اسے ایمان والو ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم سے ظاہر کردی جائیں تو تمھاری ناگواری کا سبب ہو اور اگر تم زمانۂ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کردی جاویں) حضرت مولانا تھانوی بیان القرآن میں ماقبل سے اسکے ربط کے تحت فرماتے ہیں کہ :۔

اوپر احکام نازلہ میں مخالفت اور تساہل کی ممانعت تھی آگے غیر ضروری امور کی جن میں احکام غیر نازلہ بھی داخل ہیں بلا ضرورت تفتیش اور کھود کرید کرنے سے ممانعت ہے۔

پس مجموعہ سے اطاعت کی تعدیل کا حکم نکل آیا کہ نہ اس قدر تفریط "اور کمی" کرو کہ جن امور کا حکم ہوا ہے اس سے بے پروائی کرنے لگو اور نہ اسقدر افراط "اور زیادتی" کرو کہ جن امور کا حکم نہیں ہوا ہے اور کوئی معتدبہ " یعنی قابل اعتبار" وجہ شبہ کی بھی نہ ہو اسکے پیچھے پڑو۔ جیسے بعض کی اب بھی عادت ہوتی ہے کہ سوالات تراش کر کرا ور تلاش کر کر اور فرض کر کر علماء سے پوچھا کرتے ہیں، عدم ضرورت کے اشتراک سے اسکا مذموم ہونا بھی معلوم ہوگیا اور سبب نزول اسکا صحیحین میں یہ واقعات ہیں کہ بعضے آپ سے پوچھتے کہ میرا باپ کون ہے، چنانچہ ایک شخص کے نسب میں لوگوں کو شبہہ تھا انھوں نے بھی یہ سوال کیا تھا۔ کوئی پوچھتا کہ میری ناقہ گم ہوگئی کہاں ہے ؟ اور جب حج کی فرضیت آپ نے بیان فرمائی تو ایک شخص نے پوچھا کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے ؟ آپ نے تین بار تک سکوت فرمایا پھر ارشاد کیا

اگر میں ہاں کہدیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم سے " ہو نہ سکتا۔ پہلے لوگ بھی یونہی ہلاک ہوئے کہ اپنے پیغمبروں سے پوچھ پاچھ زیادہ کی پھر ان کے خلاف کیا۔ میں جو بتلا دوں عمل کر لیا کرو اور جس چیز سے منع کر دیا کروں باز رہا کرو، یعنی جس امر میں کوئی وجہ شبہ کی نہو اس کو مت پوچھا کرو۔ کیونکہ ایک حدیث میں ہے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کبھی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو حرام نہ تھی پھر اسکے پوچھنے سے حرام ہوگئی۔ رواہ البخاری۔

ان میں جو امور متعلق حرام و حلال کے ہیں اس میں تو مطابق اس حدیث کے انکے جواب میں تحریم کا احتمال ہے اور جو امور از قبیل واقعات ہیں ان میں سے بعض میں احتمال خلاف مرضی جواب آنے کا ہے جیسے سوال نسب میں اور بعض میں احتمال ناگوار زجر و توبیخ کا ہے جیسے سوال ناقہ میں' اور تَسُؤْكُمْ "تمھاری ناگواری کا سبب ہوں" جو آگے آتا ہے ان سب کو شامل ہے اور یہ شبہہ نہ ہو کہ زجر و توبیخ کی صورت میں اِنْ تُبْدَ لَكُمْ " اگر تم سے ظاہر کر دی جاویں" صادق نہ آوے گا کیونکہ اس صورت میں تو ان اشیاء کا اظہار ہی نہیں ہوا کیونکہ اظہار سے متبادر جواب ہے، اصل یہ ہے کہ اظہار سے مطلق جواب ہونا غیر مسلّم ہے بلکہ ان اشیاء کے متعلق کسی امر کا اظہار ہوا اظہار اسکو بھی عام ہے گو وہ زجر ہی کیوں نہو۔ اور احکام میں جیسا یہ سوال بوجہ افراط " اور غلو اور حد سے تجاوز" کے ممنوع ہے واقعات میں یہ سوال موجب تفریط فی الاطاعت والادب " یعنی فرماں برداری اور ادب میں کمی اور کوتاہی کا سبب" بھی ہے چنانچہ بخاری میں یہ بھی ہے کہ استہزاءً پوچھتے تھے پس آیت سب اقسام سوال کو اور سب اقسام جواب کو شامل ہے گو علت نہی کی کہیں افراط ہوگی کہیں تفریط ہوگی اور ناگواری جواب کا احتمال کہیں تحریم سے ہوگا کہیں رسوائی سے اور کہیں زجر سے اور بعد زمانۂ نزول وحی کے ایسے سوالات سے نہی کی علت اضاعت وقت اور مجیب کو ضیق میں ڈالنا ہے۔ (بیان القرآن)

بخاری میں ہے :۔

عن الزهری قال اخبرنی انس بن مالك ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج فقام عبدالله ابن حذافة فقال من ابی فقال ابوك حذافة ثم اکثر ان یقول سلونی فبرك عمر علی رکبتیه فقال رضینا بالله ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی الله علیه وسلم نبیا ۔ فسکت ۔

روایت ہے حضرت زہریؒ سے کہا کہ مجھکو حضرت انس بن مالکؓ نے خبر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکلے پس عبداللہ ابن حذافہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میرا باپ کون ہے ؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا باپ حذافہ ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرمانے لگے کہ پوچھو مجھ سے! اسکو سنکر، حضرت عمرؓ زانو کے بل بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ راضی ہیں ہم اللہ سے باعتبار رب ہونے کے اور اسلام سے باعتبار دین ہونے کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے باعتبار نبی ہونے کے ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے ۔

صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ

قال ابن بطال فهم عمر منه ان تلك الاسئلة قد تکون علی سبیل التعنت او الشك فخشی ان تنزل العقوبة بسبب ذلك

ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے سمجھا کہ یہ سوالات بطور شک اور تعنت کے کئے جا رہے ہیں تو ڈر گئے کہ اسکی وجہ سے کہیں عقوبت "اور عذاب" نہ نازل ہو جائے اسلئے یہ کلمات کہے تو حضورؐ خاموش ہو گئے ۔

تو دیکھئے اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ بطور تعنت اور شک کے سوال کرنا جائز نہیں ہے نہ مرید کو اور نہ شاگرد کو ۔

حضرت مولاناؒ کے پاس ایک رئیس آئے ان کے ساتھ ایک مولوی صاحب بھی تھے رئیس صاحب نے حضرت کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا چونکہ حضرت ابتدا میں ہدیہ قبول نہ فرماتے تھے انکار فرمایا تو ان مولوی صاحب نے جو ساتھ آئے تھے

کہا کہ حضرت یہ آپ کو بہت مانتے ہیں نام آجاتا ہے تو رونے لگتے ہیں' انھوں نے سفارش کی تو حضرتؒ نے قبول فرمالیا' ابھی حضرت کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ رئیس صاحب نے کوئی سوال کیا حضرت نے جواب دیا تو انھوں نے کہا کہ فلاں رسالہ میں تو یہ لکھا ہے پھر ایسے ہی کوئی سوال کیا' حضرت کے جواب دینے پر پھر ایسی ہی کوئی بات کہدی تو حضرت کو ناگوار ہوا اور فوراً تپائی سے روپیہ نکال کر انکی طرف پھینکدیا اور فرمایا کہ یہی آپ کو بلا رہا ہے اب جتنا چاہئے سوال کیجئے وہ بہت ہی شرمندہ ہوئے۔

اسی طرح بعض مرتبہ شاگرد کے بے باکی سے سوال کرنے سے استاذ کو سخت انقباض " ناگواری وتکدر " ہوجاتا ہے اور پھر علم اسکو نہیں آتا چنانچہ ایسا بہت ہوتا ہے۔ استاذ کے سامنے نہایت ادب واحترام سے رہنا چاہئے جبھی کچھ حاصل ہوسکتا ہے ورنہ وہ سکھلائے گا ہی نہیں' خالی کا خالی رہ جائیگا۔

چنانچہ حضرت مصلح الدین سعدیؒ نے بوستاں میں بہت عمدہ قصہ نقل فرمایا ہے۔ خاص طور سے طلبہ سنیں اور سمجھیں:۔

حکایت اندر محرومئ خویشتن بیناں

(یہ حکایت خود بینوں کی محرومی کے بیان میں ہے)

یکے در نجوم اندکے دست داشت ولیک از تکبر سرمست داشت

سوئے کوشیار آمد از راہِ دور دلے پُر ارادت، سرے پر غرور

ایک شخص علم نجوم کی معمولی شد بد رکھتا تھا لیکن (اتنے ہی سے) تکبر کی وجہ سے سرمست تھا' دور دراز سے کوشیار کی خدمت میں آیا اس حال میں کہ دل تو ارادت " وعقیدت " سے بھرا ہوا تھا مگر سر پُر غرور تھا۔ مطلب یہ کہ چاہتا تو تھا کہ علم ان سے حاصل کرلوں مگر شرط اول جو جھکاؤ اور انکسار ہے اسکو اختیار نہیں کرنا چاہتا تھا ایسے لوگ بہت ہیں کہ آتے ہیں مگر آداب وشرائط کا قطعاً لحاظ نہیں کرتے ، بھائی جب کسی جگہ ہو تو اسکی باتوں کی طرف کان لگاؤ جب اپنے کو کامل سمجھ لوگے تو سیکھو گے کیا؟ اور پھر آتے ہی کیوں ہو۔

خردمند از و دیدہ در دوختے یکش حرف خدمت نیاموختے

ہوشیار (یعنی کوشیار) اس سے آنکھ سی لیتا تھا یعنی اس سے تغافل و اعراض کرتا تھا اور علم کا ایک حرف بھی اسکو سکھاتا نہیں تھا۔ (ایسا آدمی سیکھ ہی کیا سکتا ہے جبکہ استاذ نہ سکھائے اور استاذ کو ناراض کئے رہے)

چو بے بہرہ عزم سفر کردہ باز بدو گفت دانائے گردن فراز

تو خود را گماں بردۂ پُر خرد انائے کہ پُر شد دگر چوں پُرد

جب اس نے بغیر کچھ حاصل کئے ہی واپسی کے سفر کا ارادہ کیا تو اس سے عالی مرتبت دانا نے کہا کہ تم نے اپنے کو "پُرخرد" اور بہت "دانا وعقلمند" گمان کیا۔ اس لئے محروم اور کورے کے کورے رہ گئے" جو برتن پُر ہوگیا دوبارہ کیسے پُر ہو سکتا ہے۔

ز دعوٰی تہی آئے تا پُر شوی تو از خود پُری زاں تہی میروی

تم دعوی سے خالی ہو کر آؤ تاکہ پُر ہو کر جاؤ، تم تو خود پہلے سے پُر ہو (تکبر سے) اس لئے خالی جا رہے ہو۔

دیکھئے استاذ نے استاذی کا حق ادا کر دیا اور بہت بڑی بات بتلا دی اور محرومی کے سبب سے آگاہ کر دیا اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ بیوقوف اپنے یہاں جاکر کہتا کہ انھوں نے کچھ سکھایا نہیں تو بتلا دیا کہ میرا قصور نہیں بلکہ محرومی کے سبب تمھیں ہو۔

نصیحت کے طور پر سعدی صاحبؒ آگے فرما رہے ہیں ؎

ز ہستی در آفاق سعدی صفت تہی گرد و باز آئے پر معرفت

اطراف عالم میں اپنی خودی سے خالی ہو کر پھرو تو پُر معرفت ہو کر واپس ہوگے

ہر کجا پستی است آب آنجا رود

جہاں کہیں نشیب اور پستی ہوتی ہے پانی بہہ کر وہاں پہونچ ہی جاتا ہے۔

سعدی صاحبؒ اسی حکایت سے اوپر والی حکایت میں فرماتے ہیں کہ ؎

ترا کے بود چوں چراغ التہاب کہ از خود پری ہمچو قندیل آب

تم کو چراغ کی طرح روشنی کب میسر ہو سکتی ہے۔ چراغ تو تیل سے روشن ہوتا ہے تو، جبکہ تم خودی سے پُر ہو جیسے قندیل پانی سے یعنی ظاہر ہے کہ جو قندیل پانی سے پُر ہوگا وہ کیسے روشن ہو سکتا ہے؟ اسی طرح آدمی کے اندر جب خودی ہے تو اسکے اندر پانی بھرا ہوا ہے روغن نہیں ہے تو پھر کمال کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

پس اب خلاصہ کے طور پر سنیئے کہ جیسے مریدین کو ادب احترام اور غیر ضروری سوالات سے احتراز لازم ہے، ویسے ہی شاگردوں کے لئے بھی۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ آجکل کے طلبہ تو آزاد ہو گئے ہیں اپنے استاذوں کے مقابل ہو گئے ہیں انکو ڈھیل دی جائیگی تو بے باک ہی ہو جاویں گے اور غیر ضروری سوالات سے پریشان کر دیں گے۔

اب آتا جاتا کچھ نہیں عبارت تک درست نہیں ہوتی مگر عاجز کرنے کیلئے سوالات کرتے ہیں یہ کس قدر بُرا ہے اور جن ضروری سوالات کی اجازت شاگردوں کو ہے مریدین کو بھی ہے جیساکہ صحابہؓ نے کیا ہے خوب سمجھ لیجئے۔

اور یہ بھی سمجھئے کہ استاذ اور شیخ سے غیر ضروری سوالات کی ممانعت کسقدر ہو گی جبکہ نفسِ کلام ہی سے جو فائدہ سے خالی ہو منع کیا گیا ہے اور لایعنی باتوں سے سختی سے روکا گیا ہے اور حفظ لسان کی تاکید قرآن و حدیث میں کی گئی ہے جیساکہ آپ کو ابھی معلوم ہوا۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

خزینۃ الحکمت

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کسی نے میری سنت کو اسکے مردہ ہو جانے پر زندہ کیا اسکو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نور سے روشن اور منور کرنے گا جو اندھیروں میں مسجد کی طرف جاتے ہیں (۳) حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے تمام غموں کو ایک غم یعنی غمِ آخرت بنا دے گا اللہ تعالے اسکے تمام غموں کو دور کر دیگا۔

ان ہی بزرگ کا یعنی مولانا مظفر حسین صاحبؒ کا قصہ ہے انھوں نے دیکھا کہ ایک پہلوان مسجد میں آیا اور غسل کرنا چاہتا تھا مؤذن نے اسے ڈانٹا اور کہا نماز کے نہ روزے کے مسجد میں نہانے کے لئے آجاتے ہیں ان بزرگ نے ڈانٹنے والے کو منع کیا اور خود اسکے نہانے کے لئے پانی بھرنا شروع کر دیا اور اس سے کہا کہ ما شاء اللہ تم تو بڑے پہلوان معلوم ہوتے ہو ویسے تو زور ہمت کرتے ہو ذرا نفس کے مقابلے میں بھی تو زور کیا کرو، نفس کو دبایا کرو اور ہمت کر کے نماز پڑھا کرو، پہلوانی تو یہ ہے، بس وہ شخص پانی پانی ہوگیا اور بہت شرمایا اسی وقت سے نماز کا پابند ہوگیا۔

اسی طرح ان ہی مولوی صاحب کا قصہ ہے کہ انھوں نے ایک رئیس سے کہا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ انھوں نے کہا کہ نماز تو پڑھ لیں مگر وضو کی تیخ ایسی ہے کہ ہمارے بس کی نہیں بار بار ڈاڑھی کو اتار کر کون چڑھائے یہ رئیس ڈاڑھی چڑھانے کے عادی تھے مولوی صاحب نے کہا آپ بے وضو نماز پڑھ لیا کریں۔ مگر پابندی کے ساتھ پڑھئے، رئیس نے کہا کہ بے وضو نماز پڑھنے سے گناہ تو نہ ہوگا؟ فرمایا آپ بے فکر رہیں اگر گناہ ہوگا تو مجھے ہوگا آپ تو میرے کہنے سے پڑھیں گے۔ اب کیا تھا مجبوراً نماز شروع کرنا پڑی، اور مولوی صاحب کی یہ برکت تھی کہ اول ہی وقت یہ بات خیال میں آئی کہ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ بے وضو نماز نہیں ہوتی یہ تو انکی شفقت تھی کہ مجھکو راہ پر لگا دیا اور قطع حجت کے لئے یہ گنجائش دیدی تو بے وضو پڑھنے کی نوبت نہیں آئی اور خود مولوی صاحب کو بھی یہی مقصود تھا اور ان رئیس کے فہم پر اعتماد تھا تو وہ گنجائش صرف صورۃً تھی حقیقتاً نہ تھی۔ پھر جب بار بار ڈاڑھی چڑھانے میں دقت معلوم ہوئی ڈاڑھی بھی چھوڑ دی۔ بس اہل اللہ میں اسقدر شفقت ہوتی ہے کہ خلق خدا کو اولاد کے برابر اور بھائیوں کے برابر سمجھتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھو کہ غیروں سے ہرگز سختی نہ کرو ہاں جس پر تمھاری حکومت ہو اس کے ساتھ سیاست سے کام لو

ہر جگہ سختی نہ کرو یہ شفقت ہی کا اثر ہے کہ اسلام اس قدر پھیلا۔

حقانیت اسلام چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کے متعلق ارشاد ہے وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ یعنی اگر آپ بدگو اور سخت طبیعت ہوتے تو کوئی بھی آپ کے پاس نہ پھٹکتا سب ادھر ادھر بھاگ جاتے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ آپ کے پاس مسلمانوں کا بہت اجتماع تھا تو معلوم ہوا کہ آپ بہت تندخو اور سخت نہ تھے جیسا کہ تاریخ سے بخوبی ثابت ہے۔ یہ وجہ ہے اجتماع کی اور حیرت ہے کہ آجکل بعض لوگ تاریخ کو بھی نہیں دیکھتے اور بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا اسکا جواب مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے خوب دیا تھا کہ شمشیر کے لئے شمشیر زن کہاں سے آئے تھے اگر وہ شمشیر زن بھی بزور شمشیر آئے تھے تو یہ سلسلہ تسلسل کو مستلزم ہے لامحالہ کہیں نہ کہیں کہنا پڑے گا کہ شمشیر زنوں میں اسلام بلا زور شمشیر آیا تھا۔ جب کچھ لوگوں میں اسلام بلا زور شمشیر آیا تو اوروں میں اس طرح آنے سے کون چیز مانع ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا۔ اسلام تو اصلاح کے لئے ہے اور تلوار دفع شر کے لئے ہے نہ کہ اصلاح کے لئے جہاد سے اشاعت اسلام مقصود نہیں بلکہ حفاظت اسلام مقصود ہے لوگ ان دونوں میں فرق نہیں سمجھتے اس لئے خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں جن لوگوں کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے بزور شمشیر اسلام پھیلا ان کے حالات دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام تلوار سے پھیلا یا اپنی پاکیزہ تعلیم سے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے سردار تھے ایک جگہ جنگ میں عیسائیوں سے عارضی صلح ہوئی ایام صلح میں لشکر اسلام کے ایک سپاہی کے ہاتھ سے ان کے بادشاہ کی تصویر کی آنکھ پھوٹ گئی عیسائیوں کو سخت ناگوار ہوا، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اسوقت تو مسلمانوں کا پلہ ہر طرح سے غالب تھا یہ ممکن تھا کہ سماعت بھی نہ کرتے بلکہ اس تصویر کو بھی اکھاڑ کر پھینک دیتے مگر اسلامی تعلیم کا اثر دیکھئے کہ انھوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور کہا کہ ہم نے قصداً ایسا نہیں کیا اور ہم اس کا

بدلہ دینے کو تیار ہیں، حضرت ابو عبیدہؓ کھڑے ہو گئے کہ اس تصویر کے بدلے تم میری آنکھ پھوڑ لو، بس فوراً ہی مخالفوں کی گردنیں جھک گئیں یہ اخلاق تھے جنھوں نے اسلام کو پھیلایا اور آنکھیں بند کرکے تو جسکا جو جی چاہے کہہ لے۔ میں کہتا ہوں کہ تلوار کے زور سے اسلام اگر پھیلایا بھی جائے اور بزور کسی کو مسلمان بھی کیا جائے تو اسکا اسلام ایسا ہونا چاہئے کہ تلوار ہٹتے ہی نذارد ہو جائے، وہ کون چیز تھی جو تلوار ہٹنے کے بعد بھی اسلام کو قلوب میں برقرار رکھتی تھی وہ اسلام کی حقانیت ہی تھی کہ ایک دفعہ کلمہ پڑھنے کے بعد جان جاتی رہے مگر اسلام نہیں چھوٹ سکتا اور پھیلانے کا ذریعہ اخلاق تھے جس کا نمونہ مولانا مظفر حسین صاحبؒ کے بعض واقعات سے معلوم ہوا ہے۔ انہی بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ راستہ میں ایک بڈھے کو دیکھا کہ بوجھ سر پر لئے ہوئے آرہا ہے اور تھک گیا ہے آپ سے نہ رہا گیا اس سے کہہ سن کر اسکا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیا حالانکہ خود بھی جوان نہ تھے اس نے کہا بھی کہ میاں جی تم بھی بڈھے ہی ہو، کہا اول تو میں تجھ سے کم بڈھا ہوں دوسرے تازہ دم ہوں اسکا بوجھ لئے دور تک چلے گئے اور اس سے باتیں کرتے رہے، اس نے کہا میں مولوی مظفر حسین سے ملنے کا بہت مشتاق ہوں سنا ہے آجکل ادھر آئے ہوئے ہیں انھوں نے کہا ہاں میں ان سے ملا دونگا یہاں تک کہ جب اسکے گاؤں میں پہنچ گئے وہاں پہنچ کر پھر اس نے کہا کہ بھائی یاد رکھیو مجھکو مولوی مظفر حسین سے ضرور ملوائیو اس وقت فرمایا کہ مظفر حسین تو میں ہی ہوں وہ نہایت شرمندہ ہوا اور انکے قدموں میں لوٹنے لگا مولانا نے کہا بھائی ایسی شرمندگی کی کیا بات ہے ایک مسلمان کا کام کر دیا تو کیا ہو گیا؟ اور انہی مولانا کی حکایت ہے جو بالکل اسکی مصداق ہے ؎

شنیدم کہ مردان راہِ خدا ۔ دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود این مقام ۔ کہ با دوستانت خلافست و جنگ

(یعنی میں نے سنا ہے کہ مردانِ راہ خدا نے دشمنوں کے دل کو بھی رنجیدہ نہیں کیا ہے

تجھ کو یہ مرتبہ کب حاصل ہو سکتا ہے اسلئےکہ دوستوں کے ساتھ بھی تیری لڑائی اور ان سے مخالفت ہے)

ایک قصبہ ہے بیڈولی کسی سفر میں مولانا وہاں پہنچے اور سرائے میں ٹھہرے وہاں ایک مہاجن بھی مع اپنے لڑکے کے ٹھہرا ہوا تھا لڑکے کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے اس نے مولانا سے سب پتہ وغیرہ پوچھا جیسے مسافر آپس میں پوچھتے ہیں کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جائیں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں صبح کو فلاں جگہ جاؤں گا چنانچہ مولانا شب کو تہجد پڑھکر منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے اس بنئے کی جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ لڑکے کے ہاتھ میں کڑے ندارد، مولانا نہایت غریبانہ حالت میں رہتے تھے بنئے نے خیال کیا کہ ضرور وہی غریب سا آدمی جو یہاں ٹھہرا ہوا تھا کڑے اتار کر لے گیا اس نے پتہ تو مولانا سے پوچھ ہی لیا تھا بس اٹھکر سیدھے اسی طرف کو ہولیا مولانا جا ہی رہے تھے کہ بنئے نے آواز دی، حضرت نے فرمایا کہ بھائی کیوں کیا ہے اس نے پاس جاکر ایک گھونسہ لگایا اور کہا کڑے لیکر چلے آئے اور کہتے ہیں کیا ہے؟ چلو تھانہ کو، اسی حضرت نے جی میں کہا کہ تو کیوں ایسی حالت میں رہتا ہے جو اسکا تیری طرف ایسا خیال ہوا تیرا علاج یہی ہے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ بھائی چل! چنانچہ چلتے چلتے جھنجھانہ کے قریب آئے تھانہ آبادی کے باہر تھا، تھانہ دار مولانا کا معتقد تھا جوں ہی حضرت مولانا کو دور سے دیکھا سروقد تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا اب تو بنیا گھبرایا اور سمجھا یہ کوئی بڑے آدمی ہیں، مولانا نے فرمایا ڈرو مت بیں تجھے کچھ نہ کہنے دوں گا چنانچہ تھانہ دار نے جب اس کی خبر لینی چاہی تو مولانا نے کہا اگر اس سے کچھ بھی کہو گے تو مجھے سخت تکلیف ہوگی اور بنئے سے کہدیا جا بھاگ جا بھاگ جا پھر مولانا فرمایا کرتے تھے مجھے اس واقعہ سے بڑا نفع ہوا جب لوگ مجھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور ہاتھ چومتے ہیں تو میں خیال کرتا ہوں کہ مظفر حسین اللہ پاک کا تجھ پر بڑا فضل ہے کہ تجھے ان لوگوں کی نظر میں معزز بنا دیا ہے ورنہ

تیری حیثیت تو وہی ہے جو اس بنئے کی نظر میں تھی، یہ ہیں اخلاق اہل اللہ کے!
یہ ہے تواضع کہ دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ (دشمنوں کے دل کو بھی رنجیدہ نہیں کیا
کتاب میں تو پڑھا ہی ہوگا مگر یہ اسکی نظیریں اس زمانہ تک موجود ہیں۔

عزت کی قیمت اب تو کسی کو ایک سخت لفظ کہد دینے سے توہین کی نالش ہوتی ہے کہ میری ہتک عزت (بے عزتی) کی گئی ایک لاکھ روپیہ معاوضہ دلایا جائے آجکل ان چیزوں کی بھی قیمت مقرر ہوگئی ہے جو متقوم (قیمت والی) نہیں، بس بات یہ ہے کہ ہر طرح روپیہ کی کمائی چاہئے روپیہ ایسا مقصود بالذات ہوا ہے کہ ہر چیز کا عوض بن سکتا ہے۔ عزت کا عوض بھی روپیہ ہوگیا، کیا ادنیٰ چیز کو عزت کا عوض بنایا! حالانکہ عزت تو بے بہا (بیش قیمت) چیز ہے کیونکہ وہ عظمت خداوندی کی ایک جھلک ہے اسکو بھی اہل اللہ ہی سمجھ سکتے ہیں کہ عزت کی قیمت کیا چیز ہے مگر آجکل یہ مذاق ہوگیا ہے کہ مال کو عزت کی قیمت اور عوض بناتے ہیں، ایک مذاق تو یہ ہے اور اہل تحقیق کا دوسرا مذاق ہے کہ انھوں نے ایک اور چیز کو اسکا عوض سمجھا، وہ عوض یہ ہے کہ اس سے صفت تواضع کی تکمیل ہوگئی اور اس میں یہ فائدہ سمجھے کہ پھر انکو ہاتھ دانتوں چوسنے سے عجب[1] نہ ہوگا یہ کسقدر گراں بہا" اور قیمتی" چیز ہاتھ آئی یہ نعمت ملنا کس قدر رحمت خداوندی ہے، اور جب مال عزت کی قیمت بن سکتا ہے تو رحمت خدا اسکی قیمت کیوں نہیں بن سکتی رحمت خدا تو بڑی چیز ہے۔ بس دونوں مذاقوں میں فرق یہ ہے کہ آپ لوگ تو مال ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور وہ رحمت خدا کو سب کچھ سمجھتے ہیں، انکی عزت تو ایسی ہے کہ مال کی کوئی مقدار بھی اسکا عوض نہیں بن سکتی اور رحمت خدا اتنی بڑی ہے کہ اسکا قلیل جزو بھی بڑی سے بڑی عزت کا عوض بن سکتا ہے اسلئے انھوں نے اسکو کافی معاوضہ سمجھا اس واسطے اور کوئی تدارک نہیں کیا بلکہ اگر کوئی تدارک کرتے ہوئے یہ خوف تھا کہ وہ معاوضہ نہ جاتا رہے تو اب اسکی مثال ایسی ہوگی کہ ایک بچہ کے ایک پتھر ماریں پھر اسکو راضی کرنے کے لئے ایک پیسہ

---

[1] خود پسندی، ناز و غرور

اور ایک اشرفی اسکے سامنے رکھدیں اور اس سے کہدیں کہ ان دونوں میں سے ایک لے لو تو میں اب پوچھتا ہوں کہ اسکی عقلمندی کس صورت میں ہے؟ جس شخص نے کبھی اشرفی نہیں دیکھی وہ تو یہ رائے دیگا کہ پیسہ لے لو کیونکہ پیسہ کام کی چیز ہے اسکی جلیبی آسکتی ہے اور اشرفی اور ٹھیکرا اسکے نزدیک برابر ہے اور جس نے اشرفی دیکھی ہے وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ پیسہ لے لے، وہ تو یہی کہیگا کہ ایسے ایسے صدہا پیسہ اور بھی دے کر اشرفی مل جائے تو مت چھوڑنا۔ سو آج لوگوں کی نظر پیسے پر ہے کیونکہ پیسہ دیکھا ہے اشرفی کبھی دیکھی ہی نہیں، جب گریں گے پیسہ ہی پر گریں گے۔

صاحبو! رحمت خدا وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے لوگوں نے سلطنتیں چھوڑ دیں پیسہ اور روپیہ کیا چیز ہے ایک خُلق حَسن (اچھی عادت) کا حاصل ہونا بندگانِ خدا کے نزدیک دنیا اور مافیہا سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ ان کو ایک گھونسہ کھانے کے بعد یہ عوض مل گیا تو کیسے ممکن تھا کہ وہ اسکو کھو دیتے اور اس سے بدلہ لے لیتے بلکہ وہ اسکے ممنون احسان ہوئے ہوں گے۔ دنیا کچھ کہا کرے انکی نظر حق تعالیٰ کیطرف ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کو اچھا لگے وہی انکے نزدیک اچھا ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ تواضع ایک صفتِ حَسن ہے اور نہایت ضروری کیونکہ مقابل کبر کا ہے اس کو جس طرح ممکن ہو حاصل کرنا چاہئے۔ مبتدی کے لئے اسکی تحصیل کا طریقہ یہی ہے کہ بہ تکلف وہ افعال کئے جاویں جو عرف کے خلاف ہوں، بازار سے سودا خود خرید لایا کرو، آجکل یہ بھی امیری کا جزو ہو گیا ہے کہ اپاہج بنے بیٹھے رہو اور تکلیف اٹھاؤ مگر خود سودا خریدنے بازار نہ جاؤ۔ اور امیر تو امیر معمولی آدمی بھی اس کے عادی ہو گئے ہیں جس کے نتائج سے خود بھی نالاں ہیں اور زیر باری کے مارے مرے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خرچ پورا نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے مال حرام لینا پڑتا ہے۔ صاحبو! یہ کیا خرافات ہے چھوڑو ان تکبر کی رسموں کو، یہ عادت خود شریعت کے بھی خلاف ہے بازار میں جانا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ خود قرآن شریف

میں موجود ہے مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ (اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے) اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازار جایا کرتے تھے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بازار جانے پر اعتراض کرنا مسلمانوں کا کام نہیں کیونکہ اسکو حق تعالیٰ نے مقولہ کفار کا بتلایا ہے اور کفار کی سی عادتیں اختیار کرنا اور انکی باتیں کہنا معمولی بات نہیں کیونکہ آدمی کو جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے اسی کی بات کی تقلید کیا کرتا ہے اور حدیث شریف میں آچکا ہے کہ "آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہوگی" چنانچہ ارشاد ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس کے افعال کی تقلید کیجائیگی قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا، اب آپ سوچ لیجئے کہ یہ معمولی بات ہے یا خطرناک ہے۔

خدا کا حق صاحبو! اسکو معمولی بات نہ سمجھئے گو دیکھنے میں یہ ذرا سی بات ہو لیکن بہت بڑی بات ہے۔ علاوہ تقلید کفار کے اسکا دوسرا منشا کبر ہے جسکی نسبت حق تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں اَلْعَظَمَةُ اِزَارِيْ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ مَنْ نَازَعَنِيْ فِيْهِمَا قَصَمْتُهٗ (عظمت میرا تہبند اور بڑائی میری چادر ہے جو کوئی ان دونوں کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرے گا میں اسکی گردن توڑ دونگا) یعنی عظمت اور بڑائی میری خاص صفت ہے جو کوئی اس میں میرا شریک بننا چاہیگا میں اسکی گردن توڑ ڈالونگا۔

مولانا محمد مظہر صاحبؒ نانوتوی کا قصہ ہے کہ حجام خط بنانے کو آیا تو مولانا اس وقت چارپائی پر پائنتی کی طرف بیٹھے تھے مولانا نے سرھانے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بھائی بیٹھ جا اس نے سرھانے بیٹھنے سے انکار کیا، مولانا نے فرمایا کہ تو کھڑا ہے تیرے ساتھ سب جگہوں کی برابر نسبت ہے پھر تو خالی جگہ میں نہیں بیٹھتا اور میں بیٹھا ہوا ہوں مجھے کیا ضرورت ہے کہ بیٹھا ہوا اٹھوں حجام نے عرض کیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ سرہانے بیٹھوں۔ مولانا نے فرمایا کہ

پھر بھائی جب تو مجھے سرھانے بیٹھا دیکھے اس وقت آکر خط بنا دیجیو۔ آخرکار لوگوں نے کہا کہ بھائی تو حجامت بنا بھی دے، یہ تو اٹھیں گے نہیں۔ اب تو یہ حالت ہے کہ سرھانے بٹھانا کیسا اگر حجام السلام علیکم بھی کہے تو جوتیاں پڑیں۔ حجام کو سرھانے بٹھانا تو بڑوں کا کام ہے ہر شخص سے اتنا نہیں ہو سکتا مگر جن باتوں میں شریعت نے سب کو برابر رکھا ہے ان میں تو حدود شرعیہ کے اندر رہنا چاہیئے جیسے سلام و مصافحہ وغیرہ کہ ان امور میں شریعت نے چھوٹے بڑے میں تفصیل نہیں کی ان میں اپنی طرف سے فرق کرنا گویا شریعت میں اصلاح دینا ہے جس کا اصل منشا تکبر ہے، مثلاً جماعت میں چھوٹوں کے ساتھ کھڑے ہونے سے عار نہ کرنا بعض لوگ مسجد میں نماز اسلئے نہیں پڑھتے کہ گھٹیا لوگوں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا یہ کیا خرافات ہے ان کو چاہیئے کہ پھر اس دنیا میں نہ رہیں جہیں گھٹیا لوگ آباد ہیں اور قیامت کے دن اس جنت میں بھی نہ جاویں جس میں گھٹیا لوگ "غربا" جاویں گے بلکہ امرا سے زیادہ جاویں گے۔ کچھ حد ہے اس خودداری کی؟ آجکل ایسا مذاق بگڑا ہے کہ ایک حکیم صاحب کے بچے نے انکی گود میں ہم لوگوں کے آنے کے وقت کہا السلام علیکم تو اس پر اسکو سرزنش کی گئی کہ آداب عرض کہا کرو۔ شریعت کا مقابلہ تو دیکھئے! جی تو چاہتا تھا کہ یوں کہو کہ خدا کی مار ہو اس تعلیم کرنے والے پر مگر خیر بجائے اسکے یہ کہتا ہوں کہ خدا کی سنوار ہو۔ اللہ اصلاح کرے۔

شریعت نے صیغہ سلام میں چھوٹے بڑے میں کچھ تفصیل نہیں کی ہاں لہجے میں فرق ہونا چاہیئے یہ تو توقیر کبیر میں داخل ہے جس کی تعلیم شریعت میں ہے جس کی ایک جز (بڑے کی تعظیم) یہ بھی ہے کہ چھوٹا بڑے کے سامنے دبی آواز سے اور نیازمندانہ لہجے سے بولے۔ اور کچھ سلام ہی پر موقوف نہیں ہر قسم کے کلام میں اسکا خیال رکھے۔

(جاری)

(۹۰۸) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا یہ قول مجھے بہت ہی پسند ہے کیونکہ میرے مذاق کے موافق ہے وہ یہ کہ تحمل سے زیادہ کبھی اپنے ذمہ کام نہ لے چنانچہ ایک صاحب نے مولانا کے کسی مہمان سے بستر کیلئے پوچھا تو معلوم ہونے کے بعد فرمایا کہ اگر اس کے پاس نہوتا تو تم کہاں سے دیتے اور اگر ایک دو بستر کہیں سے لا بھی دیئے تو اگر بہت سے مہمان آئے اور کسی کے پاس بھی بستر نہ ہو تو سب کے لئے کہاں سے لاؤگے خبردار جو کسی سے بستر کے لئے پوچھا۔

(۹۰۹) فرمایا کہ آدمی سب کو خوش رکھ نہیں سکتا جب ہر حال میں اسپہ برائی آتی ہے پھر اپنی مصلحت کو کیوں فوت کرے جس کام میں اپنی مصلحت اور راحت دیکھے بشرطِ اذن شرعی وہی کرے کسی کی بھلائی برائی کا خیال نہ کرے۔

(۹۱۰) فرمایا کہ ایک بزرگ تھے انھوں نے حق تعالیٰ سے دعا مانگی کہ جتنی روزی میری قسمت ہو وہ سب ایکدم سے مجھے دیدیجئے تھوڑی تھوڑی نہ دیجئے ارشاد ہوا کہ تمھیں یقین نہیں ہمارے وعدہ پر؟ عرض کیا یقین تو ہے مگر وعدہ مبہم ہے ملیگا تو لیکن یہ متعین نہیں کہ کب؟ شیطان مجھے بہکاتا ہے کہ جانے کے دن میں ملے؟ اگر ہفتہ بھر تک نہ ملے تو تمھارا ہوجائیگا قلیہ! اگر آپ مجھے ایکدم سے دے دیں گے تو میں کوٹھری میں بھر کر رکھ چھوڑوں گا جب شیطان مجھ سے پوچھے گا کہ کہاں سے کھائے گا میں کہدونگا اس کوٹھری سے۔ تو بزرگوں نے اپنے ضعف کی ایسی ایسی تدبیریں کی ہیں۔ پس یاد رکھنے کی بات ہے کہ ضعف وقوت امور طبعیہ سے ہیں ولایت میں انکو دخل نہیں۔

ولایت کہتے ہیں اطاعت اور عبدیت کو، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو سال بھر کا خرچ ایک ساتھ دیکر ظاہر فرمایا کہ سال بھر

تک کا خرچ ذخیرہ رکھنا اعلیٰ سے اعلیٰ توکل کے بھی خلاف نہیں۔
(۹۱۱) فرمایا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو زہد میں بہت مبالغہ تھا یہاں تک کہ ہارون رشید بادشاہ کے یہاں کے رقعہ کو ہاتھ سے نہیں چھوا تھا دور سے لکڑی سے الٹ کر کھولا تھا وہ ہم لوگوں کے لئے فرما گئے ہیں کہ جس کے پاس درہم ہوں اسکو چاہیئے کہ وہ انکی قدر کرے کیونکہ اب وہ زمانہ ہے کہ جب آدمی کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو اسکی اول مشق دین پر ہوتی ہے دوسرے یہ کہ اگر ہمارے پاس مال نہ ہوتا تو اُمراء ہم کو دستمال کر دیتے۔
(۹۱۲) فرمایا کہ اسباب میں بالاجماع حکمتیں ہیں چنانچہ مثنوی شریف میں ایک حکمت یہ بیان کی ہے کہ اسباب کے ذریعہ مسبب الاسباب پر نظر کرو۔ پس اس طرح یہ اسباب موصل الی اللہ ہو جائیں گے کیونکہ مصنوع اپنے صانع کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت عطاء سکندری نے اپنی کتاب تنویر میں بالکل اسباب کو مٹا دیا ہے لیکن پھر بھی اسباب کی تکوین" و ایجاد " میں مصلحت ثابت کی ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ اسباب کو حق تعالیٰ نے اس لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ بندہ اسباب کو اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ انکو توڑے اور کچھ نہیں تو اسباب میں یہی ایک نفع سہی
(۹۱۳) اس اعتراض کا ذکر تھا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے، فرمایا کہ مولانا قاسم صاحب نے خوب لطیف جواب دیا تھا کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ شمشیر زن کہاں سے آئے تھے کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک دو شمشیر زن تو بزور شمشیر اسلام کو عالم میں پھیلا نہیں سکتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ شمشیر زنی اصل علت اشاعت اسلام کی نہیں بلکہ اصل علت اور ہی ہے جس سے شمشیر زن پیدا ہوئے وہ حقیقت میں تو تائید حق ہے اور ظاہری سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ہیں۔

(۹۱۴) ایک صاحب نے اپنے والد کو بھی حضرت کی خدمت میں آنے کی ترغیب دی، اس پر فرمایا کہ دین تو مطلوب ہونا چاہیے کیوں کسی کے درپے ہوں۔ اجی تبلیغ اور اعلام تو ضروری ہے باقی درپے ہونا اور پیچھے پڑنا ضروری نہیں۔

(۹۱۵) فرمایا محقق کی ایک منٹ کی تقریر میں جو اثر ہوتا ہے وہ غیر محقق کے آدھ گھنٹہ کے لکچر میں بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو دیکھی ہوئی کہہ رہا ہے اور یہ یوں ہی ان گڑھ ہانک رہا ہے۔

(۹۱۶) فرمایا کہ سنت کے موافق نکاح میں نورانیت ضرور ہوتی ہے اور یہ بھی بات ہے کہ جتنی سہولت ہوتی ہے اتنی ہی نورانیت قلب میں ہوتی ہے کیونکہ جھگڑا بکھیڑا ہوتا نہیں اسلئے انشراح رہتا ہے اور جہاں طوالت اور جھگڑے ہوتے ہیں وہاں ضرور قلب میں کدورت اور ظلمت ہوتی ہے۔

(۹۱۷) فرمایا کہ ایک ذی علم سے ایک کوتوال نے سوال کیا کہ نبی اور ساحر میں فرق کیا ہے کیونکہ نبی بھی معجزات دکھاتا ہے اور ساحر بھی ایسے ایسے عجیب کرشمے دکھلا سکتا ہے۔ انھوں نے خوب جواب دیا کہ جو ڈاکو سرکاری وردی پہنکر اور کوتوال بنکر ڈاکہ ڈالے تو میں پوچھتا ہوں کہ کوتوال اور ڈاکو میں کیا فرق ہے؟ بس وہی فرق ہے نبی و ساحر میں۔

(۹۱۸) فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ جو تمھارے (اہل باطل کے) نزدیک حق ہو، تم کہو اور جو ہمارے نزدیک حق ہو ہم کہیں۔ خدا جس کو چاہے اثر دے مناظروں سے کوئی نفع نہیں۔ بس یہ چاہیئے کہ جب اہل باطل بکیں تو اپنی الگ کہنے لگیں۔ انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی طریقہ ہے۔ کفار کے جواب میں اتنی مشغولی نہیں کرتے تھے حق کا اعادہ تو بار بار کرتے تھے لیکن جواب کے زیادہ درپے نہیں ہوتے تھے۔

(۹۱۹) فرمایا کہ پہلے بزرگوں میں زبانی وعظ کا کبھی طریقہ نہ تھا مولانا محمد اسحاق صاحب قرآن یا حدیث کی کتاب لیکر وعظ فرماتے تھے اب کوئی ایسا کرے تو عیب سمجھا جاتا ہے کہ کچھ آتا نہیں۔

(۹۲۰) فرمایا کہ میں تو امرار کو مشورہ دیا کرتا ہوں کہ اگر تم کسی نیک کام میں روپیہ لگاؤ تو اگر برکت چاہتے ہو تو غربار کے دو چار پیسے شامل کرلیا کرو اگر ویسے نہ ہو تو مانگ ہی کر شامل کرلیا کرو۔ امرار کے پیسے میں کبھی جو برکت ہے تو غربار ہی کے پیسے شامل ہونے سے ہے، امرار کو احسان مند ہونا چاہئے غربار کا

(۹۲۱) فرمایا کہ میں نے عوارف المعارف میں دیکھا کہ مطالعہ چاہے دینی کتاب کا ہو لیکن اگر اس وجہ سے ہو کہ ذکر اللہ سے جی گھبراتا ہے اس میں جی بہلیگا تو وہ دنیا ہے اور اگر اسلئے ہو کہ حق تعالیٰ کا قرب ہوگا تو وہ البتہ مقبول ہے، یہ عجیب بات لکھی ہے۔

(۹۲۲) ایک صاحب نے جو کسی مدرسہ میں مدرس تھے اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی عیادت کے بارے میں حضرت والا سے دریافت فرمایا تھا کہ جاؤں یا نہ جاؤں؟ یہ تحریر فرمایا کہ چند امور میں غور کرلیجئے اگر سب میں اطمینان ہو جاوے تو جانے میں کیا مضائقہ ہے (۱) مدرسہ کا حرج نہ ہو (۲) مہتمم کو ناگوار نہ ہو (۳) خود مولانا رائے پوری کے قلب پر گرانی و بار نہ ہو کیونکہ بعض اوقات مریض کا دل ملنے کو نہیں چاہتا مگر لحاظ کے مارے اپنی رائے کے خلاف کرتا ہے

(۹۲۳) فرمایا کہ آقا اپنے نوکر کو چار روپیہ دیتا ہے اور کتنا کام لیتا ہے حق تعالیٰ کی کتنی نعمتیں ہیں پھر مطالبہ کچھ بھی نہیں صرف چند چیزوں سے بچنا اور چند چیزیں کرنا۔

(۹۲۴) فرمایا کہ مولانا یعقوب صاحبؒ کا جب انتقال ہوا تو چودہ آدمی انکے گھر کے ان سے پیشتر چند ہفتوں کے اندر اندر مرچکے تھے بڑے صابر تھے

منہ بنائے نہ کوئی بے صبری کی بات منہ سے نکالی ہاں ایک مرتبہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے میں نے سنا کہ یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

جز بہ تسلیم و رضا کو چارۂ در کف شیر نر خونخوارۂ

(اب اپنے آپ کو حوالہ کر دینے اور راضی رہنے کے سوا چارہ کار ہی کیا ہے جبکہ ایک خونخوار شیر نر کے پنجہ میں اسیر ہوں)

(۹۲۵) ایک دیہاتی سے فرمایا کہ دیکھو کسی پر بوجھ ڈالکر اسکے یہاں کھانا پینا نہ چاہئے۔ اس بات کو عمر بھر یاد رکھنا

(۹۲۶) فرمایا کہ اگر کسی کا ایک عیب معلوم ہوتا ہے تو اسی وقت مجھکو دس عیب اپنے پیش نظر ہو جاتے ہیں، کانے پردہ کیا ہنسے جس کی دونوں پٹ ہوں۔

(۹۲۷) فرمایا کہ ذکر و شغل کے دو ثمرے ہیں، ایک تو رضا جو اصل ثمرہ ہے اسکا ظہور تو آخرت میں ہوگا اور ایک ثمرہ دنیا میں حاصل ہو جاتا ہے وہ یہ کہ قلب کو ایک خاص لگاؤ حق تعالےٰ کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ عاشق کے قلب کو معشوق کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا بڑی چیز احکام کی پابندی ہے اسکے لئے میری کتابوں کا مطالعہ بالخصوص اصلاح الرسوم۔ تعلیم الدین۔ قصد السبیل اور میرے کل وعظ۔ بس یہ کافی وافی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۹۲۸) فرمایا کہ جس طرح جو صحبت بدون زوجین کے شہوت کے ہو اس سے نسل نہیں چلتی عورت مرد دونوں کو شہوت ہونی چاہئے چنانچہ توافق انزالین شرط ہے حمل قرار پانے کے لئے اسی طرح بیدلی سے تعلیم کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے بلا شہوت صحبت کرنا۔

(۹۲۹) کسی شخص نے نظر بازی کے مرض کا علاج دریافت کیا فرمایا کہ بجز ہمت و تحمل مشاق کوئی تدبیر نہیں اور معین اسکی دو چیزیں ہیں استحضار عقوبت اور ذکر کی کثرت۔

(۹۳۰) ایک مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر باوجود واقعات جاننے کے کوئی شہادت

نہ دے محض اس خیال سے کہ کچہری میں وکلا وغیرہ تنگ کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ اپنے آپ کو ضرر سے بچانا جائز ہے۔ عرض کیا گیا چاہے دوسرے کا بھلا ہوتا ہو! فرمایا کہ ہمارا جو اپنا برا ہوتا ہے دوسرے کے نفع کے لئے اپنے کو ضرر میں ڈالنے کا انسان مکلف نہیں۔

(۹۳۱) فرمایا کہ خوامخواہ کے اعتراض کا کوئی جواب نہیں جو سمجھنا چاہے اسکو تو سمجھا سکتے ہیں اور جس کو محض اعتراض ہی مقصود ہو اسکو کہدینا چاہئے کہ جاؤ تم یونہی سمجھو

(۹۳۲) فرمایا ایک بدعتی نے مجھ سے کچھ تحریری سوالات کئے میں نے کہا کہ اگر آپ کو تحقیق منظور ہے تو کتابیں موجود ہیں اور اگر معارضہ منظور ہے تو فن مناظرہ سے ہم ناواقف ہیں۔

(۹۳۳) ایک ذاکر صاحب سے فرمایا کہ بڑی بات اصلاح ہے۔ اصلاح کے طریقوں اور اعمال صلاح سے مناسبت ہو جائے یہ بڑی بات ہے۔

(۹۳۴) دعا کی درخواست پر فرمایا کہ میرا کام ہی دعا کرنا ہے جب میں کام میں لگا دیکھتا ہوں خود بخود دل سے دعا نکلتی ہے

(۹۳۵) ایک ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا کہ جب میں حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا تو عجیب جوش وخروش تھا ارادہ تھا کہ پہنچتے ہی حضور کے ہاتھ چوموں گا، اظہار شوق کروں گا، لیکن خانقاہ میں قدم رکھتے ہی وہ کیفیت فرو ہو گئی اور ایک سکون سا ہو گیا، یہاں تک کہ قبل ملنے کے میں نے ہاتھ منہ اطمینان کے ساتھ دھوئے پھر حضور سے ملا۔ فرمایا کہ اوفق بالسنۃ یہی دوسری حالت ہے اور یہی کامل ہے کیونکہ بڑی دولت ہے اتباع سنت وہ پہلی حالت بھی ایک کیفیت محبت کی ہے اور محمود ہے لیکن وہ دوسری اس سے اکمل ہے۔

(۹۳۶) حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جو حضور کی محبت کا جوش وخروش

پیشتر تھا وہ اب نہیں رہا، فرمایا کہ پہلے طبیعت غالب تھی اب عقلیت غالب ہے۔ موجودہ حالت اکمل ہے۔

(۹۳۷) فرمایا واللہ مجھے غلطیوں پر تغیر نہیں ہوتا مگر کیا ہے جس پر تغیر ہوتا ہے؟ ایک بے پروائی پر ایک خود رائی پر۔ باقی غلطی کس سے نہیں ہوتی؟ گناہ تک ہوتے ہیں۔ کیا مجھ سے نہیں ہوتی؟ ہزاروں گناہ سیکڑوں غلطیاں، میں کوئی بچہ نہیں جو ہر غلطی پر گرفت کروں۔ ہاں جن سے بچ سکتا ہے اور پھر محض بے پروائی کی وجہ سے نہیں بچا ان پر تغیر ہوتا ہے۔

(۹۳۸) فرمایا تعلیم کنندہ تو محض بہانہ ہے اصل میں مبدء فیاض ہی سے فیوض و برکات نازل ہوتے ہیں شیخ برائے نام واسطہ ہوتا ہے لیکن طالب کو چاہئے کہ واسطہ کی قدر کرے کیونکہ خدا کی عادت ہے کہ بدون واسطہ کے وہ فیوض و برکات نازل نہیں فرماتے

(۹۳۹) فرمایا کہ بزرگوں میں یہ بات دیکھنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سے کتنا حصہ ملا ہے، اصل چیز یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس درجہ مناسبت ہے اور مناسبت بھی بے ساختگی اور پختگی کے ساتھ، یوں دو چار ذن کو تو سب بن سکتے ہیں۔

(۹۴۰) فرمایا کہ نامشروع شہوت سے تو نقصان ہوتا ہی ہے مشروع شہوت کے افراط میں بھی نقصان ہے، اسواسطے کہ افراط میں نشاط طبیعت کا جاتا رہتا ہے، بزرگوں نے بھی اسکو منع کیا ہے غلو نہیں چاہئے بالخصوص سالک کے لئے سخت مضر ہے خلاصہ یہ کہ نشاط طبیعت کی بہت قدر کرنی چاہئے۔

(۹۴۱) ایک صاحب کو اسی میں کلام تھا کہ نگاہ بد اختیار میں نہیں، فرمایا اصل وجہ یہ ہے کہ نفس سے تکلیف گوارا نہیں ہوتی نگاہ ہٹانے میں الجھن معلوم ہوتی ہے، تکلیف گوارا نہیں کرتے نفس کے ساتھ ہو لیتے ہو۔ تمھارا جو خیال ہے اس سے تو شریعت پر اعتراض لازم آتا ہے کہ اس نے ایسی چیز

کا مکلف کیا ہے جو اختیار میں نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر عورت کی چھاتی پر سوار ہو اور زنا کا مرتکب ہونے والا ہو اس وقت بھی ہٹنا اختیار میں ہے گو مشقت چاہے جتنی ہو کیونکہ اس وقت بھی شریعت اسکو یہی حکم کرتی ہے کہ اس سے باز آؤ۔

(۹۴۲) فرمایا وہ کیا اہل حق ہے جسکی غیر پر نظر ہو! لاحول پڑھئے، خاک ڈالنی چاہئے ایسے خیال پر کہ اپنا مجمع بڑھانے اور قوت پیدا کرنے کے لئے کسی کو مرید کر لیا جاوے۔ جناب اہل حق میں تو وہ قوت ہے کہ اگر عالم بھر میں صرف ایک اہل حق ہو اور باقی سب اہل باطل تو وہ سمجھتا ہے کہ انکی حقیقت ہی کیا ہے میں ان سب پر غالب آسکتا ہوں اور اگر اتنی قوت نہیں تو وہ حق ہی نہیں، چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے جب منکرین زکوٰۃ سے قتال کا قصد کیا تو سب صحابہ رضؓ نے اختلاف کیا کہ مصلحت کے خلاف ہے فتنہ برپا ہو جائے گا یہاں تک حضرت عمر رضؓ بھی اس اختلاف میں شریک تھے، حضرت صدیق نے حضرت عمر رضؓ سے فرمایا کہ جَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ « یعنی حالت کفر میں تو تم اپنے سخت تھے اسلام میں ایسے بودے ہو گئے » جاؤ میں کسی کا انتظار نہیں کرتا، کسی سے میری درخواست ساتھ دینے کی نہیں، مجھے کسی کے ساتھ کی حاجت نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا « یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے » حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں ہی تھا لہٰذا نص قطعی سے ثابت ہے کہ میرے ساتھ خدا ہے۔

جب میرے ساتھ خدا ہے تو مجھے کسی کے ساتھ کی پرواہ نہیں، اکیلا کندھے پر تلوار رکھکر نکلوں گا اور تمام عالم کے مقابلہ کے لئے میں تنہا کافی ہوں خدا میرا ساتھ دے گا۔ یہ سنکر سب دم بخود ہو گئے اور موافقت کر لی۔

(جاری)

(بقیہ مکتوب نمبر ۸۲۸)

حال: جناب کی شفقت سے بہت متاثر ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ۱۸ تاریخ انگریزی کو الہ آباد جا رہا ہوں، اللہ تعالیٰ موٹر کا بندوبست کر دیں تو جناب چلیں! فرمایا کہ میں بالکل تیار ہوں تحقیق: الحمدللہ۔

حال: آج ان شاء اللہ عصر کے وقت مولانا صاحب میرے یہاں آویں گے تو میں اور وہ مولوی ۔۔۔ صاحب کے یہاں جاویں گے اور وہاں حضرت والا کا سلام دونوں حضرات ۔۔۔ سے عرض کردونگا۔ تحقیق: بہتر

حال: کل عشاء کے وقت بھائی ۔۔۔ اور ۔۔۔ بھائی تشریف لائے اور فرمائش کر کے حضرت والا کے تازہ ترین ارشادات سنے دونوں حضرات بہت ہی خوش ہوئے تحقیق: الحمدللہ۔ حال: کہ حضرت والا کے ارشادات سے دین و دنیا دونوں کے حاصل کرنے کی عقل پیدا ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا کریں کہ حضرت والا سے کچھ سیکھیں اور عمل کریں۔ تحقیق: آمین۔

حال: الہ آباد سے روانگی کے وقت جو حضور نے ہمت افزا کلمات اس ناچیز سے ارشاد فرمائے ہیں اس سے اس ناکارہ کی اصلاح خود یوماً فیوماً سرعت سے ہورہی ہے اور وہ اس طرح سے کہ خوش خلقی کو اپنا شعار زندگی بنانے کی دل و جان سے سعی کر رہا ہوں۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: الحمدللہ کہ برکت و خیر اپنی اصلاح میں پاتا ہوں اور کج خلقی سے گریزاں ہوں۔ تحقیق: الحمدللہ۔ حال: اور اللہ تعالیٰ کی پناہ کا جویاں ہوں تحقیق: الحمدللہ۔ حال: حضرت والا کی اعلیٰ درجہ کی شان تربیت کا نقشہ اپنی ہی اصلاح کے سلسلہ میں کھلی آنکھوں دیکھ رہا ہوں۔ الحمدللہ کہ مخلوق سے نظر ہٹتی جاتی ہے اور خالق پر جمتی جاتی ہے تحقیق: الحمدللہ

حال: حضور کا کرم ہے۔ محتاج دعائے تعجیل و تسہیل و تکمیل اصلاح۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں

(مکتوب نمبر ۸۲۹)
ایک جگہ یہ تحریر بھیجی گئی

آپ کے یہاں کے لوگ آتے ہیں اور اپنے حوائج کے دفعیہ کے لئے جانے کے وقت پانی کی بوتلیں پیش کرتے ہیں اور اسکو غایت اعتقاد سمجھتے ہیں۔ اصل میں منشار مصائب کا اور ان تمام امور کا قضا و قدر ہے جو صرف خالق کائنات کے ہاتھ میں ہے اسکی طرف توجہ نکرنا اور اس سے منہ موڑ لینا اور بجائے اسکے ایک مخلوق اور اسکی برکت کا قائل ہونا کس قدر توحید کے خلاف عقیدہ ہے میں کہتا ہوں کہ کیا ہم لوگوں نے قرآن و حدیث اسی لئے پڑھا ہے اور کیا ان کی تدابیر ہم کو انہیں نہیں ملتیں؟ ضرور ملتی ہیں مگر عوام الناس کے عقائد ہم پر حکمراں ہیں، جدھر وہ لے چلتے ہیں ہم چلنے کے لئے تیار ہیں۔ میں آپ لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ کیا میں نے آپ لوگوں کو یہی سکھایا ہے اور کیا آپ نے مجھ سے یہی سیکھا ہے؟ مجھکو ہمیشہ سے یہ امر کھٹکتا تھا آج اسکے اظہار کا وقت آگیا۔ میں نے اظہار کر دیا آپ لوگ اسکے مکلّف ہیں کہ عوام الناس کو ان حقائق سے روشناس کریں اور جلد مجھکو اسکی اطلاع دیں کہ یہ مضمون تم نے صحیح لکھا ہے۔

(مکتوب نمبر ۸۳۰)

حال: عرض یہ ہے کہ دو آدمی مئو کے، ادری میرے پاس آئے ایک خط مجھکو دیا جو مولوی ۔ ۔ ۔ صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا پڑھکر مجھکو دو خوشی نصیب ہوئی ایک تو حضرت والا کی خیریت معلوم ہوئی دوسرے خدمت کا شرف ملا۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: یہ سب حضرت والا کا کرم ہے۔ ہر وقت حضرت والا کے تعلق و محبت و تصور کا غلبہ رہتا ہے، جس کا اثر ہر وقت محسوس کرتا ہے اور قلب پر ہر وقت

ایک تفکر میں پڑا رہتا ہے اور پہلے سے زیادہ اپنے میں اہتمام اور ذوق وشوق پاتا ہے اور جو معمولات پڑھتا ہے اسکا اثر محسوس کرتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: یہ سب حضرت والا کی صحبت بابرکت اور معیت کا فیض ہے۔ تحقیق: بیشک

حال: حضرت والا دعاء فرمائیں۔ تحقیق: دل سے دعاء کرتا ہوں۔

حال: کہ اللہ رب العزت حضرت والا کی کامل محبت اور اتباع کامل نصیب فرمائیں اور دنیا و آخرت دونوں جگہ حضرت والا کا ساتھ نصیب ہو۔ تحقیق: آمین۔

(مکتوب نمبر ۱۳۸)

حال: گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ احقر بہت ہی شرمندہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے واپسی کے بعد ایک ٹکڑا خط لکھنے کی توفیق نہیں ہوئی یہ میری سستی اور کاہلی کا نتیجہ ہے۔ بارہا کوشش کیا لیکن نفس لوامہ نے ٹال مٹول کر دیا جس کی وجہ سے حضرت والا کی خدمت میں ایک عریضہ بھی نہ دے سکا، جتنا بھی شرمندہ ہوؤں کم ہے۔

بہرحال آتے ہی اسکول میں جگہ مل گئی ہے۔ اسکول میں صرف اردو، فارسی پڑھانا مقصد نہیں بلکہ یہاں پر جو مسلمان لڑکے ہیں انکو دین کی تعلیم سکھاؤں؟ اسی وجہ سے ۶ حصے تعلیم الاسلام شروع کرا دیا ہے حضرت والا دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرے اندر دین کا جذبہ، قوم کی تڑپ، اسلامی جوش پیدا فرما دے اور اخلاص وسنت پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

سوال: یہاں گذشتہ سال ۔۔۔۔۔ آپ نے مجھے حوالہ آباد کے مدرسہ میں پڑھاتے ہیں، امسال بھی ۔۔۔۔ صاحب اور دیگر ۔۔۔ آرہے

ہیں مجھے انکی مجلس میں شرکت کرنی چاہیئے یا نہیں ، یہ وہی ۔۔ ۔ ہیں جو حضرت والا اور پورے دیوبندی طبقہ کو (خون کے آنسو میں) کافر اور نہ جانے کیا کیا لکھا ہے ۔ میری طبیعت تو انکی صورت دیکھنے کو گوارا نہیں کرتی حضرت والا مشورہ دیں آیا جا سکتا ہوں یا نہیں ؟

دوسری بات یہ ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا ہوں ، تہجد بھی عشاء میں پڑھ لیتا ہوں ۔ حضرت والا سے عاجزانہ التماس ہے کہ کوئی وظیفہ یا جیسا مناسب سمجھیں حکم ارشاد فرماویں عین کرم ہوگا ۔

تحقیق : ٹال مٹول کے لکھنے کی کیا ضرورت ہے بجز اس کے کہ میں سمجھوں کہ آپکو میری پرواہ نہیں ہے ۔ میں کسی کے خط کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہوں ؟

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ملازم ہو گئے ، اللہ تعالیٰ خدمت دین کی توفیق دے ۔

تعجب ہے کہ آپ حالات جانتے ہوئے استفسار فرما رہے ہیں !

وظیفہ کیا بتلاؤں اس سے پہلے فہم پیدا کرنے کی ضرورت ہے ، سب کام دین کا فہم پر موقوف ہے ۔

(مکتوب نمبر ۸۳۲)

حال : آج میں کچھ اپنے دینی اور اخلاقی حالات کی طرف حضرت والا کی توجہ مبذول کرنے کی درخواست کرتا ہوں ، حضرت ! میرے دینی و اخلاقی حالات بڑے تباہ و برباد ہیں امراض نفسانیہ میں سے کوئی مرض ایسا نہیں ہے جو میرے اندر نہ پایا جاتا ہو اور مجھ ناکارہ سے کچھ مجاہدہ و ریاضت تو ہو نہیں پاتی اور نہ عبادت و اطاعت کا ہی کوئی شوق و جذبہ ہے اسلئے پریشان رہتا ہوں ۔

تحقیق : حالات خواہ کیسے ہی ہوں اپنے یا اوروں کے ، اللہ تعالیٰ کی رضا پیش نظر رہنا اور رکھنا چاہیئے ۔ اور جو اخلاق دوسرے کے ناپسند ہوں

دفع دونہ رکھنا چاہیئے۔ ولاتستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك و بینه عداوۃ کانه ولی حمیم وما یلقها الا الذین صبروا وما یلقها الا ذو حظ عظیم۔ (نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے اور یہ بات انھیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل ہیں اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے)

بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الیٰ من اسا

(برائی کا بدلہ برائی سے دینا تو بہت آسان ہے اگر مرد ہو تو جو تمھارے ساتھ برائی کرے تم اسکے ساتھ بھلائی کرو)

والسلام خیر ختام

(مکتوب نمبر ۸۳۳)

حال: حضرت کے جواب باصواب سے قلب ودماغ اور رواں رواں مسرور ومنشرح ہوگیا۔ تحقیق: الحمدللہ بارک اللہ

حال: اللہ تعالیٰ حضرت کو افادات وافاضات کے ساتھ مع العافیت تا دیر رکھے۔ تحقیق: آمین۔ حال: اور ہم سبھوں کو خلوص اور استقامت کے ساتھ استفادہ اور استفاضہ میں برابر لگائے رکھے۔ تحقیق: آمین

حال: حضرت امیر خسروؒ کے ارشاد گرامی سے ع حیراں شدہ ام در آرزو یت پڑھکر عجیب رقت طاری ہوتی ہے اور دیر تک دموع آتے رہتے ہیں اور قلب ودماغ کی ایک عجیب حالت ہو جاتی ہے۔ تحقیق۔ الحمدللہ

حال: اور اس سے پھر ذکر وفکر میں بہت ہی انشراح اور انبساط رہتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔ حال: بفضلہ تعالےٰ معمولات ادا ہو جاتے ہیں۔

تحقیق : الحمد للہ۔ حال : اور اللہ تعالیٰ کا بیحد شکر ہے کہ شرور فتن سے کافی حد تک حفاظت رہتی ہے۔ تحقیق : الحمد للہ۔ حال : اور خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل جایا کرتا ہے۔ تحقیق : الحمد للہ
حال : اسکے لئے بہت دعاء کی درخواست ہے کہ اس میں اخلاص و استقامت نصیب ہو۔ تحقیق : دعاء کرتا ہوں۔
حال : برادرم ۔ ۔ ۔ ۔ آئندہ سہ شنبہ کو بعزم حج پہلے الہ آباد جانے والے ہیں تحقیق : آ گئے۔
حال : بندہ نے انکو لکھدیا ہے کہ سفر الہ آباد مبارک ہو کہ ذریعہ اور واسطہ ہے اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح تعلق و نسبت قائم ہونے کا ' اہل اللہ اور عرفا رنائب ہوتے ہیں جو اصل تک طالب کے تعلقات کو جوڑتے رہتے ہیں۔ تحقیق : ٹھیک فرماتے ہیں۔

(مکتوب نمبر ۴۸۳)

"ایک صاحب کا خط اس مضمون کا آیا کہ جب الہ آباد پہونچا تو صد خوشیوں اور تمناؤں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ، ملاقات کے بعد کچھ ایسا اثر ہوا کہ جیسے قلب ہی مقفل ہو گیا ہو ۔ ۔ ۔ ۔ جب حضرت والا کی محبت کی دعاء کی تو دل کھل گیا۔

ان کے اس مضمون پر یہ لکھا گیا کہ آپ نے کوئی بے ادبی کی ہوگی جس سے قلب مقفل ہو گیا۔ اس پر انھوں نے اپنی برأت ظاہر کی ، پھر انھیں مندرجہ ذیل جواب دیا گیا جسے حضرت اقدس دامت برکاتہم نے پسند فرمایا اور نقل کا حکم فرمایا"

تحقیق : تمھارا خط ملا۔ دونوں خطوط کو دیکھا ، دوسرا تو کچھ ٹھیک لکھی ہے

لیکن پہلے خط سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنی حالت کو صحیح الفاظ میں ادا نہ کر سکے اور پڑھ کر واقعی قلب مکدر ہو جاتا ہے۔ آئندہ خط لکھو تو اسے دو چار بار غور سے دیکھ لیا کرو کہ تمہارا مفہوم تمہارے الفاظ سے ادا ہو رہا ہے یا نہیں۔ مگر ایک بات اور ہے

میرا خیال ہے کہ تم اپنی حالت کو اب بھی نہیں سمجھے، اپنی فہم ناقص میں تو جو کچھ آتا ہے وہ یہ ہے:۔ وطن میں تم غافلین کے درمیان میں ہو ان سے کچھ زیادہ ہی عمل کرتے ہوگے لہٰذا نفس تمھیں اپنی حالت پر اطمینان دلاتا ہوگا اور اپنی غفلت کا احساس ہونے نہیں دیتا اسی طرح نفس چپکے چپکے اپنا کام کرتا رہتا ہے یہاں پر پہنچنے پر اپنی صحیح حالت شیخ کے آئینے میں نظر آگئی، یہ شیخ کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ سمجھو کہ یہیں سے دروازہ کھل گیا اور تمھارے اوپر منکشف ہو گیا کہ تم کتنے پانی میں ہو۔ حضرت اقدس کے فیضان صحبت سے آہستہ آہستہ قلب کا زنگ دور ہوا اور سینہ حسب استعداد کھل گیا۔

لہٰذا واقعہ یوں ہوا کہ تمھارا قلب پہلے سے مقفل تھا مگر تمھیں احساس نہیں تھا یہ احساس یہاں ہوا پھر غفلت دور ہو کر شرح صدر ہوا، نہ یہ کہ قلب ذاکر لیکر آئے تھے یہاں اول مقفل ہوا بعدہٗ کھلا' یہ خیال غلط ہے۔ یہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب یہاں آکر معاذ اللہ کوئی معصیت یا بے ادبی کرو۔

(مکتوب نمبر ۸۳۵)

حال: مصدر فیوض و برکات حضرت مولانا مرشدنا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' حال: امید کہ آنحضرت کا مزاج گرامی بخیریت ہوگا۔ تحقیق: بخیریت ہے۔

حال: بندہ تادم تحریر بخیریت ہے۔ اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے ہر شے میں

اور ہر معاملہ اور اخلاق میں اللہ ہی اللہ ہے۔ یہ ذکر جس کو بندہ نے
ہر تبہ ثانوی وہ کبھی اختیاری دے رکھا تھا وہی اصل مداوا ہے
بہت روز سے سرگرداں اور پریشاں تھا کبھی چلا لیکن گاڑی ٹھپ
ہوگئی، اب عمدہ ذکر کی برکت سے نماز، تلاوتِ قرآن، مناجات
مقبول و دیگر عبادات، اخلاقیات و معاملات میں مرضیٔ مولا کا
پورا دھیان رہتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اور جہاں قدم ڈگنے کی صورت ہوتی ہے وہیں سنبھل جاتا ہے پھر راستہ پر لگ جاتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔ حال: فائدہ بیّن یہ ہوا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: نماز میں یکسوئی، تلاوت کلام اللہ میں دلجمعی اور جہاں کہیں سمجھ میں آتا ہے اس وقت کی کیفیت تحریر میں نہیں آسکتی۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: مداومت ذکر و کثرت سے بعض وقت ایسا بکا طاری ہوتا ہے جو اس سے قبل کبھی نہ ہوتا تھا، غرضیکہ جو کبھی ہوتا ہے ذکر کی برکت سے بے راہی سے جدا ہوکر۔ رضا جوئی پوری توجہ سے مطلوب ہو رہی ہے۔ اپنی کھوئی زندگی پر بیحد افسوس ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے آپ جیسا مربی بخشا کہ طالبِ مخلص کی ترقی اور غیر مخلص کو مخلص بننے میں خواہ جلد یا بدیر قوت مل ہی جاتی ہے کوئی واپس مایوس نہیں جاتا۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: اللہ تعالیٰ نے بندہ کو کبھی آنجناب کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے چند جملوں سے جو بصورت خط تھا لیکن اصل میں مشعلِ ہدایت تھا، فیض بخشا۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: دل میں بیٹھ گیا، فہم کی رسائی ہوئی اور راستہ کھل گیا۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اب تو سب ہی چیزوں میں برکات کا ظہور ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱۲۔ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۴ء۔ جلد ۱۷

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زرِ تعاون ستر روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار
الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن۔ :- اسرار کریمی پریس۔ جانشین گنج الٰہ آباد

فہرست

گذارش رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ ابھی تک بعض احباب نے سال رواں ۹۳ء کا زرِ تعاون ارسال نہیں فرمایا ہے۔ اس طرف توجہ فرما کر ادارہ کی اعانت فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلام اللہ

اکبر حسین جج مرحوم نے یہ شعر کہا تھا ۔

اب الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے
یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

اسکا مطلب یہ ہے کہ الہ آباد کی شہرت دو ہی وجہ سے ہے ایک تو امرود اور دوسرے اکبر حسین جج گویا اصل میں شہرت امرود کی ہوئی اسکے ضمن میں الہ آباد کی ہوگئی، اسی طرح شہرت تو فی الحقیقت کلام اکبر کی ہوئی اسکے ضمن میں اکبر کی اور پھر الہ آباد کی ہوگئی ۔

میں کہتا ہوں کہ درحقیقت الہ آباد کی شہرت کی وجہ ایک ہی ہے اسلئے کہ امرود اہل حقیقت کے نزدیک کوئی ایسی چیز نہیں ہے اور نہ اسکی کوئی خاص اہمیت ہے جو قابل ذکر ہو ہاں اکبر کا حکیمانہ کلام البتہ حقائق شناس اور قدرداں لوگوں کے نزدیک قابل وقعت اور تکریم ہے اس لئے انکے اشعار کی طرف لوگوں نے توجہ کی اور انھیں سراہا تو اکبر نے یہ دیکھکر اور خوش ہوکر فخر کے طور پر یہ شعر کہدیا کہ اکبر کے علاوہ الہ آباد میں کوئی شے ہے ہی نہیں ۔ یہ بطور امتنان کے کہی ہے الہ آباد پر کہ میری وجہ سے عزت و شہرت الہ آباد کی ہے ۔

اچھا اب سنئے جب ایک شاعر اپنے کلام کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے کہ الہ آباد میں اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے تو اگر اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے بارے میں یہ فرمادیں کہ مخلوق میں میرے کلام کے سوا کچھ نہیں ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نہیں! آپ لوگ بتائیے یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شاعر اپنے کلام کیطرف التفات اور توجہ چاہتا ہے اور لوگ التفات کریں تو اس سے خوش ہوتا ہے یا کوئی مصنف ہے وہ اپنی کتاب کی طرف لوگوں کی توجہ دیکھکر خوش ہوتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب پاک کی طرف توجہ دیکھکر خوش نہیں ہوں گے؟ ضرور ہونگے

اور ہوتے ہیں مگر آجکل تو لوگوں کی پوری توجہ بس اپنی اپنی چیزوں کی طرف ہوگئی ہے اپنی کتابوں کی اشاعت کرتے ہیں اور اسی کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کراتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف التفات کو منقطع کرکے اسکو پس پشت ڈالدیا گیا ہے۔

آجکل میں دیکھتا ہوں اور بارہا سنا بھی گیا ہے کہ کسی واعظ نے کئی کئی گھنٹہ قرآن وحدیث کا بیان کیا مگر عوام متاثر نہیں ہوئے اور جب اشعار پڑھے جانے لگے تو سب واہ واہ کرنے لگے اور جھومنے لگے، آپ لوگ خود بتلائیے کہ کیا خداوند تعالیٰ کو اس سے ناگواری نہیں ہوگی اور غیرت نہیں معلوم ہوگی کہ میری مخلوق میرے کلام سے تو محظوظ اور متاثر نہیں ہوئی اور اشعار جو کہ مخلوق ہی کا کلام ہے اس سے متاثر ہوگئی! کیا یہ کم ایمانی (بلکہ بے ایمانی) نہیں ہے؟ بات یہ ہے کہ آجکل لوگ ہر شئے میں حظوظ نفسانی کے عادی ہوگئے ہیں جیسے سونے اور کھانے میں حظوظ نفسانی چاہتے ہیں (الخ) ویسے ہی ہر چیز میں چاہتے ہیں وعظ و نصیحت انکو پھیکا معلوم ہوتا ہے جب ترنم اور خوش الحانی سے امارد (یعنی بے ریش لڑکے) پڑھتے ہیں تو انکو حظ ملتا ہے۔ علماء نے بھی جب عوام کا مذاق اس قسم کا دیکھا تو انھوں نے بھی اسی کو اختیار کرلیا اور اس پر راضی ہوگئے اور قرآن وحدیث کا وعظ چھوڑ دیا اور اشعار پر اتر آئے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (اور ہم نے آپکو شعر و شاعری نہیں سکھائی اور نہ وہ آپ کے شایانِ شان ہے)

اسکے تحت صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اور خوب ہی لکھا ہے۔

(وماعلمناہ) بتعليم الكتاب المشتمل على هذا البيان والتلخيص في امر المبدأ والمعاد (الشعر) اذ لا يخفى على من به ادنى مسكة ان هذا الكتاب الحكيم المتضمن لجميع المنافع الدينية والدنيوية

اور ہم نے آپکو شعر نہیں سکھلایا ایسی کتاب کی تعلیم کرنے کی وجہ سے جو اس بیان پر (جو اوپر مذکور ہے) اور مبداء و معاد کے خلاصہ پر مشتمل ہے اسلئے کہ اس شخص پر جس کو ذرا بھی عقل و شعور ہے ظاہر ہے کہ یہ کتاب حکیم جو تمام منافع دینی اور دنیوی پر ایسے عمدہ طرز پر مشتمل ہے کہ بڑے بڑے سمجھنے والوں

على اسلوب افحم كل منطيق يباين الشعر ولا مثل الثريا للثرى اما لفظا فلعدم وزنه واما معنا فلان الشعر تخيلات مرغبة ومنفرة او نحو ذلك وهو مقر الاكاذيب ولهذا قيل اعذبه اكذبه والقرآن حكم وعقائد وشرائع - هذا رد لما كانوا يقولونه من ان القرآن شعروا لنبي عليه السلام شاعر وغرضهم من ذلك ان ما جاء به عليه السلام من القرآن افتراء وتخييل حاشاه ثم حاشاه من ذلك۔

(وما ينبغي له) اى لايليق ولا يصلح له صلى الله عليه وسلم الشعر لانه يدعو الى تغير المعنى لمراعاة اللفظ والوزن ولان احسنه المبالغة والمجازفة والاغراق فى الوصف واكثره تحسين ما ليس بحسن وتقبيح ما ليس بقبيح وكل ذالك يستدعى الكذب

کو ساکت کر دیا ہے شعر کے بالکل مباین ہے اور تحت الثریٰ سے کیا نسبت ہے یہ کتاب لفظا کے ہے تو اس طرح شعر کے مباین ہے کہ نہ وزن اور قافیہ شعر جیسا نہیں ہے اور معنی کے اعتبار سے اس طرح کہ شعر میں رغبت دلانے والے یا نفرت دلانے والے یا اس کے مثل تخیلات ہوتے ہیں نیز شعر جھوٹ کی قرارگاہ ہے اسی وجہ سے یہ کہا گیا ہے کہ شعر جتنا جھوٹا ہوتا ہے اتنا ہی شیریں ہوتا ہے اور قرآن پاک میں حکمتیں اور عقائد اور شرائع بیان کئے گئے ہیں تو بھلا شعر میں بھلا کیا نسبت ہو سکتی ہے) اور یہ ان لوگوں کا رد ہے جو قرآن کو شعر کہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے ان لوگوں کی غرض اس کہنے سے یہ تھی کہ جو قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ افترا اور تخیل یعنی گڑھی ہوئی اور خیالی بات ہے حالانکہ قرآن اس سے بالکل پاک ہے۔ ما ینبغی لہ کے معنی یہ ہیں کہ شعر حضور کے لائق اور مناسب چیز نہیں ہے اسلئے بھی کہ شعر وزن اور لفظ کی رعایت سے معنی میں تبدیلی کی طرف داعی ہوتا ہے اور اسلئے بھی کہ اشعار میں عمدہ شعر وہ سمجھا جاتا ہے جس میں مبالغہ اور مجازفہ (یعنی اٹکل) ہو اور کسی صفت کے بیان میں خوب مبالغہ ہو اور اکثر شعر میں اس شے کی تحسین و تعریف ہوتی ہے جو درحقیقت اچھی نہیں اور ایسی شے کی تقبیح اور برائی ہوتی ہے جو درحقیقت بری نہیں ہوتی۔ یہ کل کا کل کذب یا اس کے

او یحاکیہ الکذب وجل جناب   مشابہ کی طرف داعی ہوتا ہے اور شارع
الشارع عن ذالك (روح المعانی)   علیہ السلام کی بارگاہ اس سے بلند و برتر ہے
ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شعر پڑھا تو اسے قصدًا صحیح نہیں پڑھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بے شک آپ نبی ہیں اللہ تعالےٰ نے سچ فرمایا کہ وَ مَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے شعر کی قوت ہی نہیں دی تھی۔

اب سنئے! ہم لوگوں کو (علما رکو) غیرت بھی نہیں معلوم ہوتی اور نہ اسکا احساس ہے، ہم سے اغیار بڑھ گئے جو بظاہر دین اور علم دین سے بہت دور تھے وہ آجکل ایسا ایسا کلام کہتے ہیں جو علما رسے کبھی سننے میں نہیں آتا۔ دیکھئے اکبر ہی نے قرآن کے متعلق کیسا عمدہ شعر کہا ہے ؎

صوم ہے ایمان سے ایمان رخصت صوم گم
قوم ہے قرآن سے قرآن رخصت قوم گم

اسی طرح ڈاکٹر اقبال نے کبھی بہت عمدہ بات کہی ہے جبکو مئو میں ایک صاحب نے مجھ سے نقل کیا وہ یہ کہ کسی نے اقبال سے پوچھا کہ کیا حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کبھی زیادہ کسی پر ظلم ہوا ہے؟ تو انھوں نے کہا " ہاں قرآن پر ہوا ہے "۔

دیکھئے کتنی عمدہ بات کہی جی خوش ہوگیا، دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی قبور کو نور سے بھر دے۔

ایسے کلام و اشعار ہر شخص نہیں کہہ سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب میں کوئی دولت پیدا نہ ہو۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فہم دی تھی، ان میں دینی غیرت تھی اور قومی درد تھا اسلئے ایسی باتیں قرآن حدیث کے متعلق کہنے پر مجبور ہو جاتے تھے دوسرا آدمی ایسا کلام کہہ ہی نہیں سکتا۔

آج ہم لوگ اصل شئے تو پیدا نہیں کرتے بلکہ اپنے منصب کو بھولے ہوئے ہیں یہ سمجھتے ہی نہیں کہ ہم مولوی جو کہلاتے ہیں تو قرآن و حدیث کی وجہ سے کہلاتے ہیں بہت یاد دلانے پر انکو یاد آتا ہے کہ ہم مولوی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آج جو مسلمانوں پر ادبار و نحوست ہے اس کا واحد سبب قرآن سے بے اعتنائی ہی ہے لوگو سن لو! جب تک اسکی طرف توجہ نہیں کروگے اور اس پر ایمان نہیں لاؤ گے ترقی نہیں ہوسکتی، یہ خوب ہے کہ فلاح و ترقی کے ذرائع کو تو ترک کر دیا اور چاہتے ہیں فلاح و کامیابی صحابہ جیسی، مگر ع۔ ایں خیال است و محال است و جنوں (یہ خیال محض (بے حقیقت) اور محال بھی ہے اور پاگل پنے کی بات بھی ہے۔

آپ لوگ بتلائیں کیا میں بیکار ہی چلا رہا ہوں یا کوئی بات کام کی کہہ رہا ہوں سنئے! چاہے آپ لوگ اسکو چلانا سمجھیں یا کچھ بھی سمجھیں میں اس کو حق سمجھتا ہوں اس لئے اسی کو کہونگا۔ ایک مولوی صاحب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ مولوی صاحب مجھکو اپنے یہاں لیجانے کو کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ بھائی مجھکو مت لے چلو اسلئے کہ اس میں تمھارا بھی فائدہ ہے اور میرا بھی، تمھارا اس لئے کہ میں جہاں بھی جاؤں گا ایسے ہی صاف صاف بیان کروں گا نہ لیجاؤ گے تو تم میری سخت باتیں سننے سے بچے رہوگے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمھارے علماء اور عوام کو ناگوار ہو اور وہ خفا ہوکر میری تکذیب وغیبت اور شکایت کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور میرا اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ مجھکو کچھ تکلیف ہو اسلئے میں تکلیف سے بچ جاؤں گا۔ اب تم تعلیمات کو تو لیتے نہیں بس مجھے تبرک بنا کر رکھنا چاہتے ہو۔ میں اسکو پسند نہیں کرتا میں چاہتا ہوں کہ تم بھی دین کا کام کرو اور اللہ تعالٰے کے احکام کی پابندی کرو اور میں بھی کروں۔

ایک خاص بات کہتا ہوں کہ جب غیر مخلص آدمی مخلوق کی تعظیم و تکریم دیکھتا ہے اور اسکو کچھ ہدایا وغیرہ ملنے لگتے ہیں تو اپنی حد اور اپنی جگہ پر ٹک نہیں سکتا ضرور وہ ہوکا کھا جاتا بہک جائے گا اور یہ عوام اسکو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ مخلوق کی تعظیم وغیرہ کے بوجہ

بس مخلص ہی آدمی اسکے شر سے بچ رہ سکتا ہے

میں کہتا ہوں کہ اگر تم لوگ اسلام کے دوست ہو اور مجھ کو مانتے ہو تو مجھ سے دین کی باتیں سیکھو اور اخلاص سے کام کرو دیکھو نفع ہوتا ہے کہ نہیں؟ اخلاص ہی اصل شے ہے۔

ایک مولوی صاحب جو اچھے واعظ بھی ہیں میں یہیں بیٹھا تھا آ گئے اور کہا کہ آجکل وعظ سے کیوں نفع نہیں ہو رہا ہے؟ تو میں نے فوراً کہا کہ اخلاص نہیں ہے اسکو انھوں نے تسلیم کیا اور کہا کہ صحیح ہے بیشک آج اگرچہ کام پہلے سے زیادہ ہو رہا ہے مگر نفع جو مفقود ہے تو ضرور اخلاص ہی مفقود ہے

پہلے بزرگوں نے کتاب وسنت اور سیر سلف کو مقدم رکھا تھا اس لئے نفع ہوا حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ تعلیم الدین ص۱۲۷ میں فرماتے ہیں کہ شیخ قوام الدین فرماتے ہیں کہ:۔

"اے درویش محک ومعیار ایں کار کتاب وسنت است وسیر سلف کہ اہل اقتدا بودند، نہ اجازت مجرد ومقام متبرک کہ فلاں فرزند درویش است در جائے آبا واجداد خود نشستہ وچیزے کہ از شان شیخی مخالف معیار است آں فاسد و باطل۔"

(اے درویش اس کام (سلوک وتصوف کا) معیار اور کسوٹی صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے اور اسلاف کی سیرت کیونکہ اقتدار کا وہی حضرات لائق تھے، محض کسی شیخ سے اجازت کافی نہیں ہے نہ متبرک مقام کہ فلاں درویش کامل کا لڑکا ہے اور اپنے آباء واجداد کا جانشین ہے، جو چیز بھی مشیخت کی شان سے اس معیار کے خلاف ہے وہ باطل اور فاسد ہے)

یہ ہے صحیح طریق کار جو سنت کے مطابق ہے اور جس پر ہمارے سلف کا عمل تھا۔

سنو! بات یہ ہے کہ ہم لوگ خود اس تاثر سے عاری ہیں تو دوسروں پر

کیا اثر ڈال سکتے ہیں! کیا صحابہؓ زمانۂ جاہلیت کے اشعار یاد کرتے اور ان سے متاثر ہوتے تھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو یاد کرتے تھے؟ اب جب علماء ہی کا یہ حال ہے پھر عوام کے حال کا تو پوچھنا ہی کیا ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ عوام اور انگریزی داں وغیرہ سے کہیں زیادہ ہم علماء کا حال بدتر ہے۔ ہمارے بھائی رات ہی بیان کر رہے تھے کہ فلاں جگہ انگریزی داں لوگ دین کی طرف زیادہ متوجہ ہو رہے ہیں اور اب الحمدللہ انکی حالت بہتر ہوتی جا رہی ہے بخلاف دوسری جماعت کے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ یعنی اگر تم روگردانی کروگے تو خدا تعالیٰ تمھاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

یہ بیچارے عوام قرآن کو کیا سمجھیں انکو تو عرب کے لوگ ہندی بطّال کہتے ہیں اسلئے کہ یہ لوگ کچھ سمجھتے بوجھتے نہیں قرآن کو سچ یہ ہے کہ صرف عرب کے لوگوں نے سمجھا اور اسکی پوری قدر کی۔ اب ہم لوگ چاہے جتنی بھی محنت کریں قرآن فہمی میں ان کے برابر نہیں پہونچ سکتے۔ ذرا آپ لوگ اس وقت کا تصور کیجئے جب قرآن ان لوگوں میں نازل ہو رہا تھا وہ لوگ عربی میں نہایت فصیح و بلیغ تھے تین تین سو اشعار ایک مجلس میں کہہ ڈالتے تھے مگر جب قرآن نے انکو تحدی (چیلنج) کیا اور پہلے پورے قرآن کے مثل لانے کا پھر دس سورتوں کے مثل لانے کا اور پھر آخر میں ایک ہی سورۃ کے مقابلہ میں کلام لانے کا مطالبہ کیا تو سب عرب والے باوجود انتہائی فصاحت و بلاغت کے مبہوت ہو کر رہ گئے، ایک بار انا اعطینا پوری سورت علحدہ سے لکھکر خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دی گئی لوگ آ آکر اسے دیکھتے تھے اور چلے جاتے تھے کسی کو قدرت نہیں ہوئی کہ اسکے مقابلہ کا کلام لاسکیں آخر جب انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں ہے تو پھر کیا تھا خوب ہی اسکی قدر کی اور خوب ہی سیکھا

دوسروں کو سکھایا۔ حضرت عکرمہ بن ابی جہل جب مسلمان ہوئے تو کلام اللہ کو پڑھتے تھے اور بار بار فرماتے تھے "هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ، هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ" (یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے)

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ "امت نے جتنی خدمت قرآن پاک کی کی ہے کسی اور کی نہیں کی" واقعی خوب ہی خوب معانی و مطالب بیان فرمائے ہیں ایک آیت کو پڑھ لیجئے اور سمجھ لیجئے تو ہدایت ہو جائے مگر آپکو فرصت کب ہے اور کب اس سے مناسبت ہی پیدا کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلیٰ اسکی تفسیر ابن کثیر نے جو بیان کی ہے نقل کرتا ہوں اسکو ذرا سنیئے۔

قول تعالیٰ (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى) ای طھّر نفسہ من الاخلاق الرذیلہ و تابع ما انزل اللہ علی الرسول صلوات اللہ و سلامہ علیہ۔

(قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى) یعنی بامراد ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو اخلاق رذیلہ سے پاک کر لیا اور جو احکام اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے ہیں انکا اتباع کیا۔

(وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى) ای اقام الصلوٰۃ فی اوقاتھا ابتغاء رضوان اللہ وطاعۃ لامر اللہ و امتثالاً لشریع اللہ۔

(وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى) یعنی نماز کو اس کے اوقات میں محض اللہ کی رضا طلب کرتے ہوئے اور محض اللہ کے امر کی اطاعت میں اور انکی شرع کے امتثال میں ادا کیا۔

وقال قتادۃ فی ھذہ الاٰیۃ (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى) زکی مالہ وارضی خالقہ

حضرت قتادہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں یعنی اپنے مال کو پاک کیا اور اپنے خالق کو راضی کیا۔

بتلائیے! کیا آپ خود یہ معانی سمجھ سکتے تھے؟ کیا اشعار اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟

اب سنئے! اللہ تعالیٰ نے جو اس قسم آئیں لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ

عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اسکو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا، پھٹ جاتا) نازل فرمائی ہیں تو اسلئے تاکہ ہم لوگ اسکی قدر کریں اور دل میں اسکی عظمت بٹھلائیں اور حق تعالیٰ کا احسان مانیں کہ ہم کو اللہ تعالےٰ نے اتنی بڑی چیز عطا فرمائی ہے مگر اے لوگو! تم نے اسکی عزت وعظمت کو ختم کردیا۔ قرآن تمھارے گھر میں رکھا ہوا ہے اس لئے مال سے زیادہ کم وقعت ہوگیا ہے۔ بات یہ ہے کہ ؎

اے گراں جاں خوار دیداستی مرا
زانکہ بس ارزاں خریداستی مرا

(اے نادان تونے مجھے بے وقعت سمجھ لیا ہے اس وجہ سے کہ تونے مجھے بہت ارزاں اور سستا خریدا ہے)

آپ کو اسکا مرتبہ کیا معلوم! ؎

تو نہ دیدی گہے سلیماں را
چہ شناسی زبان مرغاں را

(تم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کبھی دیکھا ہی نہیں تم پرندوں کی زبان کیا جان پہچان سکتے ہو)

اس قرآن میں سب چیزوں کا بیان ہے اس میں مشرکین، کافرین، نصاریٰ و یہود سب کے مذاہب کا رد موجود ہے۔ اسمیں انکے ہر ہر قول کو باطل کیا ہے مگر اس کو بیان کرنے کے لئے اس میدان کا مرد ہونا چاہیئے ہر شخص کا کام نہیں ہے کہ عوام الناس کو قرآن سمجھائے۔

یہ لوگ تصوف سیکھنے آئے ہیں تصوف کوئی قرآن وحدیث کا غیر تھوڑا ہی ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صوفی وہ ہے جو قرآن وحدیث کو جانے، انھوں نے سنت کو تریاق فاروق فرمایا ہے۔

ایک آدمی تصوف کا انکار کرتے تھے میں نے کہا کہ قرآن پاک میں یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ (اسکی رحمت کی امید رکھتے ہیں) آیا ہے تو کیا آپ کے قلب میں رجاء ہے ؟ اسی طرح قرآن کی آیت یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ (اسکے عذاب سے ڈرتے ہیں) میں خوف کا ذکر ہے تو کیا آپ کے قلب میں خوف ہے ؟ انھیں چیزوں کو دل میں پیدا کرنے کا نام تو تصوف ہے، تصوف کوئی قرآن و حدیث سے الگ تھوڑا ہی ہے حافظ صاحب بتلائیں یہ میں کوئی مفید بات آپ لوگوں سے کہہ رہا ہوں یا خالی چلا ہی رہا ہوں ؟ بھائی حالات تو ایسے ہیں کہ میں چلانا کیا جی تو چاہتا ہے کہ لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرلوں، آپ لوگ میرا کیجیئے گا کیا ؟ نہ رزق آپ کے ہاتھ میں ہے اور نہ عزت، تو پھر میں آپ لوگوں سے کیوں ڈروں ؟ اللہ تعالیٰ رازق ہے وہی ہمارا انتظام کرتا ہے آپ پر بھروسہ نہیں ہے۔ چونکہ میں ایسی جگہ بیٹھا ہوں کہ وہاں بیٹھکر کسی کی رعایت اور تعظیم جائز نہیں ہے نہ آپ کی اور نہ میری محض اللہ اور اسکے رسول اور کتاب و سنت کی تعظیم ہے اسی کی مجھے تعظیم کرنی ہے، اس لئے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ ہاں ابھی اس جگہ سے نیچے اتر جاؤں تو آپ اور میں برابر ہوں۔ آپ لوگ بتلائیے کیا میں سختی اور بداخلاقی کررہا ہوں یا یہ ایمانی جذبات ہیں ؟

(حاضرین مجلس نے کہا کہ بیشک یہ ایمانی جذبات ہیں، پھر فرمایا) :-

بھائی آج بھی مسلمان سختی برداشت کرنے کو تیار ہیں اتنے گئے گذرے نہیں ہیں۔ مگر ہائے افسوس خود ہم لوگوں نے ہی اپنا کام چھوڑ دیا۔ اخلاق کو ترک کردیا جس کی وجہ سے ہم ذلیل وخوار ہو گئے ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ بزرگان دین مخلصین مصلحین نے بہت سخت باتیں کہی ہیں اور لوگوں نے ان سب کو برداشت کیا۔ جہاں انکا پسینہ بہا ہے لوگوں نے خون بہایا ہے مگر یہ کب ؟ جب ان کو پہلے انکا اخلاص معلوم ہو چکا ہے تب ایسا کیا ہے۔ آج بھی اگر کام اخلاص اور قاعدہ سے کیا جاوے تو اب بھی ضرور نفع ہوگا۔ اور لوگ علم اور اہل علم کی قدر پہچانیں گے

اور ؎　اوقات ہماں بود کہ با یار بسر شد
باقی ہمہ بے حاصلی و بے خبری بود

(زندگی کے عزیز اوقات تو وہی تھے جو محبوب کے ساتھ بسر ہوئے اس کے سوا جو کچھ بھی تھا سب فضول تھا اور نادانی تھی)

لہٰذا ایسے لمحات کے حصول اور حاصل ہو جائیں تو انکی قدردانی کا یہی انداز ہونا چاہیئے کہ انکے مقابلہ پر کتنی ہی بڑے سے بڑی دنیاوی نعمت مل جاوے ہمت کر کے ان لمحات حضوری کو ترجیح دینی چاہیئے۔

شروع شروع میں ہمت کا استعمال کر کے نفسانی خواہشات کو کچلنے میں مشقت معلوم ہوتی ہے لیکن جب انسان ایک مرتبہ یہ عزم کر لے کہ ؎

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں برباد ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

تو اسکے بعد اللہ تعالیٰ کیطرف سے نہ صرف مدد ہوتی ہے بلکہ آرزوئیں خون کرنے میں ایک عجیب حلاوت محسوس ہونے لگتی ہے۔

بزرگوں کی محبت کا فائدہ　فرمایا کہ اللہ والوں کی محبت بھی بڑی نعمت ہے اسکی قدر کرنی چاہیئے حدیث میں ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ اللہ والوں سے محبت کے نتیجہ میں انشاء اللہ دنیا میں کسی نہ کسی وقت اصلاح حال اور آخرت میں نجات کی توقع ہوتی ہے لہٰذا جس حال میں بھی ہو انسان کو چاہیئے کہ اللہ والوں سے اپنے کو لگا لپٹا رکھے۔

میں اسکی یہ مثال دیا کرتا ہوں کہ ایک شاندار گاڑی جس میں کوئی وزیر کبیر سفر کر رہا تھا کراچی سے لاہور جارہی تھی وزیر کے سفر کی وجہ سے اس میں شاندار ائیرکنڈیشنڈ سیلون لگا ہوا تھا نہایت صاف ستھرا، آرام دہ، پُرتکلف، ساتھ ہی اعلیٰ درجہ کا باورچی خانہ لگا ہوا جس میں عمدہ کھانے پک رہے تھے اور اسکی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ جب گاڑی کی روانگی کا وقت آیا تو اسٹیشن ماسٹر نے ایک

پرانا زنگ آلود بوسیدہ ڈبہ گاڑی کے پیچھے لگا دیا کہ یہ بھی لاہور چلا جائے گا تاکہ وہاں کے ورکشاپ میں اسکی مرمت ہو سکے اب جب گاڑی چلی تو اس پرانے ڈبے کی چول چول ہلتی ہے اس میں سے طرح طرح کی سمع خراش آوازیں نکلتی ہیں اور اسکی خاک دھول اڑتی ہے تو کوئی شخص اسکی ہنسی اڑاتا ہے کہ تو اس بوسیدگی اور کہنگی کے ساتھ ان اعلیٰ درجہ کی بوگیوں کے ساتھ کہاں لگ گیا؟ اسکے جواب میں وہ ڈبہ کہتا ہے کہ خبردار! میری ہنسی مت اڑانا میں بیشک بوسیدہ شکستہ، درماندہ اور زنگ آلود سہی لیکن یہ دیکھو کہ میرا رشتہ کن عالیشان بوگیوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے، میرا کنڈا انکے کنڈے میں پھنسا ہوا ہے، جس لائن پر وہ جا رہے ہیں اسی لائن پر میں بھی جا رہا ہوں، جس وقت وہ لاہور پہنچیں گے انشاء اللہ اسی وقت میں بھی لاہور پہنچوں گا۔ میں چاہے کسی حال میں ہوں لڑھکتا کھسکتا انھیں کے ساتھ جاؤں گا اور وہاں پہنچکر انشاء اللہ میری مرمت ہوکر اصلاح بھی ہوجائیگی بس شرط یہ ہے کہ میرا کنڈا ان کے کنڈے سے ملا رہے۔

بس یہی حال ہمارا سمجھو کہ جب تک اللہ والوں کے ساتھ رشتہ قائم ہے اور قدم صراط مستقیم کی لائن پر ہیں ان شاء اللہ کسی نہ کسی صورت سے اپنی بوسیدگی کے باوجود منزل تک پہنچ جائیں گے بس شرط یہ ہے کہ اپنے کنڈے کو اللہ والوں کے ساتھ وابستہ رکھیں۔

فضائل اعمال کا اہتمام | فرمایا کہ قرآن و حدیث میں جن مستحب اعمال کی فضیلت وارد ہوئی ہے ان پر عمل کرنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے عام طور سے جب مستحب کی یہ تعریف سامنے آتی ہے کہ اسکے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں تو بعض لوگ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ جب انکے نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں تو انکے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں۔ خاص طور اہل علم بکثرت اس خیال کی بناء پر مستحبات سے محروم رہتے ہیں حالانکہ مستحبات کی ایسی ناقدری بہت بری بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرائض و واجبات تو انسان کے

ذمے لازم ہیں انھیں تو ہر حال میں انجام دینا ہی ہے وہ باری تعالیٰ کی الوہیت کا حق ہیں لیکن مستحبّات باری تعالیٰ کے ساتھ محبت کا حق ہیں۔

جس ذات نے ہمیں پیدا کیا ہم پر انواع واقسام کی نعمتوں کی بارشیں برسائی اور ہر آن برسا رہے ہیں ان کے ساتھ تعلق محض ضابطے کا نہیں ہونا چاہئے کہ بس جتنے حقوق واجبہ ہیں انسان انھیں پر اکتفا کرتا رہے بلکہ رابطے اور محبت کا بھی کچھ تقاضا ہے اور مستحبات اسی رابطے اور محبت کا تقاضا ہیں۔

دیکھئے! ایک بیٹے کے ذمہ اپنے ماں باپ کے کچھ لازمی حقوق ہیں مثلاً مثلاً یہ کہ وہ جو حکم دیں انکی اطاعت کرے، اگر وہ کسب معاش سے عاجز ہیں تو انکی معاشی ضروریات پوری کرے۔ لیکن یہ سارے حقوق ضابطے کے حقوق ہیں اب اگر کوئی بیٹا اپنے والدین کی معاشی ضروریات پوری کر دیتا ہے اور اگر کبھی وہ کسی کام کو خود کہدیں تو اسے بھی انجام دیدیتا ہے لیکن ان ضابطے کے حقوق کے بعد ان سے کوئی سروکار نہیں رکھتا نہ ان سے بات چیت زیادہ کرتا ہے نہ انھیں دوسری طرح خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ایسا بیٹا خواہ قانونی اعتبار سے ماخوذ نہ ہو لیکن کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے اپنے والدین سے تعلق یا محبت ہے

محبت اور تعلق کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہر وقت انھیں خوش کرنے اور خوش رکھنے کی فکر میں لگا رہے اور خود سوچ سوچ کر ایسے کام کرے جس سے انھیں راحت پہنچے اور مسرت حاصل ہو

اسی طرح اگر کوئی فرائض و واجبات تو ادا کرے لیکن مستحبات اور اور فضائل کی چنداں فکر نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق محض ضابطے کا تعلق رہ جاتا ہے محبت اور رابطے کا تقاضا یہ ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے کام تلاش کرے جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں اور یہ کام مستحبات ہی میں ملتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کوئی فضیلت والا

مستحب عمل معلوم ہو جائے تو اس پر عمل کریں۔

بہت سے علماء اور طلباء بھی اس معاملہ میں بڑی بھول میں ہیں وہ فضائل اعمال کی آیات و احادیث اس لئے پڑھتے ہیں کہ انھیں وعظ و تقریر میں لوگوں کے سامنے بیان کر دیں یا ان پر کوئی مقالہ لکھدیں لیکن ان پر خود عمل کر کے انکی فضیلت حاصل کرنے کا شوق وجذبہ دل میں پیدا نہیں ہوتا۔

ایسے لوگوں سے اگر کہا جائے کہ "تحیۃ المسجد" پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تو فوراً اسکی فضیلت والی احادیث سنا دیں گے اور اس کے شرعی احکام بیان کر دینگے لیکن اگر پوچھو کہ کبھی خود بھی تحیۃ المسجد پڑھی؟ تو جواب نفی میں ہوگا اور اگر کوئی متوجہ بھی کرے تو یہ کہکر فارغ ہو جائیں گے کہ یہ عمل تو مستحب ہے کوئی فرض وواجب نہیں حالانکہ کسی عمل کے مستحب ہونے کا علم اس عمل کی ترغیب کا سبب ہونا چاہئے نہ کہ اس سے اعراض اور کنارہ کشی اختیار کرنے کا۔

فضائل اعمال کا نور فرمایا کہ ہر فضیلت والے عمل میں اللہ تعالیٰ کیطرف سے ایک نور ہوتا ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا لیکن اسکے اثرات زندگی پر پڑتے ہیں، اگر انسان کو ان انوار و برکات کا صحیح ادراک ہو جائے تو وہ ان اعمال کو کبھی ترک نہ کرے۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ صف اول میں نماز پڑھنے کی کیا فضیلت ہے اور اسکے بعد تمھیں گھٹنوں کے بل بھی چل کر آنا پڑے تو تم گھٹنوں کے بل چل کر آؤ، اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اذان دینے کی کیا فضیلت ہے تو اذان دینے والے کے تعین کیلئے قرعہ اندازی کرنا پڑے۔

ہماری نظر چونکہ مادی اسباب و وسائل میں الجھی رہتی ہے اسلئے ہم ان انوار و برکات کا ادراک نہیں کر پاتے۔ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے نور بصیرت عطا فرماتے ہیں وہ ان انوار و برکات کا کسی قدر احساس رکھتے ہیں لیکن دنیا میں مکمل ادراک کسی کو نہیں ہوتا لیکن جب اس مادی دنیا کے حجابات اٹھیں گے

تو انکا ادراک ہوگا۔

اس پر ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان انوار و برکات کا ادراک کیوں نہ عطا فرمادیا کہ ہم سب ان اعمال کی قدر کرتے؟ اسکا ایک جواب تو خیر یہ ہے کہ یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے اور اس صورت میں آزمائش کیسے ہوتی لیکن ہم اسکا تحمل ہی نہیں کرسکتے تھے اس لئے اسکا مکمل ادراک نہ ہونا بھی دنیا کے لحاظ سے رحمت و حکمت پر مبنی ہے۔

ایک دن مسجد حرام میں بیٹھا تھا کعبۃ اللہ کا دلآویز منظر سامنے تھا میں سوچ رہا تھا یا اللہ! یہ آپ کا بیت حرام ہے اس پر ہر آن کتنے انوار کی بارش ہوتی ہے آپ کی کیسی کیسی رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں لیکن ہمیں وہ انوار و تجلیات نظر نہیں آتے اگر انکی کوئی جھلک ہمیں بھی نظر آجائے تو اچھا ہو ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ فوراً قلب پر یہ آیت قرآنی وارد ہوئی کہ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اس کا ترجمہ اکثر یوں کیا جاتا ہے کہ "اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرمادیجئے اور ہماری مغفرت فرمائیے" لیکن ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ وَاغْفِرْ لَنَا کے لغوی اعتبار سے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ ہمارے لئے اسکو چھپا دیجئے کیونکہ غَفْرٌ کے معنی عربی میں چھپانے کے بھی آتے ہیں اس صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرمادیجئے اور اسکو ہمارے لئے چھپا دیجئے۔

میں یہ آیت کی کوئی تفسیر نہیں کررہا ہوں بلکہ ایک ذوقی بات عرض کررہا ہوں کہ اسوقت ذہن اسی طرف منتقل ہوا کہ اس آیت کا ایک ذوقی مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے نور کی تکمیل کی دعا تو کرتے ہیں لیکن جانتے ہیں کہ اس دنیا میں اگر نور کی تکمیل کا مشاہدہ اور ادراک ہوجائے تو ہم اسکا تحمل نہیں کرسکیں گے اسلئے وہ ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ انوار کو ہمارے ہمارے ہی فائدہ کے لئے ہم سے چھپا بھی دیجئے۔

اس تصور سے بڑی تسکین ہوئی ۔

اوراد و اشغال کی توانائی

فرمایا کہ اوراد و اشغال کے معمولات جنکی تلقین مشائخ کی طرف سے کیجاتی ہے وہ ایک روحانی توانائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں ۔ کسی شیخ سے بیعت ہونے یا اس سے تربیت حاصل کرنے کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ انکی رہنمائی میں انسان اپنے باطنی امراض کی اصلاح کرے اور اعمال و اخلاق کی درستی کی فکر کرے ۔ مشائخ اسکو کچھ اوراد و اشغال کی تلقین بھی فرماتے ہیں انکا فائدہ یہ ہے کہ ان سے ایک روحانی توانائی حاصل ہوتی ہے اور اس توانائی کے نتیجہ میں انسان کے لئے طاعات پر عمل اور معاصی سے اجتناب کی ہمت و قوت پیدا ہوتی ہے ۔

ان اوراد و اشغال کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان ایک وقت اور ایک جگہ مقرر کرکے روزانہ اسی وقت اور اسی جگہ پر یکسوئی سے ذکر و فکر میں مشغول ہو اور اس میں بھی صبح کا وقت سب سے بہتر ہے کیونکہ اسی وقت میں اللہ تعالیٰ نے بالیدگی اور روئیدگی کی خاص تاثیر رکھی ہے اسی وقت تمام حیوانات بیدار ہوتے ہیں ، کلیاں چٹکتی اور پھول کھلتے ہیں اسلئے اس وقت ذکر اللہ میں مصروف ہونے سے قلب و روح کی بالیدگی کی زیادہ امید ہے چنانچہ اکثر بزرگوں کا معمول یہی رہا ہے کہ صبح کے وقت اپنے اذکار اور اوراد کے معمولات میں مشغول ہوتے ہیں ۔

لیکن جو لوگ زیادہ مصروفیات میں پھنسے ہوئے ہوں اگر انکو اس طرح وقت نکالنا مشکل ہو تو وہ بھی ان اذکار و اوراد سے محروم نہ رہیں بلکہ جس وقت موقع ملے یہ معمولات پورے کرلیں خواہ چلتے پھرتے ہی ہوں

ان میں سے بعض اذکار و اوراد ایسے ہیں جنھیں پڑھنے کا بزرگوں نے کوئی خاص طریقہ بتایا ہے مثلاً دوازدہ تسبیح میں ذکر بالجہر اور لا اللہ پر ضرب لگانا یہ طریقہ بزرگوں نے تجربے سے مقرر کیا ہے کہ اسکے فائدہ زیادہ ہوتا ہے ۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ خاص طریقہ مقصود نہیں ، مقصود ذکر ہے لہٰذا اگر کوئی شخص

اس خاص طریقہ پر پڑھنے سے وقت کی کمی کی بنا پر معذور ہو تو اس خیال سے دوازدہ تسبیح کو ترک نہ کرے کہ اسکے مخصوص لہجے یا طریقے سے پڑھنا اسکے لئے مشکل ہے اسکے بجائے وہ لہجے اور طریقے کی پابندی کے بغیر تسبیحات پڑھ لیا کرے میرا تجربہ ہے کہ اسطرح بیس منٹ میں یہ تسبیحات پوری ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح سالک کو چاہئے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق معمولات مقرر کرے لیکن جو معمول مقرر کرلے اسے ناغہ نہ کرے اگر مقررہ وقت پر کسی وجہ سے ادا نہیں کر سکا تو بعد میں جب وقت ملے ادا کرلے۔ حدیث میں ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہئے لیکن اگر شروع میں کسی وجہ سے نہیں پڑھ سکا تو کھانے کے دوران جب بھی یاد آجائے پڑھ لے اور یہ کہے بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ

اسی طرح نوافل واذکار بھی اگر اپنے وقت سے ٹل جائیں تو یہ نہ سمجھے کہ ان کی قضا نہیں ہے لہٰذا دوسرے وقت پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جب موقع ملے انکی تلافی کرلے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر سارے دن میں کسی وقت موقع نہیں ملا تو بھی انھیں بالکل ناغہ نہ کرے بلکہ تعداد کم کرکے جتنا پڑھ سکتا ہو پڑھ لے اگر سو مرتبہ کا معمول ہے اور موقع نہیں ملا تو تینتیس ۳۳ مرتبہ پڑھ لے اسکا بھی موقع نہیں تو گیارہ ۱۱ گیارہ مرتبہ پڑھ لے اور اسکا بھی موقع نہیں تو تین تین مرتبہ پڑھ لے مگر بالکل ناغہ نہ کرے۔

پھر اذکار و اوراد کا اصل فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان انھیں دھیان اور توجہ کے ساتھ پڑھے۔ شروع شروع میں دل نہیں لگتا لیکن مشق کرنے سے رفتہ رفتہ دھیان ہونے لگتا ہے۔

ماہ رجب

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد

ماہ رجب کے بارے میں لوگوں کے درمیان طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں انکی حقیقت سمجھ لینے کی ضرورت ہے

رجب کا چاند دیکھکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

اس پورے مہینے کے بارے میں جو بات صحیح سند کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ رجب کا چاند دیکھتے تو چاند دیکھکر آپ یہ دعاء فرمایا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِی رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ اے اللہ! ہمارے لئے رجب وشعبان کے مہینے میں برکت عطا فرما دیجئے اور ہمیں رمضان تک پہونچا دیجئے۔ یعنی ہماری عمر اتنی لمبی کر دیجئے کہ ہم اپنی زندگی میں رمضان کو پالیں۔ گویا کہ پہلے سے رمضان کی آمد کا اشتیاق ہوتا تھا یہ دعاء آپ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اس لئے یہ دعاء کرنا سنت ہے۔ اور اگر کسی نے شروع رجب میں یہ دعاء نہ کی ہو تو اب یہ دعاء کرلے اس کے علاوہ اور چیزیں جو عام لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں انکی شریعت میں کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

شب معراج کی فضیلت ثابت نہیں

مثلاً ۲۷ رجب کی شب کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ یہ شب معراج ہے اور اس شب کو بھی اسی طرح گذارنا چاہئے جس طرح شب قدر گزاری جاتی ہے اور جو فضیلت شب قدر کی ہے کم وبیش شب معراج کی بھی وہی فضیلت سمجھی جاتی ہے بلکہ میں نے تو ایک جگہ یہ لکھا ہوا دیکھا کہ "شب معراج کی فضیلت شب قدر سے بھی زیادہ ہے" اور پھر اس رات میں لوگوں نے نمازوں کے بھی خاص خاص طریقے مشہور کر دیئے

کہ اس رات میں اتنی رکعتیں پڑھی جائیں اور ہر رکعت میں فلاں فلاں خاص سورتیں پڑھی جائیں، خدا جانے کیا کیا تفصیلات اس نماز کے بارے میں لوگوں میں مشہور ہوگئیں خوب سمجھ لیجئے یہ سب بے اصل باتیں ہیں شریعت میں انکی کوئی اصل اور کوئی بنیاد نہیں ہے۔

شب معراج کی تعیین میں اختلاف

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ۲۷ رجب کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی رات ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے کیونکہ اس باب میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول میں تشریف لے گئے تھے، بعض روایتوں میں رجب کا ذکر ہے اور بعض روایتوں میں کوئی اور مہینہ بیان کیا گیا ہے اس لئے پورے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کونسی رات صحیح معنی میں معراج کی رات تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے۔

واقعۂ معراج کی تاریخ کیوں محفوظ نہیں؟

اس سے آپ خود اندازہ کرلیں کہ اگر شب معراج بھی شب قدر کی طرح کوئی مخصوص رات ہوتی اور اسکے بارے میں کوئی خاص احکام ہوتے جس طرح شب قدر کے بارے میں ہیں تو اسکی تاریخ اور مہینہ محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا لیکن چونکہ اس تاریخ کو محفوظ رکھنے کا اہتمام نہیں کیا گیا تو اب یقینی طور سے ۲۷ رجب کو شب معراج قرار دینا درست نہیں۔

وہ رات عظیم الشان تھی

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷ رجب ہی کو معراج کے لئے تشریف لے گئے تھے جس میں یہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا اور جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام قرب عطا فرمایا اور اپنی بارگاہ میں حاضری کا شرف بخشا اور امت کیلئے نمازوں کا تحفہ بھیجا بے شک وہ رات بڑی عظیم الشان تھی کسی مسلمان کو اسکی عظمت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

آپ کی زندگی میں ۱۸ مرتبہ شب معراج کی تاریخ آئی۔ لیکن

یہ واقعہ معراج سن ۵ نبوی میں

پیش آیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی بننے کے پانچویں سال یہ شب معراج پیش آئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد ۱۸ سال تک آپ دنیا میں تشریف فرمار ہے لیکن ان ۱۸ سال کے دوران یہ کہیں ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے بارے میں کوئی خاص حکم دیا ہو یا اس کو منانے کا اہتمام فرمایا ہو یا اسکے بارے میں یہ فرمایا ہو کہ اس رات میں شب قدر کی طرح جاگنا زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے نہ تو آپ کا ایسا کوئی ارشاد ثابت ہے اور نہ آپ کے زمانے میں اس رات میں جاگنے کا اہتمام ثابت ہے، نہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاگے نہ صحابہ کرام کو اسکی تاکید کی اور نہ صحابہ کرامؓ نے اپنے طور پر اسکا اہتمام فرمایا۔

اسکے برابر کوئی احمق نہیں

پھر سرکار دوعالم صلی علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد سو سال تک صحابہ کرام دنیا میں موجود رہے اس پوری صدی میں کوئی ایک واقعہ ایسا ثابت نہیں ہے جس میں صحابہ کرامؓ نے ۲۷ رجب کو خاص اہتمام کر کے منایا ہو۔ جو چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی اور جو آپ کے صحابہ کرامؓ نے نہیں کی اسکو دین کا حصہ قرار دینا اور اسکو سنت قرار دینا یا اسکے ساتھ سنت جیسا معاملہ کرنا بدعت ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جانتا ہوں کہ کونسی رات زیادہ فضیلت والی ہے یا کوئی شخص یہ کہے کہ صحابہ کرام سے زیادہ مجھے عبادت کا ذوق ہے، اگر صحابہ کرام نے یہ عمل نہیں کیا تو میں اسکو کروں گا اسکے برابر کوئی احمق نہیں۔

سبنئے سے سیانا سو باؤلا

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اردو میں ایک مثل اور کہاوت ہے جو ہندوستان کے اندر مشہور تھی اب تو لوگ اسکے معنی بھی نہیں سمجھتے وہ یہ کہ

"بنئے سے سیانا سو باولا" یعنی جو شخص یہ کہے کہ میں تجارت میں بنئے سے ہوشیار ہوں میں اس سے زیادہ تجارت کے گُر جانتا ہوں تو حقیقت میں وہ شخص باؤلا یعنی پاگل ہے اس لئے کہ بنئے سے زیادہ تجارت کے گُر جاننے والا اور کوئی نہیں ہے۔ یہ تو عام ضرب المثل کی بات تھی

صحابہ کرام سے زیادہ دین کو جاننے والا کون؟

لیکن جہاں تک دین کا تعلق ہے حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین دین کو سب سے زیادہ جاننے والے، دین کو خوب سمجھنے والے، دین پر مکمل طور پر عمل کرنے والے تھے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان سے زیادہ دین کو جانتا ہوں یا ان سے زیادہ دین کا ذوق رکھتا ہوں یا ان سے زیادہ عبادت گزار ہوں تو حقیقت میں وہ شخص پاگل ہے وہ دین کی فہم نہیں رکھتا

اس رات میں عبادت کا اہتمام بدعت ہے

لہٰذا اس رات میں عبادت کے لئے خاص اہتمام کرنا بدعت ہے یوں تو ہر رات میں اللہ تعالیٰ جس عبادت کی توفیق دے وہ بہتر ہی بہتر ہے، آج کی رات بھی جاگ لیں، کل کی رات بھی جاگ لیں، اسی طرح پھر ستائیسویں رات کو جاگ لیں دونوں میں کوئی فرق اور نمایاں امتیاز نہیں ہونا چاہیئے۔

۲۷ رجب کا روزہ ثابت نہیں

اسی طرح ستائیسویں رجب کا روزہ ہے بعض لوگ ستائیس رجب کے روزے کو فضیلت والا روزہ سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ عاشورہ اور عرفہ کا روزہ فضیلت والا ہے اسی طرح ستائیس رجب کے روزہ کو بھی فضیلت والا روزہ خیال کیا جاتا ہے، بات یہ ہے کہ ایک یا دو ضعیف روائتیں تو اس کے بارے میں ہیں لیکن صحیح سند سے کوئی روایت ثابت نہیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بدعت کا سد باب کیا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بعض لوگ ۲۷ رجب کو روزہ رکھنے لگے تھے جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

پتہ چلا کہ ۲۷ رجب کا خاص اہتمام کرکے لوگ روزہ رکھ رہے ہیں تو چونکہ ان کے یہاں دین سے ذرا ادھر یا ادھر ہونا ممکن نہیں تھا چنانچہ وہ فوراً گھر سے نکل پڑے ور ایک ایک شخص کو جاکر زبردستی فرماتے کہ تم میرے سامنے کھانا کھاؤ اور اس بات کا ثبوت دو کہ تمہارا روزہ نہیں ہے باقاعدہ اہتمام کرکے لوگوں کو کھانا کھلایا تاکہ لوگوں کو یہ خیال نہ ہو کہ آج کا روزہ زیادہ فضیلت کا ہے بلکہ جیسے اور دنوں میں نفلی روزے رکھے جا سکتے ہیں اسی طرح اس دن کا نفلی روزہ رکھا جا سکتا سکتا ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں آپ نے یہ اہتمام اس لئے فرمایا تاکہ بدعت کا سد باب ہو اور دین کے اندر اپنی طرف سے زیادتی نہ ہو۔

رات میں جاگ کر کونسی برائی کرلی

اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بعض لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس رات میں جاگ کر عبادت کرلی اور دن میں روزہ رکھ لیا تو کون سا گناہ کرلیا کیا ہم نے چوری کرلی؟ یا شراب پی لی؟ یا ڈاکہ ڈالا؟ ہم نے رات میں عبادت ہی تو کی ہے اور اگر دن میں روزہ رکھ لیا تو کیا خرابی کا کام کیا؟

دین "اتباع" کا نام ہے

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ بتلا دیا کہ خرابی یہ ہوئی کہ اس دن کے اندر روزہ رکھنا اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا اور خود ساختہ اہتمام والتزام ہی اصل خرابی ہے۔ میں یہ کئی بار عرض کرچکا ہوں کہ سارے دین کا خلاصہ "اتباع" ہے۔ ہمارا حکم مانو، روزہ رکھنے میں کچھ رکھا ہے نہ افطار کرنے میں کچھ رکھا ہے، نہ نماز پڑھنے میں کچھ رکھا ہے۔ جب ہم کہیں کہ نماز پڑھو تو نماز پڑھنا عبادت ہے اور جب ہم کہیں کہ نماز نہ پڑھو تو نماز نہ پڑھنا عبادت ہے۔ جب ہم کہیں کہ روزہ رکھو تو روزہ رکھنا عبادت ہے اور جب ہم کہیں کہ روزہ نہ رکھو تو روزہ نہ رکھنا عبادت ہے اگر اس وقت روزہ رکھو گے تو یہ دین کے خلاف ہوگا۔ دین کا سارا کھیل اتباع میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ حقیقت دل میں اتار دے تو ساری بدعتوں کی خود ساختہ

الزامات کی جڑ کٹ جائے

وہ دین میں زیادتی کر رہا ہے

اب اگر کوئی شخص اس روزے کا زیادہ اہتمام کرے تو وہ شخص دین میں اپنی طرف سے زیادتی کر رہا ہے اور دین کو اپنی طرف سے گھڑ رہا ہے لہٰذا اس نقطۂ نظر سے روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ہاں البتہ اگر کوئی شخص عام دنوں کی طرح اس میں بھی روزہ رکھنا چاہتا ہے تو رکھ لے اسکی ممانعت نہیں لیکن اسکی زیادہ فضیلت سمجھکر، اسکو سنت سمجھکر، اسکو زیادہ مستحب اور زیادہ اجر و ثواب کا موجب سمجھکر اس دن روزہ رکھنا یا اس رات جاگنا درست نہیں بلکہ بدعت ہے۔

کونڈوں کی حقیقت

شب معراج کی تو پھر بھی کچھ اصل ہے کہ اس رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنے اعلیٰ مقام پر تشریف لے گئے لیکن اس سے بھی زیادہ آجکل معاشرے میں فرض و واجب کے درجہ میں جو چیز پھیل گئی ہے وہ کونڈے ہیں اگر آج کسی نے کونڈے نہیں کئے تو وہ مسلمان ہی نہیں، نماز پڑھے یا نہ پڑھے، روزے رکھے یا نہ رکھے، گناہوں سے بچے یا نہ بچے لیکن کونڈے ضرور کرے اور اگر کوئی شخص نہ کرے یا کرنے والوں کو منع کرے تو اس پر لعنت ملامت کیجاتی ہے خدا جانے یہ کونڈے کہاں سے نکل آئے اور قرآن و حدیث میں، صحابہ کرامؓ سے، تابعین سے یا تبع تابعین اور بزرگان دین کہیں سے اسکی کوئی اصل ثابت نہیں اور اسکو اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ گھر میں دین کا کوئی دوسرا کام ہو یا نہ ہو لیکن کونڈے ضرور ہوں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس میں ذرا مزہ اور لذت آتی ہے اور ہماری قوم لذت اور مزہ کی خوگر ہے کوئی میلہ ٹھیلہ ہونا چاہیئے اور کوئی حظ نفس کا سامان ہونا چاہیئے چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ جناب پوریاں پک رہی ہیں، حلوہ پک رہا ہے اور ادھر سے اُدھر جا رہی ہیں اور اُدھر سے ادھر آرہی ہیں اور ایک میلہ ہو رہا ہے تو چونکہ یہ ایک بڑا مزے کا کام ہے اس واسطے شیطان نے اس میں مشغول کر دیا کہ نماز پڑھو یا نہ پڑھو

وہ کوئی ضروری نہیں مگر یہ کام ضرور ہونا چاہیئے۔

یہ امت خرافات میں کھو گئی

بھائی ان چیزوں نے ہماری امت کو خرافات میں مبتلا کردیا ہے ؎

حقیقت روایات میں کھو گئی یہ امت خرافات میں کھو گئی

کہ اس قسم کی چیزوں کو لازمی سمجھ لیا گیا اور حقیقی چیزیں پس پشت ڈال دی گئیں اسکے بارے میں رفتہ رفتہ اپنے بھائیوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے اس لئے کہ بہت سے لوگ صرف ناواقفیت کی وجہ سے کرتے ہیں ان کے دلوں میں کوئی عناد نہیں ہوتا لیکن دین سے واقف نہیں۔ ان بیچاروں کو اسکے بارے میں پتہ نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی ہوتی ہے اور گوشت اِدھر سے اُدھر جاتا ہے یہ بھی قربانی کی طرح کوئی ضروری چیز ہوگی اور قرآن وحدیث میں اسکا بھی کوئی ثبوت ہوگا اس لئے ایسے لوگوں کو محبت پیار اور شفقت سے سمجھایا جائے اور ایسی تقریبات میں خود شریک ہونے سے پرہیز کیا جائے۔

خلاصہ

بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ رجب کا مہینہ رمضان کا مقدمہ ہے اس لئے رمضان کے لئے پہلے سے اپنے آپ کو تیار کرنے کی ضرورت ہے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تین مہینے پہلے سے دعا بھی فرما رہے ہیں اور لوگوں کو توجہ دلا رہے ہیں کہ اب اس مبارک مہینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرلو اور اپنا نظام الاوقات ایسا بنانے کی فکر کرو کہ جب یہ مبارک مہینہ آئے تو اسکا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں صرف ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسکی فہم عطا فرمائے اور صحیح طور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

(مکتوب نمبر ۸۳۵)

حال: ہمہ وقت آنجناب کیلئے دعار نکلتی ہے۔ تحقیق: الحمدللہ
حال: اب حضور والا دل سے دعار فرما دیں۔ تحقیق: دل سے دعار کرتا ہوں
حال: اللہ تعالیٰ نفس کے کید سے بندہ کو مامون رکھیں کہ نفس ہی کی پیروی نے آج تک ناس مار رکھا، اللہ تعالیٰ جملہ امور میں بندہ کو عافیت کی دولت نصیب فرما دیں اور گناہوں کو بخشدیں اور ایمان پر خاتمہ فرمادیں۔ تحقیق: آمین
حال: مولانا ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب سے روز چہارشنبہ گورکھپور کے اسٹیشن پر ریل میں ملاقات ہوئی حضرت کو سلام کہا ہے۔ تحقیق: وعلیہ وعلیکم السلام
حال: اور حاضر ہونے کو بھی کہا ہے۔ تحقیق: خوب۔
حال: ابھی ذرا آنکھ کی وجہ سے سفر زیادہ نہیں کر رہے ہیں بجز ناگزیر سفروں کے دعار کے لئے بھی کہا ہے۔ تحقیق: دعار کرتا ہوں۔
حال: اور اپنے خطوط جو آنجناب کی خدمت میں لکھے تھے بڑی دلچسپی اور مزے لیکر سنا رہے تھے۔ تحقیق: الحمدللہ۔
حال: خصوصاً شفقت بزرگانہ کو بار بار ذکر فرما رہے تھے۔ بندہ نے جرأت کرکے ایک شعر سنا دیا جس کو غالباً آنجناب ہی سے سنا تھا اور آجکل ورد زبان رہتا ہے اکثر۔

یہ دیگ جو دل کی ہے دم خوب اسے کرنا
رسوائی بڑی ہوگی گر اس میں کہیں نکلی

وہ آب دیدہ ہوئے وہیں سے رخ دوسرا خوف والا ہوگیا۔ حضرت والا بندہ کے ہر خطا کی اصلاح فرما دیں، عمل کی طاقت اسں مرتبہ پاتا ہے دعار کا طالب ہوں۔ تحقیق: دعار کرتا ہوں۔
حال: گفتگو کے درمیان حدیث المومن اخوالمومن یکف علیه

ضیعتہ و یحوطہ من ورائہ[۵] کا ذکر آگیا بندہ نے دریافت کیا (فلاں مدرسہ میں) اس پر عمل ہے کہ نہیں ؟ اس پر ایک ٹھنڈی سانس لیا اور کہا اس پر تو عمل بہت دور نفاق ہی نفاق ہے کوئی مدرسہ میں اپنی اصلاح اور دین سیکھنے کی غرض سے جاتا ہے وہ تو اپنا سیکھا سکھایا ہوا بھول جاتا ہے اور وہاں کے نفاق سے اپنے کو خراب کرلیتا ہے۔ ایک مرتبہ بندہ کو ۔ ۔ ۔ میں کام کرنے کی غرض سے بلایا تھا بندہ نے جواب نہ جانے کا دیدیا تھا اسکی تصویب کی اور کہا جو تمھارے پاس صورت تھا وہ بھی کھو جاتا ۔ دعاء فرماویں زیارت کی توفیق آنجناب سے جلد ہی ہو جاوے ۔

---

۵ الجامع الصغیر میں پوری حدیث ان الفاظ میں ہے المؤمن مرآۃ المؤمن والمؤمن اخو المؤمن یکف علیہ ضیعتہ ویحوطہ من ورائہ (ترجمہ: مومن مومن کا آئینہ ہے اور مومن، مومن کا بھائی ہے اسکے سامان اور ملکیت کی نگہداشت کرتا ہے اور اسکی ہر طرح سے حفاظت کرتا ہے)

قال صاحب فیض القدیر شرح الجامع الصغیر قولہ (یکف علیہ ضیعتہ) ای یجمع علیہ معیشتہ ویضمہا لہ وضیعۃ الرجل ما منہ معاشہ (ویحوطہ من ورائہ) ای یحفظہ ویصونہ ویذب عنہ ویدفع عنہ من یغتابہ او یلحق بہ ضررًا ویعاملہ بالاحسان بقدر الطاقۃ والشفقۃ والنصیحۃ وغیر ذلک۔

قال بعض العارفین کن "رداءً وقمیصًا" لاخیک المؤمن وحطہ من ورائہ واحفظہ فی نفسہ وعرضہ واھلہ فانک اخوہ بالنص القرآنی (ای انما المؤمنون اخوۃ) فاجعلہ مرآۃ تری فیہا نفسک فکما تزیل عنک کل اذی تکشفہ لک المرآۃ فازل عنہ کل اذی بہ عن نفسہ ۔ (فیض القدیر ص۲۵۲ ج۶) (بقیہ ص۲۹ پر)

(مکتوب نمبر ۸۳۶)

حال: حضور حق تعالیٰ نے مجھکو ہرطرح آسودہ کیا مگر نہ معلوم کیوں دل دنیا کیطرف مائل رہتا ہے حالانکہ دنیا کے زوال کو ہر وقت مدنظر بھی رکھتا ہوں کہ کسی نہ کسی دن موت آ ہی جائیگی ۔ **تحقیق:** یہ صحیح ہے۔

حال: اور یہ سب چھوٹ جائے گا مگر دنیا ہے کہ چھوٹتی ہی نہیں اور اب بوڑھا بھی ہو چلا مگر حرص نہیں چھوٹتی موت کو کثرت سے یاد کرتا ہوں بس دعا رکرتا ہوں اللہ تعالیٰ اپنی یاد پائیدار رکھے۔

قال صاحب فیض الخ۔ فرمایا صاحب فیض القدیر شارح جامع صغیر نے (یکفت علیہ ضیعتہ) کہ ایک مومن دوسرے مومن کے گذران کا بندوبست کرے اور اسکا انتظام کرے (ضیعتہ الرجل) ہر وہ چیز جس سے انسان کی معاش وابستہ ہو۔ (ویحوطہ من ورائہ) ہرطرح سے اسکی حفاظت کرے اور ضرر سے بچائے اگر کوئی اسکی غیبت کرے یا اسکو ضرر پہونچانا چاہے تو اسکی مدافعت کرے اس کے ساتھ بقدر استطاعت احسان کا معاملہ کرے اور شفقت اور خیرخواہی کے ساتھ پیش آئے وغیر ذالک۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ اپنے مومن بھائی کے لئے "کرتا اور چادر" ہوجاؤ اور ہرطرف سے اسکی نگہبانی کرو اور اس کی حفاظت کرو اسکی ذات اسکی آبرو اور اسکے اہل کے بارے میں، اس لئے کہ تم بہ نص قرآنی اسکے بھائی ہو لہٰذا اسے آئینہ بنالو اور اس میں اپنے آپ کو دیکھو اور جس طرح سے اپنی ذات سے اس گندگی اور تکلیف دہ چیز کو دور کرتے ہو جسے آئینہ ظاہر کرتا ہے اس سے بھی ہرطرح کی ایذا رکی چیز کا دفعیہ کرو۔

حال: حضور ادہر دو چار دن سے یہ خبر گشت کر رہی ہے کہ حضرت والا حج بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے۔ تحقیق: جب میں چلا گیا پھر خط کیوں لکھ رہے ہو؟ آپ لوگوں کو غلط بات کی اشاعت میں لگے ہیں آئندہ ایسی تحریر آنی نہ چاہیئے

حال: تصدیق نہ ہونے پر خط لکھ رہا ہوں کیا صحیح ہے، اگر حضرت تشریف لے گئے تو کب گئے؟ بحری جہاز سے یا تری اور معلم کون ہے؟ اور حضرت کے ساتھ کون لوگ ہیں اگر نہیں تو یہ خبر کیسے پھیلی؟

تحقیق: یہ آپ بتائیے اسکا ذمہ دار میں ہوں؟ جو خبر مئو میں آپ پھیلائیے اسکی وجہ مجھ سے پوچھئے واہ رے عقل۔

حال: اگر واقعی حضرت حج کو تشریف لے گئے تو عرض ہے کہ قاری صاحب وغیرہ کہاں ہیں کاش کہ ذرا تفصیل سے پتہ لگتا۔ تحقیق: اگر کا کیا مطلب ہے، واقعی کا کیا مطلب ہے۔ تفصیل کا کیا مطلب ہے؟ ـــ آپ لوگ کسی عالم کے متعلق بلاتحقیق ایک بات مشتہر کر دیتے ہیں، ذرا بھی تحقیق سے کام نہیں لیتے۔

(مکتوب نمبر ۸۳)

حال: حضرت والا کا پیغام وسلام صبح ہی حکیم صاحب کی خدمت میں پہنچا دیا بہت مطمئن و خوش ہوئے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: مشتاق صاحب بھی فوراً بعد آگئے تھے، اب وہ حضور کی دعا سے اچھے ہیں انشاء اللہ ایک ہفتہ کے بعد وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ سب کو لیکر الہ آباد کا سفر کر سکیں۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مولانا صاحب خود ہی قبلِ عصر تشریف لے آئے ان سے حضور کا سلام عرض کیا حضور کی یاد آوری اور شفقت سے بہت متأثر ہیں۔

پھر حضور کا ملفوظ بھی انکو سنایا کہ "غیبت تو وہیں ہوگی جہاں اللہ تعالی کی ستاری سے کسی کے عیب نہاں ہیں" بہت ہی محظوظ ہوئے، فرمایا کہ یہ عجیب نکتہ اور عجیب علم حضرت نے بیان فرمایا، کہنے لگے کہ تم کو بھی اجر ملے گا کہ ایسی مفید بات سے مجھکو آگاہ کیا۔ تحقیق : الحمدللہ۔

حال : مولوی ۔۔۔۔ صاحب نے بھی صبح فون کیا اور کہا کہ تمھاری بدولت حضرت کی غیر معمولی شفقت مجھے حاصل ہوئی اور علم میں اضافہ ہوا۔
تحقیق : الحمدللہ۔

حال : روانگی کے وقت حضور نے جو ہمت افزا کلمات فرمائے کہ ترقی ہے تنزل نہیں ہے اس سے بہت ہی تسلی اور تسکین اور ہمت ہے۔ تحقیق : الحمدللہ

(مکتوب نمبر ۳۸۸)

حال : جناب حافظ ۔۔۔۔ صاحب، چھ دن یہاں رہے حضرت والا کے والانامہ نے انکے یہاں سے رخصت کے ایک دن قبل شرف صدور بخشا تھا۔ حضرت والا کی برکت اور کھلی کرامت ظاہر ہوئی کہ حضرت والا نے جو ارشاد فرمایا تھا کہ " وہ یہاں آچکے ہیں میں انکو کچھ نہیں کہتا " میرے لئے تو وجد آفریں تھا۔ تمام باتوں کا جواب تھا۔ الحمدللہ۔

حضرت والا کی برکت سے میں نے بھی انکے ساتھ یہی معاملہ کیا انکا مزاج کچھ عجیب متجسسانہ اور ناقدانہ واقع ہوا ہے۔ بعض میرے احباب سلیم المزاج نے مجھ سے کہا کہ تعجب ہے تیرے مزاج کے پیش نظر تو ایک گھنٹہ تو انکو برداشت نہیں کرسکتا تھا کیسے چھ دن انکے ساتھ نباہ ہوا؟ میں نے کہا کہ یہ محض حضرت والا کی کرامت اور قوتِ فیضان ہے میں نے اسی وقت پر ہاں اطلاع دیدی تھی ع۔ دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست (پیر کا ہاتھ دوروالوں سے کوتاہ نہیں ہے)

یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ میری ہر حرکت کا جائزہ لے رہے ہیں اگرچہ انکے یہاں تشریف لانے کا مقصد صرف ملازمت کے سلسلہ میں مجھ سے اعانت لینا تھا اور بس، میں الحمدللہ حضرت والا کی تعلیم و اصول کے ماتحت بے تصنع سادگی کے ساتھ رہتا تھا، اپنے اصول و قواعد پر مضبوط رہتے ہوئے کوئی ناگواری کی صورت پیدا ہونے کا موقع نہیں دیا البتہ آخری دن جب وہ رخصت ہونے کو تھے انکے ہی بعض لطیف اشاروں سے متاثر ہوکر میرے ایک شناسا صاحب مجھے اور انکو ظہر کی دعوت دینے کے لئے پہنچے، مجھ سے اولاً مشورہ لینا چاہتے تھے یہ میرے ساتھ تھے موقع کچھ ایسا تھا کہ انکو علیحدہ کہنے کی صورت نہیں بنی کچھ دبی زبان میں کہا کہ دعوت دینے کا خیال ہے میں نے کہا کہ یہ تو ظہر سے پہلے رخصت ہونا چاہتے ہیں پھر مشورہ کے بعد ایک گھنٹہ میں اسکی اطلاع آپ کو دے دی جائے گی کہ دعوت منظور ہے یا نہیں تو یہ جھٹ سے کہنے لگے کہ کھانا ظہر کا کھا کر جائیں گے، منظور کر لیجئے، مخلص آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے یہاں ہر قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے گو یہ مخلص ہیں لیکن دوسری باتوں کا لحاظ بھی ضروری ہے مجھے کچھ عذر ہے اسلئے میں تو شرکت نہیں کر سکتا۔ میں نے ان صاحب سے کہا کہ ناشتہ کے لئے ہم مکان جا رہے ہیں وہیں سے ابھی کچھ دیر میں اطلاع کر دی جائیگی۔ اسکے بعد انھوں نے مجھ سے کہا کہ مخلص آدمی معلوم ہوتا ہے چلئے جاکر کھا لیں گے۔ میں نے کہا علماء یہاں آتے رہتے ہیں لوگ انکی دعوت کرتے رہتے ہیں مجھے بھی ساتھ لیجانا چاہتے ہیں میں نہیں جاتا اب اگر کسی کے یہاں چلا جاؤں تو آئندہ میں ایسے مواقع پر عذر پیش کروں تو وہ قبول نہ ہوگا، میں تو ایسے موقع پر یہاں کے بڑے رئیس اس مدرسہ کے بانی و منتظم کے یہاں بھی نہیں جاتا مجھے عذر ہے آپ تشریف لیجائیں واقعی وہ مخلص شخص ہے۔ تو جواب دیا نہیں نہیں تیرے بغیر میرا جانا ٹھیک نہ ہوگا۔

(جاری)

پس جب کوئی تم سے عمر میں یا رتبہ میں چھوٹا ابتداءً بسلام کرتا ہے اور اپنے رتبہ کے موافق نیازمندانہ لہجے سے کرتا ہے تو یہ فرق حفظِ مراتب کے لئے کافی ہے اتنے فرق کی شریعت نے اجازت دی ہے اس سے آگے بڑھنا تکبر ہے اب حجام چھوٹا بنتا ہے اور نیازمندی سے سلام کرتا ہے تب بھی اس پر اعتراض ہے واللہ تکبر نے قلوب کو چرلیا آجکل کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ہمارے سامنے ایسے رہیں جیسے جماد محض (بے حس، بے جان پتھر) خدا نے تو انکو انسان بنایا ہے اور یہ انکو جماد بنانا چاہتے ہیں یہ تو حق تعالےٰ کے کام میں اصلاح دینا ہے حجام تو آپ کی اصلاح سے گھٹیا ہو یا نہ ہو مگر آپ اس اصلاح سے ضرور گھٹیا ہو جاویں گے اور عنداللہ شرالخلائق (یعنی بدترینِ مخلوقات) قرار دیئے جاویں گے۔ حجام کو سرھانے نہ بٹھایا نہ سہی پائنتی ہی بٹھاؤ مگر جس بات میں شریعت نے فرق نہیں کیا تو اس میں تو فرق نہ کرو بلکہ ہر جگہ چھوٹوں کو سرھانے بٹھانا مناسب بھی نہیں کیونکہ اس میں انکا بھی نقصان ہوگا ان میں تکبر پیدا ہوجاوے گا اس سے انکا دین بھی غارت (برباد) ہوگا اور دنیا کا بھی نقصان ہوگا کہ کہیں سرھانے بیٹھنے سے پٹ نہ جاویں ہاں اگر اسکا اطمینان ہو کہ وہ سرھانے بیٹھنے سے متکبر نہ ہوجاویں گے تو مضائقہ نہیں۔ غرض تکبر ایسا مرض ہے جس کے علاج سے غفلت نہ چاہئے۔ یہ مرض صرف جہلا اور عوام ہی میں نہیں بلکہ اچھے اچھے ثقہ (دیندار) لوگوں میں بھی موجود ہے اور اسکا علاج تواضع ہے اور اس مرض اور علاج کی ہر وقت نگرانی کرنا چاہئے بعضی باتیں بہت خفیف (معمولی اور ہلکی) ہوتی ہیں مگر منشاء انکا یہی اُمُّ الْاَمراض یعنی کبر ہوتا ہے اس وقت اسکے معالجہ کے لئے کوئی صورت تواضع کی بالقصد اختیار کرنا چاہیئے

تدبیر اصلاح

میں ہر شخص کے لئے تواضع کی تدابیر کہاں تک بتاؤں علاجِ مشترک یہ ہے کہ اپنے آپکو کسی محقق[ؒ] مبصر کے سپرد کردو اور اسکو تمام حالات کی اطلاع کیا کرو اور وہ جس موقع و محل میں جو تدبیر بتائے اسکو اختیار کرو۔ اس طرح تواضع حاصل کرو۔ یہ کبر ایسی چیز نہیں ہے جس سے غفلت

ؒ۔ صاحب تحقیق، ۵ اهـ بصیرت۔ دانا

کی جائے اہل اللہ نے اسکے علاج کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں۔
مولانا اسماعیل صاحب مسجد میں سو جاتے مسافروں کے پیر دبایا کرتے تھے صرف اس واسطے کہ تواضع اور تذلل پیدا ہو۔ ایک دفعہ مولانا سفر میں لشکر سے نکلکر کسی مسجد میں جا ٹھہرے موذن عام طور سے مسافروں سے جلا کرتے ہی ہیں انکو بھی منع کیا مولانا نے اسکا کہنا نہ مانا اس نے دھکے دیکر انکو نکال دیا، مولانا تھوڑی دیر میں پھر اسی مسجد میں آ گئے اس نے پھر نکالدیا کئی دفعہ ایسا ہی ہوا آخر اس نے تنگ آکر کہا اچھا بھائی بیٹھ۔ تھوڑی دیر میں لشکر سے دو سوار مولانا کو ڈھونڈھتے ہوئے آئے اب تو موذن کے ہوش خطا ہوئے اور سمجھا کہ اب پٹوں گا یہ کوئی بڑے آدمی ہیں، مولانا نے کہا ڈر مت تجھے کوئی کچھ نہ کہیگا میں جاتا ہوں تجھے کھانا بھی بھجواؤں گا۔ وہ پیروں میں گر گیا اور معافی مانگی پھر پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا یہ میں نے اپنا علاج کیا، مجھے کسی وجہ سے خیال ہو گیا تھا کہ لوگ مجھکو بڑا سمجھتے ہیں اس کبر کا یہ علاج کیا کہ دھکے کھائے یہ اس مادۂ فاسد کا مسہل ہو گیا۔ اہل اللہ اس طرح اسکا علاج کرتے ہیں وہ اسکو امراض جسمانی کی طرح بلکہ اس سے بھی اشد سمجھتے ہیں۔ دیکھئے جو لوگ محتاط ہیں اور حفظ صحت کے شوقین ہیں وہ بلا ضرورت (صحت) بھی ہر فصل میں جاڑے بخار کا علاج بطور حفظ ما تقدم کیا کرتے ہیں اسی طرح اہل اللہ نے ادنیٰ مظنہ (معمولی گمان) کے موقع پر کبر کا علاج ضرور کر لیا ہے تاکہ نوبت اسکے وقوع کی آوے ہی نہیں۔
حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ دیکھا گیا کہ کمر پر مشک لادے ہوئے مسلمانوں کو پانی پلاتے پھرتے تھے، پوچھا گیا کہ اے امیرالمومنین یہ کیا ہے؟ کہا کچھ لوگ بطور وفد آئے تھے میری مدح (تعریف) کی اس سے نفس میں انبساط پیدا ہوا اسکا میں نے یہ علاج کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کرتا پہنا وہ اچھا معلوم ہوا تو آپ نے اسکی آستینیں بالشت بھر کاٹ دیں تاکہ عیب پڑ جائے اور بدنما ہو جائے۔ یہ وہ

حضرات ہیں جن سے زیادہ کامل النفس کوئی نہیں ہو سکتا انکو اتنا اہتمام اس مرض کا تھا اس بھروسہ پر نہ رہتے تھے کہ ہم نے تہذیب[۱] نفس کر لی ہے۔ اور ایک دم بھی غوائل[۲] نفس سے غفلت نہ کرتے تھے ہم کس خیال میں ہیں کہ ذرا ذکر شغل کر لیا اور مطمئن ہو گئے کہ اب ہم نفس و شیطان کے کید" اور فریب و جال میں نہیں آ سکتے۔ یاد رکھو کہ جس وقت آدمی اپنے آپ کو اچھا لگتا ہے اسی وقت خدا کو برا لگتا ہے۔ یہ حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کی نسبت پورا اعتماد ہے کہ جنت میں ضرور جائیں گے مگر پھر بھی انکی یہ حالت ہے کہ غوائل نفس سے غافل نہیں تھے تا بما چہ رسد (ہماری تو کیا حقیقت) اگر ہم مان بھی لیں کہ کسی نے تہذیب نفس کامل ہی کر لی تب بھی اسکو بے فکر ہو جانا کیا معنی؟ تہذیب کامل ہو جانے کے وقت بیشک تندرست ہے پھر کیا تندرست ہمیشہ کے لئے تندرست رہا کرتا ہے کیا ہمکو تندرستی کے بعد بیماری نہیں آتی کیا ممکن نہیں کہ کسی وقت کامل کو بھی تکبر کا مرض پیدا ہو جائے جیسے ہمکو تندرستی کے بعد بیماری آجاتی ہے اور یہ علی سبیل التنزل کہا جاتا ہے ورنہ ہم تندرست ہی کون سے ہوئے تھے ہمیشہ بیمار ہی رہے اور بیماری بھی ایک نہیں ہے مرض کے اندر مرض، مرض کے اندر مرض بھرے ہیں۔ ہم تو پیچ پیچ گند در گند ہیں ان امراض کی شرح کہاں تک کیجاوے بس اسکی اصلاح کی تدبیر یہی ہے کہ اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دو وہ تفصیل جانتا ہے ہر موقع و محل پر مناسب تدبیر بتا دے گا آپ کو تفصیل وغیرہ یاد رکھنے کے دردسر سے سبکدوشی رہے گی اگر کسی وجہ سے یہ میسر نہو تو اس فن کی کتابیں ہی دیکھو اور متواضعین کی حکایت ہی پڑھتے رہو۔ یہ ہے ابتدائی علاج، اس حدیث میں بصورت اخبار اسکی تعلیم دی گئی ہے اس طرح پر کہ اس پر ایک وعدہ بھی کیا گیا ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ یعنی جو کوئی تواضع اختیار کرے گا اسکو حق تعالیٰ رفعت عطا فرمائیں گے اسکے یہ معنی نہیں کہ تواضع عند الشرع کوئی مطلوب چیز نہیں اگر کسی کو رفعت (بلندی) کی خواہش ہے تو وہی اسکو

---

[۱] نفس کو پاکیزہ اور شائستہ بنانا [۲] نفس کی برائیاں۔

اختیار کرے بلکہ اسکا واقعی نتیجہ بتلایا گیا ہے۔ رہا تواضع کا مطلوب اور ماموربہ ہونا وہ خود ثابت شدہ چیز ہے۔ ثمرات کا بیان اسواسطے کیا جاتا ہے تاکہ اس سے زیادہ شوق پیدا ہو۔ مطلب یہ کہ قطع نظر اسکے ضروری ہونے سے۔ اگر رفعت چاہتے ہو تو وہ بھی اسی سے پیدا ہوگی کسی شاعر نے کہا ہے ؎

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو
کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقا را

(تجھکو شہرت ہی کی ہوس ہے تو گوشہ نشینی اختیار کر اس لئے کہ گوشہ گیری نے عنقا کے نام کو مشہور کردیا)

پس اگر رفعت کی تحصیل کی خواہش ہے تو اسکی تدبیر بھی تکبر نہیں ہے جیساکہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے اسکی تدبیر بھی یہی ہے کہ تواضع اختیار کرو مگر اللہ کی قید بھی یاد رہے کہ اللہ کے واسطے تواضع اختیار کرو نہ بقصد شہرت تو وہ رفعت دے گا۔ یہ حدیث کا وعدہ ہے اور حدیث میں دنیا وآخرت کی بھی قید نہیں ہے معلوم ہوا کہ دونوں جگہ رفعت نصیب ہوگی۔ ذوق نے خوب کہا ہے ؎

دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا

اللہ تعالیٰ تواضع کرنے والے کو دنیا میں بھی بڑائی دیتا ہے اور آخرت میں تو ہے ہی۔ چنانچہ دنیا میں تعریف ہوتی ہے کہ فلاں شخص بڑے منکسر المزاج ہیں اپنے آپ کو کھینچتے نہیں ہر شخص سے ملے جاتے ہیں اور جب اس میں بناوٹ نہیں دیکھتے تو اسکی محبت اور وقعت قلوب میں ایسی پیدا ہوجاتی ہے کہ بڑے سے بڑے حاکم اور بادشاہ کی بھی نہیں ہوسکتی کوئی اسکا مخالف نہیں رہتا ہر شخص کو اسکے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے پھر ایسے شخص کی زندگی کیسی اچھی زندگی ہوگی چونکہ اس مضمون کی عام ضرورت تھی اس واسطے بیان کیا گیا (یہاں پہونچکر عصر کی اذان ہوئی تو سکوت کیا اور فرمایا میں بیان کو دو منٹ میں ختم کرتا ہوں) بعد اذان فرمایا میں بیان ختم کر چکا صرف نام رکھنا باقی ہے۔ اسوقت تحصیل رفعت

کا طریقہ بیان ہوا ہے اور مقام کا نام قنوج ہے تو وعظ کا نام رفعت قنوج ہونا چاہیئے تھا مگر لفظی رعایت کے لئے رفعت کا ترجمہ اوج کر دیا جائے تو اوج قنوج نام مناسب ہے اور راز اس نام میں یہ بھی ہے کہ قنوج اسوقت بہت پستی کی حالت میں ہے حالانکہ کسی وقت بہت بڑی جگہ تھی اور اس پستی کی تمام تر وجہ نا اتفاقی ہے اور نا اتفاقی کی وجہ کبر ہے اور ظاہر ہے کہ علاج بالضد ہوا کرتا ہے کبر کی ضد تواضع ہے جس کا آج بیان ہوا۔ کبر کا اختیار کرنا باعث ہوا پستی کا تو اسکے ضد کا اختیار کرنا باعث ہوگا رفعت کا تو اس بیان پر عمل کرنا باعث ہے اوج و رفعت کا۔ زمانہ کے عقلاء ترقی کی دھوم مچاتے ہیں اور اسکی صورتیں سکھلاتے ہیں مگر ترقی کی جڑ نہیں سکھلاتے وہ جڑ تواضع ہے جس پر اس وقت مفصل بحث ہوئی، لہٰذا اوج قنوج نام رکھا جاتا ہے۔ اب دعا کیجیئے کہ حق تعالیٰ فہم دین اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

خلاصۂ وعظ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو بلندی اور رفعت عطا فرماتے ہیں) امراض بہت ہیں جنکی تفصیل دشوار ہے مگر اُم الامراض کبر ہے اسکا علاج اس حدیث میں ہے۔ یہ حدیث اسواسطے اختیار کی گئی ہے کہ یہ مرض عام ہے ہر قسم کے لوگوں میں حتیٰ کہ اہل علم میں بھی یہاں تک کہ بعض اپنے جہل پر قرآن و حدیث سے شہادت لاتے ہیں مثلاً قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (آپ کہیئے کیا عالم اور غیر عالم برابر ہوسکتے ہیں) انکو وہ آیات و احادیث بھی یاد کرنی چاہیئے جو عالم بے عمل کی مذمت میں وارد ہیں علاوہ برایں کسی عامی کو بھی حقیر سمجھنا چہ معنی؟ ؎ تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد (یار کس کو چاہتا ہے اور اسکا میلان کس کی طرف ہو جاتا ہے)

شبہ کیا خدا تعالیٰ کے یہاں بھی کوئی قاعدہ اور قانون مقرر نہیں اس طرح تو نیکوکار اور بدکار سب برابر ہو جاتے ہیں اور وعدہ وعید کوئی چیز نہ رہی

حالانکہ نصوص اسکے خلاف ہیں

جواب | وعدہ اور وعید صحیح ہیں لیکن اعمال اگرچہ آپ کے ارادہ پر ہیں تاہم ارادہ کا پلٹ دینا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور یہی خوف کی وجہ ہے وعدہ اور وعید پر یقین چاہئے اور قدرت و ارادہ سے خوف (جیسا کہ ایک پابند قانون کو حاکم کے سامنے جانے سے خوف ہوتا ہے) ناز و انداز انکشاف عظمتِ خداوندی نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ہمارے اعمال حق تعالیٰ کے سامنے کیا ہیں؟ علاوہ ازیں ناز مکتسب (اختیاری) چیز پر ہوتا ہے اور ہمارے اعمال کسی درجہ میں مکتسب سہی مگر درحقیقت علت انکی مشیتِ حق ہے۔ ایک بزرگ نے ذکر اللہ کرنا چاہا مگر نہ کرسکے یاد آیا کہ جوانی میں ایک کلمہ بے ہودہ زبان سے نکلا تھا یہ اسکی سزا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک مرید ایک امرد پر نظر کرنے سے قرآن مجید بھول گیا جنکو علم پر ناز ہو وہ اس آیت کو یاد کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہے وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا (یعنی ہم اگر چاہیں تو وہ تمام علوم جو آپکو دیئے ہیں دفعۃً سلب کرلیں "اور لے لیں" پھر آپ کا کوئی کارساز نہیں ہوسکتا، بس رحمت خدا ہی ساتھ دے سکتی ہے اللہ کا فضل آپ پر بڑا ہے) غرض مختلف طریقوں سے کبر قلوب میں موجود ہے اور یہ مرض ام الامراض ہے، تمام عیوب اسی سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً غصہ حتیٰ کہ بعض وقت زبان سے ظاہر ہونے لگ جاتا ہے چنانچہ بعض آدمی کہنے لگ جاتے ہیں تو جانتا نہیں کہ میں کون ہوں ایک ایسے ہی شخص کے جواب میں ایک بزرگ نے کہا کہ جانتا ہوں اَوَّلُكَ نُطْفَةٌ مَذِرَةٌ وَآخِرُكَ جِيْفَةٌ قَذِرَةٌ وَاَنْتَ بَيْنَ ذٰلِكَ تَحْمِلُ الْعَذِرَةَ (تو تو ایک پلید نطفہ تھا اور انجام کار ایک گندہ مردار ہو جائے گا اسکے درمیان یہ حالت ہے کہ نجاست کو پیٹ میں لئے

پھرتا ہے اور یہ واقعی بات ہے غلیظ سے کسی کا بھی پیٹ خالی نہیں حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ اسکو مستور کر دیا مرض گندہ ذہنی میں اس مستوری کی قدر معلوم ہوتی ہے ۔

تفریع بر گندہ ذہنی

دین کے حقیقت شناس دو گروہ ہیں فقہاء اور صوفیہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس مریض سے جماعت کو ایذا ہو وہ نماز علٰحدہ پڑھ لے ۔ تکثیر جماعت مہتم بالشان ہے اسی کی ضرورت سے امام کی صفات میں یہاں تک لکھا ہے کہ خوبصورت بیوی والا بھی گونہ ترجیح کے قابل ہے ۔ اور مقتدی کو لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت ہے ۔ حضرت عمرؓ نے ایک مجذومہ کو طواف سے منع کر دیا تھا ۔ حق تعالیٰ نے حیات میں پردہ ڈھکا ہے اور بعد موت بھی جنازہ کی تجہیز و تکفین میں تعجیل اور خوشبو لگانے میں یہی حکمتیں ہیں ایک نفع اس تعجیل میں یہ بھی ہے کہ مُردے سے نفرت نہ ہو کہ وہ ایصال ثواب سے مانع ہو جاوے ۔ اس سے یہ بات بھی نکلی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کے دماغوں کی حفاظت کی ہے تو انکو جہنم میں کیسے چھوڑ دیں گے ۔ اگر ہمکو اپنی گندہ حالت یاد رہے تو کبھی تکبر نہ آئے ۔ اگر ویسے یاد نہ رہے تو ایک سہل مراقبہ روزمرہ کا یہ ہے کہ پاخانہ میں بیٹھکر اپنی حالت کو دیکھا کیجئے اس وقت کی ہئیت میں غور کیا کیجئے اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم کون ہیں (اگرچہ بعض لوگ پاخانہ میں دلچسپی کا سامان لیجاتے ہیں یعنی اخبار دیکھتے ہیں خیر انکی سزا یہی ہے کہ پاخانہ میں بند رہیں آپ بجائے اس شغل دلچسپی کے اپنی حالت کا مراقبہ کیا کیجئے کہ یہ کیا ہئیت ہے اور ٹانگوں کے بیچ میں سے کیا نکل رہا ہے ، یہ بات ہے تو بیہودہ مگر کارآمد اس قدر ہے کہ حق تعالےٰ نے الوہیت مسیح کی نفی پر آیت كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ (وہ دونوں کھانا کھاتے تھے) میں اسی استدلال کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ غرض اپنی اس حالت کو دیکھکر یہ سمجھے جو شخص دن میں دو تین مرتبہ نجاست میں مبتلا ہوتا ہے

وہ کیا بڑا ہے ۔ اگر پانی پیدا نہ ہوا ہوتا تو ہر وقت سنے ہی رہتے (اگرچہ سنا رہنا بھی بعضے بھدی مذاق والوں کے نزدیک عیب نہیں رہا جیسا فیشن والوں میں مشاہدہ ہے کہ کاغذ سے استنجا کرتے ہیں جس سے صفائی نہیں ہوسکتی اور انکی پتلونیں سنی ہوئی ملتی ہیں پھر ٹب میں بیٹھکر نہاتے ہیں اور وہ نجاست منہ تک میں جاتی ہے ۔ طریقہ سنت چھوڑنے کی سزا یہی ہے ، پس جب ہمارے اندر یہ گندگیاں بھری ہوئی ہیں تو کیا بڑائی اور کس بات پر غصہ آوے ۔ اور غصہ خود بھی بری چیز ہے ۔ غصہ کے نتائج یہ ہیں کہ اگر قدرت انتقام ہو تو ظلم ورنہ کینہ اور حسد اور ایذا رسانی پھر مکر و فریب ۔ غرض یہ غصہ کبر کی فرع ہے تو کبر کا قبیح ہونا اس سے زیادہ ظاہر ہوگیا اسی کبر کے باب میں قرآن شریف میں ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (اللہ تعالیٰ متکبر شیخی باز کو پسند نہیں کرتے) اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) یہ تین لفظ اس واسطے ہیں کہ کبر قلبی کبھی تہذیب کی وجہ سے مخفی رہتا ہے اس کے واسطے لفظ مستکبرین ہے اور تہذیب کی کمی سے اسکا ظہور ہونے لگتا ہے پھر اگر زبان سے ظہور ہو تو اسکی نسبت لفظ فخور "شیخی باز" ہے اور اگر صرف افعال سے ہو اس کے لئے مختال ہے "اترانے والا" فیشن والا بھی مختال میں داخل ہے ان کبر پر وعیدیں بہت ہیں مگر اس آیت میں لا یحب آیا ہے یہ بھی کچھ کم نہیں بلکہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ تمام وعیدوں کی انتہا اسی پر ہوتی ہے اور اسمیں بجائے یبغض کے لا یحب فرمایا گیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ جملہ کاموں میں تین مرتبے ہیں پسند ہونا ، پسند نہ ہونا گو برا بھی نہ سمجھا جائے اور برا سمجھنا ظاہر ہے کہ کبر قسم اول کا عمل تو ہے نہیں اور قسمین اخیرین میں سے بھی اخیر کا ہے مگر اس کے واسطے بجائے یبغض کے درمیانی قسم کا لفظ یعنی لا یحب فرمایا اسمیں اشارہ ہے کہ محب خدا کو تیسری قسم کے لفظ سنانے کی نوبت کبھی نہیں آسکتی ، درمیانی لفظ بھی اسکے مرجانے کے لئے کافی ہے ۔ (جاری)

۹۴۳) فرمایا کہ آجکل ایک مرض یہ بھی ہے کہ مرید ہونے کے لئے لوگوں کو اپنے بزرگوں کے پاس لاتے ہیں اور سفارش کرتے ہیں اس سے مجھے تو ایسی چڑ ہے کہ ذرا بھی علوم ہو جاوے کہ کسی کا لایا ہوا ہے تو اسے تو مرید کرتا ہی نہیں تاکہ وہ ان ترغیب سینے والے کو گالیاں دے اور پھر انھیں سفارش کا حوصلہ نہ رہے۔ جناب للب وہ چیز ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے کسی کی سفارش کی ضرورت ہی نہیں دوسرے یہ بات ہے کہ جو سفارش کے ذریعہ سے بیعت ہونا چاہتا ہے تو اسکا یہام ہوتا ہے کہ گو یہ نیت نہ ہو لیکن اسکی صورت ایسی ہوتی ہے کہ اس کو نیازمندی سے عار ہے۔

۹۴۴) فرمایا کہ جو یکسوئی نسبت میں ہوتی ہے اسکے یہ معنی نہیں کہ کوئی خطرہ ہی نہ آوے بلکہ یہ معنی ہیں کہ غیر حق پر نظر نہو۔ صحابہ اہل نسبت تھے لیکن وساوس آتے تھے۔

۹۴۵) فرمایا کہ جب مجلس جمی ہوئی ہوا ور کوئی گفتگو ہو رہی ہو تو سلام کرنا نہیں چاہیئے نہ مصافحہ کرنا چاہیئے۔ بعضے لوگ بیچ میں السلام علیکم کہکر لٹھ سا مار دیتے ہیں اور پھر ایک طرف سے مصافحہ کرنا شروع کر دیتے ہیں جس سے گفتگو کا سارا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور تمام مجمع پریشان ہو جاتا ہے یہ آداب مجلس کے خلاف۔

(۹۴۶) ایک صاحب دہلی کے آئے وہ ایک واعظ کے پاس رہے تھے ات دن خدمت کرنے کے خوگر تھے بعد کو انکا میلان بدعات کی طرف دیکھکر یہاں آئے انکی عادت تو اسی کی پڑی ہوئی تھی مجھ سے بھی بھوت کی طرح لپٹنا چاہا میں نے انھیں نرمی سے سمجھایا انھوں نے ایک پرچہ لکھکر دیا کہ مجھے رنج ہوا آپ نے مجھے محروم رکھا میں نے بلا کر کہا کہ اگر آپ کو مجھ سے اعتقاد نہیں تو میری خدمت میں کوئی سعادت نہیں جس کی محرومی کا رنج کیا جاوے، اور اگر اعتقاد ہے تو یہ عجیب بات ہے کہ آپ مجھے سعادت سے محروم کرنے والا

سمجھتے ہیں جب آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں تو میں تو آپ کا دشمن دین ہوں، پھر یہاں آپکا رہنا فضول ہے تشریف لیجایئے۔ تب انکی آنکھیں کھلیں۔ پھر میں نے کہا تحقیق سمجھنا چاہیئے کہ جو کچھ مجھکو کہا جاوے گا وہی ٹھیک ہوگا۔ پھر فرمایا کہ حضرت میں نے اپنے کسی بزرگ کی خدمت ہاتھ پاؤں کی کبھی نہیں کی کہ شاید مجھ سے نہ آوے تو انکو تکلیف ہو۔ عمر بھر میں ایک دفعہ مولانا گنگوہیؒ کو پنکھا جھلنے بیٹھا تھا اس وقت مولانا اور میں اکیلے تھے کبھی یہ کام کیا نہ تھا تھوڑی دیر میں ہاتھ ڈھیلے ہونے لگے، اب اور کوئی دوسرا وہاں نہ تھا کہ اسکو دیدوں اور موقوف کرنا برا معلوم ہوا۔ جی چاہا کوئی آجائے تو اچھا ہو، چنانچہ ایک صاحب آگئے میں نے انکے حوالہ کردیا اور جی میں کہا کہ توبہ ہے جو اب پنکھا جھلوں، نہ ہمارے بزرگوں کو کبھی اسکا خیال ہوا، اب جیسا برتاؤ بزرگوں کا دیکھا ویسے ہی کرنے کو جی چاہتا ہے

۹۴۷) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوبؒ صاحب جب آتے ہم کھڑے ہوجاتے مولانا کو تکلیف ہوتی بہت دن صبر کیا ایک دن فرمایا کہ بھائی مجھے تکلیف ہوتی ہے کھڑے مت ہوا کرو اسکے بعد سے کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ جب مولوی صاحب آتے تھے بے اختیار جی چاہتا تھا کہ کھڑے ہوجاویں کیونکہ محبت بھی تھی ادب بھی عظمت بھی لیکن یہی خیال ہوتا تھا کہ مولانا کو تکلیف ہوگی جوش کو ضبط کئے بیٹھے رہتے۔ پھر فرمایا کہ اس صورت میں میرے نزدیک بیٹھا رہنا زیادہ نافع ہے کیونکہ مخالفت طبیعت کی مجاہدہ ہے

۹۴۸) فقہاء اور صوفیہ دونوں حکیم کہنے کے قابل ہیں کیونکہ یہ دونوں جماعتیں حقیقت شناس ہیں الفاظ پرست نہیں چنانچہ فقہاء کہتے ہیں کہ جو طبعی یا دینی کام میں مشغول ہو اسکو سلام کرنا مکروہ ہے چنانچہ کھانا کھانے میں سلام مکروہ لکھا ہے۔

۹۴۹) فرمایا کہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ مزاج کے بڑے تیز

ستے کبھی حضرت حاجی صاحبؒ کو اور کبھی مولانا شیخ محمد صاحبؒ کو بھی سنا دیتے دیتے تھے۔ سختی اگر نفس کیلئے نہو، دنیا کی طمع اور حرص نہو، دل شکنی کا قصد نہو وہ بھی کمال ہے اور یوں کوئی کم فہم نہ سمجھے اسکا کیا علاج؟

(۹۵۰) فرمایا سہ ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است (ہر پھول کا رنگ و بو الگ الگ ہے) بزرگوں کی شانیں مختلف ہیں کیونکہ طبائع تو خلقۃً ہی متفاوت ہوتی ہیں۔ جب وہ بزرگ ہو جاتے ہیں تو وہ امور طبعیہ جو پیدائشی ہیں جیسے تیزی، نزاکت، تحمل، عدم تحمل، صفائی، انتظام بے انتظامی باقی رہتے ہیں اور ان سے بزرگوں کی شانیں مختلف ہو جاتی ہیں چنانچہ حسب ذیل حکایتیں مختلف شان کے بزرگوں کی بیان فرمائیں۔

(۱) مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور مولانا رشید احمد صاحبؒ حج کو چلے تو بمبئی میں مولانا محمد قاسم صاحبؒ تو لوگوں سے ملتے پھرتے اور مولانا گنگوہی انتظام میں مشغول رہتے، جب مولانا محمد قاسمؒ صاحب واپس آتے تو مولانا گنگوہیؒ صاحب فرماتے کچھ فکر بھی ہے کہ کیا انتظام کرنا چاہیئے؟ آپ ملتے ہی چلتے پھرتے ہیں، مولانا فرماتے مجھے فکر کی کیا ضرورت ہے جب آپ بڑے سر پر موجود ہیں۔

(۲) مولانا محمد قاسمؒ صاحب کے پاس کوئی بیٹھا ہوا ہوتا تو اشراق اور چاشت بھی قضا کر دیتے تھے اور مولانا رشید احمد صاحبؒ کی اور شان تھی کوئی بھی بیٹھا ہو جب وقت اشراق کا یا چاشت کا آیا وضو کرکے وہیں نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے یہ بھی نہیں کہ کچھ کہکر اٹھیں کہ میں نماز پڑھ لوں یا اٹھنے کی اجازت لیں۔ جہاں کھانے کا وقت آیا لکڑی لی اور چلدیئے چاہے کوئی نواب ہی کا بچہ بیٹھا ہو۔ وہاں یہ شان تھی جیسے بادشاہوں کی شان ایک تو بات ہی کم کرتے تھے اور اگر کچھ مختصر سی بات کہی تو جلدی سے ختم کرکے تسبیح لیکر ذکر میں مشغول ہو گئے۔ کسی نے کوئی بات پوچھی تو جواب دیدیا گیا اور اگر نہ پوچھی تو کوئی گھنٹوں

بیٹھا رہے انھیں کچھ مطلب نہیں مولانا قاسمؒ صاحب کے پاس جب تک کوئی بیٹھا رہتا بولتے رہتے۔

(۹۵۱) فرمایا کہ ایک بار مولانا محمد قاسم صاحبؒ مولانا گنگوہی سے فرمانے لگے کہ ایک بات پر بڑا رشک آتا ہے کہ آپ کی نظر فقہ پر بہت اچھی ہے ہماری نظر ایسی نہیں فرمایا جی ہاں ہمیں کچھ جزئیات یاد ہوگئیں تو آپ کو رشک ہونے لگا اور آپ مجتہد بنے بیٹھے ہیں ہم نے آپ پر کبھی رشک نہیں کیا۔ ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں وہ انھیں اپنے سے بڑا سمجھتے تھے اور وہ انھیں۔

(۹۵۲) حضرت خواجہ صاحبؒ نے عرض کیا کہ کیا علم نہ ہونے سے مواخذہ نہ ہوتا۔ فرمایا علم نہ ہونے سے کچھ تو فرق ہوجاتا ہے آخرت میں تو کچھ فرق نہیں ہوتا دنیا میں تو ہوجاتا ہے۔ عاجل اور آجل کا فرق ہوجاتا ہے۔

(۹۵۳) فرمایا کہ جب تک طریق کی حقیقت نہ معلوم ہوجائے تب تک تو صحبتِ شیخ بہت ضروری ہے جب اسکی حقیقت معلوم ہوگئی اور طریق سے مناسبت پیدا ہوگئی تو پھر صحبت ضروری نہیں۔

(۹۵۴) حضرت والا نے ایک طالب کی بے توجہی معلوم کرکے فرمایا کہ جس وقت میں نے تقریر کی ہے آیا آپکی توجہ تھی یا نہیں کہا کہ شاید میں حدیث النفس (وسوسہ خیالات) کے طور پر حضور کی تقریر کے وقت کچھ سوچ رہا تھا فرمایا کہ جب آپکو میری تعلیم کی اتنی بھی قدر نہیں کہ میں تو تقریر کروں اور آپ اپنی حدیث النفس میں مشغول رہیں، میں تو تکلیف اٹھاؤں اور آپ رہیں نواب صاحب تو جائیے اپنا کام کیجئے، یہ کہکر پاس سے اٹھا دیا۔

(۹۵۵) فرمایا کہ ذکر کے وقت مختلف تصورات سے یکسوئی فوت ہوجاتی ہے بلکہ محض تصور ذات حق رکھنے سے بہت نفع ہوتا ہے۔

(۹۵۶) فرمایا کہ بیعت ضروری نہیں بڑی چیز تعلیم ہے اور "ملقن" اور "معلم" کے ساتھ اعتقاد۔ کیونکہ اگر اعتقاد ہو تو چاہے خود وہ کسی قابل نہو لیکن اسکا

(یعنی تعلیم حاصل کرنے والے کا) کام بن جاتا ہے بشرطیکہ صحیح سلسلہ ہو اگر صحیح سلسلہ نہ ہو تو نرے اعتقاد سے کچھ نہیں ہوتا صحیح سلسلہ ہونے کی صورت میں چونکہ سلسلہ دور تک متعدی ہوتا ہے اس کے واسطے سے بزرگوں کا فیض پہونچ جاتا ہے۔ ایک بار فرمایا کہ صحیح سلسلہ کا اثر ایسا ہی ہوتا ہے جیسے نسب کے صحیح سلسلہ ہونے کا

(۹۵۷) ایک ذاکر شاغل سے بعد دریافت حال فرمایا کہ تم کم قوت ہو ضرب اور جہر چھوڑ دو، وظیفہ کے طور پر پڑھا کرو اور دو چیزوں کا ہمیشہ خیال رکھو معدہ اور دماغ کا تندرستی کا مدار ان ہی دو چیزوں کی حفاظت پر ہے۔

(۹۵۸) فرمایا کہ اوروں میں تو غرض ہی غالب ہوتی ہے اور اولیاء اللہ میں غرض تو ہے لیکن مغلوب۔ حتیٰ کہ تربیت میں ثواب کی کلی نیت ہوتی ہے لیکن اسکا جو اصل محرک ہوا ہے وہ یہی ہے کہ دوسرے کو نفع ہو۔

(۹۵۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت عزرائیل علیہ السلام کے تھپڑ مارنے کا ذکر آیا فرمایا کہ سہل توجیہہ یہ ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام بشر کی شکل میں آئے تھے اسلئے پہچانا نہیں انھوں نے روح قبض کرنے کی اجازت چاہی آپ نے سمجھا یہ کوئی قاتل ہے اس لئے دھپ رسید کیا کہ اسے سنیت دوں، آنکھ کلی تو پھوٹ گئی تھی اس سے کلی معلوم ہوا کہ بشر ہی کی شکل میں آئے تھے ورنہ صورت ملکیہ میں بشر کا ایسا تصرف موثر نہیں ہوتا۔

(۹۶۰) فرمایا کہ ریاضت و مجاہدہ کی دو قسم ہیں ایک مجاہدۂ اختیاریہ دوسرا مجاہدۂ اضطراریہ۔ جب کسی پر حق تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے تو اسکو مجاہدۂ اضطرار میں مبتلا کر کے صبر دیتے ہیں جس سے رفع درجات ہوتا ہے پس ایک مجاہدہ تو یہ ہے کہ خود تقلیل لذات کو اختیار کیا اور ایک یہ کہ خود تو تقلیل لذات نہیں کیا لیکن حق تعالیٰ نے اسکو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیا مثلاً بچہ مرگیا پھر اس نے صبر کیا اس سے رفع درجات ہوا۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُم

بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ
(اور ہم تمھارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں) مجاہدۂ اضطراریہ میں بھی اجر ملتا ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہے کہ فرماتے ہیں اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رَحۡمَۃٌ (ان لوگوں پر خاص خاص رحمتیں بھی انکے پروردگار کی طرف سے ہونگی اور عام رحمت بھی ہوگی۔

(۹۶۱) فرمایا کہ جو بندہ حق تعالیٰ کی حکمت کو سمجھ گیا ہے اور اس کے حکیم ہونے کا یقین کامل ہو چکا ہے اس نے سب کاموں کو خدا پر چھوڑ دیا ہے اسی حال کا مبالغہ ہے کہ بعضے بزرگوں نے دعا بھی چھوڑ دی لیکن سنت یہ ہے کہ حال تو وہی ہو اور پھر دعا کرے، ہے بڑا مشکل دونوں کو جمع کرنا لیکن کمال یہی ہے

(۹۶۲) فرمایا کہ مغلوبیت کے ساتھ عشق واقعی سلف میں تھا ہی نہیں سلف کی حالت، استعداد اور رنگ طبیعت کا جو تھا اس کے اعتبار سے نہ ہونا ہی مصلحت تھا اور اس زمانہ میں جو رنگ ہے اس کے اعتبار سے ہونا ہی مصلحت ہے اگر نہ ہوتا تو اصلاح ہونا دشوار تھا۔

(۹۶۳) فرمایا کہ ہر امر میں تکوینی مصلحتیں بھی ضرور ہیں لیکن تکوینی مصلحت کے احتمال پر تشریع کو نہ چھوڑا جائیگا جو مصلحت ہونے والی ہوگی ہو رہیگی کیونکہ ہم تشریع کے تو مکلف ہیں اسکے چھوڑنے پر مواخذہ ہے اور تکوینی مصلحتوں کے ہم مکلف نہیں کیونکہ ہمارے اختیار میں نہیں۔

(۹۶۴) فرمایا کہ ابتدا میں بلکہ توسط تک کی حالت میں تلوین رہتی ہے استقلال تو مدتوں کے بعد ہوتا ہے کمال رسوخ نسبت کے بعد البتہ ثبات

ہوتا ہے حالت کا نہ اس حالت کا انتظار رکھنا چاہیے نہ اس تلوین سے دلگیر ہونا چاہیے
اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے۔ قدم اٹھا کر چلنا شروع کر دے پھر چاہے ایک
ہی بالشت روز چلے بُعد روز بروز کم ہی ہوتا جائے گا۔ بلکہ رستہ میں رہ جانا بھی
پہونچ ہی جانا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص طلب علم میں مرجاتا
ہے اسکا حشر علماء و شہداء ہی میں ہوتا ہے یعنی وہ ان ہی میں شمار ہوتا ہے
طلب بمنزلہ وصول ہی کے ہے کیونکہ بندہ کا کام اتنا ہی تھا۔

۹۶۵) ایک ذاکر صاحب نے عرض کیا کہ بعض اوقات قلب بالکل خالی
معلوم ہوتا ہے بہت کوشش کرتا ہوں لیکن کچھ نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ کوشش
ں مبالغہ کرنا غلطی ہے، سرسری توجہ کافی ہے ورنہ کاوش کا انجام اچھا
ہیں۔ طبیعت پر تعب ڈالنے سے پریشانی بڑھتی ہے اور کبھی مایوسی تک
بت پہونچتی ہے کیونکہ ایسے امور (یعنی کیفیات وغیرہ) اختیار میں نہیں اور
امور اختیار میں نہ ہوں انکے پیچھے پڑنے کا انجام اخیر میں تعطل ہوتا ہے کیونکہ
ر بالفرض کامیابی نہ ہوئی تو شیطان راہ مارتا ہے، اغوا کرتا ہے کہ اتنا سر مارتے
ے پھر بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا پھر کیا فائدہ بے کار محنت کرنے سے ۔
سخت می گردد جہاں بر مردمان سخت کوش (سختی پسند کرنے والے آدمیوں پر
نیا بھی سخت ہو جاتا ہے) اور یہ قلب کا خالی رہ جانا قبض کہلاتا ہے اور قبض
سط کبھی ارفع ہے اس واسطے کہ اپنی حقیقت قبض ہی میں معلوم ہوتی ہے
بسط دائم رہے تو بہت سے اخلاق رذیلہ پیدا ہو جاویں چنانچہ حق تعالیٰ نے
ق ظاہری کی بابت فرمایا ہے کہ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي
الْاَرْضِ یعنی اگر اللہ تعالیٰ رزق کو فراخ فرما دیتے اپنے بندوں کے لئے تو
شرارت کرتے ۔ یہی حال رزق باطنی کا ہے کہ اگر احوال و کیفیات دائم رہیں
ہت سی باطنی خرابیاں پیدا ہو جاویں مثلاً کبر و عجب و طغیان وغیرہ۔ پس
ں میں بھی صدہا مصلحتیں ہیں اور جو قلب خالی معلوم ہوتا ہے تو واقع میں

خالی نہیں ہوتا بلکہ بھرا ہوا ہوتا ہے لیکن جو چیز اس میں بھری ہوئی ہے وہ ایسی ہے کہ بظاہر نظر محسوس نہیں ہوتی لیکن بعض اوقات وہی ضروری ہوتی ہے چنانچہ مشک میں کبھی پانی بھرتے ہیں کبھی پھونک مارکر ہوا بھرتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے تیرتے ہیں اور اس وقت ہوا ہی کا بھرنا ضروری ہوتا ہے اس وقت اگر اس میں کوئی سوئی چبھو دے تو اسکے ڈوبنے کا مقدمہ ہے اور یہ جاننا مربیٔ حقیقی کا کام ہے کہ کس وقت ہوا بھرنا مفید پڑے گا اور کس وقت پانی بھرنا۔ بہرحال خواہ بسط ہو خواہ قبض مربی کا ہر حال میں شکر کرنا چاہئے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم خالی ہیں۔ کام کام میں لگا رہے اور حالات سے اطلاع دیتا رہے ان شاء اللہ کامیابی یقینی ہے اس راہ میں حرمان ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔

(۹۶۶) مدرسہ کے مکان کے کرایہ کی بابت ایک صاحب نے جن کے پاس حساب کتاب رہتا ہے ایک خانصاحب کے ذمہ کسی ماہ کا کرایہ نکال کر حضرت سے اطلاع کی حالانکہ کرایہ بیباق تھا حضرت نے خاں صاحب کو لکھا کہ فلاں صاحب کہتے ہیں کہ کرایہ باقی ہے۔ خاں صاحب نے حضرت کی پچھلی تحریریں بھیجکر لکھا کہ کرایہ بیباق ہے اور اگر میری غلطی ہو تو معاف فرمایا جاوے۔ حضرت نے تحویلدار صاحب سے دریافت کیا تو واقعی ان ہی کی غلطی تھی حضرت کو بہت افسوس ہوا کہ خواہ مخواہ مجھے شرمندگی ہوئی لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے تحویلدار صاحب کی روایت ہی نقل کی تھی اپنی طرف سے نہیں لکھا تھا احتیاط اسی میں ہے کہ روایت کو اپنی طرف سے نہ لکھے بلکہ روایت ہی کے طور پر لکھے۔

تحویلدار صاحب کو ہدایت فرمائی کہ بلا تحقیق بات نہ کہنا چاہئے پھر اسکے آثار دور تک پہنچتے ہیں۔ خواہ مخواہ انکو بھی پریشانی ہوئی اور مجھے بھی شرمندگی ہوئی کہنے والے کو تحقیق کرنا آسان ہے میں کہاں تک یاد رکھ سکتا ہوں۔ گذشتہ بات چاہے ذرا سی ہو اسکا یاد کرنا مجھے نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے کیونکہ میں تو اسکو اپنے ذہن میں مکمل کرکے اس سے فارغ ہو چکا۔

12560
8.11.95